

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ط

فتاویٰ مظہری

مصنفہ

شیخ الاسلام حضرت علامہ مفتی اعظم الحاج الشاہ محمد مظہر اللہ علیہ السلام
مفتی اعظم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

پر فیسر محمد سعید احمد
مرتبہ

بند پبلشنگ کمپنی بئدر روڈ
کراچی

هدیه احمدی

بنظر عزیز پیردین محمد اقبال بجاور زیندگی



ان
کفره محمد علی

20. 12. 75

فتاویٰ مظہری

جلد

اول و دوم

مصنف

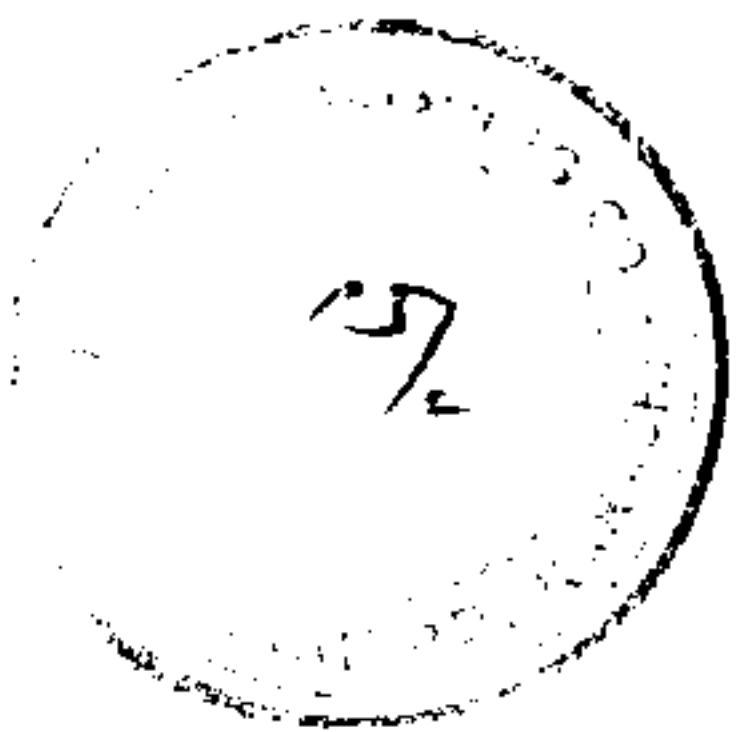


شیخ الاسلام حضرت علامہ مفتی اعظم
الحاج شہداء محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ علیہ
شاہی امام، مسجد جامع فتح پوری، دہلی



ہر شبہ


پروفیسر محمد مسعود احمد



مدینہ پبلشنگ کمپنی بند روڈ کراچی

(مغربی پاکستان)

135452

مرتب	_____	پروفیسر محمد مسعود احمد (کوئٹہ)	①
کاتب	_____	مولانا عبدالباقی (کوئٹہ)	②
طابع	_____	حکیم محمد تقی (کراچی)	③
ناشر	_____	مدینہ پبلشنگ کمپنی، بندر روڈ، کراچی	④
مطبع	_____	مشہور آگنسٹ پریس، میکلوڈ روڈ، کراچی	⑤
سنہ طباعت	_____	۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء	⑥
اشاعت	_____	اول	⑦
تعداد	_____	ایک ہزار	⑧
قیمت	_____		⑨

انتساب

زبدۃ الاولیاء، قدوة العلماء، اعلیٰ حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ
علیہ (جد امجد حضرت مفتی اعظم قدس سرہ) کے نام نامی، جن کی علمیت
وروطنیت سے مسجد جامع فہمپوری (دہلی) سرچشمہ علم و حکمت بنی،
اور طالبان شریعت و طریقت فیض یاب ہوئے۔
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب جستجو عشق حضور اضطراب

اظہارِ شکر

منعم حقیقی کا صد ہزار شکر ہے کہ اس نے ان اوراق پر لیشاں کی شیرازہ بندی کے لئے ہمت و قوت عطا فرمائی، ان عسین و مشفقین، اور محبین و مخلصین کا بھی ممنون ہوں جن کے دلی تعاون نے راقم کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

مولانا جمیل احمد نعیمی (کراچی)، مولانا عبدالعلیم چشتی (کراچی)، ڈاکٹر زوار زیدی (کراچی)، جناب مشفق خواجہ (کراچی)، جناب حکیم محمد تقی (کراچی)، جناب فضل احمد (کراچی)، حضرتہ علامہ مفتی محمد محمود (حیدرآباد)، جناب حاجی عبدالخالق (حیدرآباد)، مولانا محمد ہاشم جان مجذبی فاروقی (ٹنڈو ساہیو داد)، مولانا محمد اسحاق جان مجذبی فاروقی (میرپور خاص)، سیف الاسلام مولانا منور حسین (لاہور)، جناب محمد احمد قریشی (لاہور)، جناب منظر الدین (لاہور)، مولانا حکیم مختار احمد اشرفی (گجرات)، مولانا عبدالقدوس ہاشمی (راولپنڈی)، مفتی محمود حسن (کوئٹہ)، مولانا عبدالباقی (کوئٹہ)، ڈاکٹر محمد سعید احمد (دہلی)، مولانا محمد آصف جاہ (دہلی)، مولانا محمد کرم احمد (دہلی)، مولانا عبدالرحیم (بڈیڈ)، ڈاکٹر محمد حمید اللہ (پیرس)، اور ڈاکٹر پیٹریارڈی (لندن)۔

احقر محمد مسعود احمد

کوئٹہ

حرفِ آغاز

تقریباً تیرہ سال قبل (۱۹۵۶ء) حضرت العلامہ مفتی محمد محمود صاحب امت برکاتہم العالی (حیدرآباد) نے فتاویٰ منظرہ کی تدوین کی طرف راقم کو متوجہ فرمایا، چنانچہ جب اسی زمانے میں راقم دہلی حاضر ہوا تو اپنے برادر زادہ عزیزم مولانا حافظ قاری محمد آصف جاہ سلمہ (ابن حضرت مولانا مفتی محمد شرف احمد صاحب مدظلہ) کی توجیہ اس طرف مبذول کرائی کہ وہ حضرت علیہ الرحمہ کے فتاویٰ کی نقول محفوظ کرنے کا اہتمام کریں، فاضل موصوف نے نہایت مستعدی کے ساتھ ۱۹۵۶ء سے فتووں کی نقول جمع کرنی شروع کیں اور اس طرح حضرت علیہ الرحمہ کی وفات (نومبر ۱۹۶۶ء) تک آخری دس سالہ دور (۱۹۵۶ء تا ۱۹۶۶ء) کے بعض اہم فتوے محفوظ کر لئے گئے۔ حضرت علیہ الرحمہ کے بعض فتووں کی نقول دوسرے برادر زادہ عزیزم مولانا حافظ محمد کریم احمد سلمہ (ابن حضرت مولانا محمد احمد صاحب مدظلہ) نے بھی محفوظ کی تھیں، اس کے علاوہ تقسیم ہند سے قبل کے بعض فتووں کے مبیضات و مسوات برادرم ڈاکٹر محمد سعید احمد (دہلی) کی تحویل میں تھے۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد فروری ۱۹۶۵ء میں جب راقم دہلی حاضر ہوا تو یہ سارا علمی سرمایہ اپنے ساتھ لیتا آیا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی زمانے (تقریباً پالیس سال قبل) کے بعض فتووں کی نقول ایک کتاب میں محفوظ کی گئیں تھیں جو کتب خانہ منظرہ (دہلی) میں موجود ہے لیکن چونکہ دہلی میں راقم کا قیام بہت مختصر رہا اس لئے یہ مجموعہ تلاش نہ کیا جاسکا، انشاء اللہ تیسری جلد کی تدوین میں اس سے استفادہ کیا جائے گا۔

پر کیف متذکرہ بالا ماخذ کے علاوہ بعض دوسرے ماخذ سے بھی استفادہ کیا ہے، ان تمام ماخذ کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے ذاتی مبیضات و مسوات۔

(۲) حضرت علیہ الرحمہ کے مکاتیب گرامی۔

(۳) مختلف حضرات کے ذاتی فائل مثلاً صوفی فضل احمد (کراچی)، حاجی عبدالحق (حیدرآباد)، ڈاکٹر

محمد سعید احمد (دہلی)، مولانا محمد آصف جاہ (دہلی)، مولانا محمد کریم احمد (دہلی)، وغیرہ وغیرہ۔

(۴) نقول فتاویٰ کے متعدد مجموعے۔

(۵) مجموعہ فتاویٰ مثلاً کشف الحجاب، تحقیق الحق، قصد السبیل، انتقاد الحمال، اوراق گم گشتہ وغیرہ وغیرہ۔

(۶) رسائل اخبارات اور اسٹہارات مثلاً ماہنامہ المرشد (دہلی)، ماہنامہ آستانہ (دہلی)، ماہنامہ اذان (کراچی)، اخبار دعوت (دہلی)، اخبار غریب نواز (دہلی)، وغیرہ وغیرہ۔

ان تمام ماخذ کو جمع کر کے تدوین کے دو سے چار مرحلے میں فتووں کا بلاستیاب مطالعہ کر کے ابواب کا تعین کیا، تیسرے مرحلے میں فتوے انتخاب کر کے ہر باب کے تحت جمع کئے، چوتھے مرحلے میں ابواب کے ذیل جتنے فتوے جمع کئے تھے ان کی داخلی ترتیب کو درست کیا، اس شیرازہ بندی کے بعد پانچویں مرحلے میں تمام فتاویٰ سے صاف کرنے شروع کئے اور بفضلہ تعالیٰ سات ماہ (مئی ۱۹۶۸ء تا نومبر ۱۹۶۸ء) کی سچی مسلسل کے بعد کوئٹہ (مغربی پاکستان) میں مہینہ تیار کر لیا گیا، پھر چھٹے مرحلے میں مولانا عبدالباقی نے کتابت شروع کی اور مسلسل چھ ماہ (جنوری ۱۹۶۹ء تا جولائی ۱۹۶۹ء) کے بعد کوئٹہ ہی میں کتابت کو پایہ تکمیل تک پہنچایا، مجزاہم اللہ حسن الجزائر۔

جس طرح حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا دائرہ مکاتیب وسیع تھا اسی طرح فتاویٰ کے دائرہ بھی بہت وسیع تھا، پاک ہند میں مشرق سے لے کر مغرب تک اور جنوب سے لے کر شمال تک پھیلا ہوا تھا، لیکن مکاتیب شریف تو اہل محبت نے جان سے لگا کر رکھے (چنانچہ مکاتیب ظہری کی پہلی جلد تو پیش بھی کر دی گئی ہے)، مگر فتوے اس طرح محفوظ نہ رکھے جاسکے اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ اہل حاجت نے وقتی ضرورت کے تحت فتوے حاصل کئے اور جب ضرورت باقی نہ رہی تو ان کی حفاظت کا اہتمام نہ کیا گیا، چنانچہ ناظم جمعیت العلماء ہند (ضلع گڑگانو)، مولانا عبدلرحیم صاحب حضرت علیہ الرحمہ کے محاورے محاسن بیان کرتے ہوئے ایک مکتوب میں تحریر کرتے ہیں :-

حضرت مفتی صاحب جامع الکلمات شخص تھے، ان کا علمی تبحر اور فتویٰ نویسی میں مہارت، مسلم خوبیاں تھیں، بیشتر مسائل میں حضرت مفتی اعظم ہند مولانا کفایت اللہ صاحب حضرت مفتی مظہر اللہ صاحب کے فتاویٰ سے اتفاق فرماتے تھے، احقر راقم الحروف نے بہت سے فتاویٰ حضرت مفتی صاحب مرحوم و معذور سے حاصل کئے مگر افسوس کہ ان کے محفوظ رکھنے کا اہتمام نہ ہو سکا۔

(محررہ ۱۹۶۶ء، ازبڈیٹ)

اس اقتباس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت علیہ الرحمہ کے بیشتر فتاویٰ دست برد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکے، لیکن بعض حضرات ایسے بھی تھے جنہوں نے فتاویٰ کے کافی ذخیرہ جمع کیا تھا مگر افسوس تقسیم ہند کے بعد ان حضرات کا شیرازہ بھی بکھر گیا، جو بچ رہے ان کی طرف رجوع کیا گیا۔

نہ معلوم کتنے علمی خزانے اخلاف کی غفلت شعاری و لاپرواہی سے نابود ہو گئے، بہر محبت کے اندازہ بدل گئے، اسلاف اٹھتے جا رہے ہیں اور اخلاف ان کے ان علمی کارناموں سے انخاص نظر

کر رہے ہیں جو برسوں کی کاوش و جہاں کا ہی کا نتیجہ ہیں، قومی مزاج کی اس ابتری کو دیکھتے ہوئے پاکستان کے مشہور صحافی اور سیاست دان پیر علی محمد اشدی نے صحیح لکھا ہے :-

ہماری بدقسمتی کہ ہم ان کاموں میں اب تک باقی دنیا سے بہت پیچھے ہیں، حالات کچھ ایسے ہیں کہ ہماری ذہنیت حد سے زیادہ کاروباری بن گئی ہے، جب تک فوری مالی منفعت یا دنیوی ترقی کی امید پیش نظر نہ ہو ہم کسی علمی کام کو ہاتھ لگانے کے لئے تیار نہیں ہوتے ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ ہم ایک قوم ہیں مگر جن چیزوں کی مدد سے قومیں مستحکم ہوتی ہیں اور ان میں غنگی آتی ہے ان چیزوں کی طرف ہم توجہ دینے سے گھبراتے ہیں۔

(اخبار جنگ، کراچی، ۳ نومبر ۱۹۶۹ء، ص ۱۲، ک-۲۰۱)

مولیٰ تعالیٰ کا شکر و انعام ہے کہ اس نے راقم کو بہت قوت عنایت فرما کر ان اوراق پر لیشیاں کی شیرازہ بندی کی سعادت عطا فرمائی، توجہ نہ کی جاتی تو وہ معدوم یا مغفود ہو جاتے

میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

حضرت علیہ الرحمہ کے فتاویٰ اور بیرونِ دہلی کی عدالتوں میں بھی تسلیم کئے جاتے تھے اس لئے یقین ہے کہ بکثرت فتوے عدالتوں کے ریکارڈ میں محفوظ ہوں گے، اسی طرح تقسیم ہند سے قبل مختلف سیاسی تحریکوں کی طرف سے بہت سے فتوے لئے گئے خصوصاً مسلم لیگ کی جانب سے اس لئے قیاس یہی کہتا ہے کہ ان تحریکوں کے ریکارڈ میں بھی کافی ذخیرہ محفوظ ہوگا۔ کراچی یونیورسٹی (مغربی پاکستان) کے لائبریری کے ساتھ ہی ایک شعبہ مسلم لیگ قائم کیا گیا ہے جس میں اس تحریک سے متعلق جملہ لٹریچر جمع کیا گیا ہے جس میں فتووں کا ایک عظیم ذخیرہ ہے، راقم نے استفادہ کرنا چاہا لیکن چوں کہ سارا ذخیرہ ابھی تک منتشر حالت میں ہے اور دسترس سے بالاتر بھی اس لئے استفادہ نہ کیا جاسکا۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر ذوالنورین (جو لندن یونیورسٹی سے متعلق رہے ہیں) سے معلوم ہوا کہ ہندوستان میں تحریک آزادی سے متعلق جملہ ریکارڈ انڈیا آفس لائبریری، لندن میں محفوظ کیا گیا ہے جس میں بکثرت مطبوعہ اور غیر مطبوعہ فتاویٰ بھی ہیں، عین ممکن ہے کہ اس ذخیرے میں بھی حضرت علیہ الرحمہ کے فتاویٰ ہوں، راقم نے اس سلسلے میں لندن یونیورسٹی کے فاضل ڈاکٹر ہیٹھ ہارڈی کو لکھا ہے وہ جستجو کر رہے ہیں، ان ذرائع سے اگر فتاویٰ دستیاب ہوئے تو انشاء اللہ تیسری جلد میں شامل کر لئے جائیں گے۔

اس وقت تازین کرام کے سامنے جو مجموعہ فتاویٰ پیش کیا جا رہا ہے اس میں صرف ۳۰۱ فتوے شامل کئے گئے ہیں، بعض فتووں کے سوالات بہت طویل تھے اس لئے اجمال کی خاطر ان کو مختصر کر کے لکھا گیا اور اس کا خاص خیال رکھا کہ سوال کی اصل روح باقی رہے، لیکن اگر علماء کرام کہیں حضرت مفتی اعظم علیہ السلام کے جوابات کو سوالات کے مطابق نہ پائیں تو اس کو راقم کے تسامح پر محمول کرتے ہوئے

سوال میں اصلاح فرما کر مطلع فرمائیں۔

حضرت علیہ الرحمہ کے فتاویٰ کے اس سرمایہ کو مجموعی سرمایہ سے کوئی نسبت نہیں، حضرت علیہ الرحمہ نے تقریباً ساٹھ سال فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دئے اور روزانہ دن کا تقریباً نصف حصہ فتویٰ نویسی میں صرف ہوتا تھا اس طرح اوسطاً پانچ فتوے روزانہ تحریر فرماتے اس حساب سے ساٹھ سال کی طویل مدت میں حضرت علیہ الرحمہ نے ۱۰۹۵۰۰ (ایک لاکھ نو ہزار پانچ سو) فتوے تحریر فرمائے، اگر یہ سارا سرمایہ جمع کیا جاتا تو پیش نظر سائز کے ۵۰۰ صفحات کی ضخامت کی ۳۶۳ مجلدات مرتب ہوتیں جو تاریخ فتاویٰ میں بڑا واقع اضافہ ہوتا۔ مگر افسوس صد افسوس یہ عظیم سرمایہ ہماری غفلت شعاری سے یا تو تلف ہو گیا یا مفقود الجبر ہو گیا۔ عجب آنچہ ما کر ویم بر خود بیخ نابینا نہ کرد۔

فتاویٰ کے عام مجموعوں کے برخلاف اس مجموعے میں بعض رعایتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں، بعض مصالح کی بنا پر اس کی ترتیب بھی عام مجموعوں سے قدرے مختلف ہے، اس مجموعے کو دو جلدوں پر تقسیم کیا گیا ہے، جلد اول سات ابواب پر مشتمل ہے اور جلد ثانی چار ابواب پر، دوسری جلد میں عقائد سے متعلق چند فتووں میں ابہام محسوس ہوا اس لئے اس جلد کے شروع میں سخن ہائے گفتنی کے عنوان سے بعض ضروری توضیحات کر دی گئی ہیں، ممکن ہے کہ ایک مسلک کے بعض علماء اور ان کے متبعین اس میں تلخی محسوس کریں لیکن ہم نے نیک نیتی کے ساتھ ضرورتاً ایسا کیا، ہم ان حضرات سے خلوص دل سے معذرت خواہ ہیں۔

ان مجلدات کے تقریباً نصف فتاویٰ ۱۹۵۶ء اور ۱۹۶۶ء کے درمیان تحریر کئے گئے باقی اس سے قبل چالیس سال کے اندر اندر تحریر میں آئے، بعض فتووں کے آخر میں تاریخ و سنہ وغیرہ مذکور ہے مگر اکثر فتاویٰ اس سے محروم ہیں، لیکن جن فتاویٰ پر تاریخ و سنہ نہیں ان کے زمانے کا تعین حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے دستخطوں سے ہو جاتا ہے جن کو ہو ہو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جو دستخط عام دستخطوں سے ذرا مختلف ہیں ان کا زمانہ تقسیم ہند سے چار پانچ برس قبل سے لے کر تقریباً تیس سال کے درمیان ہے، باقی ۱۹۴۷ء اور ۱۹۶۶ء کے درمیان تحریر میں آئے۔

قارئین کرام کی سہولت کے لئے سوالات کے مضامین کی ایک جامع فہرست ابتدا میں شامل کر دی ہے، ہر باب کے نیل میں سوالات کی ترتیب کے مطابق ان کے موضوعات کو بیان کر دیا گیا ہے، سوالات کے فہرست دونوں جلدوں کے ابواب میں مسلسل مربوط ہیں، اس طرح اس مجموعہ سے مطلوبہ سوال پہنچ کر آسانی سے نکالا جاسکتا ہے فہرست میں قاری کو تلاش صفحات سے بے نیاز کر دیا ہے۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی مختصر سوانح بھی شامل کر دی گئی ہے، لیکن اس مجال سے سوانح کے بہت سے گوشے تشنہ رہ گئے ہیں، اس لئے قارئین حضرت مدرس کی مفصل و بسوط سوانح کا مطالعہ ضروری ہے۔

مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۶۹ء، مطالعہ فرمائیں۔

مقدمے میں فتوے کی لغوی تحقیق، تاریخ فتاویٰ اور آدابِ مفتی وغیرہ پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے اس سلسلے میں راقم ڈاکٹر محمد حمید الدین پیرس، کامنوں ہے کہ انہوں نے باوجود کثرتِ مشاغل راقم کی درخواست پر فرانس سے بعض باتیں تحریر فرما کر بھیجیں جو شکریہ کے ساتھ مقدمہ میں شامل کر لی گئیں، کہیں من و عن عبارت نقل کر دی گئی ہے اور کہیں اس کا مفہوم بیان کر دیا گیا ہے، دونوں صورتوں میں داوین سے نمایاں کر دیا گیا ہے۔

افتاحیہ کے تیسرے اور چوتھے حصے (خصائص الفتاویٰ اور آدابِ مفتی) میں جن آدابِ اصول اور خصوصیات کا ذکر کیا گیا ہے ان کی روشنی میں فتاویٰ مظہری پر سیر حاصل بحث کی ضرورت تھی لیکن سرکاری مطبوعات نے اس تفصیل کی مہلت نہ دی، مزید برآں اس خیال سے بھی اس بحث کو ترک کر دیا گیا کہ فتاویٰ قارئین کرام کے سامنے ہے، مقدمہ کے آئینے میں وہ خود بہر طور پر پرکھ سکیں گے، تاہم بعض مقامات پر فتاویٰ مظہری کے اقتباسات پیش کر کے حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی صفات حمیدہ کو اجاگر کیا گیا ہے، جس سے بحیثیت مفتی آپ کی حقیقی عظمت اور بے داغ کردار کا پتا چلتا ہے۔

آخر میں "ماخذ و مراجع" کے عنوان سے تقریباً دو سو (۲۰۰) کتابوں کی جامع فہرست شامل کر دی ہے جن سے حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے استفادہ فرمایا۔ فتاویٰ نقل کرتے وقت راقم نے تمام حوالے علیحدہ مرتب کر لیے تھے، لیکن چونکہ حضرت علیہ الرحمہ نے نہایت ہی اجمال سے کام لیتے ہوئے مصنف یا تصنیف کا اشارہ ذکر فرمایا ہے اس لئے ماخذ و مراجع کی جامع فہرست مرتب کرنا مشکل ہو گیا بہر کیف ان اجمالی اشاروں سے مصنفین اور ان کی تصانیف کے متعلق تفصیلات بہتیا کی گئیں، یہ اہم کام جو بجائے خود ریسرچ سے کم نہ تھا محترم مولانا عبدالقدوس ہاشمی (ادارہ تحقیقات اسلامیہ، راولپنڈی) نے انجام دیا، بعض حوالوں کے متعلق تفصیلات مکرمی مولانا عبدالعلیم چشتی (شعبہ عربی، کراچی یونیورسٹی لائبریری) نے بھی فراہم کیں، فجزاہما اللہ اسن الجزاء۔ اگرچہ جدید اصول تحقیق کے مطابق مفصل کتابیات کی ضرورت تھی یعنی سنہ اور مقام طباعت وغیرہ دینا بھی ضروری تھا لیکن چونکہ یہ معلوم کرنا مشکل تھا کہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے کونسی اشاعت سے استفادہ کیا ہے اس لئے یہ اہتمام نہ کیا جاسکا، تاہم ایک اور چیز کا اہتمام کیا گیا ہے جو عام طور پر کتابیات میں نہیں ملتی اور جو فنی اور تاریخی حیثیت سے زیادہ اہم ہے، بیشتر مولفین و مصنفین کے سنیں وفات دے دئے گئے ہیں، اس سے تصنیف و تالیف کے عہد کا بخوبی اندازہ ہو جائیگا۔

"ماخذ و مراجع" کے بعد راقم نے ————— ان کتابوں کی فہرست بھی شامل کر دی ہے جن سے مقدمہ یا تعلیقات و حاشی میں استفادہ کیا گیا۔

حکیم محمد تقی صاحب ہلوی (مالک مشہور آفسٹ پریس، کراچی) جو اس سے قبل سلسلہ مظہریہ کی چار

کتابیں چھپوا چکے ہیں یعنی منظر الاخلاق، ارکان دین، تذکرہ منظر مسعود، اور شکاریب منظری، اب یہ پانچویں کتاب
 قادی منظری نہایت اہتمام کے ساتھ چھپوا رہے ہیں، مولیٰ تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا فرمائے کہ انہوں نے
 ایک جلیل القدر عالم دین اور ولی کمال کے تعارف اور ان کی تعلیمات کی اشاعت سے خدمت دین کا حق ادا کیا۔

اتر محمد مسعود احمد
 کوئٹہ (مغربی پاکستان)

۱۸ صفر ۱۳۸۹ھ
 ۴ مئی ۱۹۶۹ء



مشمولات

فتاویٰ منظری

جلد اول

- ۲۷ **حیات منظری** ————— پروفیسر محمد مسعود احمد
- ابتدائی حالات ۱، تعلیم و تعلم ۲، بیعت و ارشاد ۳، امامت و خطابت ۴،
 فقہیت و علمیت ۵، عشق و محبت ۶، شریعت و طریقت ۷، زیارت
 حرمین شریفین ۸، پاکستان میں تشریف آوری ۸، عزیمت و ہمت ۹،
 وصال حق ۱۰، تاریخ وفات ۱۰، مناقب ۱۰، اولاد امجاد ۱۱، خلفاء
 و سفراء ۱۲، تصانیف و تراجم ۱۳، خراج عقیدت ۱۴۔

- ۲۵ **افتتاحیہ** ————— ڈاکٹر محمد حمید اللہ (پیرس)
- پروفیسر محمد مسعود احمد

- ۲۷ **تحقیق الفتویٰ** (ا)
- آفتاء، استفتاء، فتویٰ اور مفتی کی لغوی تحقیق ۱، آیات قرآنی سے استناد ۲۔

- ۲۸ **تاریخ الفتاویٰ** (ب)
- عہد نبوی اور فتاویٰ سے ۱، ادوار فقہ ۲، مفتیان خلافت راشدہ ۳، کتب
 فتاویٰ سے اور عہد صحابہ تابعین ۴، تیسری صدی ہجری سے گیارہویں صدی
 ہجری تک کے بعض عربی و فارسی کتب فتاویٰ سے پرکار اثرانہ نظر ۵، پاک ہند میں
 فتویٰ نویسی کا آغاز ۶، پاک ہند میں کتب فتاویٰ ۷، اردو میں کتب فتاویٰ
 کے سرمایہ کا اجمالی جائزہ ۸، پاک ہند کے بعض مفتی ۹۔

- ۴۰ **خصائص الفتاویٰ** (ج)
- اسلامی قانون کی پہلی ۱، اسلامی قانون اور مسلم رعایا ۱، اسلامی قانون سے
 مسلمانوں کا ربط خاطر ۱، فتاویٰ کی ادبی اہمیت ۲، فنی اہمیت ۳،
 لسانی اہمیت ۴، ترویجی اہمیت ۵، نفسیاتی اہمیت ۶، تاریخی و قومی اہمیت
 ۷، سوانحی اہمیت ۸، نظریاتی و طبقاتی اہمیت ۹، سیاسی اہمیت ۱۰۔

اقتصادی و معاشی اہمیت ۰۱۱۔

۶۵

آداب المفتی

(۱۵)

مفتی کی حیثیت، اس کے خصائص، اس کی ذمہ داریاں اور فن قوی نویسی کی ماہریت
۱، مفتی کے فنی آداب ۲، معاشرے کے صحت مندار تقا میں مفتی کا کردار ۳،
مفتی کی شخصی صفات — شارع اسلام سے محبت و عشق ۴، دیانت
و صیانت ۵، یکے ٹگی و آزادی ۶، اخلاص عمل ۷، حق گوئی و حق شناسی، رجوعیت
۹، حضرت مفتی اعظمؒ کی رجوعیت پسندی ۱۰، صداقت شعاری ۱۱، اظہار صداقت
۱۲، اظہار صداقت کے مذہب طریقے ۱۳، حضرت مفتی اعظمؒ اور اظہار صداقت
۱۴، حمیت و وقار ۱۵، عملیت ۱۶۔

۸۳

د، عبادات

باب

قبلہ (۱) سمت قبلہ۔ اوقات (۲) اذان عشاء کا صحیح وقت (۳) عصر عشاء
کا صحیح وقت (۴) نخوی کبیری یا نصف النہار شرعی — اذان (۵)
اذان خطبہ کا صحیح وقت (۶) اذان جمعہ کا مقام (۷) وقت سحر ختم ہونے کے
فوراً ہی بعد اذان اور نماز فجر (۸) اذان خطبہ کے بعد دعا — اقامت
(۹) لفظ "قد قامت المصلیٰ" پر امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا —
امامت (۱۰) فاسق اور غیر مقلد امام کا حکم (۱۱) علماء کی تکفیر کرنے والے
امام کا حکم (۱۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر سمجھنے والے امام کا
حکم (۱۳) نفاذ کی جگہ تظاہر کرنے والے امام کا حکم (۱۴) امام کا سورۃ
فاتحہ کے بعد صرف ایک چھوٹی آیت پڑھنا (۱۵) امام کا امامہ نہ باندھنا
(۱۶) امام کا امامہ کو بدعت کہنا (۱۷) امام کا نماز ظہر سے قبل چار رکعت
سنت پڑھے بغیر نماز پڑھانا (۱۸) دست بریدہ امام کا حکم (۱۹) بدکار
امام کا حکم (۲۰) بدنام امام کا حکم (۲۱) خونی بوا سیر کے مریض امام کا حکم
(۲۲) نابالغ امام کا حکم — قرأت (۲۳) نماز عشاء اور نماز فجر
میں طول قرأت (۲۴) فاتحہ خلف الامام (۲۵) تنہا مقتدیوں کا فاتحہ
پڑھنا (۲۶) تراویح میں حنا کا سورۃ اخلاص کو تین بار تسمیہ کے ساتھ
پڑھنا — مقتدی (۲۷) مقتدی کا قعدہ اولیٰ میں شریک ہونا اور

التحیات ناتمام رہ جانا (۲۸) مقتدی کا چوتھی رکعت میں قعدۂ اخیرہ نہ کرنا (۲۹) جماعت کے وقت سنتیں پڑھنا (۳۰) نماز جمعوں کی جگہ لایر جمعوں پڑھنا، (۳۱) سلام پھیرنے میں مقتدی کا امام پر بیعت لیجانا (۳۲) مقتدی اور سجدہ سہو (۳۳) مقتدی کا امام کے ساتھ سجدہ سہو نہ کرنا، لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھنا ولے امام کی اقتداء کا حکم — نماز (۳۴) صحن مسجد میں جماعت ثانی کرنا (۳۵) مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا (۳۶) مسجد کی چھت پر نماز جمعہ وغیرہ پڑھنا (۳۷) نماز اور متعلقات نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کرنا (۳۸) لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ نماز پڑھانا (۳۹) گاؤں میں نماز جمعہ عیدین کا حکم (۴۰) قبر کے سرمانے نماز پڑھنے کا حکم (۴۱) شہر کی چھوٹی مسجد میں بغیر خطبہ نماز جمعہ کا حکم (۴۲) ایک ہی روز دو بار وتر پڑھانا (۴۳) شبیہ کا حکم (۴۴) میت کی تدفین سے قبل دو نمازیں اور تدفین کے بعد ایک نماز پڑھنا۔

رویت (۴۵-۱) ریڈیو وغیرہ آلات جدیدہ سے رویت ہلال کے اعلان کا حکم (۴۵-ب) رویت ہلال کے بارے میں جمعیتہ العلماء ہند کے فیصلے کا جو آ (۴۶) امام کارڈیو کے ذریعہ ثبوت رویت تسلیم نہ کرنا (۴۷) آل انڈیا ریڈیو سے اعلان رویت قابل اعتبار نہیں — روزہ (۴۸) حالت سفر میں روزہ رکھنے کا حکم (۴۹) ۲۷ رجب کے روزے کا حکم (۵۰) غیر مسلم کے مال سے سحر و انظار کرنے کا حکم — حج (۵۱) زرمبادلہ کی کمی کی وجہ سے حکومت اسلامیہ کا مازین حج کوچ سے باز رکھنا (۵۲) طائف کے حج پر جانے کی صورت (۵۳) ضعیف العمر خاتون کا حج بدل کرانے کا حکم — قربانی (۵۴) جس شخص کا عقیدہ نہ ہو اس پر قربانی کا حکم (۵۵) ایک شہر کے باشندے کی طرف سے دوسرے شہر کے باشندوں کا قربانی کرنے کا حکم (۵۶) مدرسہ اسلامیہ میں زکوٰۃ اور کھالوں کی رقم دینے کا حکم (۵۷) قربانی کی کھالوں کا امام یا مؤذن وغیرہ کو دینا (۵۸) قربانی کی کھالوں کے اصل مستحقین، قربانی کی کھالوں کی رقم نام نہاد انجمنوں کو دینے کا حکم (۵۹) خود بکرا نصی کر کے اس کی قربانی کرنے کا حکم (۶۰)

قربانی کے جانور خریدنے کا طریقہ (۶۱) پوری کا بکرا خرید کر قربانی کرنے کا حکم — زکوٰۃ (۶۲) ادھار رقم پر زکوٰۃ کا حکم (۶۳) بطور وظیفہ زکوٰۃ دینے کا حکم (۶۴) ماہ بہ ماہ زکوٰۃ دینا اور وقت سے پہلے زکوٰۃ کمال کر وقت پر محسوب کرنے کا حکم (۶۵) مال ہیہ اور مال زکوٰۃ کے مجموعی منافع کو غرباء وغیرہ کو دے کر زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم — صدقات (۶۶) دولت مند عربی کو صدقہ دینا (۶۷) نجی بیت المالوں میں اموال زکوٰۃ دینے کا حکم — قسم (۶۸) کفارہ قسم -

معاملات (بین الزوجین)

باب ۳

۱۶۵

(۶۹) تزوج شمس و قمر — نکاح (۷۰) زوجین کا ہم کفو ہونا (۷۱) رضاعی بہن سے نکاح کا حکم (۷۲) مفرد غیر شادی شدہ عورت کا غیر مرد کے ساتھ نکاح کرنا (۷۳) آپس کی رشتہ دار یوں میں باہمی مناقشات کا حل (۷۴) خاوند کے اپاہج ہونے کی صورت میں عورت کا نکاح ثانی کرنا (۷۵) سوتیلے دادا کی بیوہ سے نکاح کا حکم (۷۶) صغیر سنی میں لڑکی اور لڑکے کے والدین کا نکاح کر دینا اور بلوغ کے بعد ان کا فسخ نکاح چاہنا (۷۷) نامرد خاوند کا حکم (۷۸) دو بہنوں کی اولاد میں نکاح کی صورت (۷۹) جبراً نکاح کا حکم (۸۰) مطلقہ عورت کا دس بیس روز بعد نکاح ثانی کر لینا (۸۱) سنی عورت کا شیعہ مرد کے ساتھ نکاح کا حکم (۸۲) شیعہ عورت اور سکھ مرد کے مابین شادی میں شرکت کا حکم (۸۳) مسلمان زانی اور زانیہ کے نکاح کا حکم (۸۴) ماں اور بھائیوں کی موجودگی میں لڑکیوں کی ولایت کا حکم (۸۵) مطلقہ عورت کے نکاح ثانی کرنے کا حکم (۸۶) شادی شدہ عورت سے نکاح کا حکم (۸۷) مفقود النحر خاوند کی بیوی کے نکاح ثانی کا حکم (۸۸) لڑکی کا اپنی رضا سے والدین کی رضا و خوشنودی کے خلاف شادی کرنا (۸۹) نکاح کے لئے عمر کی قید کا حکم (۹۰) مطلقہ عورت کے نکاح ثانی کا حکم (۹۱) دیوانے مرد کی عورت کے نکاح ثانی کا حکم (۹۲) خلوت صحیحہ کے بغیر طلاق دینے کی صورت میں عدت مہر کا حکم (۹۳) فسخ نکاح کے بعد نکاح ثانی کرنے کا حکم (۹۴) نانی کے بھائی کی لڑکی سے نکاح کا

حکم — طلاق و عدت (۹۵) زید کے اقوال کفریہ پر فسخ نکاح
 کا حکم (۹۶) زید کا اپنے لڑکے کو اپنا تسلیم نہ کرنا — حالت حمل میں
 طلاق کا حکم (۹۷) پاکستان ہجرت کرنے والے خاوند کی ہندوستانی
 بیوی کے نکاح ثانی کا حکم (۹۸) طلاقِ رجعی اور طلاقِ مغلظہ کا حکم (۹۹)
 بیوی کو بہن کہنے کا حکم (۱۰۰) صیغہ مضارع کی صوت میں طلاق کا حکم
 (۱۰۱) طلاقِ مغلظہ کا حکم (۱۰۲) اقرار نامہ کی رو سے طلاق کا حکم (۱۰۳)
 باپ کا بہو کے ساتھ بوس و کنار کرنا (۱۰۴) صوتِ مذکورہ میں بیٹے پر بیوی
 کا حرام ہونا (۱۰۵) باپ کا بہو کے ساتھ زنا کرنا (۱۰۶) بیوی کو ماں
 کہنے اور بہن کہنے کا حکم (۱۰۷) حالت حمل میں طلاق کا حکم (۱۰۸) طلاق
 مغلظہ کا حکم (۱۰۹) طلاقِ بائن کی ایک صوت (۱۱۰) طلاقِ مغلظہ کی
 ایک صوت (۱۱۱) طلاقِ بائن کی ایک صوت (۱۱۲) طلاقِ بائن اور
 طلاقِ مغلظہ کی ایک صوت (۱۱۳) عدت میں نکاح کرنا (۱۱۴) عدت میں
 تلاشِ معاش کا حکم (۱۱۵) بالغہ و نابالغہ لڑکیوں کی عدت کا حکم (۱۱۶) طلاق
 مغلظہ کے آٹھ ماہ بعد بلا حلالہ اسی مرد سے نکاح کرنا (۱۱۷) طلاقِ بائن
 کی ایک صوت (۱۱۸) نامرد خاوند کی بیوی کے لئے حکم (۱۱۹) ایام
 حمل میں طلاق کا حکم — نانِ نفقہ (۱۲۰) مقامِ عدت اور نان
 نفقہ کی ذمہ داری کا حکم (۱۲۱) حقوقِ زوجیت ادا کرنے والے مرد کا
 حکم (۱۲۲) طلاقِ مغلظہ کا حکم (۱۲۳) شادی شدہ عورت کے ہاں حملِ حرام
 کی صورت میں اس کے نانِ نفقہ کی ذمہ داری کا حکم (۱۲۴) طلاق کے بعد
 بچوں کے نانِ نفقہ کی ذمہ داری کا حکم (۱۲۵) غیر محرموں کے ساتھ آنا
 پھرنے والی عورت کے نانِ نفقہ کا حکم (۱۲۶) منگنی توڑنے کے بعد
 جانبین کو ایک دوسرے کے سامان وغیرہ واپس کرنے کا حکم — مہر
 (۱۲۷) طلاق کے بعد لڑکی والوں کی طرف سے لڑکے کو دی ہوئی
 اشیاء کی واپسی کا حکم (۱۲۸) عندالطلب مہر کا حکم (۱۲۹) مہر کے عوض
 جائیداد نام کرنے کا حکم (۱۳۰) میکے میں بیٹھ کر عورت کا مطالبہ مہر کرنا
 (۱۳۱) بیٹے کے لئے مفروضہ ماں کے مہر طلب کرنے کا حکم (۱۳۲) ترکہ
 سے ادائیگی مہر کا حکم (۱۳۳) اسقاطِ حمل کا حکم ۔

وراثت (۱۳۴) متوفی کے والدین، بیٹے اور بیوی کے مابین تقسیم ترکہ (۱۳۵) تین لڑکے، تین لڑکیاں، حقیقی بھائی اور ماں کے مابین تقسیم ترکہ (۱۳۶) فرزند متبقی کا حکم (۱۳۷) ترکہ سے قرض کی ادائیگی کا حکم (۱۳۸) تین لڑکوں اور دو حقیقی بھائیوں میں تقسیم ترکہ (۱۳۹) ایک بیوی، ایک بھتیجی، تین بھانجے اور چار بھانجیوں کے درمیان تقسیم ترکہ (۱۴۰) ورثاء میں لڑکی، اس کی اولاد، والدہ اور بیوی ہوں تو تقسیم ترکہ کے لئے وصیت کی صورت (۱۴۱) تین چچا زاد بھائیوں، چار چچا زاد بہنوں اور دو خالہ زاد بھائیوں کے درمیان تقسیم ترکہ (۱۴۲) متوفی کی دوسری اولاد کی موجودگی میں اس کے بیٹے کی اولاد کو حصہ دینے کا حکم جو متوفی کے سامنے فوت ہو چکا تھا (۱۴۳) خاوند، باپ، چار حقیقی بھائیوں، دادا اور دادی کے درمیان تقسیم ترکہ (۱۴۴) زید کی حیات میں تقسیم ترکہ کے بعد اس کے بیٹے کے مرنے کی صورت میں اس کے ترکہ کی تقسیم کا حکم (۱۴۵) خاوند، دو لڑکیاں، ایک لڑکا اور والدین میں تقسیم ترکہ (۱۴۶) دو لڑکے بھائیوں کے یکے بعد دیگرے مرنے کی صورت میں ان کے ورثاء کے درمیان تقسیم ترکہ (۱۴۷) بیوی، لڑکی، بھائی، اور تین بھتیجیوں میں تقسیم ترکہ (۱۴۸) زوجہ اول، اس کی دو لڑکیاں اور زوجہ ثانی اور ایک بھائی کے مابین تقسیم ترکہ (۱۴۹) بھتیجی کا ترکہ میں حصہ (۱۵۰) متوفی کے ورثاء میں بیوی، دو لڑکے اور دو لڑکیوں کے یکے بعد دیگرے فوت ہونے کی صورت میں ان کے ورثاء پر تقسیم ترکہ وغیرہ کا حکم (۱۵۱) باپ کی وراثت پر دو بھائیوں کے مشترکہ قبضے کی صورت میں ان کے انتقال کے بعد ان کے ورثاء پر تقسیم ترکہ (۱۵۲) بیوی، دو بیٹیوں اور ایک بیٹی وغیرہ پر تقسیم ترکہ (۱۵۳) متوفی کے تین بیٹے اور ایک بیٹی اور پھر ان بیٹیوں کے فوت ہو جانے کی صورت میں ان کی اولاد پر تقسیم ترکہ (۱۵۴) معنی محمد کفایت اللہ کے ورثاء — بیوی، تین بیٹے، دو بیٹیوں اور ان کی اولاد وغیرہ پر تقسیم ترکہ (۱۵۵) چار لڑکوں اور چار لڑکیوں کے

درمیان تقسیم ترکہ (۱۵۶)، بیوی، تین بھائی اور ایک بہن پر تقسیم ترکہ (۱۵۷)،
پانچ بیٹوں اور ان کی اولاد میں تقسیم ترکہ (۱۵۸)، تین لڑکے، ایک لڑکی
اور پھر ان کی اولاد میں تقسیم ترکہ (۱۵۹)، دو لڑکیوں، دو بیٹیوں، ایک بیٹی
اور پھر ان کی اولاد میں تقسیم ترکہ (۱۶۰)، چار لڑکوں، اور پھر ان کے ورثاء
میں تقسیم ترکہ (۱۶۱)، بیوی، تین بیٹے، چار بیٹیوں اور پھر ان کی اولاد میں
تقسیم ترکہ (۱۶۲)، درگاہ کی آمدنی میں میراث کا حکم (۱۶۳)، بعض ورثاء
کے نام متوفی کے رجسٹری شدہ مکان میں دوسرے ورثاء کے حصے کا حکم
(۱۶۴)، بیوی، ایک لڑکا اور چار لڑکیوں کے درمیان تقسیم ترکہ (۱۶۵)
تقسیم ترکہ بین الورثاء (۱۶۶)، تقسیم ترکہ بین الورثاء (۱۶۷)، ۱۔ دوبارہ
تقسیم ترکہ کا حکم ب۔ متوفی کے ترکہ سے مہر کی ادائیگی اور لڑکیوں
کے تیار شدہ جہیز کا حکم — امانات (۱۶۸)، کسٹوڈین کے
قبضے میں گئی ہوئی عمارت کا سامان مسجد وغیرہ میں لگانے کا حکم (۱۶۹)،
غیر مسلم کی امانت کا حکم (۱۷۰)، لاوارث مسلم کی امانت کا حکم (۱۷۱)، چوری
شدہ سامان پر ضمان کا حکم (۱۷۲)، چوری شدہ امانات پر ضمان کا حکم
(۱۷۳)، خرچ شدہ امانت کے واپس سینے کی صورت (۱۷۴)، زوجین کے
ورثاء کا طرفین کو دئے ہوئے سامان کا حکم — قرض (۱۷۵)،
مفروض کے ساتھ آخرت میں معاملہ — رہن (۱۷۶)، بانڈ وغیرہ کا
حکم (۱۷۷)، روپے کے عوض زمین رہن رکھنے کی صورت — ہبہ
(۱۷۸)، زمین کو ہبہ کرنے کی ایک صورت — ملازمت (۱۷۹)، نماز
جمعہ کی اجازت نہ دینے والے مالک کا رخانہ کی ملازمت کا حکم (۱۸۰)،
ترک ملازمت کے بعد آئندہ ماہ کی تنخواہ لینے کا حکم (۱۸۱)، ضربِ خلاق
رسائل کے اداروں میں ملازمت کا حکم (۱۸۲)، سالانہ ایک ماہ کی تنخواہ
زائد لینے کا حکم (۱۸۳)، لوجہ اللہ کام کرنے والے ملازم کے انتقال
کے بعد اس کے ورثاء کا پھلی تنخواہیں وراثتاً لینے کا حکم —
بیع و شراء (۱۸۴)، کیشن اور ادھار پر سودا دینے کا حکم (۱۸۵)،
دکان پر گاہک سے گھڑی دیکھتے ہوئے ٹوٹ جانے کی صورت میں اس
سے ضمان لینے کا حکم (۱۸۶)، وکیل پر ضمان کا حکم (۱۸۷)، چچا کا بیٹے

کو اشیاء کم داموں پر جبراً فروخت کرنے پر اصرار کی صورت میں جب کہ دونوں کی مشترکہ تجارت ہے بیع کا حکم (۱۸۸) بکریوں کے لین دین کی ایک صورت (۱۸۹) خریدی ہوئی زمین پر قبریں ہونے کی صورت میں اس کا حکم (۱۹۰) مشترکہ تجارت کی ایک صورت ۔

باب

اوقاف

۲۳۹

(۱۹۱) پرانی مسجد کو شہید کر کے اس کی جگہ عید گاہ بنانا (۱۹۲) مسجد اور شخصی ملکیت (۱۹۳) استبدال وقف (۱۹۴) مسجد کی جگہ دوکانیں بنانا (۱۹۵) احاطہ مسجد کی دیوار پر مکان کی دیوار اٹھانا (۱۹۶) ایک مسجد کی اشیاء کو دوسری مسجد میں لگانا (۱۹۷) ایک مسجد کی درآمدی دوسری مسجد میں لگانا (۱۹۸) مسلمانوں پر مساجد مقابر کی حفاظت کی ذمہ داری (۱۹۹) ستوں کا مسجد کے مکانوں کو تصرف میں لانا (۲۰۰) غیر آباد مساجد کو رہائش کے لئے کرایہ پر لینا (۲۰۱) کافر کا چندہ تعمیر مسجد میں لگانا (۲۰۲) طوائف کے موہوبہ مکانوں کو مسجد کے نام پر وقف کرنا (۲۰۳) طوائف کے موقوفہ مکان کی آمدنی مسجد میں لگانا (۲۰۴) دہلی سنی مجلس اوقاف کی تولیت غیر عقید رکھنے والے حضرات کو دینا (۲۰۵) وقف بورڈ کا بیج وقتہ امام پر امام عید کو مقرر کرنا (۲۰۶) خانقاہ شاہ غلام علی (دہلی) کی تولیت (۲۰۷) مسجد یا اس کی ملحقہ جائداد کو کرایہ پر دینا یا ملحقہ عمارات کو ڈھا کر اس کی زمین فروخت کرنا (۲۰۸) شاہ جہاں پور کی ایک مسجد کی تولیت (۲۰۹) جس زمین پر قبریں ہوں اس کی بیع و شراء (۲۱۰) قبرستان کی زمین کو فروخت کرنے کا حکم۔

باب

احکام

۲۴۵

135452

(۲۱۱) مٹھی بھر داڑھی کا حکم (۲۱۲) تصویر کھینے یا کھینچوانے کا حکم (۲۱۳) مکان وغیرہ میں تصاویر لگانے کا حکم (۲۱۴) خمر وغیرہ کا حکم (۲۱۵) اسپرٹ کا حکم (۲۱۶) طوائف کے مال مکسوبہ کا حکم (۲۱۷) سود کاروبار وغیرہ کو دینے کا حکم (۲۱۸) بینک وغیرہ کے سود کا حکم (۲۱۹) سود کے مصارف (۲۲۰) دوکان کے لئے ہمیدہ کا حکم (۲۲۱) سیاہ خضاب لگانے کا حکم

(۲۲۲) گیڈر لڑکی کے ساتھ جماع کرنے کی سزا (۲۲۳) بطور دوا
مینڈک کھانے کا حکم (۲۲۴) بطور دوا کھجوا کھانے کا حکم (۲۲۵)
قال کھولنے یا کھلوانے کا حکم۔

باب

سیاسیات

۲۹۹

(۲۲۶) کتاب ”خلافت یزید و معاویہ“ کے بارے میں پہلا جواب (۲۲۷)
کتاب مذکور کے بارے میں دوسرا جواب (۲۲۸) کتاب مذکور کے بارے
میں تیسرا جواب (۲۲۹) منافق کی سزا (۲۳۰) جمعیت العلماء ہند کے متعلق
حکم (۲۳۱) لفظ ”امیر المؤمنین“ کا اطلاق، بیت المال کو شخصی ملکیت
بنانا وغیرہ وغیرہ (۲۳۲) تبلیغی جماعت کا حکم (۲۳۳) ہنود سے اشیاء
خوردنی کے لین دین کا حکم (۲۳۴) دولت مند حربی کو مال دینا (۲۳۵)
غیر اسلامی سلطنت میں گائے کی قربانی کا حکم (۲۳۶) غیر اسلامی سلطنت میں
میں مسلمانوں کو اپنی حفاظت کے لئے ہتھیار رکھنے کا حکم (۲۳۷) غیر
مسلم اسلامی سلطنت میں مساجد کے سامنے باجہ وغیرہ بجانے کے خلاف
مسلمانوں کا مزاحم ہونا (۲۳۸) مسلمانوں کے لئے ہندو انہ نعرے لگانے
کا حکم (۲۳۹) ہنود کے ساتھ سیاسی اشتراک، کھڈر پہننا اور قانون نمک
تورنا۔

فتاویٰ مظہری

جلد دوم

سخن ہائے گفتنی

۲۳۷

پروفیسر محمد مسعود احمد

۳۶۵

معتقدات

باب

(۲۴۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناظر کہنے کا حکم (۲۴۱)۔ حقیقت محمدیہ،
اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر نہ کہنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر کہنے کا
حکم (۲۴۲) اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہنے والے کا حکم، ذات الہی پر شے

کا اطلاق، ذات الہی لا موجود (۲۲۳) حضور کو حاضر و ناظر ماننے کا حکم (۲۲۴) حلقہ کر کے درود شریف پڑھنے کا حکم (۲۲۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بولنے پر آواز کا حکم (۲۲۶) آیتہ "وَابْتَغُوا إِلَيْهَا الْوَسِيلَةَ" کے معنی و مفہوم (۲۲۷) مرحومین علمائے دیوبند کا حکم (۲۲۸) کفریہ عبارات کی تاویلات کرنی والوں کا حکم (۲۲۹) دیوبندی حضرات کے پیچھے نماز پڑھنے اور ان کو کافر کہنے کا حکم (۲۵۰) مرحومین علمائے دیوبند کو کافر کہنے والے کا حکم (۲۵۱) کفریہ عبارات کی تاویلات کرنے والوں کا حکم (۲۵۲) مسلمانوں کو یوں دیکھنا اور مسلمان بریلوی ہیں کون صراط مستقیم پر ہے (۲۵۳) دنیا میں جماعت حق کہاں ہے۔

۳۸۱

آداب

باب ۲

(۲۵۴) انسانوں کے لئے خاص القاب کے استعمال کا حکم (۲۵۵) بندگان کو خاص القاب سے یاد کرنا (۲۵۶) بزرگوں کے سامنے باادب دوزانو بیٹھنا (۲۵۷) قدم مبارک جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم (۲۵۸) ایانت آمیز اشعار کا حکم (۲۵۹) ایضاً (۲۶۰) نعت خوانی میں شاگردی اور استاد کے درمیان حفظ مراتب (۲۶۱) مسجد میں طلبہ کا آواز بلند پہاڑ سے پڑھنے کا حکم (۲۶۲) نماز کے وقت مسجد میں آواز بلند باتیں کرنا (۲۶۳) مسجد میں قیلولہ کرنا یا رہائش اختیار کرنا (۲۶۴) بہشتی زیور کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہنے والے کا حکم، علمائے دیوبند کی داڑھی کو برا کہنا، حضرت آدمؑ سے غلط روایت منسوب کرنا، تبلیغی جماعت کی کارگزاریاں وغیرہ (۲۶۵) سلام اور صحافحہ کا حکم۔

۳۱۱

رسوم

باب ۳

(۲۶۶) مقابر پر قبے وغیرہ تعمیر کرنے کا حکم (۲۶۷) قیام فی المولد (۲۶۸) تعیین یوم کے ساتھ فاتحہ کرنے کا حکم (۲۶۹) ۱۲ ربیع الاول کو جلوس نکالنا (۲۷۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد طلب کرنا اور "یا محمد" کہنا (۲۷۱) تخصیص یوم کے ساتھ گیارہویں کرنا (۲۷۲) سبیل اور شربت امام حسین (علیہ السلام) کا حکم (۲۷۳) اذان کے وقت آنکھوں سے چومنا۔

صبح کی نماز کے بعد صاف کرنا، ایصالِ ثواب وغیرہ (۲۷۴) ۲۳ رجب کو ایصالِ ثواب کرنا (۲۷۵)۔ بزرگوں سے جھک کر ملنا، زیارتِ قبور، عرسِ ایصالِ ثواب وغیرہ (۲۷۶) مصافحہ کے بارے میں حکم (۲۷۷) نابالغ بچے کے لئے ایصالِ بچوں سے قرآن خوانی وغیرہ کرنا (۲۷۸) مرحومین کو روز سے کا ثواب پہنچانا۔ (۲۷۹) عرسِ سماع وغیرہ کا حکم (۲۸۰) عرس اور دعائے ثانیہ وغیرہ کا حکم (۲۸۱) میت کو قبر میں لٹانے کا طریقہ (۲۸۲) قضا نمازوں کے فدیہ کا حیلہ (۲۸۳) لڑکی کی اولاد کے انتقال کی صورت میں تجہیز و تکفین وغیرہ کا سارا خرچ اس کی نھیال والوں کے ذمہ لگانا (۲۸۴) ہندو وزیر اعظم کا مسلم رعایا کے تکلیف وغیرہ لگانا (۲۸۵) گوت بچاؤ کی رسم کا حکم (۲۸۶) گوت پال کا لحاظ کرنے کی رسم۔

۲۶۳

متفرقات

باب

(۲۸۷) مرنے کے بعد انسانی روح کی کیفیت (۲۸۸) راہِ حق میں پیہر کی ضرورت (۲۸۹) خط کے ذریعہ بیعت کا حکم (۲۹۰) مرشد کے لئے شرائط (۲۹۱) جو کسی کا مرید نہ ہو اس سے مرید ہونے کا حکم (۲۹۲) تصور شیخ کا حکم (۲۹۳) جلال الدین رومی کے اشعار کی تعبیرات و تاویلات (۲۹۴) مذاق العارفین کی ایک عبارت کی تشریح و توضیح (۲۹۵) شیخ کا خوب کسب کھانا (۲۹۶) متبعی کا حکم اور بہتان کی سزا (۲۹۷) خطرات کے پیش نظر شہر چھوڑنا (۲۹۸) بارش کے پانی کا حکم (۲۹۹) مردار مویشی کی کھال کا حکم (۳۰۰) چڑیا کے پھول پھٹنے سے ناپاکی کا حکم (۳۰۱) میت کو چار پائی پر لٹانے سے چار پائی کی ناپاکی کا حکم۔

۲۸۱

(مصنف)

—————

ماخذ و مراجع

(ا)

۲۸۹

(مرتب)

—————

ماخذ و مراجع

(ب)



[The page contains extremely faint and illegible text, likely bleed-through from the reverse side of the document. The text is scattered across the page and cannot be transcribed accurately.]

حیاتِ منظری

از

پروفیسر محمد سعید احمد

۱۰۰

۱

۱۰۰

حیاتِ منظری

شمس علی قطب الکمال مضيئته بدر علی فلك العلی سیرانہ

①

حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز پاک ہند کے سربراہ آوردہ علماء و صوفیہ میں سے تھے۔ آپ دہلی کے ممتاز عالم فقہیہ حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ (م۔ ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۲ء) کے نامور پوتے اور حضرت مولانا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ (م۔ ۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء) کے فرزند ارجمند تھے۔ نسباً فاروقی اور ہندوستان کے مشہور صوفی حضرت جلال الدین تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد امجاد سے تھے، مساکا حنفی اور شریعہ نقشبندی مجزی۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۵ رجب المرجب ۱۳۰۳ھ (مطابق ۲۱ اپریل ۱۸۸۶ء) دہلی میں ہوئی۔ ۱۴ سال کی عمر میں یتیم و سیر ہو گئے تو جد امجد علیہ الرحمہ نے کفالت فرمائی، دو سال بعد وہ بھی وصال فرما گئے تو جد امجد اور عم محترم حضرت مولانا عبدالمجید رحمۃ اللہ علیہ (م۔ ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۴ء) نے اپنی کفالت میں لے لیا۔ اس طرح ابتداء ہی سے حضرت علیہ الرحمہ کی حیات طیبہ میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی جھلک نظر آنے لگی

صباغة صبغ الحب حبیبة

②

حضرت علیہ الرحمہ نے حفظ قرآن کریم کے بعد معاصرین علماء سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کی اور پھر

۱۰ حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر حضرت کے نام نامی اسم گرامی کا آئینہ دار ہے

جان در اول منظر در گاہ شد جان جاں منظر اللہ شد

۱۱ آپ کے تفصیلی حالات کے لئے مندرجہ ذیل مآخذ کا مطالعہ کیا جائے :-

(۱) المعارف (لاہور)، نومبر ۱۹۶۷ء (مقالہ راقم "شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ")

(۲) تذکرہ مظہر مسعود، حصہ اول، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۹ء (۱) امیر الدین: تفسیر ابرکیم (۱۳۰۶) ص ۱۰۲۔

۱۲ شاہ محمد مسعود: نور العرفان، قلمی، ص ۲۰۱۔ لیکن آپ کی ایک تصنیف درۃ الیتیم فی القرآن العظیم

(مؤلفہ ۱۳۸۵ھ / ۱۸۶۸ء) سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ صدیقی ہیں۔

۱۳ عقیدت، (نئی دہلی)، اگست ۱۹۶۷ء، (مقالہ مفتی اعظم، از علامہ اخلاق حسین دہلوی) حضرت علیہ الرحمہ کے

تفصیلی حالات کے لئے مطالعہ کریں :- (۱) تذکرہ مظہر مسعود، حصہ دوم، مطبوعہ کراچی (ب)، مکتبہ منظری جلد اول، مطبوعہ کراچی۔

ذاتی مطالعہ سے وہ کمال حاصل کیا کہ باید و شاید۔ فقہ، اصول فقہ، علم الفرائض اور علم المواعیت میں مہارت تامہ حاصل تھی، دیگر علوم مثلاً تجوید و قرأت، تفسیر، اصول تفسیر، عقائد و تصوف، منطق و فلسفہ، صرف و نحو، ادب و شاعری، خطاطی اور عملیات وغیرہ میں بھی بڑی دستگاہ تھی، ہر مسلک فکر کے علماء آپ کے وسعت مطالعہ اور تجربہ علمی کے دل سے معترف تھے۔

(۳)

حضرت علیہ الرحمہ تقریباً ۱۴ سال کی عمر میں مشرق پنجاب (بھارت) کے مشہور و معروف بزرگ حضرت سید امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (م - ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء) کے صاحب زادے حضرت سید صادق علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (م - ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء) سے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہوئے۔ حضرت سید صاحب علیہ الرحمہ کا مزار مبارک مکان شریف (رتھپنٹر) ضلع گورداسپور (مشرق پنجاب، بھارت) میں واقع ہے، سرحد پاکستان سے قبرہ شریف کا منظر بڑا دل فرما معلوم ہوتا ہے۔ آپ حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید تھے اور حضرت مسدوح آپ کے الد ماجد علیہ الرحمہ کے اجلہ خلفاء میں سے تھے۔

جوں کہ بیعت کے دوسرے ہی سال حضرت صادق علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا تھا اس لئے بعد میں حضرت علیہ الرحمہ کی روحانی تربیت آپ کے جدا مجد علیہ الرحمہ کے خلیفہ اور مشہور صوفی حضرت شاہ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ (م - ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء) نے فرمائی، اور موصوف ہی نے تمام سلاسل میں اجازت مرحمت فرما کر خلافت سے نوازا۔ حضرت شاہ صاحب صاحب تصنیف بزرگ تھے، آپ کی تصنیف رسالہ رکن دین تو بھائے دوام حاصل کر چکی ہے، آپ کا مزار مبارک آور (راجستھان، بھارت) میں واقع ہے۔ علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد حضرت علیہ الرحمہ نے سلسلہ بیعت ارشاد کا آغاز فرمایا اور ہمیشہ لوگ آپ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے، آپ کے مریدین و معتقدین پاک ہند میں پھیلے ہوئے ہیں، بلکہ بلاد اسلامیہ میں بھی موجود ہیں ۵

۱۵ آپ کی تفصیلی حالات کے لئے مندرجہ ذیل کتب مطالعہ کی جائیں :-

۱ - تذکرہ منہر مسعود، حصہ اول، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۹ء (مؤلفہ راقم)

ب - صوفی ابراہیم : خزینہ معرفت، ۱۹۳۱ء، ص - ۱۱۴

ج - محمد امین شرقپوری : اولیاء نقشبندیہ، مطبوعہ لاہور، ۱۹۵۳ء، ص - ۱۵۷

۱۶ آپ کے تفصیلی حالات کے لئے مندرجہ ذیل کتابیں مطالعہ کی جائیں :-

۱ - مفتی محمد محمود : مصباح السالکین فی احوال رکن الملتہ والدین، مطبوعہ دہلی، ۱۹۳۶ء

ب - محمد مسعود احمد : تذکرہ منہر مسعود، حصہ اول، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۹ء

حائرا الجمال فصلا یشهد صوت
فیها وکما روی العطاش شرابها

حضرت علیہ الرحمہ کے سفراء و خلفاء کی تعداد بھی کافی ہے اور یہ بھی پاک ہند کے مختلف شہروں میں موجود ہیں، حضرت کے دست حق پرست پر بیشمار غیر مسلم مشرف باسلام ہوئے، سیرت مبارکہ کے اسی ابجاز کو دیکھ کر جناب کو شہدتی (لاہور) آپ کی مدح میں فرماتے ہیں :-

نگاہیں فیض کا چشمہ سرخ انور ہے نورانی
برے انسان کو بھی بہتر سے بہتر کر دیا جس نے

(۴)

مسجد جامع فتحپوری (دہلی) کی امامت و خطابت کا سلسلہ شاہانِ مغلہ کے زمانے سے حضرت علیہ الرحمہ کے خاندان میں چلا آ رہا تھا چنانچہ آپ کے جد امجد علیہ الرحمہ بہادر شاہ ظفر کے عہد حکومت میں منصب امامت و خطابت پر فائز ہوئے، آپ کے اہل کمال کے بعد آپ کے دوسرے صاحبِ ادب حضرت مولانا احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ (م - ۱۲۱۱ھ) آپ کے جانشین ہوئے، اور ان کے اہل کمال کے بعد چوتھے صاحبِ ادب حضرت مولانا عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ (م - ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۶ء) جانشین ہوئے۔ جب حضرت علیہ الرحمہ جو اس ہو گئے تو یہ عہد امامت و خطابت آپ کو تفویض کر دیا گیا اور حضرت مولانا عبدالرشید صاحب گوشہ نشین ہو گئے، حضرت علیہ الرحمہ تقریباً ستر سال اس منصب پر فائز رہے، آپ کی ذات گرامی سے مسجد فتحپوری کی عظمت و شوکت دوبالا ہو گئی، اور علوم ظاہری و باطنی کا ایک ایسا مرکز بن گئی جو اپنی نظیر آپ تھی، حجاز کا ایک شاعر محمد شریف الملکی آپ کی مدح میں کہتا ہے :-

امام کامل یدعی بحق محمد مظهر اللہ الامیننا
امام المسجد المشہوقدما فتحپوری مقام الذاکریننا

۱۔ یہ مسجد ۱۰۶۶ھ / ۱۶۵۰ء میں شاہ جہاں بادشاہ کی اہلیہ فتحپوری بیگم نے تعمیر کرائی تھی جو عرصہ دراز سے علمیت و روحانیت کا مرکز ہے، تحریک آزادی ہند کے زمانے میں اس مسجد کو مرکزیت حاصل رہی ہے۔ تفصیلات کے لئے مندرجہ ذیل ماخذ مطالعہ کریں :-

۱۔ سر سید احمد خاں : آثار الصنادید، مطبوعہ دہلی، ۱۸۴۲ء، ص - ۵۶

ب۔ بشیر الدین احمد : واقعات دارالحکومت دہلی، مطبوعہ آگرہ، ۱۹۱۹ء، ص - ۶ - ۲۴۲

ج۔ منشی بلالی واس : غنچہ عشرت، مطبوعہ دہلی، ۱۸۸۶ء

د۔ میرزا حیرت دہلوی : چراغ دہلی، مطبوعہ دہلی، ۱۹۰۳ء، ص - ۲ - ۳۵۱

حضرت ضیاء القادری بدایونی نے بھی حضرت علیہ الرحمہ کی منقبت میں ————— امامت
وخطابت اور عظمت و شہرت کا اس طرح ذکر کیا ہے ۵

گو خطیب باصفا مسجد فنجوی میں ہیں
ایشیاء میں آپ کی عزت گرہ ہے بکیراں

⑤

حضرت علیہ الرحمہ فقہیہ النفس تھے، فتویٰ نویسی میں ید طولیٰ حاصل تھا، گوشہ مسجد فنجوری اہالیان پاک
وہند کا مرجع نظر و مرکز نگاہ تھا، دور دراز علاقوں سے فتوے آتے تھے، اپنے اور بیگانے سب آپ کے
تعمق نظر اور تفتہ فی الدین کے معترف تھے اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، چنانچہ اسی حقیقت
کو حضرت ضیاء القادری بدایونی اس طرح بیان فرماتے ہیں ۵

آپ کے ہیں معترف سب عالمان ارض پاک

آپ کی تقدیس کے قائل ہیں سب پیر جواں

ہم نے مقدمہ میں فتویٰ نویسی میں حضرت کی بعض خصوصیات کا ذکر کیا ہے جس سے قعات ہت میں آپ
کے رتبہ عالی کا صحیح اندازہ ہو سکے گا۔

⑥

حضرت کی ذات گرامی پر عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم محیط تھا، اسی عشق نے اتباع سنت کی معراج
پر پہنچا دیا تھا، آپ کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا، ہنسنا بولنا، غرض کوئی ادا ایسی نہ تھی جو ادائے
محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف ہو، مختلف شعراء نے آپ کی اس صفت خاص کا ذکر کیا ہے چنانچہ
حضرت زیبا ناروی فرماتے ہیں ۵

شریعت کا جو حال ہے، طریقت میں جو کالی ہے

رسول اللہ کی سچی محبت جس کی سنزل ہے

اور جناب کو شریعتی فرماتے ہیں ۵

گل شریعت کے جس میں کھلتے تھے

وہ گلستان تھے منظر اللہ شاہ

عبادات کا یہ حال تھا کہ چودہ سال کی عمر سے کبھی نماز تہجد ترک نہیں فرمائی، گویا ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء

سے ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء تک تقریباً ستر سال مواظبت کے ساتھ نماز تہجد ادا فرمائی، جب سن کی

ادائیگی کا یہ اہتمام تھا تو پھر فرائض کی پابندی کا کیا عالم ہوگا؟

ولا یقظان الا اصل الحق مع الوجہن ہم فی کل حال

حظوا بالذات الاوصاف طراً تعاضد شانہم فی ذی الجلال

اخلاقیات میں حضرت اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے منظرِ کامل تھے، دوست تو دوست دشمن بھی آپ کی عنایات و نوازشات سے محروم نہ تھے، آپ عملان کی مدد فرماتے اور ان کی زیادتیوں سے مسلسل درگزر فرماتے جناب گل زار دہلوی نے حضرت کی اسی جذبہ صلہ رحمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے ۵

اپنے تو پھر اپنے ہیں اپنوں کا ذکر کیا

غیروں کی زباں پہ بھی شہرہ بہا رہا ہے

معاملات کی کیفیت تھی کہ سب کے ساتھ مساویانہ برتاؤ فرماتے، اپنے بیگانے کی رعایت نہ فرماتے

بلکہ اولاد سے زیادہ مریدین و مجاہدین پر مہربان تھے، چنانچہ ایک مکتوب میں اپنے ایک مرید کو تحریر فرماتے

ہیں :-

تیرا حال یہ ہے کہ میں دوستوں کو اپنی اولاد ہی کی جگہ سمجھتا ہوں بلکہ خدا نخواستہ اگر اولاد میں کوئی نافرمان ہو جائے جب تو تم میرے نزدیک ایسی اولاد سے بڑھ جاؤ گے۔

(بنام ذاکر الرحمن - کراچی، مرحلہ ۱۸ مارچ ۱۹۵۶ء)

یہی مقصودِ فطرت ہے یہی رمزِ مسلمانی

اخوت کی جہاں گیری محبت کی فراوانی

کوئی محفل ایسی نہ تھی جو محبت و عشق کی جھلک سے خالی ہو، خصوصاً وہ مجالس جو ہر جمعہ کے دن مسجد فتحپوری کے جنوب مغربی گوشے میں حجرہ شریف میں منعقد ہوتی تھیں اور اس مجلس پاک کی تو عجب شان ہوتی ۱۲۹ ربیع الاول کی شب کو ہر سال مسجد فتحپوری میں منعقد ہوا کرتی تھی، محفل کیا ہوتی، عشق سراپا ہوتی۔

کلا ولا تنس الحدیث فحتم

قصص الصباۃ لم تنزل قرآن،

جمعت المبارک کی محافل میں نعت خوانی اور قرأت کے دوران عجب وقت انگیز عالم ہوتا اور جب

حضرت ارشادات گرامی سے نوازتے تھے تو ایک ایک حرف قلبِ جگر کے پار ہوتا تھا ۵

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی

دونوں کو اک ادا میں ضامنہ گئی

⑤

حضرت علیہ الرحمہ ۱۹۴۹ء تا ۱۹۶۹ء میں حج بیت اللہ شریف کے لئے تشریف لے گئے، عشق نبوی صلی اللہ علیہ

وسلم کشاں کشاں پہلے مدینہ منورہ لے گیا، دیار حبیب میں ایک ماہ قیام فرمایا، پھر مکہ معظمہ تشریف لائے یہاں

آکر استغراق و محبت کا عجیب عالم نظر آیا جو نہ کہیں دیکھا اور نہ سنا ۵

صاحب قلبی قطب شینا غیر کم

کلا ویس سوا کم مطلوب

اس سفر مبارک میں جو حضرت کے رفقاء تھے وہ بتاتے تھے کہ حضرت کے لوح دل سے اور تو اور اولاد تک کے نام جو ہو چکے تھے، چنانچہ جب حضرت نے صاحب نے ادگان کے لئے عمرہ کرایا اور معلم نے سندات کے لئے نام دریافت کئے تو حضرت چھ صاحب ادگان میں سے کسی ایک کا نام نہ بتا سکے۔

وافی المعب فرما رہا محبوبہ

بشراہ یا بشراہ ذامطلوبہ

(۸)

پاکستان میں حضرت کے بکثرت مریدین و معتقدین ہیں چنانچہ ۱۹۶۱ء اور ۱۹۸۱ء میں حضرت پہلی بار پاکستان تشریف لائے، کراچی، حیدرآباد، لاہور غرض ہر جگہ شاندار استقبال کیا گیا، اور بیٹھا لوگ مستفیض ہوئے، مجبب نے جب پاکستان میں مستقل سکونت کے لئے درخواست کی تو اپنے فرمایا:-
 ”وہی کے بکس اور غریب مسلمانوں کو فقیر کی ضرورت ہے“

شاعر مشرق نے خوب کہا ہے

خدا کے بندے ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے مارے مارے

میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

بیٹھا ہی وہ نفوس قدسیہ ہیں جو اپنی ہر آسائش و راحت کو دو سفر کے لئے قربان کر دیتے ہیں

۱۹۶۱ء اور ۱۹۸۱ء میں حضرت دوسری بار پاکستان تشریف لائے، یہ حضرت کا آخری سفر تھا چنانچہ

ایک عزیز کو الوداع کہتے وقت خود فرمایا :-

”اب انشاء اللہ جنت میں ملاقات ہوگی“

اس مرتبہ حضرت نے باوجود تقاہت و کمزوری کے مجبب و مخلصین کی دلداری میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی،

اور پاکستان کے مختلف شہروں میں تشریف لے گئے مثلاً کراچی، حیدرآباد، میرپور خاص، بھاولپور، ملتان

خانپور، ساہیوال، لاہور، شرقپور، راولپنڈی، مری وغیرہ۔۔۔ آخر وہ وقت آیا جب حضرت لاہور

کے نضائی مستقر سے دہلی تشریف لے جا رہے تھے، عجیب وقت انگیز سماں تھا، سینکڑوں عقیدت مند عقیدت

کے آنسو بہا رہے تھے، دل تھے کہ سینوں سے نکلے جا رہے تھے، حرمیں نصیبی سی حرمیں نصیبی تھی

ع وداع صحبت ساقی سے میخانہ غم خانہ ہے

(۹)

حضرت علیہ الرحمہ کی سیرت مبارکہ کا اہل جوہر عزیمت پسندی میں نظر آتا ہے، حضرت کی حیات طیبہ

ایسے جواہر سے مزین ہے، یہاں چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں :-

۱۔ نواب عثمان علی خاں مرحوم (تاجدار حیدر آباد دکن) نے دہلی کے ممتاز علماء کے نام وظیفہ جاری کرنا چاہا، اس سلسلے میں خواجہ حسن نظامی مرحوم کے ذریعہ حضرت کو بھی پیغام بھیجا اور حیدر آباد دکن آنے کی دعوت دی، حضرت علیہ الرحمہ نے جو اباً خواجہ صاحب سے فرمایا :-

فقیر کو ملاقات کی ضرورت نہیں، اگر ان کو خواہش ہے تو غریب خانے پر تشریف لے آئیں۔“

ب۔ دوسری مرتبہ دہلی کے زمانہ قیام میں نواب صاحب نے کسی علمی مشلے کے بارے میں استفسار کے لئے اپنی قیام گاہ حیدر آباد ہاؤس (نئی دہلی) میں حضرت کو بلا یا مگر اس مرتبہ بھی حضرت نے صاف جواب سے دیا :-

”ضرورت ان کو ہے انہیں کو آنا چاہیے۔“

ج۔ ۱۹۴۵ء / ۱۳۶۵ھ میں جب حج بیت اللہ شریف کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں شاہ سعود کی

طرف سے شاہی دسترخوان پر مدعو کیا گیا، مگر آپ نے فرمایا :-

”بوہنشاہ حقیقی کے دربار میں آیا ہے اس کو کسی

اور دربار میں حاضری کی ضرورت نہیں۔“

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو عجب چیز ہے لذت آشنائی

د۔ ستمبر ۱۹۴۶ء / ۱۳۶۶ھ میں دہلی کے غنیمت فسادات کے زمانے میں جب کہ ناموس مسلم کا سوائے حق

جل مجدہ کے کوئی محافظ نہ تھا، مسجد فتحپوری چاروں طرف سے دشمن کے نرغے میں تھی، مسجد میں حضرت

علیہ الرحمہ موجود تھے، اور حضرت ہی کی استقامت کو دیکھتے ہوئے چند ملازمین اور طلبہ بھی ٹہرے

ہوئے تھے مگر سہمے ہوئے تھے، فسادات کے دوران ایک ایسا وقت آیا کہ زندگی کے تمام آسے

ٹوٹ گئے، ہر شخص ہراسیمہ، موت کا منتظر تھا، لیکن اس اضطراب و بے چینی کے عالم میں جب اس مرد کمال

کو حجرہ شریف میں دیکھا تو سکون قلبی کے ساتھ اپنے علمی مشاغل میں مصروف پایا۔ معلوم ہوتا

تھا کہ فارغیوں سے بلند ہونے والی حدائے ازلی لا تحزن ان اللہ معنا دل تھامے ہوئے

ہے۔ معیت الہی کا احساس ہو تو اس کمال کا۔۔۔۔۔۔ اسی قیامت کی گھڑی میں مولانا حفظ الرحمن

مرحوم (ممبر پارلیمنٹ) آپہنچے کہ فوج کی معیت میں مسجد کے بلکس و مجبوس مسلمانوں کو محفوظ مقام

پر پہنچا دیا جائے، مگر جب اہالیان مسجد نے حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں عرض کیا تو فرمایا :-

”آپ حضرات کو اجازت ہے جہاں چاہیں جا سکتے ہیں، فقیر

کو رہیں رہنے دیں، کل قیامت کے دن اگر نبی تعالیٰ نے

فرمایا کہ ہم نے اپنا گھر تیرے سپرد کیا تھا تو اس کو کس کے
دکم و کیم پر چھوڑ کر چلا گیا تھا، تو فقیر کیا جواب دے گا؟

ع ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا۔

چنانچہ حضرت تشریف نہیں لے گئے اور مسجد فتنپوری میں رہ کر تمام شدائد و مصائب کا استقامت پامردی
کے ساتھ مقابلہ فرمایا اور مسجد پر آنچ نہ آنے دی، حتیٰ جل مجدہ کی طرف سے بھی اس وقاسٹاری اور عزیمت
پسندی کا وہ صلہ ملا کہ قیامت تک کے لئے خانہ خدا کی مہمانی کے شرف سے نوازا گیا :-

شمیجزاء الجزاء الاوفی وان الخی سبک المنتهی

(۱۰)

حضرت علیہ الرحمہ کا وصال ۱۴ شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ (مطابق ۲۸ نومبر ۱۹۶۶ء) بروز پیر شام پانچ بج کر
بیس منٹ پر دہلی میں ہوا۔ جب آل انڈیا ریڈیو سے یہ جان کاہ خبر سنائی گئی تو پاک ہند میں حضرت کے مریدین
و محبین کے حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی، اکثر مقامات پر فاتحہ خوانی کا اہتمام کیا گیا، اخبارات و رسائل نے
خراج عقیدت پیش کیا، جیسا کہ اخباری اطلاعات سے معلوم ہوا حضرت کے جلوس جنازے میں تقریباً
پچاس ہزار سو گوار شریک تھے۔ جلوس جنازہ مسجد فتنپوری سے روانہ ہوا اور جامع مسجد شاہ جہانی میں نماز
جنازہ ادا کی گئی، دہلی کے مشہور و معروف عالم اور صوفی حضرت زید ابوالحسن دامت برکاتہم نے امامت فرمائی
نماز کے بعد جلوس جنازہ دوسرے راستے سے واپس مسجد فتنپوری آیا اور یہاں اس بیکر قدسی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے
آنخوش رحمت میں لٹا دیا گیا :-

آستان پر ترے سر ہو اجل آئی ہو پھر تو اسے جان چہاں تہی تاشائی ہو
حضرت کا مزار مبارک صحن مسجد میں شمال مغربی سمت درگاہ حضرت میراں شاہ نافور رحمۃ اللہ علیہ کے وسط میں زیارتگاہ
خلائق ہے ع

فاح الشمال بعطرح و جنوبہ

حضرت علیہ الرحمہ کے سانچہ وصال پر پاک ہند کے بعض اخبارات و رسائل میں مناقب قصائد اور
قطعات تاریخ و فات شائع ہوئے تھے، مثلاً قمر سنبھلی کے دو قطعات :-

(ا)

اٹھ گیا کون بزم دنیا سے یوں جو ہر شخص غم بدوش ہے آج
دم سے روشن تھی جس کے راہ سلوک اسے قمر شمع وہ خموش ہے آج

۱۳۸۶ھ

(ب)

منظر علم و فقہیہ عصر آہ دنیا سے ہو گیا روپوش

لکھنؤ میں سال ۱۹۶۶ء ہائے شمع تصوف اب ہے خوش
 ۱۹۶۶ء (پیام مشرق، دہلی، ۱۴ دسمبر ۱۹۶۶ء)
 جناب سردار جوگندر سنگھ (اسٹنٹ ڈائریکٹر شعبہ السنہ - مشرقی پنجاب، پٹیالہ) نے حضرت کی
 شان میں یہ فارسی منقبت تحریر فرمائی ہے :-

منظہر ذات کبریا توئی	مرکز نور مصطفیٰ توئی
بر تو نازندہ ہند و پاکستان	لاجرم فخر ایشیا توئی
عقدہ معرفت کائنات یافت	کاشف راز لا الہ توئی
نقشبندی، مجددی، چشتی	برگزیدہ زاویاء توئی
زائل کہ پیغمبر است ظل خدا	ظل پیغمبر خدا توئی
سجدہ ریزانہ بردت ہر وقت	مرجع جملہ اصغیا توئی
اندریں دہر کشتی دین را	نیست خطرہ کہ تا خدا توئی
کس ندانست شان پیغمبر	واقف رمز ما طغی توئی
حافظ و مفتی و فقہیہ و خطیب	راستی، پیر رہنما توئی

جذب دوستی عنایت تم فرما

برگ کا ہم دکھرا توئی

اخبار عرب نواز (دہلی) کے مفتی اعظم نمبر (نومبر ۱۹۶۸ء) ۱۳۸۸ھ میں جناب دین شاہ عباسی امر دہوی

کی منقبت طتی ہے :-

مفتی مظہر اللہ ہیں جو دوستی کے پھول	دیتے ہیں آج بھی مہک اس رہنما کے پھول
قسمت پہ اس کی رشک ہو کس لئے مجھے	چومے ہیں جس نے آپ کی بن قبا کے پھول
اسے سرزمین فتح پوری جاگا ترا نصیب	ہیں عطر بیز تجمہ میں جو بدر الدجلی کے پھول
جو گل کھلے مدینے میں خوشبو ہے ہند میں	ہیں مرقد مظہر پہ پڑھے والضحیٰ کے پھول
روش ہی ہیں مہک بھی ہے جاری ہے فیض بھی	دیکھے ہیں تم نے ایسے کہیں پر ضیا کے پھول؟

مظہر خدا کے، مظہر شان مجددی

شان محمدی کے ہیں شان عطا کے پھول

حضرت کی مدح میں جو مناقب و قصائد وغیرہ شائع ہوئے یا قلمی صورت میں دستیاب ہو سکے وہ بالتفصیل
 تذکرہ مظہر سعود (مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۹ء) ۱۳۸۹ھ کے حصہ دوم میں مناقب کے باب میں شامل کر لئے گئے ہیں

(۱۱)

حضرت علیہ الرحمہ کے ہاں سات صاحب اد سے اور نو صاحب ادیاں تولد ہوئیں، جن میں پانچ صاحبزادے اور چھ صاحب ادیاں بقید حیات ہیں اور سب صاحب اولاد ہیں۔ صاحب ادگان میں سب سے بڑے صاحب اد حضرت مولانا مفتی حافظ قاری محمد مظفر احمد صاحب ہیں۔ آپ حکمت اور فن فتویٰ نویسی میں ید طولی رکھتے ہیں ۱۹۴۶ء سے قبل مسجد جامع فتحپوری، دہلی میں تقریباً ۲۵ سال نیابت و فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دینے آج کل کراچی میں مقیم ہیں، دوسرے صاحب اد سے حضرت مولانا الحاج حافظ قاری مفتی محمد مشرف احمد صاحب ہیں آپ بھی حکمت اور فن فتویٰ نویسی میں پوری مہارت رکھتے ہیں، مسجد فتحپوری میں نائب مفتی کی حیثیت سے ایک عرصہ خدمات انجام دیں، حضرت علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد بھی فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دے رہے ہیں، تیسرے صاحب اد سے حضرت مولانا الحاج حافظ قاری محمد احمد صاحب بھی عالم اور ڈاکٹر ہیں، فنی مصروفیات کے ساتھ ساتھ آپ نے بھی مسجد فتحپوری میں ۳۰ سال نیابت کے فرائض انجام دیئے، آخر میں جب حضرت علیہ الرحمہ بہت ہی ضعیف و نحیف ہو گئے تو امامت کے فرائض کا یہ آپ نے انجام دیئے حضرت علیہ الرحمہ کے وصال سے چند یوم قبل دہلی وقف بورڈ نے آپ کو امامت کے فرائض تفویض کر دیئے جس کی توثیق عدالت عالیہ نے بھی کر دی، چوتھے صاحب اد سے مولانا منور احمد رحمۃ اللہ علیہ اور پانچویں صاحب اد سے مولانا منظور احمد رحمۃ اللہ علیہ وصال فرما چکے ہیں اول الذکر کا مزار دہلی میں اور ثانی الذکر کا مزار سعید آباد (مغربی پاکستان) میں ہے، دونوں بڑے نیک و متقی اور جید عالم تھے۔ چھٹا صاحب اد یہ اقم الحروف ہے، آج کل گورنمنٹ ڈگری کالج کوئٹہ (مغربی پاکستان) میں بحیثیت پروفیسر و صدر شعبہ اردو کام کر رہا ہے، ساتویں صاحب اد سے ڈاکٹر محمد سعید احمد صاحب ہیں جو آج کل دہلی میں پریکٹس کر رہے ہیں۔

(۱۲)

حضرت علیہ الرحمہ کے خلفاء و سفراء پاک ہند میں پھیلے ہوئے، جن حضرات کے اسماء گرامی معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں :-

خلفاء

پاکستان

(کراچی)

(بھاولپور)

(حیدرآباد)

(۱) حضرت مولانا مفتی حافظ قاری محمد مظفر احمد صاحب

(۲) حضرت الحاج حافظ قاری سید حفیظ الرحمن صاحب

(۳) جناب مولانا ابوالخیر محمد زبیر صاحب

ہندوستان

(دہلی)

(۱) حضرت مولانا مفتی حافظ قاری الحاج محمد مشرف احمد صاحب

- (۲) حضرت مولانا عبدالکریم چٹوڑی رحمۃ اللہ علیہ (چٹوڑ)
- (۳) حضرت مولانا مفتی مقبول الرحمن صاحب سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ (سیوہارہ)
- (۴) جناب ابوالکمال ضیاء الدین احمد شمسی کاظمی طہرانی (علی گڑھ)
- (۵) جناب محمد عثمان صاحب (ٹونک)

سفراء

پاکستان

- (۱) جناب صوفی محمد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ (کراچی)، (۲) جناب صوفی بشیر الدین رحمۃ اللہ علیہ (کراچی)،
- (۳) جناب صوفی فضل احمد صاحب (کراچی)، (۴) جناب محمد یوسف صاحب (کراچی)،
- (۵) جناب حکیم محمد ذاکر صاحب (کراچی)، (۶) جناب حافظ محمد صالحین صاحب (کراچی)،
- (۷) جناب سید نواب علی صاحب (حیدرآباد)، (۸) جناب سید صفدر حسن صدیقی (لاہور)،
- (۹) جناب محمد احمد صاحب قریشی (لاہور)

ہندوستان

- (۱) جناب حکیم محمد عاقل صاحب مظہری (دھام پور)
- (۲) جناب مولانا غلام احمد مظہری (ٹونک)

۱۰ مفتی صاحب مرحوم کے ایک مرید بااخلاص سردار جو گندہ صاحب نے (جو ایک عابد زاہد نو مسلم تھے) آپ کی شان میں یہ منقبت لکھی ہے :-

خداوند اکفرم آفریدی و باز از کا فرانم بر گزیدی
 نمودی چہر منہ را گین بگا ہے بسا چوں نو عروس از من امید
 جوانی صرف شد در بند نصیان بہ پیری در بہ فریادم رسیدی
 بگردی بیعت مقبول مختتم ازالہ روز کہ جان در تن رسیدی
 مرا بہشت خود اسوار کردہ تو اسے مقبول بہ گردوں پریدی

ندا آمد کہ با مقبول آسفر

مبارک خدی پیری و مریدی

(نوٹ) پانچویں شعر میں ایک خواب کی طرف اشارہ ہے جو سردار صاحب نے دیکھا تھا کہ مفتی صاحب اپنی پیٹھ پر ان کو بٹھا کر آسمان کی طرف پرواز کر رہے ہیں۔

حضرت علیہ الرحمہ کی تصانیف میں ترجمہ و تفسیر قرآن، بعض کتابیں اور چند علمی رسائل ہیں، تلاش و جستجو کے بعد چند تصانیف کا علم ہو سکا جو یہ ہیں :-

۱۹۱۲ء / ۱۳۳۱ھ	مطبوعہ ہلالی پریس، دہلی	(۱) ارکان دین
” ”	” ”	(۲) منظر العقائد
” ”	” ”	(۳) منظر الاخلاق
۱۹۲۵ء / ۱۳۴۴ھ	مطبوعہ دہلی	(۴) کشف الحجاب عن مسئلۃ البناء والقباب
۱۹۲۷ء / ۱۳۴۶ھ	مطبوعہ دہلی	(۵) تحقیق الحق
۱۹۳۱ء / ۱۳۵۰ھ	تالیف	(۶) رسالہ در علوم توحید (علمی)
۱۹۳۱ء / ۱۳۶۱ھ	مطبوعہ دہلی	(۷) ترجمہ تفسیر قرآن

یہ رسالہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی نے دوسری بار ۱۹۶۹ء میں شائع کر دیا ہے۔

یہ رسالہ بھی مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی نے دوسری بار ۱۹۶۹ء میں شائع کر دیا ہے۔

علم توحید میں حضرت کی ایک اور عظیم الشان تصنیف ہے۔ یہ حضرت کے چھوٹے صاحب ادسے ڈاکٹر محمد سعید احمد صاحب کے پاس قلمی صورت میں محفوظ ہے۔

۱۹۶۹ء / ۱۳۸۸ھ میں محترم سید منظر الدین صاحب (لاہور) نے مطلع فرمایا کہ ان کے والد مرحوم سید محمد شفیع الدین صاحب نے ایک مترجم و محشی قرآن پاک طبع کرایا تھا جس میں ترجمہ اور تفسیر حواشی حضرت علیہ الرحمہ نے تحریر فرمائے تھے، لیکن ساتھ ہی ہدایت فرمادی تھی کہ یہ خدمت محض رضائے الہی کے لئے انجام دی ہے اس لئے اس کی تشریح نہ کی جائے، چنانچہ اس قرآن کریم میں نہ مترجم کا نام ہے اور نہ مفسر و محشی کا، حضرت کا یہ علمی کارنامہ اب تک مخفی تھا، راقم جناب منظر الدین صاحب کا ممنون ہے کہ انہوں نے اس راز کو افشا فرما کر کریم فرمایا۔ فجزاہم اللہ حسن الجزاء۔

یہ قرآن کریم (مع ترجمہ و تفسیر حواشی) سید محمد شفیع الدین مرحوم تاجر کتبے مالک اقبال پرنٹنگ ریس دہلی نے اپنے ہی پریس میں نہایت اہتمام سے ماہ رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ میں چھپوایا تھا، اس کا سائز ۷ x ۹ ہے اور کل صفحات تقریباً ۸۰۰ ہیں، ابتداء میں قرآن کریم کی سورتوں کی فہرست، فہرست مضامین قرآن، مختصر احوال قرآن، تراکیب استخارہ، مختصر ضروری مسائل، تعویذات سورت، سیرت نبوی، معجزات فرامین وغیرہ کا بیان ہے اس کے بعد متن قرآن کریم (مع ترجمہ و حواشی) شروع ہوتا ہے۔

اس میں پہلا ترجمہ حضرت شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، دوسرا ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے

۱۹۲۷ء / ۱۳۶۷ھ	مطبوعہ دہلی	(۸) خزینۃ الخیرات
۱۹۵۰ء / ۱۳۷۰ھ	” ”	(۹) افتاء المجال فی ندرت اللہ
۱۹۵۹ء / ۱۳۷۹ھ	” ”	(۱۰) قصد السبیل
۱۹۶۹ء / ۱۳۸۹ھ	مطبوعہ کراچی	(۱۱) سکتیب مظہری
۱۹۷۰ء / ۱۳۹۰ھ	” ”	(۱۲) فتاویٰ مظہری
” ”	” ”	(۱۳) مواعظ مظہری

(۱۴)

حضرت علیہ الرحمہ کے زمانے کے بعد آپ کا عرس شریف پاک بھند کے مختلف مقامات پر ہوتا ہے، مثلاً، دہلی، دھام پور، لاہور، حیدرآباد، کراچی، وغیرہ ان اعراس کے موقع پر جو قصائد و مناقب پیش کئے جاتے ہیں اور علماء کرام کی جو تقاریر ہوتی ہیں اگر ان کو قلم بند کر کے محفوظ کیا جائے تو حضرت کے محامد و خاصین پر ایک مستقل تالیف ہو سکتی ہے۔ دہلی میں حضرت کا دوسرا سالانہ عرس شریف ۱۴ شعبان ۱۳۸۵ھ (مطابق ۴ نومبر ۱۹۶۸ء) کو ہوا، اس موقع پر اخبار غریب نواز مفتی اعظم نبر شائع کیا اور اپنے خصوصی ادارہ میں حضرت کو خراج عقیدت پیش کیا، ہم حیات مظہری کے اس مختصر تذکرے کو اسی ادارے پر ختم کرتے ہیں :-

(بقیہ حواشی صفحہ ۴۰) فارسی ترجمہ سے حضرت علیہ الرحمہ نے اردو میں منتقل فرمایا ہے اور اسی کے ساتھ حواشی میں تفسیر تحریر فرمائی ہے، اس تفسیر میں ان تفاسیر سے مدد لی گئی ہے۔ تفسیر ابن عباس، تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن حاتم، تفسیر کبیر، تفسیر مدارک، تفسیر ابن کثیر، تفسیر معالم التنزیل، تفسیر حسینی، تفسیر موضع قرآن، تفسیر عزیزی، احسن التفاسیر، تفسیر حقانی وغیرہ وغیرہ۔ تفسیر کے ساتھ ساتھ آیات کا شان نزول بھی بیان کیا گیا ہے اور محکم و متشابہ، ناسخ و منسوخ، مکی و مدنی آیات کا ذکر بھی کیا گیا ہے، متن قرآن کے ساتھ ساتھ جو حواشی چل رہے ہیں ان کے علاوہ آخر میں تقریباً ۱۰۶ کئی کالمی صفحات پر بقیہ حواشی بیان کئے گئے ہیں، یہ حواشی اتنی باریک قلم سے لکھے گئے ہیں کہ بمشکل تمام پڑھے جاتے ہیں، اگر ان تمام حواشی کو متوسط قلم سے علیحدہ بڑے سائز میں لکھا جائے تو ایک ہزار صفحات سے کم نہ ہوں گے چنانچہ ان کو تفسیر مظہری کے نام سے ایک مستقل تصنیف کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمت عطا فرمائی تو یہ تفسیر ہی مرتب کر کے پیش کی جائے گی۔

(مرتب)

ترے نقش قدم تو آج بھی اہدایت میں

حضرت مفتی اعظم کی یاد میں

۴ نومبر کو دہلی میں حضرت قبلہ مفتی اعظم الحاج علامہ مفتی محمد مظہر اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا سالانہ عرس مبارک منایا جا رہا ہے، حضرت قبلہ کی ذات گرامی پر کسی قسم کا تبصرہ کرنا سورج کے مقابلے میں ایک چراغ روشن کرنے کی سی ناکام کوشش کرنا ہے، علم تصوف کے اس حقیقی شہنشاہ نے دولت و ثروت، لالچ و طمع اور شہرت و اقتدار جیسی ظاہری طاقتوں پر لات مار کر معبود حقیقی کی رضا و خوشنودی کے لئے جامعہ فقیری میں مخلوق خدا کی جس طرح رہنمائی فرمائی، بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہ راست پر لانے کے لئے بددینی اور بد عقیدگی کی لعنت کے خلاف جو ناقابل فراموش جدوجہد کی، اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ خدا کے اس شیر نے ہر اس موقع پر جب کہ مسلمانوں پر یا ان کے دین پاک پر کسی بھی قسم کا ناپاک حملہ ہوا ہو۔۔۔ اوقاف کی آرٹ میں یا مسلم پرسنل لاء کے بہانے سے یا کسی بھی پور دروازے سے۔۔۔ جب بھی اسلامی قوانین کے خلاف ورزی کرنے کے ناپاک ارادوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے بڑے بڑے ابن الوقت اور کھدر پوش ملا بھی میدان میں نکلے تو خدا کے اس شیر نے نتائج سے بے پروا ہو کر ان کو لاکھارا اور حق بات کہنے سے گریز نہیں کیا بلکہ حق کا ڈنکا پیٹنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ حضرت کی یہی ایک صفت تھی جس کی بنا پر بڑے بڑے فرعون صفت لوگوں کو بھی حضرت کے مقابلے میں ناکامی کا شرمناک منہ دیکھنا پڑا، اور یہی وجہ تھی کہ ہندو پاکستان میں جب بھی شریعت اسلام کے تحفظ اور احکام شریعت کی حرمت کو برقرار رکھنے اور اس کی تقدیس کا لوہا منوانے کا نازک مسئلہ کھڑا ہوا تو اس وقت بڑے بڑے علماء کرام و مفتیان عظام حضرت کی ظاہری و باطنی خدمات لینے پر مجبور ہوتے اور حضرت کی رائے گرامی کو ہمیشہ سے یہ امتیازی مقام حاصل رہا کہ مخالف کے بڑے بڑے رہنماؤں کو حضرت کے عظیم الشان فتاویٰ کی تصدیق کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ علم و عمل کے اس پیکر عجم نے اپنی ۸۰ سالہ مقدس زندگی میں شریعت و طریقت کے مقدس میدانوں میں جو عظیم الشان فتوحات حاصل کی ہیں وقت آنے پر وہ تاریخ کا سنہری باب بنیں گی۔ کون نہیں جانتا کہ مسجد فتحپور می کے حجرے کو اس پوریہ نشین فقیر کی بدولت ہندوستان میں اسلام و سنیت کا مرکز تصور کیا جاتا تھا اور ہر نازک موقع پر یہ حجرہ کورٹوں بندگان خدا کی نگاہوں کا مرکز بنا رہتا تھا بلکہ اگر یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ حضرت کی عملی زندگی نے کورٹوں بندگان خدا کے دلوں پر اپنی حکومت کا سکہ جہاں رکھا تھا، اس دن ان کی یاد آتے ہی آنکھیں خون کے آنسو روئے لگتی ہیں، جس دن موت نے ہم سے شریعت و طریقت کے اس آفتاب کو چھین کر

آغوش رحمت میں سلا یا تھا۔

آج جب کہ حضرت قبلہ ظاہری طور پر ہمارے درمیان نہیں ہیں، ان کی مقدس زندگی ہمارے لئے نشانِ راہ ہے، آج جب کہ ہم حضرت قبلہ کا دوسرا سالانہ عرس مبارک منا رہے ہیں ان کی بارگاہ میں سب سے بڑا نذرانہ عقیدت یہی ہو سکتا ہے کہ ہم سب ان کے نقش قدم پر چلیں اور ان کی تعلیمات کو عام کرنے کی کوشش کریں (آمین)

(پندرہ روزہ عرب نواز، دہلی، مئی ۱۹۶۹ء، ص ۲-۱)

۶ صفر ۱۳۸۹ھ

۲۳ اپریل ۱۹۶۹ء

افتقر محمد مسعود احمد
کوئٹہ (مغربی پاکستان)

اقتصادیہ



ڈاکٹر محمد جمیل رشید

و

پروفیسر محمد مسعود احمد

افتتاحیہ

تحقیق فتویٰ

①

فقہ اسلامی میں "افتاء، استفتاء، فتویٰ، اور مفتی کی اصطلاحیں بہت قدیم ہیں۔ عربی لغتوں میں اس کا مادہ ف، ت، و دیا جاتا ہے اور اسی مادے سے فتی اور فتوت کے الفاظ بھی وئے جاتے ہیں جن کے معنی نوجواں، جوان مرد اور جوان مردی کے ہوتے ہیں نیز فیاضی و شرافت کے۔" لوئیس معلوف نے "المنجد" میں "فتوة" کے معنی کرم و سخا، زیر کی اور شباب کے بھی لکھے ہیں اور اسی ذیل میں لکھا ہے :-

الفتوة = تفاقوا الى العالم : تحاكموا اليها في الفتوى

(عالم سے شرعی فیصلہ طلب کرو) (شرعی فیصلے کے لئے اس کی طرف رجوع کرو)

اور پھر اس کی یہ مختلف صورتیں تحریر کی ہیں :-

(۱) آفتی، إفتاء = فلانا في المسألة : ابان الحكم فيها و اخرج له فيها فتوى

(فتویٰ دیا، فتویٰ دینا، دلال عالم نے مسئلے میں شرعی فیصلہ دیا، مسئلے کے بارے میں حکم ظاہر کیا اور اس کیلئے شرعی فیصلہ صادر کیا)

(۲) استفق، استفتاء = العالم في مسألة : سأله ان يفتيه فيها

(فتویٰ طلب کیا، فتویٰ طلب کیا، عالم سے مسئلے کے بارے میں شرعی فیصلہ طلب کیا، عالم سے درخواست کی گئی کہ وہ اس مسئلے

کے متعلق شرعی فیصلہ صادر کرے)

(۳) الفتوى والفتوى والفتيا = اسم، من افتى العالم اذا بين الحكم

(شرعی فیصلہ) (جب عالم کوئی شرعی حکم بیان کرتا ہے تو اس وقت کہا جاتا ہے کہ عالم نے

(جمع) الفتاوى والفتاوى

(۴) المفتى = المفقيه الذي يعطى الفتوى ويجيب عما التى عليه من مسائل المتعلقة

(وہ دانا عالم کہ جب اس کے سامنے شریعت سے متعلق مسائل پیش کئے جاتے ہیں تو ان کے

جواب دیتا ہے اور شرعی فیصلہ صادر کرتا ہے)

ابن القاسم الحسين بن محمد المعروف بالراغب اصفهاني وم - ۱۹۵۸ء (۱۹۵۸ء) نے اپنی تالیف المفردات

فی غرائب القرآن میں فتویٰ اور فتیا کے ذیل میں لکھا ہے :-

لوئیس معلوف : المنجد، مطبوعہ بیروت، ۱۹۵۱ء، ص - ۹۸

مشکل حکم کا جواب - "استفتیتہ فافتانی" میں نے حکم پوچھا اس نے حکم دکھایا یا دیا۔

(۲)

یہ لفظ قرآن کریم میں متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے مثلاً مندرجہ ذیل آیات میں ان معانی میں استعمال ہوا ہے، حکم دینا، تحقیق چاہنا، خواب کی تعبیر بتانا، جواب طلب کرنا، مشورہ دینا وغیرہ وغیرہ

۱۔ ویستفتونک فی النساء قل اللہ یفتیکم فیہن الایہ
اور لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے اللہ ان کے بارے میں حکم دیتے ہیں۔

ب۔ یستفتونک، قل اللہ یفتیکم فی الکلالہ الایہ

لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ اللہ تم کو کلالہ کے باب میں حکم دیتا ہے۔

ج۔ قضی الامر الذی فیہ تستفتیان

فیصل ہوا وہ کام جس کی تحقیق تم چاہتے تھے۔

د۔ یا ایہا الملأء افتونی فی ما یای

اے دربار والو! میرے اس خواب کے بارے میں تعبیر بتاؤ۔

۴۔ یوسف ایہا الصدیق افتنا

اے یوسف، اے صدق مجسم! آپ ہم لوگوں کو اس کا جواب دیجئے۔

و۔ قالت یا ایہا الملأء افتونی فی امری

کہنے لگی اے دربار والو! مشورہ دو مجھ کو میرے کام میں۔

تاریخ الفتاوی

(۱)

تاریخ فتاویٰ کا اگر بنظر تعمق مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا آغاز مجدد نبوی سے ہو گیا تھا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، کے زمانے میں کس نے کس امر کے متعلق سب سے پہلا فتویٰ پوچھا، اس کے

۱۰	امام راجب اصغہانی : المفردات فی غرائب القرآن، (ترجمہ اردو) مطبوعہ پشاور، ۱۹۶۴ء، ص- ۳۲
۱۱	القرآن الحکیم، سورۃ نساء، آیت- ۱۲۷
۱۲	القرآن الحکیم، سورۃ نساء، آیت- ۱۷۶
۱۳	القرآن الحکیم، سورۃ یوسف، آیت- ۳۱
۱۴	القرآن الحکیم، سورۃ یوسف، آیت- ۳۳
۱۵	القرآن الحکیم، سورۃ یوسف، آیت- ۳۶
۱۶	القرآن الحکیم، سورۃ یوسف، آیت- ۳۷

متعلق تو کچھ کہنا مشکل ہے لیکن کتب سیرت میں اس کی بجزرت مثالیں ملتی ہیں، پوچھنے والوں میں مرد بھی رہے ہیں، عورتیں بھی، حضرت علی (کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) جیسے فاضل لوگ بھی ان میں نظر آتے ہیں، بیچاری کم علم، ان پڑھ، بوڑھی عورتیں بھی۔ فتویٰ طلبی کے خطوط بھی آتے (مثلاً گورنروں کے پاس سے) اور ان کے تحریری جوابات جاتے۔ اس کا بھی پتا چلتا ہے کہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک زمانے میں جب لوگ فتوے پوچھنے آتے اور آپ مصروف ہوتے تو فرماتے کہ جاؤ (حضرت ابو بکر سے پوچھو)۔

”عورتوں کو بعض زناہ مسائل کے متعلق مردوں سے کچھ پوچھتے نثرم آتی ہے، عورتیں عورتوں ہی سے بے تکلف پوچھ سکتی ہیں، چنانچہ سورۃ احزاب میں ازواج مطہرات امہات المؤمنین کے فرائض میں اس کا اس طرح ذکر آتا ہے :-

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ۗ

تہارے گھروں میں اللہ کی آیتوں اور حکمت کا جو بیان ہوتا ہے اسے بیان کیا کرو۔

اس میں مذکورہ قسم کے زناہ فتوے بھی شامل ہیں اور دیگر عام احکام کے متعلق بھی، ابن حزم نے اپنی سیرت نبویہ میں مفتی عورتوں کی جو فہرست دی ہے ان میں زیادہ تر امہات المؤمنین اور ان کی پرورد عورتیں نظر آتی ہیں، حضرت عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے متعلق حدیث مشہور ہے کہ ان سے آدھا علم سیکھ سکتے ہو، حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اپنے خلافت کے زمانے میں اہم اور پیچیدہ مسئلوں میں امہات المؤمنین سے اکثر مشورہ فرمایا کرتے تھے۔

المختصر پہلا مجموعہ فتاویٰ تو قرآن کریم ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ سے مترشح ہوتا ہے :-

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ۗ

اور یہ لوگ کیسا ہی عجیب سوال آپ کے سامنے پیش کریں مگر ہم ٹھیک جواب اور وضاحت میں بڑھا ہوا عنایت کر دیتے ہیں۔

قرآن کریم کے بعد احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم لیکن چوں کہ یہ امور فقہیہ و غیر فقہیہ، مسئلہ و غیر مسئلہ پر محتوی ہے اس لئے جزوی طور پر فتاویٰ کا ذکر ملتا ہے، بعد میں رفتہ رفتہ فتویٰ نویسی نے ایک فن کی حیثیت اختیار کر لی اور بجزرت کتب فتاویٰ منظر عام پر آئیں۔

۱۰ القرآن الحکیم، سورۃ احزاب، آیت - ۳۴

۱۱ القرآن الحکیم، سورۃ فرقان، آیت - ۳۳

(۲)

ہوں کہ فتاویٰ کے تعلق براہ راست علم فقہ سے ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مختلف ادوار کا مختصراً ذکر کر دیا جائے۔ علامہ محمد الحنفی نے اپنی تالیف تاریخ التشریح الاسلامی میں فقہ اسلامی کے یہ چھ ادوار قائم کئے ہیں :-

- (۱) فقہ بعہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم
- (۲) فقہ بعہد صحابہ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین
- (۳) فقہ بعہد صحابہ تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم
(یہ عہد پہلی صدی ہجری یا اس کے کچھ دنوں بعد ختم ہو جاتا ہے)
- (۴) وہ عہد جب فقہ نے مستقل علم کی شکل اختیار کر لی۔
(یہ دور دوسری صدی کے اوائل سے شروع ہو کر تیسری صدی کے آخر میں ختم ہو جاتا ہے)
- (۵) وہ عہد جس میں ائمہ فقہاء کے مابین مسائل فقہیہ پر بحثیں ہوئیں، اور نہایت کثرت سے فقہی مسائل پیدا ہوئے۔

- (۶) یہ دور خلافت عباسیہ کے زوال اور تاری غارت گری کے کچھ دنوں بعد ختم ہو جاتا ہے۔
(یہ دور پانچویں دور کے بعد شروع ہوا اور آج تک قائم ہے)

(۳)

متذکرہ بالا ادوار میں بجز تشریحیوں کا پتا چلتا ہے، تفصیلات کے لئے کتاب مذکور کا مطالعہ کیا جائے یہاں ہم عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے فوراً ہی بعد کے بعض مفتیوں کا ذکر کرتے ہیں تاکہ قارئین کرام کو تاریخ فتاویٰ کی اولیات کا علم ہو جائے۔

مفتیان مدینہ منورہ

- (۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (م - ۳۵۷ھ) (۲) حضرت عبداللہ بن عمر (م - ۳۷۳ھ)
- (۳) حضرت ابو ہریرہ (م - ۳۵۸ھ) (۴) حضرت سعید بن المسیب الخزومی، (م - ۳۹۴ھ)
- (۵) حضرت عروہ بن الزبیر بن العوام الاسدی (م - ۳۹۴ھ) (۶) حضرت ابو بکر بن عبد الرحمن (م - ۳۹۴ھ)
- (۷) حضرت علی بن الحسین (م - ۳۹۴ھ) (۸) حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ (م - ۳۹۸ھ)

۱۰ علامہ محمد الحنفی: تاریخ التشریح الاسلامی (ترجمہ اردو)، مطبوعہ اعظم گڑھ، ۱۹۸۸ء، ص ۱۹۶ء،

مفتیان مکہ معظمہ

- (۱) حضرت عبداللہ بن عباسؓ (م۔ ۳۶۸ھ) (۲) حضرت مجاہد بن جبیرؓ (م۔ ۳۳۳ھ)
(۳) حضرت عکرمہ ابن عباسؓ (م۔ ۳۳۵ھ) (۴) حضرت ابو الزبیر محمد بن مسلمؓ (م۔ ۳۳۸ھ)

مفتیان کوفہ

- (۱) حضرت علقمہ بن قیسؓ (م۔ ۳۶۲ھ) (۲) حضرت مسروق بن الاجلیؓ (م۔ ۳۶۳ھ)
(۳) حضرت شریح بن الحارثؓ (م۔ ۳۹۵ھ) (۴) حضرت سعید بن جبیرؓ (م۔ ۳۹۵ھ)
(۵) حضرت عامر بن شراحبیلؓ (م۔ ۳۱۲ھ)

مفتیان شام

- (۱) حضرت عبد الرحمن بن الغنم الاشعریؓ (م۔ ۳۶۸ھ) (۲) حضرت رجا بن حیوۃ الکندیؓ (م۔ ۳۱۲ھ)

مفتیان مصر

- (۱) حضرت عبداللہ بن عمر بن العاصؓ (م۔ ۳۶۵ھ) (۲) حضرت یزید بن ابی حبیبؓ (م۔ ۳۴۸ھ)

مفتیان یمن

- (۱) حضرت طاؤس بن کیسان الجندیؓ (م۔ ۳۱۶ھ) (۲) حضرت وہب بن منبہ الصنعائیؓ (م۔ ۳۱۳ھ)

(۲)

پہلی صدی ہجری کے بعد فقہاء کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کا اس مختصر مقدمہ میں سہانا مشکل ہے۔ ان علماء و فقہاء نے کتب فقہ مدون کیں اور بعض نے کتب فتاویٰ مرتب کیں۔ خالص فتاویٰ کے تحریری مواد

۱۔ جن صحابہ صغار و کبار نے بحیثیت مفتی اپنے فرائض انجام دئے ان کے تفصیلی حالات مندرجہ ذیل مانعہ میں مطالعہ کئے جائیں۔

۱۔ علامہ ابن اثیر جزیری (م۔ ۷۴۷ھ) : اسد الغابہ (ترجمہ اردو مولانا رشید الشکور) ، مطبوعہ لکھنؤ۔

۲۔ علامہ ذہبی : تجرید اسماء الصحابہ

۳۔ محمد بن سعد کاتب الواقدی : طبقات کبیر (ترجمہ اردو مولانا رشید عمادی) مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۳ء

کی تاریخ بھی مجدد صحابہ ہی سے شروع ہوتی ہے چنانچہ تاریخوں میں اکثر اس کا ذکر آتا ہے کہ ایک شخص ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) کے فتوؤں کا مجموعہ لایا، انہوں نے پڑھ کر اس کی چند چیزوں کو توبہ قرار رکھا اور باقی کو میٹ دیا اور فرمایا کہ یہ حضرت علی کی طرف قلم منسوب ہے، وہ ہرگز ایسا فتوے نہیں دے سکتے۔ یہ واقعہ حضرت علی کی وفات کے بعد ہی کا ہو سکتا ہے لیکن حضرت ابن عباس بھی ایک صحابی ہیں اس لئے اولین کتاب فتاویٰ گو یا مجدد صحابہ کی یادگار ہے۔ ابو اسیم البصری (م۔ ۳۲۶ھ) نے اپنی کتاب المعتمد فی اصول الفقہ (ج۔ ۲، ص۔ ۲۹-۳۰) میں حضرت علی ہی نہیں حضرت زید بن ثابتؓ کے فتوؤں کا بھی ذکر کیا ہے جو ظاہر کتابی صورت میں پانچویں صدی ہجری تک پائے جاتے تھے، یقیناً دیگر فقیہ صحابہ حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ نے بھی بہت سے فتوے دئے ہوں گے جو ممکن ہے کہ جمع بھی ہوئے ہوں۔ تابعین کے زمانے میں سب سے زیادہ خدمت اس علم کی قاضی کر سکتے تھے ان کے پاس ہر روز مقدمے پیش ہوتے اور وہ اپنے فیصلوں کا بکھڑا انتخاب کر سکتے۔ ایسا ایک مجموعہ امام ابو یوسفؓ کی طرف بھی منسوب ہے، ان کے شریک درس امام محمد شیبانی کی کتاب الرقیات اب نہیں ملتی جو کہتے ہیں کہ ان کے شہر رقعہ کی تصدات کے زمانے کے فیصلوں کا مجموعہ تھی۔“

اسلام کے جلیل القدر فقہیہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے بھی بعض معاصرین صحابہ کرام سے فتوے پوچھے ہیں چنانچہ تاریخوں میں ان صحابہ کے نام آتے ہیں :-

(۱) حضرت انس (م۔ ۹۳ھ) (۲) حضرت عبداللہ بن ابی (م۔ ۸۷ھ) (۳) حضرت واثلہ بن الاسفہ (م۔ ۸۵ھ) (۴) حضرت سہیل بن سعد (م۔ ۸۸ھ) (۵) حضرت عامر بن واثلہ (م۔ ۸۷ھ) وغیرہ وغیرہ۔

- ۱۰ فقہ اور فقہائے اسلام کی تاریخ کے لئے مندرجہ ذیل کتب مطالعہ کی جائیں :-
- (۱) انتظام اللہ شہابی : فقہائے اسلام، مطبوعہ کراچی، ۱۹۵۸ء
- (۲) سبحان بخش : تاریخ فقہائے اسلام، مطبوعہ ، ۱۸۵۱ء
- (۳) ظہور الحسن : تاریخ فقہ ، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۳۵۷ھ
- (۴) عبدالاول : تاریخ الفقہ ، مطبوعہ دہلی
- (۵) عبدالسلام ندوی : تاریخ فقہ اسلامی، مطبوعہ اعظم گڑھ، ۱۳۲۶ھ
- (۶) عمیم الاحسان : تاریخ علم الفقہ ، مطبوعہ دہلی، ۱۹۵۵ء

⑤

الغرض کتب فتاویٰ کی تاریخ عہد صحابہ تا بعین سے شروع ہوتی ہے۔ حاجی خلیفہ نے اپنی تالیف کشف الظنون عن اسامی الکتب الفنون میں، اسماعیل باشا البغدادی نے اپنی تالیف تہذیبۃ العارفین آثار المؤلفین والمصنفین میں اور بردکھمان نے تاریخ ادبیات عربی میں کتب فتاویٰ کا مفصل ذکر کیا ہے، موزر الذکر نے فتاویٰ نام کی ایک سؤذو کتابوں کا ذکر کیا ہے، یہاں ہم کشف الظنون سے بعض کتب فتاویٰ کا ذکر کریں گے جن کا تعلق تیسری صدی ہجری سے گیارہویں صدی ہجری تک ہے دیگر ماخذ سے بعض دوسری کتب فتاویٰ کا بھی ذکر کریں گے۔

تیسری صدی ہجری

۱) فتاویٰ ابی بکر (۲) فتاویٰ ابی القاسم

چوتھی صدی ہجری

۱) فتاویٰ ابن قطان (۲) فتاویٰ ابی اللیث (۳) فتاویٰ ابن الحداد

پانچویں صدی ہجری

۱) فتاویٰ ابن الصباغ (۲) فتاویٰ الاسیبجانی (۳) فتاویٰ خواہر زادہ (۴) فتاویٰ شمس الائمہ (۵) فتاویٰ الفضلی (۶) فتاویٰ المنجدی -

چھٹی صدی ہجری

۱) فتاویٰ ابن ابی عسرون (۲) فتاویٰ ابی افضل (۳) فتاویٰ الارغیانی (۴) فتاویٰ التمرتاشی (۵) فتاویٰ حسام الدین (۶) فتاویٰ الدیناری (۷) فتاویٰ الرشیدی (۸) فتاویٰ سراجیہ (۹) فتاویٰ ظہیریہ (۱۰) فتاویٰ قاضی خاں (۱۱) فتاویٰ الکبریٰ (۱۲) فتاویٰ نسفیہ (۱۳) فتاویٰ واسطیہ (۱۴) فتاویٰ شہاب الدین (۱۵) فتاویٰ الصغریٰ

ساتویں صدی ہجری

۱) فتاویٰ ابن ابی الام (۲) فتاویٰ ابن رزین (۳) فتاویٰ ابن الصلاح (۴) فتاویٰ ابن عبدالسلام (۵) فتاویٰ ابن مالک (۶) فتاویٰ صوفیہ (۷) فتاویٰ العربیہ (۸) فتاویٰ مہوب (۹) فتاویٰ الوالوالجی -

آٹھویں صدی ہجری

۱) فتاویٰ ابن عقیل (۲) فتاویٰ ابن فرکاخ (۳) فتاویٰ جلال الدین (۴) فتاویٰ صفیہ (۵) فتاویٰ الزرکشی (۶) فتاویٰ السبکی (۷) فتاویٰ نووی (۸) فتاویٰ طرسوی

نویں صدی ہجری

(۱) فتاویٰ ابن ابی شریف (۲)، فتاویٰ حنبلی زادہ (۳)، فتاویٰ قاسمیہ۔

دسویں صدی ہجری

(۱) فتاویٰ ابن الشلبی (۲)، فتاویٰ ابی سعود (۳)، فتاویٰ زینبہ (۴)، فتاویٰ الشبلی (۵) فتاویٰ عدلیہ۔

گیارہویں صدی ہجری

(۱) فتاویٰ رضائی (۲) فتاویٰ شیخ الاسلام (۳) مجمع الانہر وغیرہ وغیرہ
بعض دیگر کتب فتاویٰ کا بھی پتا چلتا ہے، مثلاً

(۱) جواہر الفتاویٰ (۲) فتاویٰ عبداللہ ابن عباس (۳) فتاویٰ مہدیہ (۴) فتاویٰ
نیرتہ لنفع البریۃ (۵) معنی المستفتی عن سوال المفتی (۶) عقوالدریۃ فی تنقیح فتاویٰ
الحامدیہ (تالیف ۱۲۳۸ھ) (۷) فتاویٰ ابن تیمیہ (۸) فتاویٰ برہنہ

(۶)

پاک ہند میں کتب فتاویٰ کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ اس بڑے عظیم پر مسلمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے
عہد مبارک میں پہنچ چکے تھے، اس کے بعد حجاج بن یوسف کے زمانے میں کچھ خاندان ہندوستان
کے جنوبی سواحل پر آباد ہو گئے، بعد میں تجارت کے فروغ سے یہاں عرب تاجروں کی مستقل آبادی
قائم ہو گئیں۔ اُدھر سندھ میں عربوں کی فاتحانہ پیش قدمی نے یہاں انقلاب پیدا کر دیا۔ اس علاقے
میں عربوں کا اثر و رسوخ بھاول پور و ملتان تک پھیلی ہوئی تھی صدی ہجری تک رہا۔ بہر کیف جب اس
بڑے عظیم میں آزاد سلطنتیں قائم ہوئیں تو فتوؤں کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ جگہ جگہ مدارس و مساجد
میں علمائے کرام موجود تھے جو فتوے دیا کرتے تھے، مسلمان تو مسلمان غیر مسلموں نے بھی
شریعت اسلامیہ کے بارے میں استفسارات کئے ہیں چنانچہ اسی قسم کے استفسارات کا حال

۱۲۳۰ تا ۲۱۸ - حاجی خلیفہ : کشف الظنون ، جلد دوم ، ص - ۱۲۳۰

۱۲۳۰ - مجمع الانہر فی شرح ملتقى البحر، عبدالرحمن بن شیخ محمد بن سلیمان المدنی و شیخ زادہ کی تالیف ہے۔ بلدہ
آدرنہ دروم میں ۱۹ جمادی الآخر ۱۲۳۰ھ میں مکمل ہوئی، اور ۱۲۶۶ھ میں ترکی میں شائع ہوئی، پاک ہند میں کتب
فتاویٰ کی مستند کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔

۱۲۶۶ - شیخ نصیر الدین مینائی کی تالیف ہے، اس کا دوسرا ادیشن ۱۳۰۰ھ میں نور کشور پریس، لکھنؤ
میں چھپا تھا، یہ کتاب بھی کتب فتاویٰ کی مستند کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔

بزرگ بن شہریار کی کتاب عجائب الہند سے معلوم ہوتا ہے۔ بزرگ بن شہریار ایک عرب بہاؤراں محمد حسن نامی کی زبانی تیسری صدی ہجری کا یہ واقعہ نقل کرتا ہے :-

میں ۸۸ھ میں منصورہ میں تھا، وہاں مجھ سے مستند بزرگوں نے بیان کیا کہ التواء کے ساجہ نے جو ہندوستان کا بڑا راجہ تھا اور جس کی حکومت کشمیر بالا اور کشمیر زیریں کے بیچ میں تھی اور جس کا نام تہرک بن رائق تھا، ۸۸ھ میں منصورہ کے بادشاہ عبداللہ کو لکھا کہ وہ املا کی شریعت کا کچھ حال زبان ہندیہ میں اس کو بتائیے۔

چنانچہ ایک عراقی الاصل سندھی عالم نے اس استفتاء کا جواب لکھا جو ایک منظم نظم کی صورت میں تھا

(۷)

پاک ہند کے مسلمان بادشاہوں اور امیروں کو نہ صرف فقہ اسلامی سے دل چسپی تھی بلکہ انہوں نے اس فن میں تصانیف بھی چھوڑی ہیں جنہاں چہ سلطان محمود غزنوی فقہ اسلامی کا زبردست عالم تھا، اس نے ایک کتاب "التفرید فی الفروع" لکھی تھی جو بلاد غزنہ میں بہت مقبول ہوئی، اس میں شافعی مذہب کے مطابق بکثرت مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ امام مسعود بن شیبہ جو اعیان فقہاء میں سے تھے انہوں نے سلطانی نسخہ سے اس کو نقل فرمایا تھا۔ اسی طرح ظہیر الدین بابر بادشاہ نے بھی اصول مذاہب پر ایک کتاب لکھی تھی، خود میر نے بادشاہ ہمایوں کے ایام پر قانون ہمایوں کے نام سے فقہ پر ایک کتاب لکھی۔

پاک ہند میں جو ممتاز کتب فتاویٰ نظر آتی ہیں وہ بھی مسلمان بادشاہوں اور امیروں کی مرہونِ سنت ہیں، تاریخ کے مطالعہ سے ان کتب فتاویٰ کا پتا چلتا ہے :-

(۱)	فتاویٰ فیروز شاہی	(۲)	فتاویٰ ابراہیم شاہی
(۳)	فتاویٰ اکبر شاہی	(۴)	فتاویٰ عادل شاہی
(۵)	فتاویٰ تاتار خانی	(۶)	فتاویٰ عالمگیری - وغیرہ وغیرہ

۱۔ بزرگ بن شہریار : عجائب الہند، مطبوعہ لیڈن، ۱۸۸۶ء بحوالہ ہندوستان عربوں کی نظریں، مطبوعہ اعظم گڑھ، ۱۹۶۶ء، ص - ۴ - ۱۹۳ -

۲۔ (ا) الجواہر المقتیہ، جلد دوم، ص - ۱۵۷ -

(ب) نزہۃ الخواطر، جلد اول، ص - ۹۵ -

۳۔ سید نوشہ علی : مسلمانان ہندو پاکستان کی تاریخ تعلیم، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۲ء، ص - ۱۷۴ -

۴۔ ابوالفضل : اکبر نامہ، ص - ۱۷۶ -

فیروز شاہ بادشاہ کو فقہ اسلامی سے بڑی دلچسپی تھی اور اس کی خواہش تھی کہ حکومت و حکام شریعہ کے مطابق چلائی جائے چنانچہ اس کے ایام پر فتاویٰ فیروز شاہی مرتب کی گئی۔ اس کے قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔ مثلاً

- (۱) انڈیا آفس لائبریری، لندن
- (۲) ایشیاٹک سوسائٹی، بنگال، کلکتہ
- (۳) مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ

فتاویٰ فیروز شاہی مولانا محمد یعقوب مظفر کرمانی نے زبان عربی میں لکھی تھی، ان کے انتقال کے بعد سلطان فیروز شاہ نے مزید اضافوں کے ساتھ دوبارہ مرتب کرایا اور اس کا فارسی ترجمہ بھی کرایا گیا۔ سلطان ابراہیم شرقی کے عہد (۱۴۰۲ء - ۱۴۴۰ء) میں فتاویٰ ابراہیم شاہی مرتب کیا گیا۔ عتیق اللہ بن اسماعیل بن شیخ قاسم نے فتاویٰ اکبر شاہی لکھی۔ اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ، حیدرآباد دکن میں ہے۔ فتاویٰ عادل شاہی بھی مشہور ہے۔

سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد میں امیر تارخان نے جہاں علماء کی مشارکت سے تفسیر تارخانی لکھوائی وہاں فتاویٰ تارخانی بھی مرتب کرایا۔ اس کی تیاری میں کتب خانہ تارخاں سے مدد لی گئی، جس کے مہتمم عالم بن علاء تھے۔

فتاویٰ کے سلسلے میں سب سے اہم کام اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ نے کیا۔ انہوں نے فتاویٰ عالم گیر تیار کرائی جو آٹھ سال کی طویل مدت میں پایہ تکمیل تک پہنچی اور جس پر اس زمانے میں دو لاکھ روپے خرچ آیا۔

عالم گیر کی خواہش تھی کہ بزرگ عالم پاک ہند میں صحیح معنوں میں اسلامی حکومت نافذ ہو۔ اس خواہش کے پس منظر میں حضرت مجدد الف ثانی اور ان کی اولاد امجاد نے بڑا اہم کردار ادا کیا جو ایک مستقل مقالہ کا مستقاضی ہے، بہر کیف اسی خواہش کے پیش نظر انہوں نے فتاویٰ عالم گیر تیار کرایا۔ اس منصوبے

- ۱۔ معین الحق : معاشرتی و علمی تاریخ، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۵ء، ص ۱۰۷-۱۰۸
- ۲۔ نوشہ علی : مسلمانان ہند و پاکستان کی تاریخ تعلیم، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۲ء، ص ۷۷-۷۸
- ۳۔ (د) عبدالحی : نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۸-۱۹
- (ب) مناظر حسن گیلانی : مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، حصہ اول، ص ۳۸
- ۴۔ ان عربی کتب فتاویٰ کا ذکر بھی تاریخوں میں ملتا ہے جو پاک و ہند میں مدون کی گئیں :-
- ① فتاویٰ سر اجیب (۷ ویں یا ۸ ویں صدی ہجری) ② فتاویٰ قاری الہدیہ ③ فتاویٰ الحادیہ (۸ ویں یا ۹ ویں صدی ہجری) ④ فتاویٰ جامع البرکات (۱۱ ویں صدی ہجری) ⑤ فتاویٰ النقشبندیہ (ایضاً) ⑥ فتاویٰ مختصر شافعی۔

کی نگرانی شیخ نظام برہان پوری فرما رہے تھے، دہلی کے نامی گرامی علماء و فقہاء کے علاوہ اطراف و اکناف کے بھرت علماء کو بلا یا گیا تھا۔ ایک اندازے کے مطابق پچاس سے زائد علماء اس کام کے لئے مختص تھے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کی تدوین میں ملاحامد کے معاون تھے لیکن بعد میں عزت پسندی کی وجہ سے علیحدہ ہو گئے۔

فتاویٰ عالمگیری اصل عربی میں لکھی گئی تھی۔ اس کے بعد خود عالمگیری نے مولینا چلپی عبداللہ رومی سے اس کا فارسی زبان میں ترجمہ کرایا، مولانا نے موصوف روم سے ہندوستان وارد ہوئے تھے۔ بختاور خان نے مرآة العالم میں آپ کی بہت تعریف لکھی ہے۔ فتاویٰ عالمگیری عربیہ مجم میں مقبول ہے، مگر سے بھی اس کے ادیشن شائع ہوئے ہیں۔ ہندوستان میں مولینا امیر علی لکھنوی نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے جو فتاویٰ ہندیہ کے نام سے مشہور ہے۔

یہ تو شاہی سرپرستی کی کتابیں ہیں، خانہ نشین اہل علم کے نجی فتوؤں کے مجموعے بھی ہر شہر میں ملیں گے کیوں فتویٰ طلبی کی ضرورت ہر اس مقام پر ہوتی ہے جہاں دیندار مسلمان رہتا ہو۔ پاریس کی مسجد میں استفتاء آتے ہیں تو فتوے فرانسیسی میں دئے جاتے ہیں، انگلستان میں آجکل اسی (۷۹) مسجدیں ہیں اور تعداد احمدیہ ترقی پذیر ہے۔ وہاں کے اسلامی رسالوں میں باب الاستفتاء بھی اب نظر آنے لگا ہے۔

(۸)

پاک ہند کے اسلامی دور حکومت میں چوں کہ ایسی عدالتیں قائم تھیں جو قانون وقت اور قانون شریعت کے مطابق مقدمات فیصلہ کرتی تھیں اس لئے نجی فتوؤں کے زیادہ تر مجموعے اس وقت نظر آتے ہیں جب مسلمان دور غلامی میں داخل ہوئے، چنانچہ ۱۸۵۷ء سے کچھ قبل اور بعد میں مختلف زبانوں میں مجموعہ اور اردو زبان میں خصوصاً اس قسم کے مجموعوں کا پتا چلتا ہے، چنانچہ قاتموس الکتب اردو مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء میں اردو کتب فتاویٰ کی ایک ناقص فہرست دی ہے، ہم وہاں سے اور دیگر ماخذ سے بعض اردو کتب فتاویٰ کا ذکر کرتے ہیں جس سے قارئین کرام کو اندازہ ہوگا کہ زبان اردو میں اس فن میں کس قدر سرمایہ موجود ہے۔

۱۔ محمد کاظم : عالمگیری نامہ، ص - ۱۸۷

۲۔ صلیح الدین : بزم تیموریہ، ص - ۲۳۸

۳۔ شاہ ولی اللہ : الفاس العارفین، ص - ۶۹

۴۔ حسین الحق : معاشری و علمی تاریخ، ص - ۴۰۸

(۵) کتب فتاویٰ دارو

- (۱) احمد حسین خاں : فتاویٰ محبوبیہ، مطبوعہ دہلی، ۱۳۱۶ھ (۲) احمد رضا خاں، مولینا : العطاء النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ (تین جلدیں)، مطبوعہ بریلی، ۱۳۱۰ھ (۳) احمد رضا خاں، مولینا : احکام شریعت (۴) ایضاً : عرفان شریعت، (۵) احمد یار خان، مفتی : فتاویٰ نعیمیہ (۶) ارشاد حسین رام پوری فتاویٰ ارشادیہ، مطبوعہ ۱۹۵۵ء (۷) اشرف علی تھانوی، مولینا : امداد الفتاویٰ، مطبوعہ کراچی، ۱۹۵۲ء (۸) اصغر حسین : فتاویٰ محمدیہ (۹) اعزاز علی، مفتی : اعزاز الفتاویٰ، قلمی، (۱۰) امجد علی، مولینا : فتاویٰ امجدیہ (۱۱) امداد علی، ڈپٹی : امداد الفتاویٰ، مطبوعہ آگرہ، ۱۸۷۰ء (۱۲) امیر الدین گوپال موہی، مفتی : فتاویٰ امیریہ، قلمی، ۱۸۵۰ء (۱۳) امیر علی لکھنوی : فتاویٰ ہندیہ (ترجمہ فتاویٰ عالمگیری)، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۹۳۲ء (۱۴) برکت علی قرظی علی : ترجمہ اردو فتاویٰ مولینا عبدالحئی لکھنوی، قلمی، ۱۳۳۵ھ (۱۵) رحیم الدین : فتاویٰ صدارت العالمیہ حیدرآباد دکن، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۳۵۳ھ (۱۶) رشید احمد گنگوہی، مولینا : فتاویٰ رشیدیہ، مطبوعہ ۱۳۶۲ھ (۱۷) رکن الدین، مفتی : فتاویٰ نظامیہ، مطبوعہ حیدرآباد دکن، (۱۸) زاہد القادری، مولینا : فتاویٰ آستانہ، مطبوعہ دہلی، ۱۹۵۴ء (۱۹) صدیق حسن خاں، نواب : مجموعہ فتاویٰ، مطبوعہ آگرہ، ۱۳۰۷ھ (۲۰) ظفر احمد، مولینا : امداد الاحکام، قلمی، (۲۱) عابد علی کسندھوی : مجموعہ الفتاویٰ مولانا عبدالحئی، مطبوعہ آگرہ، ۱۳۰۷ھ (۲۲) عبدالباقی قرظی علی : فتاویٰ قیام الملئہ والدین، مطبوعہ لکھنؤ (۲۳) عبدالحفیظ، مفتی : مجموعہ فتاویٰ، قلمی، (۲۴) عبدالحق میر : فتاویٰ علماء اہل السنۃ و الجماعۃ، مطبوعہ دت پرنسپل پریس، (۲۵) عبدلرزاق مکی حیدرآبادی :

حضرت مولینا احمد رضا خاں صاحب جو اعلیٰ حضرت کے لقب سے مشہور ہیں، بڑے بھر عالم اور صاحب تصنیف بزرگ تھے، آپ کے بیشتر فتوے کتابچوں کی صورت میں شائع ہوئے ہیں جو ضخیم کتب فتاویٰ کے علاوہ ہیں آپ کے تفصیلی حالات کے لئے مولانا رحمان علی کا تذکرہ علماء ہند مطالعہ کیا جائے۔

۱۲۹۶ھ میں جب مولینا اشرف علی دارالعلوم دیوبند میں تحصیل علم کے لئے تشریف لائے تو اس زمانے کے بیشتر فتوے مولینا محمد یعقوب (مفتی بزرگ دیوبند) نے آپ سے لکھوائے، ان کی نقول مولانا اشرف علی نے اہتمام کے ساتھ رکھیں۔ چنانچہ بعد میں یہ فتوے اور دیگر فتوے امداد الفتاویٰ کے نام سے شائع ہوئے، اس کے تین حصے تھے، حصہ اول ۱۳۰۰ھ کے فتوے، حصہ دوم میں ۱۳۰۰ھ سے ۱۳۱۲ھ تک کے فتوے (بزمانہ قیام کانپور) اور تیسرے حصے میں ۱۳۱۵ھ کے بعد کے فتوے (بزمانہ قیام تھانہ بھون) لکھے گئے، اس حصے کے بیشتر فتووں میں مولینا رشید احمد گنگوہی سے مراجعت کی گئی ہے۔

فتاویٰ السنۃ، مطبوعہ بریلوی، ۱۳۱۲ھ (۲۶) عبدالعزیز، مولینا: فتاویٰ عزیز المکرم (قلمی)، (۲۷) عبدالغفار
 لکھنوی، مولینا: فتاویٰ بے نظیر، ۱۲۹۰ھ (۲۸) عبدالفتاح، مفتی: جامع الفتاویٰ، مطبوعہ سنہ ۱۳۰۲ھ
 (۲۹) عبدالقدوس شاہ: شرح الفتویٰ، مطبوعہ سنہ ۱۳۰۹ھ (۳۰) عبدالکریم، مولینا، امداد المسائل (قلمی)،
 (۳۱) جلد واحد سیوستانی، علامہ: فتاویٰ واحدی، مطبوعہ لاہور، ۱۳۲۶ھ (۳۲) محمد شفیع، مفتی: امداد المفتین
 مطبوعہ کراچی، ۱۹۱۶ء (۳۳) محمد قاسم، مولینا، فتاویٰ قاسمیہ، مطبوعہ لاہور ۱۳۵۳ھ (۳۴) محمد مسعود شاہ
 مفتی: فتاویٰ مسعودی (قلمی)، ۱۲۹۶ھ تا ۱۳۰۲ھ (۳۵) مراد خاں: ترجمہ فتاویٰ عزیز، مطبوعہ ۱۳۱۲ھ
 (۳۶) مہر علی شاہ گولڑوی: مجموعہ فتاویٰ قلمی، (۳۷) نذیر حسین دہلوی، مولینا: فتاویٰ تذیریہ، مطبوعہ
 دہلی، (۳۸) نظام الدین حنفی: فتاویٰ نظامیہ، مطبوعہ لاہور، ۱۹۲۰ء (۳۹) نواب علی عبدالخلیل:
 ترجمہ فتاویٰ عزیز، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۳۱۳ھ۔

مندرجہ بالا فتاویٰ کے علاوہ بعض فتاویٰ وہ ہیں جن کے صرف نام معلوم ہو سکے، مثلاً فتاویٰ
 غوثیہ، فتاویٰ سعیدیہ، فتاویٰ عثمانیہ، فتاویٰ مفتی محمد رمضان، فتاویٰ مفتی نثار احمد کانپوری وغیرہ وغیرہ

۱۔ اس کا سلسلہ اشاعت ۱۳۵۴ھ سے شروع ہو گیا تھا، ۱۳۸۶ھ تک آٹھ جلدیں تیار ہوئیں، اس کا ضمیمہ بھی
 زیر تدوین ہے جس کا نام اختیار الصواب فی جمیع الابواب ہے۔
 ۲۔ حضرت مولینا مفتی محمد مسعود شاہ رحمۃ اللہ علیہ، صاحب فتاویٰ منظری کے جدا مجلد میں آپ کے
 فتاویٰ سے بڑے فاضلانہ و محققانہ ہیں۔ ایک قلمی مجموعہ راقم کے پاس محفوظ ہے اور بعض اہم فتوؤں کی
 نقول حضرت علامہ مفتی محمد محمود صاحب مدظلہ (حیدرآباد، مغربی پاکستان) کے پاس ہیں، فتاویٰ مسعودیہ
 کے متعلق کچھ تفصیلات تذکرہ منظر مسعود (حصہ اول مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۹ء) میں دے دی گئی ہیں حضرت
 مولینا مفتی محمد مسعود شاہ علیہ الرحمہ کی بعض تصدیقات فتاویٰ رشیدیہ میں موجود ہیں مثلاً فتاویٰ رشیدیہ
 (مطبوعہ کراچی) کے یہ صفحات ملاحظہ ہوں ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱،

⑨

پاک ہند کے بکثرت علماء ایسے بھی ہیں جنہوں نے بی شمار فتاویٰ دے دیے مگر یا تو وہ جمع نہ ہو سکے یا وہ ہمارے علم میں نہیں ہیں، ان علماء کرام کی فہرست بھی بڑی طویل ہے، چند اسماء گرامی یہاں درج کئے جاتے ہیں:-

پاکستان

- (۱) حضرت مولانا مفتی محمد مظفر احمد صاحب (فرزند ارجمند صاحب فتاویٰ مظہری)، کراچی
- (۲) حضرت مولانا مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ، کراچی
- (۳) حضرت علامہ مفتی صاحب اد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، کراچی
- (۴) حضرت مولانا مفتی مرشد علی صاحب، کراچی
- (۵) حضرت مولانا مفتی شجاعت علی صاحب، کراچی
- (۶) حضرت مولانا مفتی ظفر احمد عثمانی، کراچی
- (۷) حضرت مولانا مفتی محمد محمود صاحب، حیدرآباد
- (۸) حضرت مولانا مفتی مسعود علی صاحب، ملتان
- (۹) حضرت مولانا ابوالبرکات سید احمد صاحب، لاہور
- (۱۰) حضرت مولانا مفتی احمد یار خاں صاحب، گجرات
- (۱۱) حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب وغیرہ وغیرہ، کوئٹہ

ہندوستان

- (۱) حضرت مولانا مفتی مصطفیٰ رضا خاں صاحب، بریلی
- (۲) حضرت مولانا مفتی محمد شرف احمد صاحب (فرزند ارجمند صاحب فتاویٰ مظہری)، دہلی
- (۳) حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب، دہلی
- (۴) حضرت مولانا حسرت علی صاحب، بیٹی
- (۵) حضرت مولانا مفتی محمد ارجل صاحب، سنبل
- (۶) حضرت مولانا مفتی محمد نعیم الدین، وغیرہ وغیرہ، مراد آباد

خصائص فتاویٰ

①

اس سے پہلے کہ ہم فتاویٰ کی اہمیت اور خصائص پر بحث کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قانون شریعت کی اہمیت کے متعلق کچھ عرض کر دیا جائے۔

مسلمانوں کو اس قانونیاتی امتیاز پر فخر ہے جس کا فرنگستان میں اب تک وجود نہیں اور وہ ہے قانون سازی کی آزادی، آج کل پارلیمنٹیں حکومت کی مرضی کے خلاف کوئی قانون نہیں بنا سکتیں، مجالس مقننہ کی کارکردگی پر برسرِ کار حکومت یا وزارت ہی کا عمل دخل رہتا ہے، ایک وزارت کے بعد دوسری وزارت آئے تو وہ اپنے پیشرو حکمرانوں کے بنائے ہوئے قانون کو جتنا چاہے بدل سکتی ہے اور بدل دیتی ہے لیکن اسلامی روایات یہ ہیں کہ قانون سازی ایک غیر سرکاری اور غیر سیاسی عملیت ہے، ہر شخص جس نے فقہ کی تعلیم کی تکمیل کی ہے اس میں آزاد ہوتا ہے، اسلامی قانون کا قریب قریب سارا ہی ذخیرہ ان غیر سرکاری، خانہ نشین، خداترس اہل علم کی نجی سرگرمی کا نتیجہ ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ مستبد سے مستبد حکمران کو بھی اسلام میں یہ حق نہیں کہ جو قانون چاہے بنا سکے یا جس قانون کو چاہے بدل سکے، فقہاء کی رائے میں اختلاف ہو سکتا ہے اور ہوتا رہا ہے، ان کے اختلافی بیانات کو کھنگال کر مرجح آراء کو جمع کرنا بھی پرائیویٹ علماء کا کام رہا ہے، چاہے قانون مسلمان کے متعلق ہو یا غیر مسلم رعایا کے متعلق، اس میں سیاسیات کا کبھی دخل نہیں ہوتا اور اسلامی قانون میں غیر مسلم (ذمی)، رعایا کو جتنا اطمینان رہتا ہے اور قانون کے بدل نہ سکنے کا یقین رہتا ہے وہ فرنگی اصول میں ممکن ہے اور نہ کسی اور غیر اسلامی نظام میں جہاں "دواج پرانا نا ہو جائے تو وہ صریح قانون کو بھی منسوخ کر دیتا ہے" سمجھا جاتا ہے۔

اسلامی معاشرے کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ وہاں قانون عوام کی دسترس میں ہوتا ہے۔ غیر دینی قوانین کا یہ مسئلہ ہے کہ قانون سے ناواقفیت مجرم کے لئے عذرگناہ نہیں بن سکتی" یہ بات اس وقت معقول ہو سکتی ہے جب کہ قانونی معلومات کی فراہمی کے لئے ممکنہ سہولتیں فراہم کی گئی ہوں، اسلام میں مہذبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک مسلم معاشرے میں یہ سہولتیں حاصل ہیں، اور یہ اہم کام مساجد و مدارس وغیرہ میں علماء و فقہاء انجام دے رہے ہیں۔

یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں کہ مسلم معاشرے کے افراد خواہ وہ مسلم حکمرانوں کی رعایا ہوں یا غیر مسلم حکمرانوں کی ان کے لوں کی گہرائی میں قانون شرعیہ کی بالادستی قائم رہتی ہے اور وہ اکثر و بیشتر قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنے مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں، حکومت وقت کے ضابطہ قانون سے یہ بے نیازی کسی معاشرے میں نہیں دیکھی گئی، دور جدید میں کسی حکومت میں بیک وقت دو ضابطہ ہائے قانون کی عملداری نہیں مگر مرد مسلم کے لئے قانون شریعت ہر قانون سے بالاتر ہے فتاویٰ کے وجود خود ہمارے اس خیال کی تائید کرتا ہے۔ غیر منقسم ہندوستان میں بعض ایسے متدین اور متقی صحابان بھی تھے جو برطانوی قانون کے ساتھ ساتھ شرعی قوانین کا پاس و لحاظ رکھتے تھے، چنانچہ دہلی میں ایک سیشن جج، صاحب فتاویٰ منظر ہی حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے اکثر و بیشتر استفسار فرمایا کرتے تھے خصوصاً فوجداری مقدمات کے فیصلوں میں، بہر کیف مسلم معاشرے

کایہ جرات مندانہ اقدام کسی طرح نظر انداز کرنے کے قابل نہیں، قرآن کریم کی یہ آیت مسلمانوں کے لئے آزادی اور غلامی میں مشعلِ اہ ہے :-

فلا و س بک لا یؤمنون حتی یحکموا فیہا شبر بینہم ثم لا یجدوا فی
انفسہم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیمًا

سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں اس
جھگڑے میں جو ان میں اٹھے پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلے سے اور قبول کریں
خوشی سے ۔

(۲)

اگر فتاویٰ کے تمام سرمایہ کا بنظر عمیق مطالعہ کیا جائے تو مختلف حیثیات سے اس کی اہمیت کا اندازہ
ہوتا ہے جہاں جہ ادبی اور لسانی حیثیت سے فتاویٰ سے خاص اہمیت رکھتے ہیں، آسان و سلیس اردو میں
اہم قانونی مسائل و دفعات کی تشریحات ایک طرف خود زبان اردو کی وسعت اور دوسری طرف زبان
پر مجیب و مفتی کی کمال قدرت کی آئینہ دار ہے، علماء میں بکثرت ایسے اصحاب نظر آتے ہیں جنہوں
نے بڑی کامیابی کے ساتھ جوابات تحریر فرمائے ہیں، مگر اس خصوص میں صاحب فتاویٰ مظہری،
حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ بالکل ممتاز نظر آتے ہیں، معاصرین کے جوابات میں وہ ایجاز و اختصار اور
وضاحت نظر نہیں آتی جو آپ کے ہاں ہے اس لحاظ سے یہ فتاویٰ اردو کے قانونی ادب میں
امتیازی درجہ رکھتے ہیں

مزید برآں چوں کہ فتاویٰ کے موضوع کسی مسئلے کے بارے میں تحقیق ہوتا ہے جس کے لئے مفتی
مختلف مطبوعہ و غیر مطبوعہ ماخذ سے استفادہ کرتا ہے اس لئے ہم اس ذریعہ سے ان کتابوں رسالوں
اور اخباروں کے متعلق بھی معلومات حاصل کر سکتے ہیں جو امتداد زمانہ کی وجہ سے یا تو معدوم ہو گئے
یا مفقود، اس طرح قاموس الکتب کی تدوین اور صحافتی ادب کی تاریخ میں فتووں سے مدد لی
جاسکتی ہے ۔

(۳)

فتاویٰ کو فنی لحاظ سے بھی اردو میں اہم مقام حاصل ہے، مقالہ نگاری و خصوصاً تحقیقی مقالات، دور
جدید کی ایجادات میں شمار کی جاتی ہے لیکن اگر اس نقطہ نظر سے فتووں کا جائزہ لیا جائے تو بعض فتوے بلند
پایہ علمی و تحقیقی مقالات معلوم ہوتے ہیں، فرق صرف تہذیب ترمین کا ہے اور وہ کوئی بڑا فرق نہیں، ادب

اردو میں مقالہ نگاری کو علی گڑھ تحریک کا مرہون منت خیال کیا جاتا ہے حالانکہ اس تحریک سے بہت پہلے اور بعد میں کتب فتاویٰ میں اکثر ایسے فتوے نظر آتے ہیں جن کو اردو کے بہترین مقالات میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ طبقہ علماء فقہاء میں بیشتر حضرات اس تحریک کے مخالف رہے ہیں اس لئے ان حضرات نے بعد میں بھی جو کچھ لکھا اس کو اس تحریک سے وابستہ نہیں کیا جاسکتا۔ فتاویٰ مظہری کے بعض جوابات معیاری مقالات میں شمار کئے جاسکتے ہیں۔

(۴)

لسانی حیثیت سے بھی فتووں کو خاص اہمیت حاصل ہے، ان کے ذریعہ عہد بے عہد کے لسانی تغیرات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور چوں کہ فتووں کا تعلق اسلامی فقہ سے ہے اس لئے اس سے عربی زبان کے جو قانونی الفاظ اردو زبان میں داخل ہوئے ان کا سراغ بھی لگایا جاسکتا ہے، ویسے زبان اردو پر عربی زبان کے اثرات کے سلسلے میں قرآن کریم کی ہمہ گیر تعلیم تدریس نے اہم کردار ادا کیا ہے، اس موضوع پر ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔

(۵)

فتووں کے ذریعہ علماء اسلام کی ادبی خدمات کا جائزہ بھی لیا جاسکتا ہے، انہیں علماء کی تعلیم تدریس اور تحریر و تقریر سے زبان اردو کو بڑا فروغ حاصل ہوا، بیرونی ممالک خصوصاً ایشیائی ممالک میں اردو کی اشاعت میں علماء کرام نے اہم خدمات انجام دی ہیں، یہ موضوع بھی ایک مبسوط مقالہ کا متقاضی ہے

(۶)

ایک خاص ملک یا ایک خاص علاقے کے فتووں سے ہم مسلمانوں کے ایک طبقے کے مزاج عقلی اور نفسیاتی خصائص کا اندازہ لگا سکتے ہیں، قرآن کریم میں جو ارشاد ہے :-
ان الله لا یغیر ما بقوم حتی یرغروا ما بانفسہم
خدا کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلیں۔
تو فتووں میں کسی خاص قوم کے ما بانفسہم کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، جس کو علم النفس کی اصطلاح میں نفسیاتی تجزیہ (Psycho - Amalgam) بھی کہہ سکتے ہیں۔

(۷)

فتاویٰ تاریخی حیثیت سے خاص اہمیت رکھتے ہیں، چوں کہ تاریخ، اقوام و افراد کے احوال کا مجموعہ ہے اس لئے فتاویٰ جو کسی قوم کے اجتماعی و انفرادی احوال کی جزئیات پیش کرتے ہیں، تاریخ

سازی میں بہت معین ہو سکتے ہیں کسی ملک اور کسی عہد کے مہاجرین معاملات، قومی ذہنیات اور اس طرح کی تاریخی معلومات کو معلوم کرنے کا ایک بہت بڑا ماخذ کتب فتاویٰ ہیں، ان میں ایسی ایسی تفصیلی مکتبے ہیں کہ تاریخ کی عام کتابوں میں ان کا کوئی اشارہ تک نہیں ہوتا، اس ماخذ معلومات سے مؤرخوں سے اب تک کم ہی استفادہ کیا ہے۔“

انسانی روح کی طرح قوم کی بھی ایک روح ہوتی ہے اور وہ اس کے مخصوص اخلاق و خواہش ہیں جو درحقیقت اس قوم کے حرکات ترقی و تنزل کے محور ہیں، مشہور فلسفی ڈاکٹر لیبان کے نزدیک صرف نظام اخلاق ہی ہر قسم کے تاریخی انقلابات پیدا کرتا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں اقوام قدیمہ کے انقلابات و تغیرات کی علت ان کے اخلاق و روحانیت کے انحطاط ہی کو قرار دیا ہے اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم فتاویٰ کی روشنی میں ملت مسلمہ کی ترقی و انحطاط کی داستان لکھ سکتے ہیں۔

فتاویٰ کے ذریعہ ہم کسی علاقے کے مسلمانوں کے رسم و رواج کے متعلق بھی بہت کچھ معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ وہ رسم و رواج جو بقول حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تمدن کی جان ہیں، گویا فتاویٰ کی روشنی میں ہم تہذیبی و تمدنی معلومات بھی فراہم کر سکتے ہیں۔

(۸)

سوانحی مواد میں فن سوانح نگاری کے ماہرین نے فتاویٰ کا ذکر نہیں کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایک عالم مفتی کے حالات کی تدوین میں مکاتیب دیگر تصانیف سے زیادہ فتاویٰ سے اہم ہیں، اس میں مجیب و مفتی کی شخصیت اور ذہن کے مختلف گوشوں کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے، صاحب فتاویٰ مظہری حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی سوانح تذکرہ مظہر مسعود میں بعض ابتدائی مجبویوں کی وجہ سے ہم فتاویٰ سے استفادہ نہ کر سکے بہر کیف اس مقدمے میں اس خامی کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگر تذکرہ علماء مرتب کیا جائے تو فتووں کے ذریعہ ایسے ایسے علماء کا پتہ چل سکتا ہے جن کے ناموں سے بھی اب کوئی واقف نہ ہوگا، خصوصاً وہ علماء جنہوں نے فتاویٰ سے علاوہ کوئی علمی یا دیگر کام نہیں چھوڑا۔

(۹)

نظریاتی اور طبقاتی میدان میں دور متوسط اور دور مابعد میں فتووں کی بڑی گہما گہمی نظر آتی ہے، مختلف افراد یا جماعتوں نے بقا ضائے غیرت مذہبی یا محض رد عمل کے طور پر ایک دوسرے کے خلاف ناقدانہ فتوے لکھوائے ہیں اور ایسا اوقات اس قسم کے فتوے جو مہاجرین کی تہذیب کا سلطان ہیں لکھے ہیں

ع میری وحشت تری شہرت ہی ہے

اس قسم کے فتووں سے کسی خاص علاقے کے مسلمانوں کی نظریاتی کشمکش کی تاریخ مدق کی جانکتی

ہے اور مختلف مذہبی و سیاسی تحریک کے بارے میں بزنیاات فراہم کی جاسکتی ہیں۔

(۱۰)

اسلامی اور غیر اسلامی ممالک میں ملکی سیاست میں خصوصاً مسلمانوں کی سیاسی تحریکوں میں فتوؤں نے ایک ہم کردار ادا کیا ہے، غیر متدین رہبر کی ہزاروں تقریریں ایک طرف اور متدین و متقی مفتی کا ایک فتویٰ دوسری طرف مسلم معاشرے میں انقلاب برپا کرنے کے لئے کافی تھا، اس قسم کے مناظر انقلاب ۱۹۵۷ء سے قبل اور تقسیم ہند سے قبل تحریک آزادی کے زمانے میں دیکھے گئے، خود تحریک پاکستان میں انہیں فتوؤں نے نئی روح بھونکنی تھی، اس گئے گزرے زمانے میں بھی جب کبھی کوئی مخلصانہ سیاسی فتویٰ دیا جاتا ہے تو اپنا پورا پورا اثر دکھاتا ہے۔

(۱۱)

دور جدید میں فتوؤں نے اقتصادی و معاشی اہمیت بھی حاصل کر لی ہے، بلکہ سیاسی تحریکوں کے زمانے میں جب کبھی مختلف جماعتوں میں اقتصادی مقاطعہ کی نوبت آئی تو فتوؤں کا سہارا لیا گیا۔ تحریک آزادی ہند کے زمانے میں انگریز حاکموں سے جب ترک موالات کیا گیا تو یہی فتوے روح رواں تھے، فتوؤں سے بعض افراد اور جماعتوں نے اقتصادی فائدے بھی حاصل کئے، چنانچہ جب ایک شخص نے سرسید سے تنگ دستی کی شکایت کرتے ہوئے ملازمت کے لئے سفارش کی درخواست کی تو انہوں نے اس کو مخلصانہ مشورہ دیا کہ میرے خلاف کوئی کتابچہ لکھو یا فتویٰ شائع کرو وانشاء اللہ تنگ دستی کی شکایت نہ رہے گی، گو کہ یہ بات مزاحاً معلوم ہوتی ہے مگر ایک حقیقت ہے — دور حاضر میں جب کہ ہرنیکے بد دولت و ثروت کے ارد گرد گھومتا نظر آ رہا ہے حتیٰ کہ قرآن و حدیث اور وعظ و نصیحت جیسی عظیم چیزوں کو فروغ تجارت کا آلہ کار بنا لیا گیا ہے فنا و سے بھی اقتصادی تجارتی مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں چنانچہ بیمہ کمپنیوں کے نمائندے بیمہ کے حق میں بعض مفتیوں کے فتوے پیش کرتے نظر آتے ہیں۔

آداب المفتی

(۱)

دور جدید میں مفتی کی حیثیت، اس کے خصائص، اس کی ذمہ داریوں اور فن فتویٰ نویسی کی ماہیت و حقیقت پر صاحب فتاویٰ منہری حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے ایک مختصر نوٹ تحریر فرمایا تھا جو غالباً کسی سوال کا جواب ہے اور آخری دور کی یادگار ہے، اس میں حضرت تحریر فرماتے ہیں :-
فتویٰ دینا حقیقتہً مجتہد کا کام ہے اور وہ اس زمانے میں مفقود ہے، اب علماء کا کام صرف مجتہدین کے اقوال کا نقل کر دینا ہے تو حقیقتہً فتویٰ دینا نہ ہو ا۔ اب مفتی ناقل کیلئے ضروری

ہے کہ معتبر کتاب سے اخذ کر کے بغیر اپنی رائے کے دخل کے نقل کرے لیکن اب یہ دیکھا جا رہا ہے کہ عام علماء بغیر اپنی رائے کو دخل دے کر ہرگز نقل نہیں کرتے تو ایسے علماء کا ہرگز فتویٰ قابل اعتبار نہیں ہوتا، عام لوگوں کو چاہیے کہ ایسے علماء (کی طرف) کان نہ دھریں، محتاط علماء کے فتوے پر عمل کریں۔ ہر عالم فتوے دے سکتا ہے جب کہ قواعد فقہ پر عمل کرے اور اپنی رائے کو دخل نہ دے، شہر کا مفتی وہ ہو سکتا ہے جس کے اہل شہر بلا اتفاق مفتی قرار دے لیں ورنہ جو جس کا معتقد ہو وہ اس کا مفتی ہے۔ مفتی کے لئے ضروری ہے کہ فاسق نہ ہو، فاسق سے فتویٰ پوچھنا جائز نہیں کہ علم شریعت ایک نور ہے جو فتویٰ اولیٰ پر فائز ہوتا ہے اور بیدار مغز ہونا چاہیے کہ سوال کو اچھی طرح جانچ کر فتویٰ دے اور واقعہ کی تحقیق کرے پس جو فتوے دینے کا اہل ہے وہ فتویٰ دے سکتا ہے بشرطیکہ مسائل کے باب میں اپنے (مقصود) کی رعایت نہ کرے۔

(۲)

حضرت مولانا مفتی محمد محمود حسن صاحب (تلمیذ رشید مولانا نور شاہ کشمیری) نے مفتی کے فنی آداب سے متعلق بعض باتیں مختلف کتابوں سے جمع فرمائی تھیں، موصوف نے یہ قلمی مجموعہ ازراہ کرم راقم کو عنایت فرمایا۔ اسی مجموعے سے چند فنی آداب کا ذکر کیا جاتا ہے :-

(۱) مسائل مسئلوں کے جوابات میں مفتی سب سے پہلے آیات قرآنیہ سے استدلال کرے گا، پھر احادیث صحیحہ سے، پھر اجماع امت اور اس کے بعد قیاس ائمہ مجتہدین سے۔

(۲) جب ائمہ احناف کا کسی اجتہادی مسئلے میں اختلاف واقع ہو اور ائمہ ترجیح میں سے کسی قول کی ترجیح ثابت نہ ہو تو مفتی کو پہلے امام ابو حنیفہ، پھر بقول ابو یوسف پھر بقول امام محمد پھر بقول زفر ابن زیاد فتوے دینا چاہیے (شامی)

(۳) اگر مسئلہ اجتہادیہ نہ ہو تو جب تک اصحاب ترجیح سے کسی کی ترجیح ثابت نہ ہو فتوے مطلقاً بقول ابو حنیفہ دینا چاہیے۔ (شامی)

۱۰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے ایک مطبوعہ فتوے کے آخر میں بڑی دل سوزی کے ساتھ یہی وصیت فرمائی ہے، اپنے فرمایا :-

”مولانا مفتی محمد کنایت اللہ تشریف لے جا چکے ہیں اب فقیر بھی اپنی عمر پوری کر چکا ہے، آج نہیں کل اپنے ہولناک حضوں میں حاضر ہو جائے گا، اس لئے تمہیں وصیت کرتا ہے کہ تم ایسے امور میں ان علماء کی پیروی کرنا چھوڑ دو جنہیں نہیں جا رہے بلکہ سلف صالحین کے پیرو ہیں“ (۲۳ مارچ ۱۹۵۹ء) (فتویٰ رویت بلال، مطبوعہ جدید پبلیشنگ، لاہور)

(۴) اگر اصحاب ترجیح نے قول صاحبین کو ترجیح دی ہو تو امام ابوحنیفہ کے قول پر ہرگز فتویٰ نہ دیا جائے۔ (شامی)

(۵) امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر فتویٰ دینا بحدیث لیس نہیں کیوں کہ صاحبین کا قول امام صاحب ہی کا قول ہوتا ہے (شامی، جلد سوم، ص - ۱۶۵)

(۶) جہاں مسئلے میں اختلاف ہو تو اکثر کا اعتبار ہوگا (بیری)

(۷) مستفیق اپنی دانست میں جس صورت کو اصلاح سمجھے اس پر فتوے دے۔

(۸) مستفیق اپنے مذہب کے مطابق فتوے دیکر مستفیق کے مذہب کے مطابق۔

(۹) اگر مسئلے میں مختلف اقوال صحیحہ پائے جائیں تو اگر ان صحیحہ اقوال میں بعض زیادہ موکدہ ہوں تو اس پر فتوے دینا چاہیے اور کسی قسم کی ترجیح موجود نہ ہو تو اپنی بصیرت سے جس پر فتویٰ دے گا، درست ہوگا، ایسی صورت میں جس طریقہ میں اصلحیت اور سہولت کا پہلو غالب ہو اس کو ترجیح دی جائے۔

(۱۰) اگر ظاہر المذہب کے خلاف عرف کی ترجیح علماء سے ثابت ہو تو ایسی صورت میں ظاہر المذہب پر فتویٰ نہ دینا چاہیے۔

(۱۱) جواب معلوم ہونے کے باوجود مستفیق کو جواب دینے میں عجلت نہ کرنی چاہیے جب تک کہ متعدد مقامات سے جواب کا تیقن حاصل نہ کرے۔

(۱۲) اس زمانے میں بوجہ غلبہ جہل مستفیق کو مفصل جواب لکھنا چاہیے۔

۱۰ شامی، جلد دوم، ص - ۹۵

۱۱ فتاویٰ تاتارخانیہ، فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم، ص - ۷۲

۱۲ شامی، جلد سوم، ص - ۱۷۷

۱۳ تنقیح حادیہ، جلد اول، ص - ۳

۱۴ ایضاً، ص - ۳

۱۵ فتاویٰ ابن چلی و تنقیح حادیہ، جلد اول، ص - ۳

(نوٹ) جوابات میں صاحب فتاویٰ مظہری کا انداز تغیر و تحقیق بڑا فاضلانہ ہے، ایام جوانی میں بیشتر فتاویٰ سے

مفصل و محقق تحریر فرماتے ہیں لیکن آخری ایام میں بالعموم مختصر و مجمل، اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ضعف نقاہت کی

وجہ سے حوالوں کا فراہم کرنا مشکل تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ ان ایام میں حضرت اس مقام نقاہت پر فائز تھے جہاں

حضرت کا قول برائے قاطع تھا، مستفیق کو بھی کسی استدلال کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن پھر بھی بلاغت و جامعیت اس

(۳)

پاکستان کے مشہور و معروف شخصیت جسٹس کیانی مرحوم نے معاشرے کے صحت مندار قراء کے لئے ججوں کی حیثیت اور ان کی ذمہ داریوں پر بڑے بصیرت افروز پیرائے میں روشنی ڈالی ہے جو باتیں مرحوم نے ججوں کے لئے کہی ہیں وہی مغنیوں پر بھی منطبق ہو سکتی ہیں۔ انہوں نے فرمایا :-
 سوسائٹی کے صحت مندانہ ارتقاء کے لئے ضروری ہے کہ بعض باختیار لوگ اس بات کے اہل ہوں کہ وہ بشرط ضرورت تنبیہ و تاویب کر سکیں، اس فرض کی بجا آوری کے لئے جج اور منصف ہی موزوں ہو سکتے ہیں، شرط یہ ہے کہ تنبیہ معقول ہو، مبالغہ سے مبرا ہو، غیر منقہ ہو، اس سے وقار و بلند خیالی مترشح ہو رہے ہوں، کسی کی دل آزاری مطلوب نہ ہوتا کہ لوگ تنبیہ ڈر کے مارے نہیں بلکہ اس کی معقولیت اور حقانیت سے متاثر ہو کر بہ طیب خاطر قبول کر لیں۔“

اس میں شک نہیں کہ سوسائٹی کے ارتقاء کے لئے حق گو اور منصف مزاج ججوں کی ضرورت ہے مگر صحت مند ارتقاء اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب حق و انصاف مظلوم کی دسترس سے اتنا بلند نہ ہو کہ وہ مایوس ہو جائے بلکہ اتنا قریب ہو کہ ظالم کو ظلم کی جرأت بھی نہ ہو سکے۔ اس سلسلے میں حق پرست مغنیوں نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ ناقابل فراموش ہیں، وہ مظلوم کے جتنے قریب ہیں، سوسائٹی کا کوئی دادرسی ادارہ اتنا قریب نہیں۔ ایک مظلوم جب دادرسی کے لئے وکیل کے ذریعہ عدالت کا رخ کرتا ہے تو ایسا اوقات اس کو اتنا زیر بار ہونا پڑتا ہے کہ اس کی ہمت جواب سے جاتی ہے، فیسوں کا لانا ہی سلسلہ ہے جو ختم ہونے پر نہیں آتا اور مظلوم اقتصادی طور پر پسا چلا جاتا ہے لیکن اس کے برعکس علماء فقہاء کرام ہیں جو بغیر کسی ادنیٰ معاوضہ کے فتوؤں کے جوابات میں وہ محنت اٹھاتے ہیں کہ باید شاید محض ایک ہی اور مذہبی فرض سمجھ کر، خوش حال معاشرے کی تشکیل کے لئے اسی للہیت کی ضرورت ہے جو آج کل ناپید ہوتی جا رہی ہے۔

دور گزشتہ میں بالخصوص مسلم حکومتوں میں تین چیزیں نہایت ارزاں تھیں، علم، علاج اور انصاف اور دور جدید میں یہی تینوں چیزیں نہایت گراں ہو گئی ہیں اور صحت مند معاشرے کی تشکیل میں یہ تینوں اہم کردار ادا کرتی ہیں، جس معاشرے کے استاد، طبیب اور دادرسی طلب نے یہی اس حد تک مصروف ہو جائیں کہ کام تو کام باقوں کے بھی مول ہونے لگیں تو نہ صحت مند معاشرے کی تشکیل ہو سکتی ہے اور نہ ارتقاء، خود غرضی اور نفسی نفسی کے اس ماحول میں منفی و فقہیہ ہی ایک ایسا فرد نظر آتا ہے جو

بے غرضی کے ساتھ مخلوق خدا کی خدمت میں لگا ہوا ہے۔

(۴)

مفتی و فقیہہ کی فنی ذمہ داریوں اور آداب کے ساتھ ساتھ کچھ شخصی صفات و خصائص بھی ہوتے ہیں، جن میں سے بعض خصائص کا ذکر گمانی مرحوم کے تذکرہ بالا اقتباس میں آگیا ہے اور بعض خصوصیات کا ہم ذکر کرتے ہیں۔

غیر مذہبی عدالتوں کے ججوں کے برعکس شریعت اسلامی کے عالم و مفتی کے لئے لازم ہے کہ وہ شارع علیہ السلام سے کمالی عشق و محبت رکھتا ہو۔ دنیا کے کسی جج کے لئے لازم نہیں کہ وہ مقنن پر بھی ایمان رکھتا ہو، اس کو قانون اور اس کے اطلاق سے سروکار ہے۔ لیکن ایک مسلم قاضی و مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ شارع علیہ السلام سے الہانہ محبت رکھتا ہو اور اپنے اصلاف کی عظمت سے زیادہ شارع کی عظمت و رفعت کا حافظ و نگہبان ہو، یہ چیز عام مسائل کے حل میں بھی موثر اور مہم ہے لیکن وہ مسائل جن کا تعلق عقائد و ایمانیات سے ہے وہ اسی وقت فیصلہ ہو سکتے ہیں جب شارع علیہ السلام سے محبت و عشق ہو، ورنہ صحیح فیصلے تک پہنچنا مشکل ہے اور ایسے فیصلے جو محض عقل و شعور کی روشنی میں کئے گئے بسا اوقات فتنہ بدامان ثابت ہوئے ہیں۔

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیٰ ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین بت کدہ تصور آ

(۵)

مفتی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دیانت دار ہو۔ دیانت کا مفہوم ہمارے ہاں صرف روپوں تک محدود ہو کر رہ گیا ہے ورنہ فی الحقیقت یہ لفظ معنی کے اعتبار سے بڑا وسیع ہے، دیانت کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں مثلاً قوی، فعلی، عملی، خیالی، ارادی، اضطرابی وغیرہ وغیرہ۔ مفتی کو چاہئے کہ ہر قسم کی خیانت سے اپنا دامن امانت بچائے رکھے، اس موقع پر صاحب فتاویٰ مظہری حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے وہ واقعات نقل کرتا چلوں جو اگرچہ بہت معمولی ہیں مگر ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مرحوم کو دیانت کا کتنا قوی احساس تھا۔

ایک مرتبہ راقم دہلی حاضر تھا، کسی صاحب نے راقم کے نام لفافہ ارسال کیا مگر پتے میں صرف حضرت کا اسم گرامی تحریر کیا، چنانچہ یہ لفافہ حضرت نے اپنا سمجھ کر چاک کر دیا، لیکن سرنامہ پر نظر پڑی تو فوراً لفافہ بند کر کے اقم کے پاس بھیج دیا اور ساتھ ہی یہ معذرتانہ الفاظ بھی کہلو اسے ”چوں کہ میرے نام تھا اس لئے میں نے کھول لیا مگر پڑھا نہیں“۔ حضرت سے راقم کو نسبت فرزندگی تھی، اگر پڑھ بھی لیتے تو کوئی مضائقہ نہ تھا لیکن دیانت کا تقاضہ تھا کہ وہ لفافہ بجنسہ مجھ تک پہنچا یا جاتا چنانچہ پہنچا یا گیا۔

راقم اکثر حضرت علیہ الرحمہ کے نام جو مکتوب رسال کرتا اس میں اپنی کے احباب کو سلام بھی لکھ دیا کرتا اس کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا کہ "سلاموں کی امانت میرے سپرد نہ کیا کرو، اگر سلام نہ پہنچاؤں تو خیانت صدور میں آئے" — ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک دیانت و خیانت اپنے معنی کے اعتبار سے کتنے وسعت رکھتے ہیں۔

(۶)

معنی کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ اس کا دامن صداقت جماعتی رنگ میں رنگا ہوا نہ ہو، بلکہ اللہ کے رنگ میں رنگا ہوا ہو، ومن احسن من اللہ صبغة؛ — وہ طبقاتی کشمکش سے بالکل علیحدہ ہو اور ہر قسم کے تعصبات سے بالاتر، نظری اختلافات سے قطعیت پر آمادہ نہ ہو جائے، علامہ ابن حزم نے میانہ روی کے اس طریقہ کی بڑے موثر پیرایہ میں وضاحت کر دی ہے، انہیں خیالات کا صاحب فتاویٰ منظر ہی نے بھی فتاویٰ میں ذکر فرمایا ہے، علامہ ابن حزم فرماتے ہیں :-

"بہتر یہ ہے کہ ان تمام احکامات پر پابند رہا جائے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نہایت واضح بیان عربی میں نہیں تصریح فرما دیا ہے جس میں کوئی شے (از قبیل ہدایت) نہیں چھوڑی۔ ہدایت کی ہر شے کا واضح بیان ہے، اس کے پابند رہو جو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً اور سنداً بذریعہ روایت ثقات ائمہ حدیث رضی اللہ تعالیٰ عنہم ثابت ہے، بس یہی دوراستہ ہیں جو تمہیں تمہارے پروردگار کی رضا تک پہنچائیں گے۔"

(۷)

یہ میانہ روی اخلاص عمل کا نتیجہ ہے، اس لئے ضروری ہے کہ معنی مخلص ہو، یہی اخلاص مسائل دینیہ کے سمجھنے میں بصیرت و نورانیت عطا کرتا ہے، استاد ابو زہرہ مصری نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے متعلق لکھا ہے :-

امام صاحب طلب حق میں مخلص تھے اور یہی وہ صفت کمال تھی جس نے ان کے قلب بصیرت کو منور کر رکھا تھا کیوں کہ جس شخص کا دل اخلاص کی دولت سے مالا مال ہو وہ خواہشات نفسانی اور خود غرضی سے بلند ہو کر فہم مسائل دینیہ کی سعی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے قلب میں اپنی طرف سے نور معرفت ڈال دیتا ہے جس سے اس کے مدارک فہم روشن ہو جاتے ہیں اور اس کے عقل و فکر میں استقامت پیدا ہو جاتی ہے اور صحیح طور پر ان سے آگاہ ہو جاتا ہے۔

۱ ابو محمد علی ابن احمد بن حزم الاندلسی : (النصائح المنجیہ من فضائح الخزیہ والقبایح المرویہ۔ درجوار الملل والخل

لابن حزم، مطبوعہ مصر ۱۳۲۶ھ، جلد دوم، ترجمہ اردو مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۵ء، ص - ۱۱۵

۲ ابو زہرہ : امام ابو حنیفہ، ص - ۱۱۰

جب کسی مفتی کے اعمال و افکار کی بنیاد اخلاص پر ہوتی ہے تو اس سے کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہو سکتا جو روح اخلاص کے منافی ہو، سب سے کٹھن مرحلہ ہوتا ہے جب مفتی اپنے مخالف کے بارے میں قلم اٹھاتا ہے، اس پہلو سے اگر صاحب فتاویٰ منظرہ مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی سیرت مبارکہ کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے مخالفین کی ایذا رسانی کے باوجود ان کے خلاف قلم نہیں اٹھایا اور تو اور ان کے حق میں فیصلے کئے ہیں۔ اس سلسلے میں فتاویٰ منظرہ سے چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) ۱۹۵۹ء میں ایک ناٹو لنگوار واقعہ پیش آیا، عید کے موقعہ پر دہلی کے بعض علماء نے حضرتؒ کے فیصلے کے خلاف اپنے فیصلہ کا اعلان کیا اور اس سلسلے میں بعض ناواقبت اندیش حضرات نے حضرتؒ کو بدنام کرنے کی کوشش کی، جب اس صورت حال کے متعلق ایک سائل نے سوال کیا تو حضرت نے تحریر فرمایا :-

اس کی اصل وجہ جو میرے نزدیک ہے وہ تو نہیں بتلا سکتا کہ وہ ایک عالم کی بدنامی کا باعث ہوگی۔ سوال ۵۵ (ب)

(ب) دہلی کے مشہور عالم مفتی حضرت مولانا محمد کفایت اللہ مرحوم سے حضرت نے بارہا اختلاف اٹھائے کیا ہے، مگر کسی تہذیب و شائستگی کے امن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ چنانچہ متذکرہ بالا جواب میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں :-

مدت ہو گئی کہ ان کے ساتھ (مفتی محمد کفایت اللہ) رویت ہلال کے جلسے میں شرکت ہوتی، بعض مسائل میں اختلاف بھی ہوا لیکن نہایت تہذیباً نہ انداز میں، آج کی سی صورت کبھی واقع نہ ہوئی۔

(ج) ۱۹۵۵ء میں محمد یونس خالدی نے بیہوشی سے ایک فتویٰ بھیجا تھا جس میں مولانا محبوب علی صاحب مرحوم (خلیب جامع مسجد بیہوشی) کے خلاف ایک استفسار کیا تھا، مولانا محبوب علی مرحوم، بریلوی مسلک کے مشہور مشہد عالم مولانا حسنت علی مرحوم کے بھائی تھے۔ یہ حضرات، حضرتؒ کے متعلق کچھ اچھی رائے نہ رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود ان کی طرف حق دیکھتے ہوئے حضرت نے ان موافق فیصلہ صادر فرمایا اور آخر میں تحریر فرمایا :-

جو کچھ میں نے عرض کیا اس کو اس پر ہرگز محمول نہ کیا جائے کہ مجھے ان علی برادران (مولوی محبوب علی و مولوی حسنت علی) سے کچھ تعلق ہے۔ مولوی محبوب علی صاحب کا تو صرف میں نے نام ہی سنا تھا، — مولانا حسنت علی صاحب کا اسم گرامی سننے کے ساتھ ایک عرصہ سے ان کے کچھ اوصاف بھی سنتا رہا ہوں کہ اپنے کو بریلوی کہتے ہیں اور مزاج میں نہایت درجہ تشدد ہے جس کی اکثر اہل سنت کو بڑی شکایت ہے۔ — بعض لوگوں نے یہ بھی بیان کیا کہ اسی بنا پر تیرے متعلق بھی اچھا خیال نہیں رکھتے اور وہ مجھے بھی اپنا مخالف سمجھتے ہیں۔ — جبہ مجھے مذہباً

اپنا مخالف خیال فرمائیں گے تو لامحالہ ان کے مخالفین میں شمار کیا جاؤں گا اور اس صورت میں اگر مولیٰ تعالیٰ نفس کی شرارت سے محفوظ نہ رکھے تو جذبہ انتقامی کی خواہش یہ ہوگی کہ میں بھی بجائے اس آگ کے بجھانے کے اور اس کو ہوا دوں، لیکن الحمد للہ علیٰ احسانہ میں نے مخالف کی طرف حق دیکھتے ہوئے کبھی اس کی حمایت سے دریغ نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے قلب میں میری محبت اسی طرح ہو گئی، اسی طرح اپنے دوست کی طرف سے باطل دیکھتے ہوئے کبھی اس کی حمایت نہ کی اگرچہ وہ اس کی وجہ سے دشمن ہو گیا لیکن مجھے نہ اس کی دوستی کی کچھ پڑا رہی نہ اس کی دشمنی کا کچھ خوف الحمد للہ علیٰ ذالک۔

(دارالافتاء دہلی کا قرآنی فیصلہ، مطبوعہ دہلی، ۱۹۵۵ء، ۲۰۱۹)

(۸)

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے اظہار حق میں کبھی پس و پیش نہ فرمایا۔ اور جس عالم نے اظہار حق میں اپنے وبیگانے کی پڑاہ نہ کی اس کی تعریف فرمائی اور مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ وہ اس قسم کے متقی علماء کے مل جانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کریں۔ چنانچہ اظہار حق پر استقامت کے سلسلے میں ایک جگہ فرماتے ہیں :-

اِنَّ اللہ کے بندوں نے اگر یہ خیال کیا ہے کہ ایسی حرکات سے مجھے حق کہنے سے روک دیں گے تو یہ خیال ان کا باطل ہے :- (فتویٰ رویت ہلال، مطبوعہ دہلی، ۱۳۷۵ھ)

عید الفطر کے موقعہ پر رویت ہلال کے سلسلے میں ایک سوال آیا جس میں تحریر تھا کہ جامع مسجد متھرا کے امام صاحب نے غیر شرعی شہادتوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، عوام الناس اور متولیان مسجد نے اصرار کیا مگر پھر بھی وہ نہ مانے اور فیصلے پر مستقیم رہے۔ اس فتوے کے جواب میں حضرت ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں :-

مسلمانوں کو اپنے مولیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ ان کا ایک متقی اور فاضل امام ہے ورنہ اس زمانے میں تو سیاسی انقلاب اپنے اپنے لپیٹے میں مذہب کو بھی نہیں چھوڑا، اس کے مسائل میں انقلاب رونما ہونے لگا۔ اور بڑا تعجب اس انقلاب پر ہے کہ پہلے عالم عوام کو حکم دیتے تھے، اب عوام عالم کو حکم دینے کی جرأت کرتے ہیں ع

بین تفاوت رہ ز کجاست تا بجا

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی اسی حق پسندی و حق گوئی کو دیکھتے ہوئے مفتی آستانہ (دہلی) حضرت مولانا زاہد القادری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

دنیا نے اسلام کے ارباب فضل و کمال اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ حضرت مفتی اعظم صاحب برکاتہم کا دامن، تحقیق کے جواہر پاروں سے مالا مال ہے، حضرت کے صحیفہ حیات میں حق شناسی

کا باب نہایت ہی روشن ہے۔

(دارالافتاء دہلی کا قرآنی فیصلہ، مطبوعہ دہلی، جلد ۱۳، ص ۲۵)

⑨

جب منقہ اپنی حق شناسی اور حق پسندی میں مخلص ہوتا ہے تو اس کے فیصلوں کے بارے میں کسی بھی طرف سے اگر کوئی معقول تنقید ہوتی ہے یا بعد میں وہ خود اپنی غلطی پر آگاہ ہوتا ہے تو وہ خواہ مخواہ اپنے فیصلوں کی صحت پر اصرار نہیں کرتا بلکہ پہلی فرصت میں رجوع کر لیتا ہے، اس سے منقہ کی وسعت قلبی، وسعت ذہنی اور حق پسندی کا پتا چلتا ہے۔

”قتوی دینا ہمیشہ آسان نہیں ہوتا، ایسے مشکل اور پیچیدہ سوال بھی بعض وقت پوچھے جاتے ہیں جن سے سر ہلکا جاتا ہے، فاضل سے فاضل شخص بھی شش پنج میں رہتا ہے، پہلے کوئی رائے قائم کرتا ہے پھر رائے بدل بھی دیا کرتا ہے، حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے بقرہ کے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعری، (رضی اللہ عنہ) کو آداب قضاء پر جو ہدایت نامہ بھیجا تھا وہ محفوظ ہے اور اس میں انہوں نے یہ صریح حکم دیا ہے کہ کوئی فیصلہ کر لینے کے بعد اگر معلوم ہو کہ اس میں نا انصافی ہوئی ہے تو فیصلہ بدل دو کہ :-

”حق کی طرف رجوع کرنا بہتر ہے، باطل پر برقرار رہنے سے“

جہاں چہ اسی وجہ سے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

ہر بات سن کر ضبط تحریر میں نہ لے آیا کرو کیوں کہ میری آج ایک رائے ہوتی ہے اور کل اس سے رجوع کر لیتا ہوں، کل ایک رائے قائم کرتا ہوں اور پھر اس سے رجوع کر لیتا ہوں

ایک مرتبہ آپ نے یہ بھی فرمایا :-

اگر کوئی شخص اس سے بہتر رائے پیش کرتا ہے تو پھر وہ رائے اوئی اور اقرب الی الصواب ہے۔

ایسے حق پسند علماء بھی تھے کہ اگر ان کی عالمہ فاضلہ بیویاں کسی مسئلے میں ان کی غلطی نکال تیں تو فوراً رجوع کر لیتے۔ ”جہاں چہ حنفی فقہ کے ایک ممتاز ترین فرد کا سانی گزرے ہیں جو صاحب تصنیف بزرگ تھے ان کی کتاب بدائع الصنائع سات جلدوں میں نفیس ترین کتابوں میں سے ہے، ان کی ذہانت دیکھی تو ان کے استاد فقہیہ علاء الدین السمرقندی نے اپنی بیٹی فاطمہ ان کو بیاہ دی، یہ فاطمہ بڑی فقیہہ تھیں، سوانح نگار لکھتے ہیں کہ بارہا اپنے شوہر کا سانی کے فیصلوں کو کاٹ دیتیں تھیں کہ اس میں فلاں غلطی ہے اور حق پسند شوہر اسے تسلیم بھی کر لیتے تھے۔“

۱۔ محلیہ صبرہ مصری : امام ابو حنیفہ، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۱۱۱۔ (بحوالہ تاریخ بغداد، جلد ۱۳، ص ۲۰۲)

۲۔ ایضاً، تاریخ بغداد، جلد ۱۳، ص ۳۵۲

(۱۰)

اس پہلو سے جب ہم صاحب فتاویٰ منظرہ مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو دیکھتے ہیں تو آپ کے ہاں رجوعیت کا باب درخشاں نظر آتا ہے جس سے آپ کے اخلاص اور صحیح معنوں میں حق پسندی کا اندازہ ہوتا ہے، اس دور میں تو یہ صفت علماء و فقہاء میں عتقا ہو گئی ہے، اہل علم اپنوں کی جائز تنقید سے چراغ پا ہو جاتے ہیں اختیار کا تو ذکر ہی کیا ہے، لیکن صاحب فتاویٰ منظرہ کی زندگی میں ایسی بھی مثالیں ملتی ہیں کہ آپ نے اپنے اور بیگانے ہر ایک کی تنقید کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔

رجوعیت کے سلسلے میں ہم فتاویٰ منظرہ سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

(ا) لاؤڈ اسپیکر پر جو امام نماز پڑھتا ہے اس کی اقتداء حضرت کے نزدیک جائز نہ تھی لیکن جب اس میں کچھ تردد محسوس کیا تو اس کا برملا اظہار فرما دیا۔ چنانچہ سوال ۳۳ کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں :-

پہلے میرے نزدیک ایسے امام کی اقتداء صحیح نہ تھی لیکن بعض روایتیں ایسی بھی نظر سے گزریں جو صحت اقتداء کی مقتضی ہیں اس لئے مجھے اب اس میں تردد ہو گیا ہے لیکن اب بھی ایسے امام کی اقتداء بہتر نہیں جانتا لقولہ تعالیٰ :-

ولا تقف ما ليس لك به علم ان السمع والبصر الفؤاد كل

اولئك كان عنده مستولاه

ولقوله عليه السلام :-

دع ما يريبك الی ما لا یوریک - (۱۷ اپریل ۱۹۶۰ء)

(ب) ریت ہلال کے بارے میں حضرت مفتی محمد محمود صاحب (مفتی حیدرآباد مغربی پاکستان) نے حضرت کو تحریر فرمایا ہوگا کہ قاضی القضاة اپنا فیصلہ تمام صوبوں میں نافذ کر سکتا ہے، اس کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا :-

جو آپ کا خیال ہے یہی مولینا عبد الحفیظ (مفتی آگرہ، بھارت) کا خیال ہے، جس کے جواب میں یہ شے آگئی ہے، کیا کہیں آپ کی نظر سے گزرا کہ قاضی القضاة اگر اپنا فیصلہ تمام صوبوں میں نافذ کرے تو شرعاً نافذ ہو جائے گا؛ بہت اچھا ہوتا اگر آپ اپنے خدشہ (پر) کچھ دلائل قائم کر کے بھیجتے تو یا تو ان کے جواب میں رسالے (انتقاء الحال فی رویت الہلال) میں دے دئے جاتے یا میں رجوع کر لیتا۔ (مکتوبہ سلسلہ نومبر ۱۹۵۱ء)

(ج) دہلی میں جمعیت العلماء ہند نے مولینا حفظ الرحمن مرحوم کی سرکردگی میں یہ فیصلہ کرنا چاہا کہ ریٹرو کے ذریعہ تمام ہندوستان میں بیک وقت عید کرائی جائے، اس سلسلے میں علماء کا اجلاس طلب کیا گیا،

اور حضرت کو بھی دعوت دی، حضرت نے جواباً جو کچھ تحریر فرمایا اس کا ذکر حضرت مفتی محمد محمود صاحب کے نام اپنے حوالہ بالا مکتوب میں اس طرح فرمایا :-

علماء کے جلسے میں مجھے طلب کیا گیا تھا، لیکن میں نے جواب لکھ دیا کہ اس طرح یہ مسئلہ طے نہ ہوگا، آپ لائل لکھیں اگر وہ آپ کی منشاء ثابت کر میں گے تو رجوع کر لوں گا ورنہ جواب سے دیا جائے گا۔

(۱۵) طلب اصلاح کے لئے حضرت ہمیشہ تیار رہتے تھے، چنانچہ رویت ہلال کے متعلق ایک رسالے کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں :-

چوں کہ عیدِ صحنی قریب تھی جس میں اختلاف کا اندیشہ تھا اس لئے سبجلیت یہ جواب تحریر میں آیا ہے، حضرات اہل علم سے التماس ہے کہ اگر وہ کسی مقام پر سقم پائیں تو بعد اصلاح فقیر کو مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

(۱۱)

مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ صداقت شعار ہو، لفظ صداقت اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے بہت وسیع ہے اس سے مراد اشیاء، جذبات، تصرفات، عملیات، خیالات، حقوق، واقعات، حادثات اور کیفیات کا بقدر طاقت بشری کے صحیح صحیح معلوم کرنا ہے، صداقت اس وقت تک مستحق نہیں ہو سکتی جب تک اس میں یہ عناصر خمستہ پائے جائیں، صحت جذبہ صداقت، صحت تحقق، صحت طرز بیان، صحت قوت قابلہ، اور صحت اصول تنقید۔ ان تمام عناصر میں صحت طرز بیان خاص اہمیت رکھتی ہے، جیسا کہ ایک قانون اخلاق کا عالم لکھتا ہے :-

صداقت کے اظہار اور تبلیغ ایسے طور پر اور ایسے رنگ میں ہونی چاہیے کہ اس میں کڑا اور دشمنی کا پہلو بہت کم ہو اور سننے والوں پر اس کا اثر ایسے طور سے ہو کہ وہ اس میں ایک حلاوت اور سچی اصلاح کا احساس کریں۔

(۱۲)

بعض وقت صداقت کے بیان میں یا صداقت کے استلالی رنگ میں فرق آنے کی وجہ سے خود صداقت میں فرق آجاتا ہے، اور بعض وقت صداقت کے بیان کرنے میں ایک ایسا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ اس سے صداقت کا اظہار تو فی الواقعہ ہو جاتا ہے لیکن جس طرز سے وہ بیان ہوتا ہے اس

۱۵ مفتی محمد منظر اللہ: انتقاد الممال فی رویت الہلال، مطبوعہ دہلی، ۱۹۵۰ء، ص - ۲۷

۱۶ سلطان احمد: اساس الاخلاق، مطبوعہ آمرتسر، ص - ۶۴۴

میں ایک ایسی کواہیت مستتر ہوتی ہے کہ سننے والے لوگ ایک گھبراہٹ میں پڑ جاتے ہیں اور بجائے ایک مفید اثر کے عموماً برا اثر پڑتا ہے گو ایسے بیان سے نفس صداقت میں فرق نہیں آتا مگر ایک ایسے پیرا میں اس کا بیان کیا جاتا ہے کہ اس بیان صداقت سے ایک اور بُرائی یا کراہیت پیدا ہو جاتی ہے اس سلسلے میں تقویت الایمان کو مثلاً پیش کیا جاسکتا ہے، جس کے درشت لہجے نے ملت اسلامیہ پر کوئی اچھا اثر مرتب نہیں کیا۔

توحید سے بڑھ کر اور کونسی صداقت ہوگی مگر دعوت توحید کے لئے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا :-

ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة .

اس نرم خوئی اور میانہ روی کا تعلق فطرت بشریہ سے ہے اسی لئے فرمایا :-

ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك .

گویا اظہار صداقت اگر تیرش روئی اور تنگی دل سے کیا جاتا تو صداقت، ایک عظیم صداقت، بے اثر ہو کر رہ جاتی، اور جو جاں نثار جمع ہو گئے تھے، جمع نہ ہوتے۔

جیسے جیسے اظہار صداقت کے پیرا ایسے بدلتے جاتے ہیں، صداقت کے موثرات میں بھی تبدیلی آتی جاتی ہے، توحید ایک ایسی صداقت ہے جو عہدِ ابراہیمی سے برابر پیش کی جاتی رہی ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف انبیاء کے تعلیمات کے اثرات ایک دوسرے مختلف ہے ہیں اس اختلاف میں جہاں اقوام کے قابلیت و صلاحیت کو دخل ہے وہاں اظہار صداقت کے پیرایوں کو بھی دخل ہے۔

شے کا حسن اسی وقت آشکار ہوتا ہے جب اس کو سلیقے سے پیش کیا جاتا ہے، نظام کائنات پر نظر تعمق ڈالنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے، حق جل مجدہ نے جس کمالِ سلیقہ سے ہر چیز رکھی ہے، اس نے ذرے ذرے میں قیامت کی کشش پیدا کر دی ہے۔

قرآن کریم نے جہاں یہ فرمایا ہے خلق الانسان علمہ البیان تو اس سے صحت اظہار ہی کی طرف اشارہ ہے۔ پھر ہم جب بیان کی مختلف منزلوں پر نظر ڈالتے ہیں تو کشش بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ بشرطیکہ کہنے والا یا لکھنے والا حسن اظہار کے گڑ سے واقف ہو۔

قرآن حکیم میں حق جل مجدہ نے عرب کے شعراء اور ادباء سے خطاب کر کے جو یہ فرمایا ہے کہ اگر تم سے ممکن ہو تو قرآن کریم جیسی ایک ہی آیت یا ایک ہی سورت بنا کر لاؤ تو یہاں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اظہار صداقت کا جو اسلوب ہم نے اختیار کیا ہے کائناتِ ارضی کا کوئی فرد یہ طاقت نہیں رکھتا کہ اس حسن اظہار تک سائی ماحصل کر سکے، اس کی نظیر پیش کرنا تو بڑی بات ہے خود قرآن عظیم کا جب ترجمہ کیا جاتا ہے تو پیرا یہ بیان کے بدل جانے سے تاثیر میں کتنا بڑا فرق آجاتا ہے حالانکہ صداقت وہی ہے۔

علاوہ ازیں ان کا (غیر مقلدین) ائمہ شریعت اور علماء ملت کے ساتھ طعن و توہین کے ساتھ پیش آنا اور تقلید کو شرک اور مقلدین کو مشرک ٹھہرانا یہ وہ امر عظیم ہے جس نے ان کے فسق میں اصل کلام نہ پھوڑا۔ کسی مقلد کو اپنے گروہ میں داخل کرنے کی فرمائش کی جاتی ہے تو ان کلمات سے "مسلمان ہو جاؤ"۔ اب فرمائیے کہ مقلدین کو مشرک کے کا فر کہنا پھر ایک کو نہ دو کو بلکہ گیارہ سو برس کے عائدہ مومنین کو جس میں کروڑوں محبوبانِ الہی داخل ہیں، یہ کیا کوئی معمولی بات ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

ایما اموی قال لاخیه کافر فقد باءبہا احدہما (متفق علیہ)
یعنی جو شخص کسی کا گروہ کو کافر کہے گا تو ان دونوں میں سے ایک پر بلا ضرور پڑے گی۔ یعنی اگر جس کو کافر کہا گیا ہے وہ حقیقت میں کافر ہو گیا ہے تب تو وہ کافر ہے ہی ورنہ کہنے والا کافر ہوگا۔ لیکن حاشا ثم حاشا ہم کبھی ان پر ایسا حکم نہ لگا دیں گے جب تک کہ قابلِ احتمال ضعیف سے ضعیف تاویل کی بھی گنجائش نظر آتی رہے گی کہ ہمیں امام عالی مقام کا ارشاد لانکفر احدنا من اهل القبلة یاد ہے۔ یعنی ہم اہل قبلہ میں سے (جو ضروریات دین کے منکر نہیں ہیں) کسی کو کافر نہیں کہتے۔

(ب) پاکستان میں ایک صاحب مجاہد عباسی نے خلافتِ معاصیہ دیزید کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی ۱۰ اس کے متعلق جب حضرت سے استفسار کیا گیا تو چوں کہ مصنف نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے لئے ناشائستہ الفاظ استعمال کئے تھے اس لئے فطرتاً تعلق و محبت کی بنا پر جواب میں قدرے دشمنی و جذباتیت پیدا ہو گئی تھی لیکن حضرت نے اس کا پورا پورا احساس فرمایا اور آخر میں یہ معذرتانہ الفاظ تحریر فرمائے :-
میری اس تحریر میں میری عادت کے خلاف بعض نامناسب الفاظ ضرور آئے ہوں گے لیکن ناظرین مجھے معذور رکھیں کہ کیسا ہی کوئی بردبار کیوں نہ ہو لیکن جب اس کے جاں نواز محبوب کو کوئی چھیڑتا ہے تو وہ بھی بیخ اٹھتا ہے۔ (۶ دسمبر ۱۹۵۹ء)

(ج) معقول جواب پر اگر کوئی اعتراض وارد کرے تو اس کے جواب میں معقولیت بردباری کو ہاتھ سے جانے نہ دینا اور حسین اظہار کو قائم رکھنا کمالِ فقہانیت ہے، چنانچہ ایک مرتبہ صاحب فتاویٰ مظہری حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے ایک جواب پر حضرت مولانا ولایت احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مدرس مدرسہ عالیہ فتحپور، دہلی) نے اعتراض وارد کیا، حضرت نے بڑے تحمل اور فقیہانہ بردباری کے ساتھ جواباً تحریر فرمایا :-

اس مسئلے میں اگرچہ تردد مجھ کو بھی تھا لیکن یہ مسجد کے وقف کا معاملہ ہے اس کو حتی الامکان ایسا

کرنے سے بچانا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے، جب اس وقف کے باطل چھوٹنے کا حکم کیا جائے گا تو پھر اس کی کیا حیثیت قرار دی جاسکتی ہے، کیا پھر اس کو اسی کسی کو واپس کر دیا جائے یا حکومت کے حوالے کیا جائے؟ اور جب اس کی کسی حرام ہے تو اسے کسی مسلمان کو کیسے کھلایا جاسکتا ہے، امید ہے کہ مجیب الہی سخت گیری نہ فرمائیں گے۔ (سوال نمبر ۲)

(۵) دہلی کے ممتاز عالم اور صوفی حضرت زید ابو الحسن (سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ ابو الخیرؒ) نے دارطہی کے متعلق عربی زبان میں ایک رسالہ تالیف فرمایا تھا جو ملاحظہ کے لئے حضرت کو بھی پیش کیا، اس میں ثابت کیا گیا تھا کہ دارطہی کا بقدر قبضہ ہونا کوئی ضروری نہیں بلکہ مطلق دارطہی رکھنا سنت ہو کہ وہ ہے حضرت کی نظر میں مؤلف مدح کے استدلال صحیح نہ تھے چنانچہ آپ نے بڑی سنجیدگی اور متانت کے ساتھ اس کا رد فرمایا۔ یہ بھی عرض کر دوں کہ حضرت مؤلف، حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے خاص محبین میں ہیں، آپ جامعہ ازہر (مصر) کے فارغ ہیں۔ حضرت کے جواب کے بعض اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں :-

(۱) فقیر نے جناب کا رسالہ دیکھا، انشاء اللہ بہت ہی بہتر ہے، جس قدر جناب نے اس میں کوشش فرمائی بلاشبہ قابل تحسین ہے لیکن افسوس بہت سے مقامات پر فقیر کو شبہات واقع ہو گئے۔

(۲) جناب کو جو اس باب میں شبہ ہوا ہے وہ علامہ ابن ہمام رحمہم اللہ تعالیٰ کے فتح القدیر کی عبارت سے ہوا ہے اسی نے فقہائے کرام کے تحظیہ پر جرأت دلائی جس کی جناب سے ہرگز توقع نہ تھی یہ صرف جامعہ ازہر کی کرامت کا ظہور ہے، یا جامعہ ازہر کے نجوم فیضان کا ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے ورنہ میرا ظن غالب یہی ہے کہ جناب کی ذات ستودہ صفات ایسے مکروہ فعل سے بالکل بری ہے، مولیٰ تعالیٰ ان کے ایسے مکائد سے جناب کو بری ہی رکھے، غرض اب جو کچھ عرض کروں گا اس میں میرے مخاطب ہی لوگ ہوں گے، آپ کے رسالے پر رد لکھنا مد نظر نہیں۔

اس کے بعد حضرت علیہ الرحمہ نے مصریو کو خطاب کر کے اس رسالے پر عالمانہ تنقید فرمائی ہے مگر اس میں بھی خرم و احتیاط کا دامن نہیں چھوٹا اور آخر میں تحریر فرمایا :-

اس مسئلے میں مجھے کہنا تو بہت کچھ تھا لیکن صرف انہی چند کلمات پر اکتفا کرتا ہوں اس لئے کہ مجھے اس ہی تحریر پر بہت کچھ شرمندگی ہے کہ آپ حضرات (اہل مصر) کی شان میں بعض نازیبا الفاظ صادر ہو گئے، لیکن امید ہے کہ مجھے معذور فرماتے ہوئے معاف فرمائیں گے۔

(۱۵)

حق پسندی و حق گوئی اور صداقت شعاری کے ساتھ ساتھ مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ باغیرت اور باوقار

ہو، صاحبِ فتاویٰ نظری حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی حیاتِ طیبہ میں علم و فضل کے ساتھ ساتھ خیریت و حقیقت انہما درجہ پر تھی، یہ جو ہر علماء کرام میں نابود ہوتا جا رہا ہے، آج بعض علماء و وزراء و نوابین کے دربار میں محاضری اور ان سے ملاقاتیں سناٹ و خوش بختی سمجھتے ہیں مگر حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا یہ حال تھا کہ جب نواب سعید آباد دکن نے پہلی کے زمانہ قیام میں رویت ہلال کے مسئلے پر گفتگو کے لئے حضرت کو سعید آباد ہاؤس میں یاد فرمایا تو آپ نے بڑی بے باکی کیسی فرمایا۔

”فورت ان کو ہے، انہیں کو آنا چاہیے“

اس واقعہ کو ارتضیٰ حسین معترف بہ ملا واحدی نے رسالہ ”تجدرد“ (مارچ ۱۹۶۶ء) اور علامہ اطلاق حسین دہلوی نے رسالہ عقیدت (جولائی و اگست ۱۹۶۳ء) میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

حضرت کے علم و تدبیر کا ذکر کرتے ہوئے ملا واحدی صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ جس زمانے میں حضرت دہلی سنی مجلس اوقاف کے ممبر تھے اور شہید ملت لیاقت علی خاں صدر تھے۔ تو جب کبھی مجلس کی میٹنگ ہوتی تو حضرت عالمانہ وقار کے ساتھ خاموش بیٹھے رہتے، دیگر ممبران کی طرح غیر ضروری گفتگو نہ فرماتے اور جب کسی شرعی مسئلے میں رجوع کی ضرورت ہوتی تو ممبران آپ سے رجوع کرتے اور آپ نہایت متانت و سنجیدگی کے ساتھ جوابات مرحمت فرماتے۔

(۱۶)

مندرجہ بالا تمام مفتی و شخصی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ایک متدین و متقی مفتی کے لئے ضروری ہے کہ جو کچھ اپنی قلم سے لکھے جب خود ان حالات سے دوچار ہو تو اس پر سختی سے عمل پیرا ہو، اور اس کا ہر عمل اس کے قول پر گواہ ہو، درحقیقت یہی دلیل فضیلت ہے۔ عملیت کے اس پہلو سے جب ہم حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی حیات مبارکہ پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ آپ کے اقوال کی جیتی جاگتی تصویر معلوم ہوتی ہے، اس سلسلے میں یہ واقعہ ناقابل فراموش ہے۔

فوٹو کی حرمت کے بارے میں حضرت کا فیصلہ اٹل تھا، حضرت کے ایک نوجوان اور عالم صاحب اد سے پاکستان آکر سخت علیل ہوئے اور بالآخر رحلت فرما گئے، مگر حضرت پمپور میں فوٹو کی اس قید کی وجہ سے تشریف نہیں لائے۔ اس کے بعد آپ کی جواں سالہ نواسی کا اچانک انتقال ہو گیا مگر اس موقع پر بھی اسی قید کی وجہ سے تشریف نہیں لائے، چنانچہ سوال ۲۱۲ میں فوٹو کے بارے میں ایک استفسار کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

فقیر اس فوٹو کی قید کی وجہ سے چودہ سال تک پاکستان نہ گیا حالانکہ وہاں بچوں کی شادیاں ہوئیں ایک احقر زادہ جنید عالم کا وہاں انتقال ہوا، وہ آخر وقت لوگوں سے کہتا رہا کہ کسی طرح مجھ اس کی شکل دکھلا دو اور لوگ مجھے لکھتے رہے لیکن میں جاسکا، حکومت میں بلا پمپورٹ کے درخواست کی گئی لیکن نامنظور ہوئی۔ ایک نواسی اور بعض غلصین کا انتقال ہوا لیکن ابھی قید کی وجہ سے نہ جاسکا۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن گفتار میں کردار میں لاشکی برمان

۱۳ صفر ۱۳۸۵ھ
یکم مئی ۱۹۶۹ء

احقر محمد مسعود احمد
کوئٹہ (مغربی پاکستان)

فتاویٰ مظہری



جلد اول

پہلا باب



عبادات

سمت قبلہ

نسبہ

طول بلد کراچی	۰ — ۶۷	و عرضہ	۵۴ — ۲۴
طول بلد	۰ — ۶۷		
طول حرم	۱۰ — ۴۰		
فضل طول	۲۶ — ۵۰	جیب التمام	۹۵۹۵۰۵۲۲
عرض حرم	۲۱ — ۲۵	+ ظل التمام	۱۰۶۴۰۶۴۵۸
قوس ظلہ	۱۶ — ۶۶	حاصل جمع	۱۰۶۳۵۶۹۸۰
تمام قوس	۲۳ — ۴۴	جیب التمام	۹۵۹۶۱۶۲۴
عرض بلد	۲۴ — ۵۴	+ ظل فضل طول	۹۵۷۰۴۰۳۶
تفاضل	۱ — ۱۰	محفوظ	۹۵۶۶۵۶۶۰
قوس ظلہ	۲۹ — ۸۷	جیب -	۸۶۳۰۸۷۹۴
تمام قوس	۳۱ — ۲	تفاضل	۱۵۳۵۶۸۶۶
		پس قدر انحراف جنوبی دو درجہ اکتیس دقیقہ ہوا کہ	
		عرض موقوفہ سے عرض بلد زائد ہے۔	

مکرمی زید مجتہد

و علیکم السلام ورحمۃ ربکم النعمان۔ نامہ گرامی نہایت ہی مسرت کا باعث ہوا۔ ان فتاویٰ میں صرف حاجی محمد ظہیر صاحب کا فتویٰ صحیح ہے میرے عمل میں اور ان کے عمل میں صرف پانچ دقیقوں کا فرق اس لئے ہے کہ میرے نزدیک ایک انڈیکس جو شائع ہوئی ہیں وہ معتبر نہیں اور انہوں نے کراچی کا عرض طول اسی سے لیا ہے لیکن یہ فرق کچھ زیادہ قابل اعتبار نہیں پس میرا اور ان کا قدر انحراف جنوبی تقریباً ڈھائی درجہ پر اتفاق ہے باقی دونوں صاحبوں کے فتوے صحیح نہیں، پرانے ہیئت والوں نے جو طریقہ لکھا ہے اس طریق پر انہوں نے نکالا ہے اور سرسری نظر میں وہ بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا اور تجربہ نے بتلایا کہ اس سے سمت قبلہ صحیح نہیں نکلتا۔ شاہی مسجد کو اگر ملاحظہ کریں گے تو میرا قول بخوبی ثابت ہو جائیگا۔

۱۰ سمت قبلہ کے لئے قدر انحراف کے سلسلے میں ایک فتویٰ علمائے دیوبند کے سامنے پیش کیا گیا تھا جس کا جواب مولوی بشیر احمد (مدیر مدرسہ دیوبند) نے لکھا تھا اور اس پر مولوی سید مہدی حسن (مدنی دارالعلوم دیوبند) مولوی محمد جمیل الرحمن (نائب مفتی) مولوی مسعود احمد وغیرہ کی تصدیقات تھیں۔ یہ جواب جنوری ۱۹۵۹ء کو لکھا گیا، جب حضرت کے سامنے پیش کیا تو حضرت نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے یہ جواب مرحمت فرمایا۔

آپ کو یہ فتاویٰ مولانا محمد ظفر الدین صاحب بہاری دامت برکاتہم کی خدمت میں ارسال کرنے چاہیے تھے وہ دیوبندی فتوے کو ملاحظہ کر کے بڑے خوش ہوتے اور تعجب تھا کہ ان کی صفت و ثنائیں کوئی رسالہ بھی تحریر فرما دیتے کہ میری نظر میں آج ہند میں اس فن میں ان کا ثانی کوئی نہیں۔ قطب نما سے سمت قبلہ متعین کرنے کے لئے اول زمین پر ایک دائرہ بنا لیں پھر اس کے مرکز سے صحیح قطب نما کے ذریعہ جنوباً شمالاً اور شرقاً غرباً محیط تک خط کھینچ دیں اب جنوب مغرب کے قوس کو ۹ حصوں پر تقسیم کر دیں پھر خط استواء کے قریب جو حصہ ہے اس کے دس حصے کر لیں ان میں ہر حصہ ایک درجہ ہوگا۔ ان حصوں میں خط مغرب کے قریب کے ڈھائی درجوں پر ایک نشان کر دیجئے۔ اب مرکز سے اس نقطہ کو قطع کرتا ہوا دوسرا خط کھینچئے جو دائرے سے باہر نکل جائے۔ یہ خط صحیح قبلہ نما ہوگا۔ پھر اس خط پر بیٹا شمالاً ایک ایسا خط کھینچئے جس سے صحیح دوزاویہ قائمے پیدا ہو جائیں پس اس خط پر جدار قبلہ کی بنیاد رکھی جائیگی، عریضہ ہذا کی پشت پر اس کی مثال دی ہے۔ نامہ گرامی پر سول شام کو پہنچا کل اتوار تھا اس لئے آج ارسال ہے فقط والسلام

محمد ظفر الدین
۲۱ جولائی ۱۹۵۹ء

اوقات

(سوال نمبر ۲) آج کل عشاء کی اذان گھنٹوں کے حساب سے کس وقت دینی چاہیے اور نماز کس وقت پڑھنی چاہیے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ غروب آفتاب سے ایک گھنٹے یا سوا گھنٹے کے بعد عشاء کا وقت ہو جاتا ہے۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟ نماز عشاء کا مستحب وقت کونسا ہے۔ بینوا و توجہ و ا

الجواب هو الموفق للصواب

بصورت مسئلہ واضح رہے کہ اس امر میں تو کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ اذان وقت میں دینا سنت ہے اگر غیر وقت دی جائے گی تو اس کا اعادہ ضروری ہے بلکہ چوں کہ یہ نماز کی سنت ہے تو اس کا دینا بھی ایسے ہی وقت میں چاہیے جس میں کہ نماز کا ادا کرنا مستحب ہے کما فی العالمگیریہ :-

تقديم الاذان على الوقت في غير الصبح لا يجوزنا اتفاقا وفي ذلك الاختصاص
وهو سنة في وقتها ولو قضاء لانه سنة للصلاة حتى يبرديه والوقت
في عداد اذان وقع بعضه قبله (انتهى ملخصاً)۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ وقت عشاء مذہب حنفیہ میں کس وقت ہوتا ہے سو اگرچہ امام اور صاحبین کے درمیان اس میں

اختلاف ہے لیکن محققین کے نزدیک مذہب انج امام ہی کا ہے چنانچہ اصحاب متون اس ہی طرف گئے ہیں۔
 كما في الكنز والمغرب منه اني عزوب لشفق وهو البياض وفي القصرى
 واول وقت المغرب اذا غربت الشمس واخر وقتها ما لم تغيب لشفق وهو
 البياض لذى في الافق بعد الحمرة -

اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے :-

واول وقت العشاء حين يغيب الشفق لا خلاف فيه انما اختلفوا في
 الشفق قال ابو يوسف ومحمد والشافعي رحمهم الله تعالى هي الحمرة و
 قال ابو حنيفة رحمه الله تعالى هو البياض الذي يلي الحمرة حتى لو صلى
 العشاء بعد ما غابت الحمرة ولم يغيب لبياض المعترض الذي يكون بعد
 الحمرة لا تجوز عنده -

اور اس ہی مذہب پر ایک زمانے سے تعالٰیٰ جلا آ رہا ہے بلکہ میرے خیال میں تو اس زمانہ میں بھی کوئی غیر محتاط عالم ہی مذہب
 صاحبین پر فتوے دیں ورنہ یہ امر مشکل ہے کیوں کہ اول تو یہ متون و شرح اور امام کے ظاہر مذہب کے مخالف ہے پس
 اس صورت میں مذہب صاحبین پر کیسے فتویٰ دیا جاسکتا ہے دوسرے علامہ ابراہیم طبری کبیری شرح منیۃ المصلیٰ میں اور محقق
 کمال الدین ابن الہمام فتح القدر میں اور حرم علی صاحب نے غایۃ الاوطار میں ان مذاہب کی تحقیق کے بعد فرمایا ہے کہ اجماع
 امام ہی کا مذہب ہے اس کے خلاف پر فتوے دینا جائز نہیں پس میں نہیں سمجھ سکتا کہ علامہ کمال الدین ابن الہمام جیسے
 محقق کی تحقیق کے آگے کس کی قلم میں طاقت ہے کہ جنبش کرے گی۔ اب یہ امر دیکھنا اور رہ گیا ہے کہ گھنٹوں
 کے حساب سے وقت عشاء کس وقت ہوتا ہے؟ سو بعض حضرات کا یہ فرما دینا کہ ہمیشہ غروب کے ایک گھنٹے یا سو گھنٹے
 کے بغیر وقت عشاء ہو جاتا ہے یہ تو قابل تسلیم نہیں۔ یہ امر اس صورت میں تو ممکن تھا کہ جب کہ طلوع و غروب کا درمیان فی زمانہ ہمیشہ یکساں
 رہتا اور جب یہ نہیں ہے تو غروب آفتاب اور غروب شفق کا درمیان فی زمانہ کیوں کر یکساں رہے گا پس وقت کے معلوم کرنے
 کے لئے یا تو مشاہدہ ہے ہر شخص جس کو ان میں نظر ہے ملاحظہ کر سکتا ہے ورنہ سب سے بہتر وقت معلوم کرنے کے
 لئے وہ نقشہ ہے جو خیر اللہ شاہ مہندس نے مرتب کیا ہے جس کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے بھی
 پسند فرمایا ہے اور اسی بنا پر نواب قطب الدین خاں صاحب نے مظاہر حق میں درج فرمایا ہے چنانچہ آج تک اس
 کو علماء پسند فرماتے اور عمل کرتے چلے آ رہے ہیں اور اس ہی نقشے کی بنا پر مرزا سہارن پوری نے ایک جنتری مرتب
 کی ہے جو ہمیشہ کے لئے اوقات نماز معلوم کرنے کے لئے کافی ہے۔ مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور اور
 جامع مسجد سہارن پور میں اس ہی پر عمل ہو رہا ہے احقر کے پاس بھی یہ جنتری موجود ہے جو صاحب چاہیں ملاحظہ فرما
 سکتے ہیں پس اس جنتری کی رو سے آج کل کہ ۲۱ یا ۲۲ شعبان ۱۳۳۵ھ ہوگی وقت عشاء ۹ بجے اور نماز سوا نو بجے
 ہونی چاہیے۔ اس ہی پر احقر بھی کاربند ہے۔ افسوس ان اشخاص پر آتا ہے کہ نماز عشاء وقت مستحب ہیں تو کیا

پر مہیں گے یہ بھی گوارا نہیں ہے کہ ہم اختلاف سے نکل کر اول ہی وقت میں پڑھیں پھر یہ نہیں ہے کہ انتظار صلوات میں وقت بیکار جا رہا ہو جس کا ان کو اتنا خیال ہے، نہیں نہیں اس میں بھی موجب فرمان جناب صلی اللہ علیہ وسلم، لن تزلوا فی الصلوٰۃ ما تنتظرتم الصلوٰۃ نمازی کا ثواب مل رہا ہے مگر حصول ثواب کا شوق ہو تو اس پر عمل کریں وہاں تو سر یہ سے بار ٹالنا ہے اور پھر وقت بھی ان کی مرضی کے خلاف زیادہ نہیں جا رہا صرف پندہ منٹ جس کے لئے معرقتی خطریں پڑنا منظور لیکن بات اور وضع میں فرق نہ آئے اور امام کو غلام سمجھ کر اس پر حکومت کی جائے اور اس کی مخالفت میں شرع کو بھی بالائے طاق رکھ دیا جائے۔ افسوس صد افسوس! مسلم کی ایک روایت عبد اللہ بن عمر سے ہے کہ :-

قال مکثنا ذات لیلۃ ننتظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوات العشاء الاخرۃ فخرج الیناحین ذهب ثلث اللیل او بعدا فلاندری امشی مشغله فی اہله او غیر ذالک فقال حین خرج انکم لتنتظرون وصلواتہ ما ینتظر یا اہل دین غیرکم ولولا ان یثقل علی امتی لصلیت بھم هذه الساعة ثم امر المؤذن فاقام الصلوٰۃ وصلی۔

اس روایت سے معلوم ہو گیا کہ ان حضرات کا نماز عشاء کے موخر کرنے سے دم چرانا کوئی بعید نہیں۔ یہ تو مخیر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فدائیوں کو پہلے ہی فرما دیا کہ یہ عمل تو تم ہی جیسے دینداروں سے ہو گا اور نیز معلوم ہو گیا کہ ثلث لیل گزرنے پر نماز عشاء کا وقت مستحب ہے۔ نیز ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں ہے :-

ولولا ضعف الضعیف وسقم السقیم لاخرت هذه الصلوٰۃ الی مشط اللیل۔
یعنی اگر الضعیف کا ضعف اور بیمار کی بیماری نہ ہوتی تو اس نماز میں آدمی رات تک تاخیر کرتا۔

بہر حال ان احادیث پر عمل کرنے والے گزر گئے لیکن اس زمانے میں بھی اس وقت مذکورہ سے پیشتر تو ہرگز نہ ہونا چاہیے۔ البتہ اگر اپنی ہم قاصدہ کی طرف نظر کرتے ہوئے رمضان شریف میں کہ اس میں محقول عذر ہے اذان صاحبین کے مذہب پر یعنی پونے نو بجے دلوادی جائے تو مناسب معلوم ہوتا ہے اگرچہ ہے یہ بھی خلاف احتیاط مگر نماز بہر حال مذہب نام پر ہونی چاہیے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

حرفہ محترمہ حضرت مولانا غفرلہ

امام مسجد فتحپوری۔ دہلی

(نوٹ)۔ یہ فتویٰ حضرت علیہ الرحمہ کے ایام جوانی کا ہے ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۶ء میں تحریر فرمایا جب کہ عمر شریف ۳۲ سال تھی۔

(سوال نمبر ۳) ① طلوع آفتاب کے وقت نماز پڑھنا کیسا ہے اگر مکروہ ہے تو طلوع آفتاب سے کس قدر پہلے رکنا چاہیے اور طلوع آفتاب کے بعد کتنی دیر انتظار کرنا چاہیے۔

② عصر عشاء کے اوقات عند الاحناف کب شروع ہوتے ہیں؟

الجواب

- ① طلوع آفتاب سے قبل نماز کو نہ نہیں البتہ نفل کر وہ ہیں اور اگر فرض صبح پڑھ لئے گئے ہیں تو اس کے بعد سے طلوع آفتاب تک سنت صبح بھی مکروہ ہے اور آفتاب کا کنارہ چمکتے ہی ہر نماز ناجائز ہے تا وقتیکہ آفتاب پر نظر ٹھیر سکے اور اس کا اندازہ میں منٹ کیا گیا ہے پس آفتاب کو نکلے ہوئے جب بیس منٹ گزریں جب نماز پڑھیں۔
- ② عصر و عشاء کے اوقات میں مجتہدین کا اختلاف ہے لہذا احتیاط لازم ہے پس جب کسی شے کا سایہ سوائے سایہ امی کے ایک مثل ہو جائے اس سے پہلے پہلے نظر ادا کر لی جائے اور جب دو مثل ہو جائے تب عصر پڑھی جائے۔ اسی طرح جب مغرب کی جانب آسمان کے کناروں پر سرخی غائب ہو جائے اس سے پہلے پہلے مغرب ادا کر لی جائے اور جب پیدای بھی غائب ہو جائے اس وقت نماز عشاء پڑھی جائے۔ گھنٹوں کے اعتبار سے عصر و عشاء کا وقت معلوم کرنا ہوتا ہے ہمارا نقشہ اوقات نماز ملاحظہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عجمی
جامع مسجد فتحپوری۔ دہلی

- (سوال نمبر ۴) ① ضحوی کبریٰ یا نصف النہار شرعی کس کو کہتے ہیں؟
② اس وقت نماز نہ پڑھنے کی شرعا کوئی دلیل ہے یا نہیں؟

مستفتی

قاری شریف احمد (دہلی)

الجواب

صبح صادق سے تا غروب آفتاب نہار شرعی ہے اور اس وقت ہر نماز مکروہ ہے لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن الصلوة نصف النہار حتی تزول الشمس۔ ما واہ الوداؤد۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عجمی
مسجد جامع فتحپوری۔ دہلی
(۲۷ دسمبر ۱۹۵۹ء)

اذان

- ① جمعہ کی خطبہ کی اذان کا صحیح وقت کیا ہے؟

۲) اگر امام تقریر کر رہا ہے اور کسی نے یہ سمجھ کر کہ وقت ہو گیا ہے مؤذن کو اشارہ کر دیا اور اذان دے دی گئی لیکن امام برابر تقریر کرتا رہا۔ بعد میں جب وہ خطبے کے لئے ممبر پر بیٹھا تو دوبارہ اذان دلوائی گئی۔ اس میں شرعاً تو کوئی قباحت نہیں؟

۳) گھنٹوں اور گھنٹوں میں دو چار منٹ کے فرق عموماً رہتے ہیں۔ اتفاقاً اگر جمعہ میں یہ صورت پیش آجائے اور خطبہ کی اذان کے مقررہ وقت سے چار یا پانچ منٹ زائد ہو جائیں تو انتظامی ذمہ داری کا خیال کرتے ہوئے متولیوں کو بحالت تقریر بلا امام کو اطلاع دئے ہوئے اذان دلوانا درست ہے؟ بدینوا و توجروا۔

(۲۸ ستمبر ۱۹۶۳ء)

الجواب

۱) جب امام ممبر پر پہنچے۔

۲) نہیں کوئی قباحت نہیں۔

۳) متولی کو ایسا نہ چاہیے تھا۔ امام سے پہلے تقریر موقوف کرانی چاہیے تھی اور امام کو خود ہی ختم کر دینی چاہیے تھی کہ اذان کے وقت تقریر جائز نہیں، گھنٹوں کا ایسا پابند نہ ہونا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد رفیع صاحب مدظلہ العالی

دستبر

الجواب

فتویٰ مبرا جس کی سرخی ”جمعہ کی اذان ثانی کے متعلق شرعی فتویٰ“ ہے دیکھا گیا، نفس مسئلہ کے متعلق جو اس میں تقریر ہے اس میں تو مجیب اور اس کے مصححین مجبور ہیں اس لئے کہ عبارت فقہا کا مطلب جو ان کے خیال میں آیا وہ تو اس ہی کے موافق تحریر فرمائیں گے لیکن اس پر یہ جرأت نہایت درجہ نامعقول ہے کہ جو احناف مسجد میں اذان دینے کو منع کرتے ہیں ان پر امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخالفت کا الزام لگایا گیا اور اس کا دعویٰ کیا گیا کہ :-

تقریباً تیرہ سو برس گزر چکے کہ حضرت امام ابوحنیفہ درجہ علم اللہ نے اذان خطبہ کے لئے عند المنبر فرمایا تھا جس کی پابندی تمام دین میں اب تک ہو رہی ہے۔

یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ ہی میں حضرت امام اعظم نے برخلاف عمل صحابہ اپنا یہ حکم جاری فرمایا تھا۔ اس کے متعلق میں کیا عرض کروں، کسی مسلم جاہل سے پوچھ دیکھئے۔ اور مولوی محمد داؤد قاسمی نے تو غضب ہی کر دیا کہ

۱۔ مسوے کے حشر میں اس جواب کا سوال تحریر نہیں تھا اس لئے نہیں لکھا گیا لیکن نفس مضمون سے سوال کی نوعیت کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے بلکہ پہلی ہی سطر سے علم ہو جاتا ہے۔

مانعین احناف پر یہ اتہام لگایا کہ یہ لوگ معاذ اللہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بدعتی سمجھتے ہیں کہ جمعہ کی اذان اول انہی کی ایجاد کردہ ہے پس اس کے جواز کو تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن یہ نہ بتلایا کہ وہ کونسا حنفی ہے؟۔ اس کے علاوہ اس کا نہایت واضح طور پر رد طوی کیا ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی کو مسجد میں امام کے قریب بیٹے پر صحابہ کا اور تمام علماء احناف کا عمل رہا ہے جو محض باطل ہے۔ غرض اس فتوے کے یہ اجزاء تو بغایت درجہ قابل افسوس ہیں جن کا منشاء مسلمانوں کو فقط دھوکا دینا ہے اور کچھ نہیں پس اس کے متعلق تو کچھ تحریر کرنا میرے مسلک کے خلاف ہے جس کا کوئی معتد بہ فائدہ بھی نہیں علاوہ ازیں اس کے جواب کے لئے میرا پہلا فتویٰ بھی کافی ہے۔۔۔ اب رہا نفس مسئلہ جس کے متعلق پہلے فتوے میں لکھ چکا ہوں کہ ان حضرات کو بعض عبارات فقہاء سے اشتباہ واقع ہو گیا ہے ورنہ حقیقت میں ان عبارات کا منشاء بھی یہی ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی بھی مسجد کے ایسے مقام پر دی جائے جس پر خارج مسجد کا اطلاق آتا ہو پس حسن کی اس روایت کا (جس کو انہوں نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے) بھی یہی مطلب ہے۔

اس روایت میں لفظ "عند المنبر" سے اشتباہ ہو گیا ہے لیکن حقیقت میں یہ لفظ "عند" جس طرح قرب مکانی کے لئے آتا ہے اسی طرح قرب زمانی کے لئے یعنی "بمعنی" "اذا" اور بمعنی قرب وقت بھی آتا ہے۔ چنانچہ مسجد میں ہے :-

عند اسم مکان الحضور، ولزمان الحضور
مخوسافر عند مغيب الشمس - انتہی

وکنذا فی العاموس :-

ای اذا کان الشمس یغیب او وقت غروب
الشمس -

تو "عند المنبر" کے معنی "عند قعود الامام علی المنبر" ہوئے و لہذا مفسرین اس اذان ثانی کو انہی الفاظ سے بیان فرماتے ہیں چنانچہ سراج المنیر میں ہے :-

والمراد بهذا النداء بالاذان عند قعود الامام علی المنبر للخطبة لانه لم
یکن فی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نداء سواہ - انتہی ما فیہ۔

اور تفسیر کبیر میں ہے :-

وقوله تعالیٰ اذا نودی یعنی النداء اذا اجلس الامام علی المنبر یوم الجمعة
وهو قول مقاتل - انتہی

اور خازن اور معالم التنزیل میں ہے :-

وأما ادب هذا النداء بالاذان عند قعود الامام علی المنبر للخطبة - انتہی

اور روح المعانی میں ہے :-

والمعتبر في تعلق الامر الاذني هو الاذان الاول في الاحصاء عندنا لان حصول
الاعلام به لا الاذان بين يدي المنبر وقد كان لرسول الله صلى الله عليه
وسلم مؤذن واحد فكان اذا جلس على المنبر اذن على باب المسجد - انتهى

اس عبارت میں علامہ نے جہاں اس اذان کو "بین ییدی المنبر" کہا وہاں یہ بھی بتا دیا کہ یہ وہ اذان ہوتی ہے جو
امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت مسجد کے دروازے پر دی جاتی ہے، پس فقہانے اسی معنی کا لحاظ کرتے ہوئے تحقیقاً
"عند المنبر" اور "على المنبر" سے اس اذان کو متصف کیا لہذا یہ دونوں کلمے "عند قعود الامام على المنبر" کے
قائم مقام ٹھہرے اور اس لحاظ سے کہ حدیث میں "بین ییدی رسول اللہ" آیا بعض نے اس حدیث کو "بین ییدی الامام"
اور "بین ییدی المنبر" کہا اور چوں کہ حدیث سے "بین ییدی الامام" کے معنی ظاہر تھے کہ یہ وہ اذان ہے جو دروازہ
مسجد پر دی جاتی ہے اور عام طور پر مسلمان جانتے تھے کہ خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت جو اذان دی جاتی ہے اسے
"بین ییدی المنبر" کہا جاتا ہے اس لئے فقہا کو کسی مزید قید کے بڑھانے کی ضرورت نہ ہوئی ہاں اس وقت جب کہ
حدیث کے ایک حصے (على الباب) سے قطع نظر کر لی گئی ہو اور "بین ییدی" کا اطلاق اسی شخص پر کیا جانے لگا
ہو جو گود میں یا گھٹنوں سے گھٹنا لگائے بیٹھا ہو تو ضروری ہے کہ ایسے لوگوں کے سامنے اس طرح کے الفاظ نہ کہنے
چاہئیں لیکن ان فقہاء کرام کو کیا معلوم تھا کہ ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے ورنہ وہ ضرور اس اذان کو ایسی صفت
سے متصف کرتے جس میں کسی اشتباہ کا شائبہ بھی نہ ہوتا۔ علامہ زمن حضرت ملا جیوں رحمہم اللہ کے زمانے میں
غالباً ایسے لوگ پیدا ہو گئے تھے اسی لئے انہوں نے اس اذان کے لئے ایسے کلمات کے استعمال کرنے
سے احتراز فرمایا جو اذان عامہ کے لئے موجب اشتباہ تھے چنانچہ فرماتے ہیں :-

(اذانودی) انما هو النداء الاول الذي ثبت باجماع العلماء لا النداء
الثاني الذي يتصل بقراءة الخطبة - انتهى

یاد رکھئے کہ "بین ییدی" کے معنی تو صرف آگے کہے ہیں۔ یہ جس کے متعلق کہا جاتا ہے وہ خواہ سامنے ہو یا نہ ہو اور خواہ
زمانہ حال میں موجود ہو یا نہ ہو بلکہ آئندہ آنے والا ہو اور اگر سامنے ہو تو یہ ضروری نہیں کہ وہ بجز مستقیم سامنے اور اس
کے نزدیک ہو جیسا کہ مولوی محمد داؤد صاحب کا بیان ہے۔ اگر ان کا بیان تسلیم کیا جاتا ہے تو ان آیات بینات
کے معنی کیا ہوں گے؟

هو الذي يرسل الرياح بشرا بين يدي رحمته
اور

ان هو الاذنين لكم بين يدي عذاب شديد
اور

يا ايها الذين امنوا لا تقدموا بين يدي الله ورسوله

کہ ان میں تو قرب تو قرب جس شے کے سامنے کا ذکر ہے اس کافی الحال وجود ہی نہیں پایا جاتا اور "یعلم ما بین اید
یہم وما خلفہم" میں گو وجود پایا جاتا ہے لیکن اس میں اس وجود کی تخصیص نہیں جو مرسوم صحیح ہے۔ چنانچہ
تفسیر سراج المنیر میں ہے :-

یعلم ما بین اید یہم ای الخلق من امرا الدنیا وما خلفہم ای من امر
الآخرۃ قالہ مجاہد۔

اسی لئے مولانا عبدالحی مرسوم عمدۃ الرعاۃ میں مسئلہ مانحن فیہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :-

قولہ بین اید یہ ای مستقبل الامام فی المسجد کان او خارجا وجہ والمسنون
هو الثاني -

یعنی یہاں "بین ایدی" سے مراد مؤذن کا امام سے آگے ہونا ہے مسجد کے اندر امام کے آگے ہو گا تب بھی یہ
معنی صادق آئیں گے اور خارج مسجد ہو گا جب بھی لیکن مسنون تو یہی ہے کہ مؤذن خارج مسجد امام کے آگے ہو۔
یہی مفاد امام المنبر کا ہے، عرض اذان ثانی کو ممبر کے سامنے اور اس کے نزدیک مسنون بتلانے کے لئے
"بین ایدی" سے استدلال کرنا اور یہ کہنا کہ "بین ایدی" وغیرہ الفاظ اس معنی میں واضح اور غیر مشکوک الفاظ
ہیں محض باطل ہے۔ ہاں اتنا کہہ سکتے تھے کہ ایسے الفاظ ایسے مؤذن کے لئے بھی کہے جاسکتے ہیں جو مسجد
کے اندر امام کے سامنے اور اس کے قریب ہو اس لئے کیوں ایسے معنی لئے جائیں لیکن اس کا جواب یہ ہے
کہ یہ معنی اس لئے نہیں لئے جاسکتے کہ فقہا مسجد میں اذان کو منع فرماتے ہیں۔ چنانچہ عالمگیری میں ہے :-

وینبغی ان یوذن علی الماذنۃ او خارجا مسجد ولا یوذن فی المسجد
کذا فی فتاویٰ قاضی خان والسنتۃ ان یوذن فی موضع عالی لیکون
اصح لجزیرانہ - انتہی

نیز اس لئے کہ حدیث میں (جس کو میں اپنے پہلے فتویٰ میں لکھ چکا ہوں) صاف تصریح ہے کہ مسجد کے
دروازے پر اس کا مقام ہے۔ یہاں مجھے وہ واقعہ یاد آتا ہے جس کا امام صاحب مرسوم جامع مسجد دہلی نے
مجھ سے تذکرہ کیا تھا، وہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ولایت سے بہت بڑا انجینیر آیا اور اس نے جامع مسجد کے
گوشہ گوشہ کو دیکھ کر متعجبانہ لہجے میں مجھ سے کہا :-

تم ہی خیال کرتے تھے کہ فن انجینیری کی تکمیل اسہی زمانے میں ہوئی ہے لیکن عمارت کو دیکھ کر
معلوم ہوا کہ شاہ جہاں کے زمانے میں بھی ایسے انجینیر موجود تھے جن پر ہم کو کوئی فوقیت نہیں
ہو سکتی، میں نے اس عمارت میں کسی مقام پر بھی حرف زد نہ کی گنجائش نہ دیکھی لیکن اس بکتر نے اس
عمارت کی خوبصورتی کو دھتکہ لگا رکھا ہے، میں یقیناً کہتا ہوں کہ یہ بکتر اس زمانے کا نہیں ہے

امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے کہا پھر مؤذن اذان جمعہ کو کہاں دے؟۔ کہنے لگا :-
 ”شاہ جہاں بیوقوف نہ تھا دیکھو شرقی دروازے پر جو (بالکنی) بنی ہوئی ہے یہی مؤذن کا مقام ہے“
 فرماتے ہیں کہ ”مجھے سخت حیرت ہوئی لیکن جب تجربہ کیا اور اس مقام پر اذان کہلاوائی تو میرے پاس ایسا معلوم ہوا کہ کبتر
 پر اذان ہو رہی ہے“

میں کہتا ہوں کہ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ شاہ جہاں کے وقت تک اذان ثانی بطریقہ مسنون ہوتی تھی۔ پس
 یہ کہنا کہ صحابہ کرام کے زمانے سے آج تک یہ اذان منبر کے سامنے اور اس کے نزدیک ہوتی چلی آئی ہے، غلط ہے
 بعض علماء نے اس کو عند المنبر ضرور کہا لیکن عند کا اطلاق بھی صرف اسی پر نہیں آتا جو سامنے اور نزدیک ہوا
 لئے کہ یہ کسی قرب خاص کا مقتضی نہیں نہ اس کی کوئی خاص حد معین۔ شارع نے جس مقام پر جو حد معین فرمائی وہی
 معین ہوتی ہے یا بقریہ نہ مقام جس پر یہ آیات مینات شاہد ہیں :-

وَلَا تَقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

اور

فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

اور

وَكَيْفَ يَحْكُمُونَكَ وَعِنْدَ التَّوَارِثِ

دیکھئے ان آیات مبارکہ میں اس قرب کا شائبہ بھی نہیں جو مزعم مجیب ہے اور مسئلہ ما نحن فیہا میں بہ حدیث سابع بن
 زید یہ قرب متعین ہے اور وہ وہ قرب ہے جو منبر سے دروازہ مسجد کو ہوتا ہے اور فقہا کا قول علی المنبر تو صاف اس کا پتہ
 دے رہا ہے کہ یہ عند قعود الامام علی المنبر کا مخفف ہے ورنہ ظاہر ہے کہ علی استعلاء کے لئے آتا ہے حقیقی ہو
 یا حکمی چنانچہ رضی میں ہے :-

وعلى للاستعلاء اما حقيقة او مجازا وبمعنى مع نحو فلان على جلالته يقول
 كذا - انتهى

اور یہاں کوئی معنی بھی صحیح نہیں ہوتے ہاں اگر یوں کہا جائے کہ دروازہ مسجد پر چوں کہ مؤذن یہ اذان دیتا ہے اور وہ
 منبر سے اونچا ہوتا ہے اس لئے اس کو مجازاً علی المنبر کہا جاسکتا ہے تو یہ قول فی الجملہ کوئی گنجائش تو رکھتا ہے لیکن یہ
 مخالف کو کیا فائدہ دے سکتا ہے۔

الحاصل میرے نزدیک علی المنبر، عند المنبر، امام المنبر، بین یدی المنبر ایسے الفاظ نہیں ہیں
 جن سے منبر کے سامنے اور اس کے نزدیک اذان کی مسنونیت پر استدلال کیا جاسکے جب کہ حدیث میں مراد سے دروازہ
 مسجد پر اذان کو بین یدی الامام بتلایا۔

جب یہ ذہن نشین ہو چکا کہ عند المنبر اذان وہ ہے جو دروازہ مسجد پر ہوتی ہے تو اب مجیب کی اسی روایت

پر غور فرمائیں جو انہوں نے کتایہ سے نقل کی ہے اور اس کے ایک حصے کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ :-

اذان ثانی جو منبر کے پاس دی جاتی ہے اگر اس کا انتظار کیا جائے تو سنت فوت ہو جائے گی۔ انتہی

عجیب نے اس روایت میں لفظ عند المنبر پر توجہ فرمائی جو ما بہ النزاع تھا لیکن لفظ انتظر پر کچھ بھی خیال نہ فرمایا جہاں نزاع کا رخ کرنے والا تھا اور لفظ عند المنبر سے قبل اور اس کے متصل ہی واقع ہوا تھا، ظاہر ہے کہ انسان انتظار اس شے کا کیا کرتا ہے جس کا علم یا وجدان اس کے لئے ممکن ہوتا ہے پس کوئی سوداگر اپنی دکان پر بیٹھا ہوا ایسی اذان کا تو انتظار کر سکتا ہے جو دروازہ مسجد پر دی جاتی ہو جس کو وہ سن بھی سکتا ہے اور موزن کو دروازہ مسجد پر کھرا ہوا دیکھ بھی سکتا ہے ایسی اذان کو کیسے سنے گا جو منبر کے متصل دی جاتی ہو جس کو حاضرین مسجد میں سے ہی بعض نہیں سن سکتے چھائے کہ بیرون مسجد کا ایک سیح و شرا میں مشغول سوداگر! پس اس کے لئے انتظار کیسے معقول کہا جاسکتا ہے؟ غرض عجیب اگر اس شے پر غور کرتے تو ہرگز اس روایت کو ہاتھ نہ لگاتے کیہ روایت تو ان کے مخالف کے لئے دلیل ہے جو یوں کہتا ہے کہ عند المنبر وہ اذان ہے جو علیٰ لباب ہوتی ہے اور عجیب کا یہ قول تو صحیح ہے کہ :-

ان دونوں اذانوں کے مقاصد علیحدہ علیحدہ ہیں لہذا ان کی جگہ بھی علیحدہ علیحدہ ہے۔

بیشک اذان کی جگہ مینا رہے اور اذان ثانی کی جگہ دروازہ مسجد اور دونوں کی جگہ اگر ایک ہی ہو تو موزنین کی تفریق سے اس کی تفریق ہو سکتی ہے۔ لیکن ان کا یہ قول صحیح نہیں کہ "اذان ثانی کا مقصد صرف حاضرین مسجد کو آگاہ کرنا ہے۔"

اس لئے اذان ثانی بھی حاضرین وغائبین دونوں ہی کو اطلاع کے لئے دی جاتی ہے چنانچہ عمدۃ الرعا یہ میں ہے :-

وهذا الاذان لا اطلاع الحاضرين واحضار الغائبين عن المسجد۔ انتہی

اسی لئے فقہان نے جہاں جمعہ کی اذان اول کو متعدد مقامات پر متعدد موزنین کے لئے اذان دینے کی اجازت دی ہے یونہی اذان ثانی کے لئے متعدد اذانوں کی اجازت دی ہے تاکہ جامع مسجد کے اطراف میں سے ہر طرف بخوبی اذانوں کی آواز پہنچ سکے چنانچہ ہدایہ میں ہے :-

واذا صعد الامام المنبر وجلس اذن الموزنون بين يدي المنبر بذلك

جرى التواصت۔ انتہی

وقال في العنايه :-

ذكر الموزنين بلفظ الجمع اذ اجال الكلام مخرج العادة فان المتواصت

في اذان الجمعة اجتماع الموزنين لتبلغ اصواتهم الى اطراف المصر

الجامع۔ انتہی

تحریر المختار علی الدر المختار میں ہے :-

وقدمنا في باب الاذان الكلام على اثبات۔۔۔۔ اجتماعهم في الاذان

بین یدی الخطیب مفصلة بادلہ شافیہ - انتھی

ان عبارات سے جہاں یہ ثابت ہے کہ اذان ثانی سے یہ بھی مقصود ہوتا ہے کہ غائبین کو بھی اطلاع ہو جائے وہاں یہ بھی ثابت ہے کہ بین یدی المنبر سے علی الباب مراد ہے کہ غائبین عن المسجد کو اذان کی آواز کا پہنچانا ہی صورت میں منحصر ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ موزن کا بظ مستقیم امام کی ناک کی سید میں ہونا ضروری نہیں کہ مقامات موزن کے متعدد ہونے کے باوجود یہ شے کیسے تصور ہو سکتی ہے اور یہاں سے جو یقیناً شمالاً خط مستقیم دیوار مسجد تک فرض کیا جائے ان خطوں کے درمیان جہاں بھی موزن کھرا ہوگا بین یدی الامام کہہ لایا جائے گا چنانچہ بعض تفاسیر میں اس کی تصریح نظر سے گزری جو اس وقت مستحضر نہیں ہے اس کے علاوہ فقہا کا مطلقاً مسجد میں اذان کو منع کرنا اور اس کو کسی اونچے مقام پر دینے کا حکم کرنا یہ بھی اسی معنی کے مقتضی ہے کہ اذان کا مقصد حاضرین و غائبین عن المسجد کو اطلاع کرنا ہے۔ چنانچہ عالمگیری میں ہے :-

وینبغی ان یوذن علی الماذنۃ او خارج المسجد ولا یوذن فی المسجد کذا
فی فتاویٰ قاضی خان والسنة ان یوذن فی موضع عال لیکون اسمع لجمیہ
کذا فی البحر - انتھی

یونہی تمام کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے کہ اذان اونچے مقام پر دی جائے تاکہ مسجد جامع کے آس پاس کے لوگ اس کو بخوبی سن سکیں لیکن اس کے برخلاف اب یہ دیکھا جانے لگا ہے کہ امام سے دو تین ہاتھ آگے کہلو اتے ہیں، اور وہ بھی پست آواز سے جو یقیناً احکام فقہ کے خلاف ہے اٹھائے جو لوگ اس کو منع کرتے ہیں وہ حق پر ہیں اور جو لوگ فرش مسجد کو خارج مسجد کہتے ہیں اور اس میں اذان دینے کو خارج مسجد اذان دینا بتلاتے ہیں وہ بھی غلطی پر ہیں ہاں بنائے مسجد خارج مسجد کے حکم میں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد رضا عطار
محمد ہاشم راند

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۷) (۱) بعض مساجد میں اسجکل (ماہ رمضان المبارک میں) وقت سحر ختم ہونے کے ایک ہی منٹ بعد اذان ہو جاتی ہے اور صرف دس منٹ بعد نماز ہو جاتی ہے کیا اس طرح وقت سحر اور اذان فجر میں کچھ وقفہ نہ رکھ کر نماز ادا کرنا درست ہے۔

(۲) طلوع آفتاب سے قبل نماز فجر ادا کرنے کے بعد بعض لوگ سو جاتے ہیں ان کا یہ فعل درست ہے یا نہیں۔

الجواب

وقت صبح صادق ہونے کے بعد خواہ کسی وقت اذان دی جائے درست ہے اور اس کے دس منٹ بعد نماز پڑھنے میں بھی مضائقہ نہیں اور رمضان المبارک میں نماز فجر کے بعد اس سے بہتر ہے کہ قبل نماز سوئیں اور نماز ہی قضا کر دیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عہدہ
جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۸) بعض لوگ دورانِ خطبہ سنتیں پڑھتے ہیں اور جس وقت خطبہ کی اذان ختم ہوتی ہے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں آیا یہ فعل شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

سنتی

فضل احمد (دہلی)

الجواب

ایسے وقت نہ سنت پڑھنا جائز ہے نہ زبان سے دعا مانگ سکتے ہیں خواہ ہاتھ اٹھا کر یا بلا ہاتھ اٹھائے ہر طرح مکروہ ہے۔

محمد منظر عہدہ
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

اقامت

(سوال نمبر ۹) ایک جامع مسجد میں یہ طریقہ رائج ہے کہ نماز کے وقت جب اقامت کہی جاتی ہے تو امام اور مقتدی بیٹھے رہتے ہیں اور جب مؤذن "قد قامت الصلوٰۃ" کہتا ہے تو سب کھڑے ہو جاتے ہیں اور فوراً صف بندی ہو جاتی ہے۔ کیا اس صورت میں یہ طریقہ درست ہے۔ مدلل جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں۔

سنتی

ظفر احمد - کراچی

الجواب

مستحب تو یہی ہے کہ اگر امام مصلیٰ پر موجود ہو تو جب اقامت کہنے والا "الی علی الفلاح" کہے اس وقت امام اور مقتدی اٹھیں۔ "قد قامت الصلوٰۃ" سے قبل امام بکیر کہدے اور امام باہر سے آتا ہے تو جس صف سے گزرے اس کو کھڑا ہو جانا چاہیے اور صفوں کے سامنے سے آتا ہو تو امام کو دیکھتے ہی سب کو کھڑا ہو جانا چاہیے لیکن صفوں کا سیدھا کرنا سنت مکروہ ہے۔ سرکار عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی سخت تاکید فرمائی ہے جہاں چہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ :-

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یسوی صفوفنا حتی کانما یسوی بہ القلاح حتی رای انا قد عقلنا عنہ ثم خرج یوما فقام حتی کاد

امامت

(سوال نمبر ۱) (۱) فاسق کے پیچھے نماز باجماعت فرض یا تراویح مقتدی کو پڑھنا درست ہے یا نہیں اگر سب سے
تو کس درجہ میں۔ (۲) امام غیر مقلد اور شخصی تقلید سے منکر۔ اس کے پیچھے حنفی مقتدی کی نماز ہوگی یا نہیں اگر ہوگی تو کس
درجہ میں۔ (۳) دارمسی مندوانے والا اور کتروانے والا یعنی قبضہ سے کم کرنا دونوں فسق میں برابر ہیں یا نہیں
جواب قرآن پاک اور حدیث نبوی سے تحریر فرمائیے۔ بدینوا و لتوجروا۔

الجواب وهو الموفق للصواب

(۱) فاسق مجاہد کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے خواہ فرض ہوں یا تراویح۔ ایسے شخص کو ہرگز امام نہ بنایا جاوے کہ
امامت میں اس کی عظمت ہے حالانکہ وہ شرعاً مستحق اہانت ہے اگر سہو یا غلطی سے کوئی شخص فاسق کے پیچھے
نماز پڑھے تو اس پر واجب ہے کہ اُس نماز کا اعادہ کرے۔ اگرچہ نماز کا وقت جاتا رہے لقولہ تعالیٰ لا
تقعد بعد الذکر مع القوم الظالمین یعنی یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو و لقولہ
علیہ السلام لا یؤمن فاجر مؤمناً لا یرجہ ابن ماجہ، یعنی فاسق ہرگز نہ امامت کرے کسی مومن
کی اور ثنابی حاشیہ در مختار میں ہے اما الفاسق فقد علوا کراہۃ تقدیمہ بانہ لا یہتم لامرینہ
وبان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیہم اہانتہ شرعاً یعنی فاسق کے آگے
کرنے میں جو کراہت ہے اُس کی فقہاء نے ایک تو یہ علت بیان فرمائی ہے کہ وہ اپنے دینی امور میں کوشش نہیں
کرتا (لا پڑا ہی کرتا ہے) دوسری یہ علت بیان فرمائی کہ امامت کے لئے اس کو آگے کرنے میں اس کی تعظیم
ہے حالانکہ مسلمانوں پر شرعاً اس کی اہانت واجب ہے۔ علامہ محقق حلبی غنیہ میں فرماتے ہیں لو قدموا فاسقا
یا ثمونا بنا علی ان کراہۃ تقدیمہ کراہۃ تخریمہ۔ انتہی یعنی اگر مسلمان کسی فاسق کو امامت
کے لئے آگے کریں گے تو گنہگار ہوں گے۔ اس لئے کہ اس کا مقدم کرنا مکروہ تحریمی ہے، در مختار میں ہے کل صلوة
ادیت مع کراہۃ التخریم تجب اعادتها۔ انتہی یعنی جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے اس کا
لوٹانا واجب ہے بلکہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک در ایک روایت میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے تو یہاں
تک ہے کہ ان کے پیچھے اصلاً نماز ہی نہیں ہوتی۔ غنیہ میں ہے لم تجز الصلوة خلفہ اصلاً عند مالک
ورواۃ عن احمد۔ انتہی پس مسلمانوں پر لازم ہے کہ ہرگز ہرگز وہ کسی فاسق معلم کو اپنا امام نہ بنائیں، اور
یہاں ایسا امام ہو اور اُس کے علم پر کرنے پر قادر نہ ہوں وہاں نماز نہ پڑھیں۔ فقط
(۲) غیر مقلدین کے پیچھے بھی نماز مکروہ تحریمی ہے کہ یہ مبتدعہ فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے جو اہل سنت و الجماعۃ

سے خارج ہے اور ہر مبتدع فرقہ کے پیچھے نماز کو قرہ قرہ ہے بشرطیکہ اس کے عقائد کفر تک پہنچے ہوں ورنہ اصلاً جائز نہیں
 ان حضرات کا اہل سنت سے خارج ہونا تو ظاہر ہے کہ جہ تو اہل اسلام یعنی اہل سنت و الجماعت ایک زمانہ سے ابتداء
 کی تقلید پر جمع ہیں اور یہ ان سے بیزار اور یہی ایک بڑی علامت ہے فرقہ مبتدعہ کی پہچان کی جس سے بدعتی فرقوں
 کی جانچ میں کسی طرح کا اشکال واقع نہیں ہو سکتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ان کی اسی طرح
 نشان دہی اپنے ان ارشادات میں فرمادی کہ میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔ پس بڑے گروہ کی پیروی کرنا
 کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے، جو شخص جماعت سے علیحدہ ہوا۔ علیحدہ گیا دوزخ میں۔ چنانچہ ابن عمر رضی
 اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا حضور نے اتبعوا السواد الاعظم فمن شذ شذ في الناس
 (سواد اکبر ما جہ) اور انہیں سے دوسری روایت ہے کہ فرمایا حضور نے ان اللہ (جمع امتی
 او قال امة محمد على ضلالة ويدا الله على الجماعة ومن شذ شذ في الناس۔ سواد
 الترمذی۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان هذا
 الامة ستفترق على ثلاث وسبعين فرقة ثنتان وسبعون في الناس وواحد في الجنة
 وهي الجماعة (اخرجه ابوداؤد واحمد كذا في التيسير والمشكوة) بیشک یہ امت عنقریب
 بہتر فرقے ہو جاوے گی بہتر فرقے ان میں سے دوزخ میں (جائیں گے) اور ایک جنت میں اور وہ فرقہ جنت میں
 جانے والا ہے جس پر جماعت ہے۔

بلکہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں سلیم عنایت فرمائے تو خود قرآن نے بھی یہی فیصلہ فرمایا قال اللہ تعالیٰ اجل اسمہ
 ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصله جهنم ومساءت مصيرا۔ یعنی جو شخص
 مسلمانوں کے برخلاف طریقہ پر چلے گا تو ہم بھی اس کو اسی راستہ پر چلائیں گے جس پر وہ چلنا چاہتا ہے اور آخر اس
 کو آگ میں ڈالیں گے اور وہ بہت بڑی جگہ ہے۔ اس آیت شریفہ کے تحت میں صاحب تفسیر مدارک فرماتے ہیں۔
 هو دليل على ان الاجماع حجة لا تجوز مخالفتها كما لا تجوز مخالفت الكتاب والسنة تنق
 یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ کسی بات پر مسلمانوں کا اجماع حجت ہے جس طرح کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی مخالفت
 جائز نہیں اسی طرح اس کی مخالفت بھی جائز نہیں۔

اس مطلب کو علامہ سید احمد ہری مطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ حاشیہ در مختار میں یوں نقل ہیں :-
 من شذ عن جمہور اهل الفقه والعلم والسواد الاعظم فقد شذ فيما ينه
 في الناس فعليكم معاشر المؤمنين باتباع الفرقة الناجية المسماة باهل السنة
 والجماعة فان نصره الله تعالى وحفظه وتوفيقه في موافقتهم وخذلانهم
 وسخطه في مخالفتهم وهذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم في مذاهب
 الاربعة وهم الحنفيون والمالكيون والشافعيون والحنبليون رحمهم الله

تعالیٰ ومن کان خارجاً من هذه الاربعة في هذه الزمان فهو من اهل البدعة والناس۔
 یعنی جو شخص جہور اہل علم و فقہ و سواد اعظم سے جدا ہو جائے وہ ایسی چیز کے ساتھ تنہا ہو جو اسے تنہا دوزخ
 میں لے جا دیگی تو اسے گروہ مسلمین تم پر فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت کی پیروی لازم ہے کہ خدا کی مدد اور اس
 کا حافظہ کارساز رہنا اہل سنت کی موافقت میں ہے، اور اس کا چھوڑ دینا اور غضب فرمانا سنیوں کی مخالفت
 میں ہے، اور یہ نجات والا گروہ اب چار مذہب میں جمع ہے جو حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی رحمہم اللہ تعالیٰ
 ہیں، اس زمانے میں ان چار سے خارج ہونے والا بدعتی، جہمی ہے۔ انتہی

بالجملہ ان کا مبتدع ہونا انہیں اشمس ہے، اور اہل بدعت کی نسبت تمام کتب فقہ میں صریح تصریحیں موجود ہیں کہ ان
 کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، ردالمحتار میں ہے المبتدع تکرہ امامتہ بكل حال انتہی۔ علاوہ ازیں ان
 کے اکابر و اصحاء کا ائمہ شریعت اور علماء ملت کے ساتھ طعن و توہین کے ساتھ پیش آنا اور تقلید کو شرک و مقلدین
 کو مشرک ٹھیرانا یہ وہ اعظم امر ہے جس نے ان کے فسق میں اصلاً کلام نہ چھوڑا۔ کسی مقلد کو اپنے گروہ میں داخل ہونے
 کی فرمائش کی جاتی ہے تو ان کلمات سے کہ مسلمان ہو جاؤ۔ اب فرمائیے کہ مقلدین کو مشرک کا فرکہنا پھر ایک کونہ
 دو کو بلکہ گیارہ سو برس کے عامہ مومنین کو جس میں کروڑوں محبوبان انہی داخل ہیں یہ کیا کوئی معمولی بات ہے۔ حضور
 اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ایما امری قال لاحیہ کافر فقد باء بها احدہما متفق علیہ
 یعنی جو شخص کسی کلمہ کو کافر کہے گا تو ان دونوں میں سے ایک پر یہ بلا ضرور پڑے گی۔ یعنی اگر جس کو کافر کہا گیا وہ حقیقت میں
 کافر ہو گیا ہے تب تو وہ کافر ہے ہی۔ ورنہ کہنے والا کافر ہو گا۔ اب ظاہر حدیث کے حکم سے کہ یہی ان کا مذہب ہے
 یہ حضرات غور فرمائیں کہ کس گھر کے رہے۔ اپنے مذہب اور نیز بہت سے اکابر کے مذہب کے موافق تو یہ خارج
 اسلام ہو چکے۔ لیکن حاشائے حاشا ہم کبھی ان پر ایسا حکم نہ لگاویں گے (جب تک قابل احتمال ضعیف سے ضعیف تاویل
 کی بھی گنجائش نظر آتی رہے گی)، کہ ہمیں اپنے امام عالی مقام کا ارشاد لا نکفر احداً من اهل القبۃ یاد ہے
 یعنی ہم اہل قبلہ میں سے (جو ضروریات دین کے منکر نہیں ہیں) کسی کو کافر نہیں کہتے۔ یہ منہ زوریاں انہی حضرات کو
 مبارک رہیں۔ غرضیکہ ان کے فسق میں بھی کلام نہیں، اور فاسق کا حکم اوپر گزرا۔ پھر اگر ان امور سے بھی قطع
 نظر کر لی جائے تو عقائد تو ایک طرف صرف اعمال ہی میں وہ کچھ اختلاف کہ بیان سے باہر ہے۔ چنانچہ
 فتح البیان اور جامع الشواہد میں ان کے بعض عملیات کا ذکر کیا گیا ہے جن میں سے صرف نجاست و طہارت کے متعلق
 چند مسائل پیش کرتا ہوں۔

مسئلہ پانی کتنا ہی کم ہو نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک رنگ و بو یا مزہ میں فرق نہ آئے (طریقہ صحیحہ)
 مسئلہ شراب مردار خون کی حرمت ان کی نجاست پر دلیل نہیں، جو انہیں ناپاک بتائے دلیل پیش کرے (روضۃ نعیمہ)
 مسئلہ جو اپنی بیوی سے جماع کرے اور انزال نہ ہو تو اس کی نماز بغیر غسل کے درست ہے (ہدیہ قلوب قاسیہ)
 اب فرمائیے کہ ان مسائل کے دیکھتے ان کی طہارت پر کیونکر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ یہ حضرات تو اہل حق سے عداوت رکھنے

والے ہیں علماء نے تو خود اہل سنت کے اندر کلام کیا ہے کہ حنفی ایسے شافعی کی اقتدا نہیں کر سکتا۔ جو مذہب حنفی کی رعایت نہیں کرتا۔ چنانچہ عالمگیری میں ہے الا فتداء بشافعی المذہب انما یعم اذا کان الامام یتعامی مواضع الخلاف ولا یكون متعصبا انتہی یعنی شافعی المذہب امام کی اقتدا جب ہی صحیح ہے جبہ مواضع خلاف میں پکتا ہو اور متعصب بھی نہ ہو۔ قاضی خان میں ہے قالوا لا باس به اذا لم یکن متعصبا۔ انتہی یعنی علماء نے فرمایا کہ شافعی المذہب کے پیچھے نماز پڑھنے میں مضائقہ نہیں جبکہ وہ متعصب ہو پس جب علماء مذہب حنفی کی رعایت نہ کرنے والے اور متعصب شافعی کے پیچھے نماز جائز نہیں رکھتے تو غیر مقلدین کے پیچھے نماز کی اجازت کیوں کر دی جاسکتی ہے کہ ان کا تعصب تو حد سے گزر چکا اجماع اہل سنت کو چاہیے کہ ان کو امام بنانا تو درکنار ان کے ساتھ مخالفت و مجالست سے بھی پرہیز رہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مثل جلیس لسوء کمثل صاحب الکیران لم یصبک من سوادہ اصابت من دخانہ (سواہ ابوداؤد) یعنی بڑے صاحب کی مثال ٹہار کی سی ہے کہ اگر (اسکی بھٹی سے تیری احتیاط کرنے کی وجہ سے) تجھ کو اُس کے کالوشی نہ بھی پہنچے تو اُس کا دھواں ضرور پہنچے گا (اس سے نہیں بچ سکتا) یہ حکم تو متعصبین غیر مقلدین کا گذرا۔ لیکن ان میں بعض ایسے بھی حضرات ہیں کہ اگرچہ وہ کسی امام معین کی تقلید نہیں کرتے لیکن بائیں ہمہ ائمہ پر اور ان کے مقلدین پر طعن بھی نہیں کرتے۔ بلکہ لاعلی التعمین ائمہ ہی کی تحقیق کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پس اگرچہ ایسے حضرات کا حکم متعصبین غیر مقلدین کے حکم سے کہیں ہلکا ہے۔ لیکن چونکہ اول توفیقین کی جماعت میں یہ بھی داخل ہیں کہ تقلید شخصی کو جس پر اجماع مسلمین ہے، بڑا بلکہ حرام جانتے ہیں اور فارق جماعت کے لئے حضور کا صاف ارشاد ہے کہ من فارق الجماعت شبرا فقد خلع سابقہ الاسلام عن عنقہ (سواہ ابوداؤد) جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھی جدا ہوا اُس نے گویا اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال ڈالی۔ دوسرے ایسے حضرات میں بھی نہایت قلیل جو ہنر نہ معلوم کے ہیں۔ تیسرے کوئی علامت بھی ان میں ایسی ظاہر نہیں جس سے غیر متعصبین کو تمیز کیا جاسکے کہ تعصب ایک قلبی ہے جس پر آدمی اطلاع نہیں پاسکتا۔ چوتھے یہ بھی یقین نہیں کیا جاسکتا کہ مواضع خلاف میں مذہب حنفی کی رعایت کرتے ہوں گے۔ اور ایسے مخالف حنفی کے پیچھے (جس کا مواضع خلاف میں رعایت کرنا متردد ہو) فقہائے احناف نماز پڑھنا مکروہ فرماتے ہیں اور اگر یقیناً یہ معلوم ہو جائے کہ یہ رعایت نہیں کرتے تب تو اصلاً جائز ہی نہیں قرار دیتے، چنانچہ درمختار میں ہے وکذا تکره خلف مخالف کشافی لکن فی وقر البجران یتقن المراعات لہ تکرہ او عدمہا لم یصح وان شک کرہ۔ انتہی یعنی اسی طرح مذہب حنفی کے مخالف کے پیچھے بھی نماز مکروہ ہے جیسے شافعی کے پیچھے۔ لیکن بجر الرائق کی کتاب لوتر میں ہے کہ اگر امام کے مواضع خلاف میں رعایت کرنے کا یقین ہو تو مکروہ نہیں اور اگر نہ رعایت کرنے کا یقین ہو تو بالکل جائز نہیں۔ اور اگر اس میں شک ہو تو مکروہ ہے۔ پس امامت کے باب میں ان مذکورہ وجوہ سے ان حضرات کا حکم بھی متعصبین غیر مقلدین کے حکم سے جدا نہیں اور احتیاط اسی میں ہے کہ غیر مقلدین میں سے کسی کے پیچھے بھی نماز نہ پڑھی جاوے

اور دڑھی میں سے کسی قدر کالینا اس حال میں کہ وہ مشت سے کم ہو جیسا کہ بعض مغربی اور محنت کرتے ہیں۔ پس اس کو کسی نے مباح نہیں کہا ہے اور کل کالینا ہند کے کفار کا اور عجم کے مجوسیوں کا فعل ہے۔

اور دوسرے مقام پر ہے :-

محرم علی الرجال قطع اللحية

مردوں پر دڑھی کا کٹوانا حرام ہے

تنبیہ حرام اور مکروہ تحریمی میں فرق دربارہ اعتقاد ہے، مگر عمل میں دونوں کا ایک حکم ہے کہ امثال درجاء ثواب اور مخالفت میں استحقاق غضب و عذاب تنویر میں ہے کل مکروہ و حرام عند محمد و عندہما الی الحرام اقرب استھمی یعنی ہر مکروہ (تحریمی) حرام ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور امام اعظم اور ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک حرام کے قریب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ محمد مظہر اللہ غفر لہما

امام مسجد فتحپور میوہ

نوٹ :- نظام الحق دہلوی نے یہ فتویٰ ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۶ء میں علماء ہند کی تصدیقات کے ساتھ "القول الفائق علی مائتہ الفاسق" کے عنوان سے کتابی صورت میں مرتب کر کے جمید برقی پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا تھا۔

(سوال نمبر ۱۱) (۲) ایک عظیم گڑھی مستند عالم ایک دوسرے دیوبندی مستند عالم کو کافر کہنے کی تائید کرتے ہیں یہ کہاں تک جائز ہے اور کیا ایسا عالم دیوبندی جس کو کافر کہہ دیا گیا ہو اس کا دیا ہوا فتویٰ قابل قبول ہے یا نہیں؟ (۳) جو عالم، عالم دیوبند اور دیگر علماء دین کو کافر کہنے کی تائید کرے اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

مستفتی

محمد انعام اللہ

سکرٹری انجمن اصلاح المسلمین - اندور

الجواب

(۲) کسی کو کافر کہنے میں سخت احتیاط درکار ہے، جب تک کسی کا قول یا فعل یقین کے ساتھ ایسا نہ ثابت ہو جائے جس میں کسی تاویل کی گنجائش ہی نظر نہ آئے اس وقت ہرگز کسی کو کافر کہنا جائز نہیں ہاں جو شخص کافر ثابت ہو جائے اس کے فتویٰ کا کچھ اعتبار نہیں اس میں سب برابر ہیں خواہ کسی مقام اور کیسے بڑے درجہ کا عالم کیوں نہ ہو۔

(۳) دوسرے جواب کو پیش نظر رکھتے ہوئے دیکھنا چاہیے کہ یہ عالم جس کے کفر کی تائید کر رہا ہے کیا حقیقت میں اس سے کوئی ایسا قول یا فعل صادر ہوا ہے جو موجب تکفیر ہے، اگر ہوا ہے تو تائید کرنے والا حق پر ہے اور اس کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے اور نہیں ہوا تو اگر ایسے قول کی وجہ سے اس کی تکفیر کی گئی ہے جس کا ماننا ضروریات دین ہے تو ایسے کی تکفیر کی تائید کفر ہے جو شخص ایسے کی تکفیر کی تائید کرے اس کے پیچھے نماز ہوگی ہی نہیں اور ایسے کی تکفیر کی تائید کی جس کا قول یا فعل بظاہر تو کفر تھا لیکن اس میں تاویل کی گنجائش تھی تو ایسے کی تکفیر کی تائید فسق ہے جو شخص ایسے کی تکفیر کی تائید کرے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(۱۲ دسمبر ۱۹۵۵ء)

(سوال نمبر ۱۲) ایک امام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر کہتا ہے کیا اس کے پیچھے نماز جائز ہے؟

الجواب

مولیٰ تعالیٰ ایسا حاضر و ناظر ہے کہ کائنات کے ہر ذرہ پر ہر آن حاضر و ناظر ہے پس اگر یہ شخص سرکار اقدس کو بھی ایسا ہی حاضر و ناظر خیال کرتا ہے تب تو یہ قابل امامت نہیں ورنہ اس کی امامت میں مضائقہ نہیں کہ حاضر و ناظر اس کو بھی کہا جاتا ہے جو کسی کے حالات کی خبر رکھتا ہو اور بیشک ہمارے حالات کی حضور کو خبر دی جاتی ہے پس اس اعتبار سے حضور اقدس کو حاضر و ناظر سمجھنے میں مضائقہ نہیں۔ شامی میں ہے فان الحضور بمعنی العلم شائع اور جمع البرکات میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی ذرا تے ہیں :-

و سے علیہ السلام بر احوال و اعمال امت مطلع است و بر مقربان و خاصان در گاہ خود مفضی و حاضر و ناظر است۔ فقط واللہ اعلم

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۱۳) ایک امام ضاد کی جگہ ظا پڑھتا ہے جس پر لوگ اس کے خلاف شور مچاتے ہیں۔ کیا نازیوں کا فعل صحیح ہے؟

الجواب

میرے نزدیک حرف ضاد کی جگہ ظا پڑھنا صحیح ہے نہ ذال، جب کہ ضاد کا مخرج تمام حروف سے علیحدہ —

پہلوئے زبان کا کنارہ اور داڑھیں ہیں اور ظا کا مخرج — نوک زبان اور آگے کے اوپر کے دیا
مطلقاً دو دانت ہیں تو ظا ہر ہے کہ دونوں کے مخرجوں میں بین فرق ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ضاد کے پڑھنے میں
ظا کی رنگت آئے۔ ڈال یا ظا پوری طرح مشق نہ کرنے کی وجہ سے ظا ہر ہوتی ہے پس امام کو چاہیے کہ اس کی
مشق کرے ورنہ لوگوں کا شور مچانا بیجا نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عسکری
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۱۴) ایک سجد کا امام الحکر کے بعد سبیل مشرقین و سبیل مغربین فیباہ الاوسر بکما
تکذبان پڑھ کر کوع میں چلا جاتا ہے اس صورت میں نماز ہو جائیگی یا نہیں؟ بدینہ و توجیر و
استفتی

قاری محمد سلیمان مدرس مدرسہ عالیہ عربیہ
مسجد فتحپوری، دہلی

الجواب

صورت مذکورہ میں نماز تو ہو جاتی ہے لیکن امام کو ایسا نہ کرنا چاہیے کہ خلاف سنت ہے۔ فقط

محمد منظر عسکری
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۱۵) ایک امام صاحب امامت کے وقت عمامہ نہیں باندھتے جب کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ کوشی
حدیث میں آیا ہے؟ یہ کوئی ضروری نہیں۔ عمامہ کے متعلق جو حکم شرع ہو تحریر فرمادیں۔

استفتی

نور محمد — دہلی

الجواب

حدیث میں عمامہ باندھنے کا حکم وارد ہے چنانچہ فرمایا :-

عليكم بالعمائم فانها سيماء الملائكة (مشکوٰۃ)

کہ لازم پکڑو تم عمامہ باندھنے کو کہ وہ فرشتوں کی علامت ہے۔

اور اس کی فضیلت میں آیا کہ ستر رکعت بلا عمامہ سے دو رکعت عمامہ کے ساتھ بہتر ہیں۔ فقط واللہ اعلم

محمد منظر عسکری
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۱۶) ایک امام صاحب ہمیشہ ٹوپی سے نماز پڑھاتے ہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ عمامہ باندھیں تو کہتے ہیں کہ یہ بدعت ہے نیز یہ کہ اس کے پہننے سے سر میں درد ہو جاتا ہے۔ آیا ایسے امام کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے اور کیا ان کا اس فعل کو بدعت کہنا درست ہے۔ بدینوا توجروا۔

الجواب

اگر یہ صاحب اکابر و حکام کے پاس بلا عمامہ نہیں جاتے تب تو ان کے لئے نماز میں عمامہ نہ باندھنا مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے :-

وكره صلوة في ثياب بذلة وقال الشامي قال في البحر وفسر هافي شرح

الوقاية بما يليه في بيته ولا يذهب به الى الاكابر۔

اور اگر یہ اسی ٹوپی سے اکابر کے پاس بھی جاتے ہیں تو اس صورت میں کراہت تو نہیں ہے لیکن پھر بھی تارک فضیلت ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ کبھی صرف ٹوپی کا بھی استعمال فرماتے تھے لیکن امامت کبھی بلا عمامہ نہ فرمائی، پس اس کے سنت ہونے میں کیا شبہ ہے؟ اور سنت کے ساتھ نماز ادا کرنے میں فضیلت کا انکار کیوں کر ممکن ہے؟ -

چنانچہ فردوس دلیلی میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے :-

ما كعتان بعمامة خير من سبعين ركعة بلا عمامة

یعنی عمامہ کے ساتھ دو رکعتیں بلا عمامہ ستر رکعتوں سے بہتر ہیں۔

پس اس کو بدعت کہنا تو نہایت ہی تعجب خیز امر ہے۔ یہ ایک شیطانی دھوکہ ہے اور شیطان ہی ایسے وقت سر میں درد پیدا کرتا ہے ورنہ یہ تو قرن عقل نہیں کہ سر میں درد کے زمانے میں صرف چار رکعت پڑھنے کی مقدار عمامہ کا استعمال سر میں درد پیدا کر دے۔

امام صاحب کو چاہیے کہ شیطان کی مخالفت کر کے دیکھیں، یقین کال ہے کہ پھر کبھی درد کی شکایت نہ ہوگی، فقیر کو درد سر کی اکثر شکایت رہتی ہے لیکن نماز کی حالت میں کبھی باوجود عمامہ کے اس سے پریشانی لاحق نہ ہوئی،

فقط والله تعالى اعلم

محمد عقیل اللہ
مخدوم ہر اللہ

جامع مسجد تھپوری، دہلی

(۲۱ اپریل ۱۹۶۶ء)

(سوال نمبر ۱۷) ایک امام صاحب ظہر کی چار سنتیں پڑھے بغیر فرض پڑھا دیتے ہیں۔ ان کا یہ فعل درست ہے

یا نہیں؟

الجواب

اگر اتفاقاً ایسی صورت پیش آجائے تو مضائقہ نہیں لیکن ہمیشہ ایسا کرنا موجب کراہت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ

اعلم۔

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱) ایک امام کا ہاتھ مونڈھے سے چھانگل نیچے کٹا ہوا ہے۔ بعض نمازی کہتے ہیں کہ ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ کیا ان کا قول صحیح ہے؟

الجواب

ہاں یہ صحیح ہے کہ اولیٰ یہی ہے کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھی جائے جس کے دونوں ہاتھ سالم ہوں لیکن جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہاتھ کٹے ہوئے کے پیچھے نماز ہوتی نہیں یہ غلط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۹) (۱) زید جس پر منکوحہ عورت کو اغوا کرنے، زنا کرنے، اور بدکاریوں میں مبتلا ہونے کے جرائم ثابت ہو چکے ہیں اس کے پیچھے شرعاً نماز پڑھنا کیسا ہے؟
(۲) ایک طالب عالم جو حافظ قرآن ہے مگر جو امام موصوف کی بدکاریوں کا نشانہ بنا رہا اس کی امامت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) امام مذکور تو فاسق ہے اس کی امامت مکروہ ہے ایسی کہ اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز لوٹانی ہوگی۔ ہاں یہ طالب علم اگر امامت سے علیحدہ ہو گیا ہے اور توبہ کر لی ہے تو اس کے پیچھے نماز صحیح ہے لیکن اولیٰ یہی ہے کہ کسی دوسرے شخص متقی کو امام رکھا جائے۔ فقط واللہ اعلم

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال ۲۰) ایک امام صاحب ایک غیر محرم عورت کے ساتھ تنہائی میں بیٹھے اور اس عورت کے بھائی کا کہنا ہے کہ

اس نے امام صاحب کے زنا کرتے دیکھا مگر امام صاحب قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے زنا نہیں کیا اسی صورت میں امام صاحب کی قسم کا اعتبار کیا جائیگا یا نہیں اور ان کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

صوت مذکور میں امام صاحب کی قسم کا اعتبار کیا جائے گا، ان سے زنا ثابت نہیں پس ان کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے البتہ ان پر لازم ہے کہ آئندہ مواقع شبہات سے احتراز کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عفر اللہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۵ نومبر ۱۹۵۹ء)

(سوال نمبر ۲۱) جس امام کو خونی بوا میر کا عارضہ ہو اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟
مستفتی

محمد یامین خاں - دہلی چھاؤنی

الجواب

اگر نماز میں بھی ان کو خون آجاتا ہے اور وہ مسند پر ہیں تو ان کے پیچھے تندرست لوگوں کی نماز درست نہ ہوگی
فقط

محمد منظر عفر اللہ
امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۲) نابالغ حافظ قرآن امام کے پیچھے نماز تراویح جائز ہے یا نہیں؟

مستفتی

ایک حنفی مسلمان - سوئی پت

هوالموفق

امام مسجد فتحپوری دہلی

نابالغ لڑکے کے پیچھے مطلقاً نماز صحیح نہیں خواہ فرض ہو یا تراویح کذا فی الکتب الفقہ - واللہ تعالیٰ اعلم
حررہ محمد منظر عفر اللہ

قرأت

سوال نمبر ۲۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت نماز باجماعت کے بارے میں جو حدیث ہے فالینخف فان فیہم الضعیف الخ : یہ عشاء کی نماز کے لئے ہے یا صبح کی نماز کے لئے بھی۔ زید کہتا ہے کہ صبح کی نماز کے لئے نہیں بلکہ اس میں تو اس قدر طول قرأت ہونا چاہیے کہ گھر سے آنے والے محلہ لوگ بھی شریک ہو جائیں کیا زید کا یہ قول صحیح ہے۔ بلینوا تو حروا

ہوالموفق

حضر میں جب کہ وقت تنگ ہو تو سنت یہ ہے کہ فجر میں طووال مفصل یعنی سورۃ حجرات سے سورۃ بروج تک کی سورتوں میں سے کوئی سورت پڑھے اس مسنونہ قرأت سے زیادہ طویل کرنا جب جماعت ہو تو مکروہ ہے۔ شرح وقایہ میں ہے :-
وفی الحضرة استحسنوا الطوال المفصل - انتہی مافیہ
وفی العالم کبیرہ :-

ولا یزید علی لقراءة المستحبة ولا یثقل علی لقوم ولكن تخفیف بعد ان یکون
علی لتمام والاستحباب - انتہی مافیہ
وقال المحقق فی فتح :-

وقد یجئ ان التطول هو الزیادة علی القراءة المسنونة - (انتہی)

یہی حدیث :-

اذا صلی احدکم بالناس فالینخف فان فیہم الضعیف والسقیم والكبیر -
سو اس کا منشاء بھی یہی ہے کہ قرأت مسنونہ سے طویل نہ کیا جاوے خواہ کسی وقت کی جماعت ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عارف صاحب
مسجد جامع فتحپوری دہلی

سوال نمبر ۲۴) امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنی فرض ہے یا نہیں ؟

الجواب

امام کے پیچھے خواہ سورۃ فاتحہ ہو یا اور کوئی سورت اطلاقاً قرأت مکروہ ہے۔ ہدایہ شریف میں ہے :-
ولا یقرأ المؤمن خلف الامام لقوله علیہ السلام من كان اماماً فقرأه

الامام له قراءة وعليه اجماع الصحابة وهو ركن مشترك بينهما لكن حظ
المقتدى الانصاف والاستماع قال عليه السلام واذا قرأ الامام فانصتوا
انتهى۔

یعنی امام کے پیچھے مقتدی قرأت نہ کرے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن مصلیٰ کا امام ہو تو
امام کی قرأت ہی اس کی قرأت ہے (یعنی حکماً امام کی قرأت مقتدی کی قرأت کے قائم مقام ہے۔ پس یہ
قرأت نہیں کر سکتا ورنہ اس کے لئے دو قرأتیں لازم آجائیں گی وہ غیر مشروع) قرأت ایک ایسا
رکن ہے کہ جو امام مقتدی میں مشترک ہے لیکن مقتدی کا حصہ خاموش رہنا اور کان لگا کر سننا
ہے کہ حضور نے خود ارشاد فرمایا کہ صحابہ کا اجماع ہے (یعنی جو صحابہ کا یہی مذہب ہے) انتہی

بلکہ بعض علماء و صحابہ کے نزدیک تو امام کے پیچھے قرأت مفسد صلوٰۃ ہے۔ فتح القدر میں ہے :-

قال محمد لا قراءة خلف الامام فيما جهر وفيما لا يجهر فيه بئذ لا يجازت
عامۃ الاخيار وهو قول ابى حنيفة وقال السرخسي تفسد صلوته في
قول عدة من الصحابة۔ انتهى ما فيه۔ فقط والله تعالى اعلم بالصواب۔

حورہ محمد منظر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتح پوری دہلی

(نوٹ) یہ فتویٰ تقریباً نصف صدی قبل تحریر فرمایا۔

(سوال نمبر ۲۵) (۱) ایک شخص نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنا بھول گیا، آخر میں سجدہ سہو کر لیا۔ کیا اس کی نماز ہو گئی؟
(۲) سورۃ فاتحہ کے بعد تین آیتوں کا ملانا یا ایک بڑی آیت کا ملانا فرض ہے یا واجب؟

مستفتی

تفضل حسین صدیقی۔ (غازی آباد ضلع میرٹھ)

الجواب

(۱) اس کی نماز ہو گئی۔

(۲) مطلق قرآن کریم پڑھنا فرض ہے اور الحمد کے بعد تین چھوٹی آیتوں کا یا ایک بڑی آیت کا ملانا واجب ہے
فقط والله تعالى اعلم۔

محمد منظر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتح پوری دہلی

(سوال ۲۶) بعض حافظوں کو دیکھا گیا ہے کہ تراویح میں ختم واسے روز جب قیل ہوا اللہ پڑھتے ہیں تو بسم اللہ باواز بند پڑھتے ہیں اور پھر تین مرتبہ قیل ہوا اللہ پڑھتے ہیں کیا ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز۔ بینوا تو جروا

الجواب

ہوں کہ بسم اللہ شریف سورۃ نمل کے علاوہ قرآن کویم کی ایک آیت ہے جو سورتوں کے درمیان میں فصل دینے کے لئے مکرر واقع ہوتی ہے، اس لئے بسم اللہ شریف کا تو پھر کے ساتھ کسی سورت پر پڑھنا ضروری ہے، خواہ موتہ اخلاص پر پڑھی جاوے یا کسی اور دوسری سورت پر، ورنہ ختم قرآن میں نقص رہ جاوے گا، البتہ سورہ اخلاص کے تین مرتبہ پڑھنے میں اختلاف کیا ہے، لیکن یہ اختلاف استحسان میں ہے، بعض مستحسن نہیں کہتے اور بعض مستحسن فرماتے ہیں، لیکن مکروہ کوئی نہیں کہتا اس لئے اگر کوئی تین مرتبہ قیل ہوا اللہ پڑھے تو مضائقہ نہیں۔ شرح منیہ میں ہے :-

لا یکرہ تکراء السورۃ فی التطوع لان باب لنقل اوسع اوسى میں ہے قیلۃ
قل هو اللہ احد ثلث مرات عند ختم القرآن لم یستحسنها بعض المشائخ
وقال الفقہیہ ابواللیث ہذا الشئ استحسنہ اهل القرآن وائمة الامما
فلا بأس به الا یكون الختم فی المکتوبۃ - فقط واللہ تعالیٰ وعلمہ۔

محمد مظہر اللہ عفری
امام مسجد فتحپوری دہلی

مقتدی

(سوال نمبر ۲۶) (۱) مقتدی قعدہ اولیٰ میں شریک ہوا ابھی التحیات شروع کی تھی کہ امام کھڑا ہو گیا، کیا اس وقت میں مقتدی التحیات پوری پڑھے یا امام کے ساتھ کھڑا ہو جائے؟
(۲) جنبی غسل کر کے نماز میں شریک ہو یا محض تیمم کافی ہے؟

الجواب

(۱) ہاں مقتدی تشہد پورا کر کے کھڑا ہو ہی تھا میں ہے لیکن اگر پورا کر کے کھڑا نہ ہوا امام کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا تب بھی جائز ہے کذا فی العالمگیری۔
(۲) اگر ایسی صورت ہے کہ جنبی کو تیمم جائز ہے تب تیمم کر کے شریک جماعت ہو اور اس پر اس نماز کا اعادہ بھی نہیں

اور اگر تم جائز نہیں تو پھر محض جماعت کے نہ ملنے کے خوف سے وہ تمیم کر کے شریک جماعت نہیں ہو سکتا۔ فقط

محمد منظر اللہ
امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۷) پوتھی رکعت میں قعدہ اخیرہ کے بجائے اگر نمازی کھڑا ہو جائے تو اس صورت میں نماز لوٹانی جائے یا سجدہ سہو کر لیا جائے۔

مستفتی

فضل احمد (دہلی)

الجواب

فرض نماز کے اخیرہ قعدے کو چھوڑ کر کھڑا ہوا ہے تو پانچویں رکعت کے سجدے سے پیشتر اس کو بیٹھ جانا چاہیے اور سجدہ ہو اس صورت میں اس پر لازم ہے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کر لیا تو اب فرض اس کے باطل ہو گئے، پھٹی رکعت ملا کر پڑھے تاکہ تمام رکعتیں نفل ہو جاویں اور پانچویں پڑھ کر سلام پھیرا تو چار رکعت نفل ہوئیں اور ایک باطل۔ فقط

محمد منظر اللہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۹) بعض لوگ جماعت کے وقت سنت پڑھتے ہیں، ان کا یہ فعل درست ہے؟

الجواب

جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ غیر مجتہد اور کم علم ہیں اس لئے بفرحوائے آیتہ کریمہ فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون اپنے اس مجتہد سے پوچھ کر عمل کرتے جو ان کے نزدیک قرآن کریم اور احادیث شریفہ کو بہتر جانتا ہے اور ان سے احکام شرعیہ نکالنے پر قادر ہے۔ غیر مجتہدان سے احکام شرعیہ نکالنا کیا جانے پس مسائل کو ان کی فکر نہ چاہیے اور اپنے لئے اگر وہ اجتہاد کا پایہ رکھتا ہے تو اس کو کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ورنہ وہ بھی کسی مجتہد کا دامن پکڑے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر اللہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

سوال نمبر ۳۰) زید نے سوہ بقرہ کے پانچویں رکوع کے آخر میں وانہا لکبیرۃ الاعلیٰ الخاشعین
الذین یظنون انہم ملاقوا بہم وانہم الیہ راجعون کی بجائے لایرجعون پڑھ دیا کیا اس
صوت میں نماز فاسد ہو جائیگی۔

مستفتی

مولوی عبدالرحیم

۱۶ اکتوبر ۱۹۵۸ء

الجواب

اس صوت میں نماز فاسد ہو جائیگی اس لئے کہ معنی بدل گئے اور غیر فاضح واقع ہو گیا جو مفسد صلوات ہے۔ فقط
واللہ تعالیٰ اعلم

منظر عقار
محمد ہاشم

مسجد جامع پنجپوری دہلی

سوال نمبر ۳۱) امام نے ابھی السلام علیکم کہا ہے اور مقتدی نے ورحمۃ اللہ علیہ کہا۔ اس
صورت میں نماز میں خلل تو واقع نہیں ہوا۔

مستفتی

قرالین۔ بستی نظام الدین دہلی

الجواب

نہیں اس صورت میں مقتدی کی نماز میں کچھ خلل نہیں۔ ہاں سنو یہ ہے کہ جب امام داہنی طرف سلام پھیرے
اس وقت مقتدی سلام پھیرے اور جب وہ بائیں طرف سلام پھیرے اس وقت مقتدی بائیں طرف سلام پھیرے۔ فقط
واللہ تعالیٰ اعلم

منظر عقار
محمد ہاشم

مسجد جامع پنجپوری دہلی

سوال نمبر ۳۲) مقتدی جماعت میں اس وقت شریک ہو جائے کہت ہو چکی تھی۔ اتفاق سے امام صاحب
نے سجدہ سہو کیا۔ کیا مقتدی کے لئے ضروری ہے کہ سجدہ سہو کے بعد امام کے ساتھ سلام پھیرے؟ اگر مقتدی نے
ایسا کیا تو اس کی نماز فاسد تو نہ ہوگی؟

مستفتی

محمد یوسف۔ دہلی (یکم ستمبر ۱۹۶۵ء)

الجواب

امام کا اتباع صرف سجدوں میں ہے نہ سلام میں اگر قصد اسلام کرے گا تو نماز جاتی رہے گی ہاں اگر قبول کرنا امام کے ساتھ سلام کیا تو نماز ہو جائیگی۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۳۳۳) (۱۱) امام نے سجدہ سہو کے لئے سلام پھیرا اور سجدہ سہو کیا اسی امام کے مقتدی نے جس کی کچھ نماز باقی رہ گئی تھی سجدہ سہو نہیں کیا بلکہ باقی نماز پوری کرنے کے لئے کھڑا ہو گیا اور نماز پوری کرنے کے بعد سلام پھیرا۔ آیا اس شخص کی نماز ہوئی یا نہیں۔

(۲) جو امام لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھاتا ہے اس کی اقتداء درست ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) اگر کسی عذر کی وجہ سے مسبوق امام کے ساتھ سجدہ سہو میں شریک ہوا تھا تو مضائقہ نہیں ورنہ اس کو امام کے تھا شریک ہونا ضروری تھا لیکن اس کی نماز بہر حال ہو گئی۔ ہاں اس کو اپنی آخر نماز میں سجدہ سہو کر لینا تھا بشرطیکہ وقت میں سجدہ سہو کر سکتا تھا۔ اگر نہ کیا تو اس کی نماز نقصان کے ساتھ ہو گئی، اس صورت میں وقت کے انداز اس کو لوٹانا چاہیے تھا، اب ضرورت نہیں۔

(۲) پہلے میرے نزدیک ایسے امام کی اقتداء صحیح نہ تھی لیکن بعض روایتیں ایسی بھی نظر سے گزریں جو صحت اقتداء کی مقتضی ہیں اس لئے مجھے اب اس میں تردد ہو گیا ہے لیکن اب بھی ایسے امام کی اقتداء بہتر نہیں جانا لفظ تعالیٰ :-

”وَإِذَا تَقَفَ مَالِيكَ لَكَ بِهِ عِلْمَانِ السَّمْعِ وَالْبَصَرِ وَالْفُؤَادِ كُلِّ النَّكَانِ
عِنْدَهُ مَسْئُولًا“

وَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ :-

”دَعِ مَا يَرِيْبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيْبُكَ“

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(۱۰ اپریل ۱۹۶۰ء)

نماز

(سوال نمبر ۳۴) ایک مسجد کے صحن کو فردا پڑھا کر ایک طرف کو جماعت ثانیہ کے لئے الگ جگہ بنائی ہے کیا یہ درست ہے اور کیا جماعت ثانیہ جائز ہے۔

الجواب

اگر اتفاقاً کچھ لوگ جماعت سے رہ جائیں تو وہ ان مقامات میں جماعت ثانیہ کر سکتے ہیں بلکہ اگر یہ مسجد شارع عام پر واقع ہے تو کچھ قید نہیں جہاں چاہیں جماعت ثانیہ کر سکتے ہیں۔ ردالمحتار میں ہے۔

عن ابی یوسف انه اذا لم تکن الجماعة علی الهيئة الاولی لا تکره وهو
الصحیح وبالعدول عن المحراب یختلف الهيئة۔ کذا فی البزازیہ وفی لتمام
خانیہ وبہ ناخذ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عطار
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۳۵) کیا مسجد کی چھت پر نماز باجماعت یا منفرد نماز پڑھی جاسکتی ہے؟

الجواب

اگر مسجد کی اوپر کی منزل نماز کے لئے بنائی گئی ہو تو اس پر بلا ضرورت پڑھنا مطلقاً مکروہ ہے خواہ نماز کیلئے پڑھا جائے یا اونہی۔ پس اس پر تنہا بھی نماز نہ پڑھنا چاہیے۔ ردالمحتار میں ہے :-

ثم ما أیت القہستانی نقل عن المفید کراهة الصعود علی سطح المسجد ویلتزمہ
کراهة الصلوة ایضاً فوقہ فلیتأمل۔ فقط

محمد منظر عطار
جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۳۶) ایک چھوٹی مسجد جس میں صحن بہت کم ہے صحن کی جگہ والا بنایا ہے اس کی چھت پر جمعہ کے دن جماعت کثیر ہونے کی وجہ سے لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ اور موسم گرما میں مغرب عشاء کی نمازیں بھی اسی چھت پر ہوتی ہیں کیا یہ جائز ہے۔

مستفتی
مسیت اللہ۔ سٹرا

الجواب

ہاں اس خاص صورت میں مسجد کی چھت پر بھی جماعت کر سکتے ہیں کہ بجائے صحن مسجد یا یہ سقف مسجد بضرورت قرار دے دی گئی ہے لیکن اگر صحن مسجد بھی باقی ہے تو مسجد کی چھت پر جماعت کرنا مکروہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۷) (۱) آلہ بکبر الصوت (لاؤڈ سپیکر) پر خطبہ یا اذان پڑھنے کا شرعاً کیا حکم ہے۔

(۲) اس آلہ پر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے۔ نماز صحیح ہوگی یا فاسد یا مکروہ۔

(۳) اگر آلہ بکبر الصوت بکبر کے سامنے ہو تو نماز کا کیا حکم ہے۔

سائل

قدیر حسین از کراچی رابن روڈ کوکسی

مسلم جماعت خانہ

الجواب هو الموفق للصواب

(۱) اگر نظر غائر سے کام نہ لیا جائے تو ظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ اذان میں اس آلہ کا استعمال مضائقہ نہیں رکھتا، لیکن اگر بغور ملاحظہ کیا جائے تو اس کے جائز بلا کر اہت ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اس لئے کہ شریعت مطہرہ نے ان احوال کو ایک خاص بہتیت کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے جس میں کسی قسم کی تغیر کو جائز نہیں رکھا یہی وجہ ہے کہ جب فقہانے دیکھا کہ حضور علیہ السلام نے قیام کی حالت میں خطبہ فرمایا ہے تو بیٹھ کر خطبہ پڑھنے کو مکروہ فرمایا۔ اسی طرح جب دیکھا کہ دو خطبوں کے درمیان قعود فرمایا ہے تو اس کے ترک کو ممنوع قرار دیا۔ اور باوجودیکہ قیاس چاہتا تھا کہ اردو میں خطبہ یا اس کا کوئی حصہ غیر عربی میں پڑھا جائے لیکن جب دیکھا کہ عجم میں پہنچ کر بھی صحابہ نے اس قیاس پر عمل نہ کیا تو غیر عربی میں خطبہ کو خلاف سنت اور مکروہ قرار دیا۔ بلکہ صاحبین کے نزدیک تو بلا عند غیر عربی میں خطبہ جائز ہی نہیں، اور یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں اس مسئلہ میں اختلاف ہو رہا ہے کہ اذان خطبہ کا مقام کہاں ہونا چاہیے کہ حضور علیہ السلام کے عہد مبارک میں تو خارج مسجد دی جاتی تھی، اسی طرح اور بہت سے مقام ہیں جس میں اس زبانہ پاک کے عمل پر نظر رکھتے ہوئے اس کے خلاف کو مکروہ قرار دیا گیا ہے، چنانچہ اپنی میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے جس میں کلام کیا جا رہا ہے کہ باوجودیکہ اذان میں رفع صوت مطلوب ہے چنانچہ شامی میں ہے وینبغی للموذن ان یوذن فی موضع یکون اسمع

— الجیران ویرفع صوتہ لیکن اس کے واسطے بھی ایک حد مقرر ہے کہ موذن اپنی قوت کے موافق اس میں آواز بلند کرے اس سے زیادہ تکلف کی اس کو اجازت نہیں فالگیری میں ہے ویکرم للموذن ان یرفع صوتہ فوق الطاقۃ۔ پس اس پر نظر رکھتے ہوئے فقہانے باوجودیکہ کجلی جیسی ایسی چیزیں پائی جاتی تھیں جو آواز کو بلند کرنے والی تھیں، لیکن ان کو اختیار نہ کیا اور انسانی قوت سے زیادہ بھر مغزط کے متعلق فرمایا کہ یہ کلام کے حکم میں ہے اور کلام اذان میں مکروہ ہے، چنانچہ در مختار میں ہے الصباح ملحق بالكلام فتمم اور اسی میں ہے ولا یتکلم فیہما ای فی الاذان والاقامة اصلو لو مراد السلام اور بھی اسی میں ہے ویکرمۃ تکلمہ فیہما (ای فی الخطبۃ)، الا لامر معترف یوہی خطبہ کے درمیان سننے والے پر بھی کلام اور اس کی طرف التفات بلکہ ہر وہ شے جو اس کے لئے خطبہ سننے میں خارج ہو، مکروہ ہے منعم الخالق میں ہے قال فی لبدا یکرۃ الکلام حال الخطبۃ وکذا اقراة القرآن وکذا الصلاة وکذا ما یشغل بالہ عن سماع الخطبۃ انتہی اور مطاوی علی مراتب الفلاک میں ہے وفی شرح الزاہدی یکرۃ لمستمع الخطبۃ ما یکرۃ فی الصلاة من اکل وشرب وعبث والتفات ونحو ذلک وفی الخلاصۃ کل ما حرم فی لصلوۃ حرم حال الخطبۃ انتہی اور غایت درجہ ظاہر ہے کہ ہو نہیں سکتا کہ آلہ کی آواز اور اس کے تغیرات کی طرف التفات نہ ہو تو اس صورت میں خطیب اور سامعین دونوں ہی اس فعل مکروہ کے ترکیب ہوں گے، فقیر کو بارہا ایسی مجالس میں شرکت کا اتفاق پڑا جس میں مقرر لاؤڈ سپیکر کے ذریعے تقریر کر رہا تھا تو مجھے تو کبھی بھی ایسا موقع میسر نہ آیا جس میں پوری تقریر صاف سن سکتا۔ ہمیشہ اس کے تغیرات ہی پریشان کرتے رہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ جوں کہ مجھے مقرر کے قریب بیٹھنے کا اتفاق ہوتا رہا تو اس کا تو مجھے یقین ہے کہ پاس والے تو ہرگز مقرر کی پوری تقریر اس طرح نہیں سن سکتے کہ کبھی وقت بھی اس آلہ کی طرف ان کی التفات نہ ہو اور سکون قلب کے ساتھ پوری تقریر سن لیں۔ ممکن ہے کہ دور والے اس طرح سن سکتے ہوں۔ بہر حال بعض حصہ سامعین کا وہ بھی ہوتا ہے جن کے لئے اس کے تغیرات کی طرف التفات سے چارہ نہیں، اور یہ عبارات مذکورہ فقہیہ سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ غیر خطبہ کی طرف سامعین یا خود خطیب کا اٹھانے خطبہ میں التفات مکروہ ہے، علاوہ ازیں یہ شے اور بھی مفسد عظیمہ کی سبب ہوتی ہے جس کی وجہ سے نماز میں قرآن کریم کو بھر قوی کے ساتھ پڑھنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے کہ مخالفین اسلام کو اس کے ساتھ استہزا اور گستاخی کا موقع ملتا ہے لہذا ایک مقدار چہرے سے جب فعل واجب یا سنت ادا ہو گیا تو اب اس سے زائد بھر بلا ضرورت ہو گا جس کی اس مفسدہ کی وجہ سے اجازت نہیں دی جلد سکتی فقال تعالیٰ ناہیا لا تجہر بصلاتک ولا تخافت بہا وابتغ بین ذلک سبیلا وفی التفسیرات الاحمدی وبیانہ ما قبل ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یرفع صوتہ بقراة فاذا سمع المشرکون لغوا واسبوا فامربان یخفص من

صوتہ بہذہ الایۃ۔ والمعنی لا یجہر بقراءۃ صلاۃک حتی یسمع المشرکون ولا تخافت بہا حتی
لا یسمع من خلفک وابتغ بین ذلک ای بین الجہر والاحفاء سبیلًا وسطا و فی الواو التنزیل
فان الاقتصاد فی جمیع الامور محبوب انتہی ہذا فی عامۃ التفاسیر اس آیت کریمہ اور اس کی تفاسیر
نے جس امر پر تنبیہ فرمائی ہے وہ کسی پر پوشیدہ نہیں یہی حال مشرکین کا اذان کے باب میں تھا فقال تعالیٰ واذنادیتہ
الی لصلوۃ اتخذوها هن واولعبا۔ یعنی جب تم نماز کے لئے اذان دیتے ہو تو یہ لوگ اس کو ٹھٹھا اور کھیل بناتے
ہیں یہی حال خطبہ میں ہو سکتا ہے پھر جب تو ہنسی اور ٹھٹھا ہی تھا لیکن اب تو مقابلہ کے لئے بھی کھڑے ہو جاتے ہیں ہاں
جب بس نہیں چلتا تو پھر گالیوں کے ساتھ پیش آتے ہیں تو ایسی حالتیں ان کلمات طیبات کے ساتھ بلا ضرورت اس
قدر بلند آواز کرنا کہ باز اروں اور کوچوں تک میں پھیل جائے اور ہر کس و ناکس کے کان اس کی طرف لگ جائیں یقیناً اس
مفسدہ کے لئے مستلزم ہے، پھر اس زمانہ میں تو سوائے اقامت سنت کے دوسرا فائدہ بھی بہت کم ہے کہ عموماً
اوقات نماز کی گھنٹوں کے ساتھ تعیین ہے۔ اس ہی وقت معین پر لوگ آتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس آلہ کے جوہر کے
وقت اذان کی ایک سنت اور منقود ہوتی ہے کہ حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح کے وقت تو وزن کو تحویل وجہ چاہیے
اس وقت وہ بھی متعذر ہے اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اب تحویل وجہ کی ضرورت ہی کیا ہے، اس لئے کہ وہ مطلقاً اذان
کی سنت ہے اگرچہ تجھ کے کان ہی میں کیوں نہ کہی جاتی ہو، چنانچہ درمختار میں ہے وتلفت فیہ یمیناً ویمیناً
الصلوۃ وفلاح والوحدۃ اولو لود لانہ منۃ الاذان مطلقاً انتہی غرض ان جوہر و دلائل مذکورہ
سے ثابت ہے کہ اذان خطبہ میں اس آلہ کا استعمال باعث کراہت ہے۔

(۲) وہ دلائل جو ہم نے اذان خطبہ میں ذکر کئے کراہت نماز کے اثبات کے لئے بھی کافی ہیں خصوصاً آیت کریمہ
لا تجہر بصلاۃک الایہ لہذا ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں کہ اختصار مد نظر ہے لیکن اس میں ایک ایسا امر اربع
القبائح اور بھی پایا جاتا ہے جس کے سامنے وہ مفسدہ جو ذکر کئے گئے کوئی حقیقت نہیں رکھتے اور وہ ہے جو سرے
سے نماز ہی باطل کرتا ہے اس لئے کہ نمازی کا ایسے کے ساتھ تعلیم و تعلم کا علاقہ جو اس کی نماز میں شرکت نہیں رکھتا مطلقاً
نماز ہے اور یہ شے یہاں موجود ہے۔

اس سے پہلے کہ اس دعوے کے لئے دلیل پیش کی جائے، یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ آواز کی شے ہے اور وہ
کیوں کر پیدا ہوتی ہے اور کہاں تک کام کرتی ہے تو یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ یہ کیا شے ہے رہا اس کے پیدا ہونے کا
سبب ہو اس کا سبب قرع یا قلع ہے ایک شے کا مقابلہ والی شے سے سختی کے ساتھ ملنا قرع کہلاتا ہے اور اس
سے بسختی جدا ہونے کو قلع کہتے ہیں، منکلم کے گلو و زبان کی حرکت جب ہوا شے دہن پر قرع کرتی ہے تو اس کا
حرف پیدا ہو کر کلام کی صورت جلوہ گر ہوتی ہے پھر اس سے جدا ہو کر ہوائے مجاور کو قرع کرتی ہے یونہی جب تک قرع
اول کی قوت یاری دیتی ہے ہوا کے اگلے حصوں میں قرع و قلع ہوتا ہوا چلا جاتا ہے جس سے ہوا کے اندر ایک
تورج اور لہر پیدا ہو جاتی ہے، پھر جس قدر اس میں ضعف آتا جاتا ہے یہ لہر بھی ہلکی پڑتی جاتی ہے یہاں تک کہ ایک

حصہ پر جا کر ختم ہو جاتی ہے یہی وہ لہر ہے جس کے ہر حصہ میں متکلم کی آواز اور اس کا کلام ساری ہوتا ہے کہ پہلے قرع سے جو کلام پیدا ہوا تھا اسی ہی کا سلسلہ یہاں تک پہنچتا ہے، پس اس لہر کے درمیان اگر کسی کا کان واقع ہو جاتا ہے تو وہ یہ کلام سن لیتا ہے اور جس کے کان تک یہ سلسلہ نہیں پہنچتا وہ نہیں سن سکتا، اور ضعف کی حالت میں پہنچتا ہے تو کچھ سنا بھی ہے تو سمجھ نہیں سکتا۔ شرح مطالع میں ہے۔ والمشهور ان السبب لا کثری للصوت هو توجع الهواء بقرع اوبقاع عنیف و التوجع عبارة عن امر یحدث فی الهواء بعد صدوم بعد صدوم و سکون بعد سکون و هذا التوجع سبب القرع وهو اساس عنیف او القلع وهو تفریق عنیف فان القرع و القلع کل منہما یوجع الهواء ان ینقلب من المسافة التي سلکھا القراع انتہی ما فیہ صلا غرض اس سے معلوم ہوا کہ آواز کلام کی پیدائش کا سبب یہ قرع یا قلع ہے جہاں تک بھی اس کی قوت کام کرتی ہے، سننے والوں کو منتفع کرتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی دریا پر پتھر زور سے مارے تو اس پتھر کا قرع جس قوت سے سطح دریا پر واقع ہو گا۔ اس ہی قدر دور تک اس کی لہریں جائیں گی، جب بیشعہ زمین نشین ہو چکی تو اب غور فرمائیں کہ امام کے گلو زبان کا قرع تو ایسا قوی رہتا جو ہوا کی لہروں کو میلوں تک پہنچاتا تو لامحالہ یہی کہا جائیگا کہ اس لہر میں جو قرعات کا سلسلہ جاری تھا اس میں سے کوئی قرع اس آلہ میں واقع ہوا ہے اور اس نے اس قرع کو برقی قوت سے ایسا قوی کر دیا ہے جس سے اگلے قرعات و قلعات کا سلسلہ دراز ہو گیا، یا یوں کہئے کہ یہ ہوائے متکلیف یا کلام اس آلہ میں پہنچی اور اس نے اس پر قرع کر کے اگلی ہوا میں ایک نیا توجع قائم کر دیا بہر حال اگلی ہوا کے توجع کا سبب قریب یہ آلہ ٹھیرے گا اور اس کی نسبت اس آلہ کی طرف کی جائے گی، اس ہی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ لاؤڈ سپیکر کی آواز آ رہی ہے، اس کی مثال یوں خیال کیجئے کہ ایک بچہ گیند پھینکتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس وقت یہ گیند دس پندرہ قدم پر جا کر رک جائیگی لیکن ابھی اس کی رفتار ختم ہونے نہیں پاتی کہ ایک قوی پہلو ان اس پر اور ٹھوکر لگا دیتا ہے تو اب وہ گیند بجائے دس پندرہ قدم کے دس پندرہ سو قدم پہنچ چکی تو کیا کہہ سکتے ہیں کہ اس قدر دور اس بچہ نے گیند پھینکی ہے ہرگز نہیں اب نہ اس ہی پہلو ان کی طرف نسبت کی جائیگی یہی حال گیند غیرہ کی گونج کا ہے کہ متکلم سے جو قرع و قلع کا سلسلہ چلا تھا اس میں گیند کے تصادم سے اس کا تصرف بھی ہو گیا اور اس کے ٹکرانے سے یہ سلسلہ واپس آیا تو اب واپسی کے بعد جو کلام مسوع ہو گا وہ اگرچہ متکلم کا ہی ہو گا لیکن چونکہ اس میں غیر کا تصرف ہو گیا ہے اس لئے اب اس کا وہ حکم نہ رہے گا جو بلا شرکت غیر سے میں تھا، چنانچہ تالی یہ سجدہ تلاوت کرتا ہے اور اس کو جو مکلف سنتا ہے اس پر سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے لیکن اس ہی کو اگر اس گونج سے سنا ہے تو سننے والے پر سجدہ واجب نہیں ہوتا کہ اب اس کو ایک غیر مکلف کے ساتھ نسبت ہو گئی چنانچہ تنویر میں ہے لا یجب بسماعتنا من الصدا انتہی اور اگر غور کیجئے تو یہ قصہ بھی ماغن فیہ میں پایا جاتا ہے کہ یقیناً اس میں ایک قسم کی گونج پائی جاتی ہے، اور اس آلہ میں کلام کی وہ شان نہیں رہتی جو بلا آلہ کے کلام میں ہوتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح گیند کی ٹھیس اس توجع کی حیثیت کو بدل دیتی ہے یہی اسی طرح بدلتا ہے۔

فرق صرف اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ گنبد آواز کو واپس کرتا ہے اور یہ آگے بڑھاتا ہے سو یہ شے اس کو متکلم کا عین قرار نہیں دے سکتی، بلکہ اس میں ایک مزید فرق یہ اور ہے کہ لہر میں ایک جدید قوت عظیم پیدا کر دیتا ہے جس میں یہ اس سے منفرد ہے تو جو حکم گنبد کی آواز کے لئے ہوگا اس کے لئے بالاولیٰ ہوگا۔ یہاں ایک شبہ واقع ہو سکتا ہے کہ جب صدور کلام کا باعث متکلم ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس کی طرف اس کلام کی نسبت نہ کی جائے، سو ہماری اس تقریر کا یہ منشا نہیں، نسبت تو اس کلام کی ضرورت اس کی طرف کی جائے گی اور کلام اسی متکلم کا کہا جائے گا لیکن ہم تک جو اس کلام پہنچانے کا واسطہ پڑا ہے اس کو بھی کالعدم نہیں کیا جاسکتا کہ ہمیں تو اس آلہ ہی نے اس کلام سے منتفع کیا ہے تو یہ کیسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ تامل کیا جائے گا تو ایسے نظائر مل جائیں گے جن میں وسائل سے احکام بدلنے لگتے ہیں، مثلاً اسی کلام کو ایک دوسری جہت سے ملاحظہ کیجئے کہ اس متوج کی حالت میں جس میں یہ مسروح ہوتا ہے اس کو فونو گراف کی پلیٹوں میں محفوظ کر لیا جاتا ہے پھر اس قدرت کے بعد کہ اس کا متکلم انتقال بھی کر جاتا ہے فونو گراف کے ذریعہ پھر اس پر جدید قوت واقع کیا جاتا ہے تو پھر وہی کلام سنتے میں آنے لگتا ہے تو کیا اب بھی آپ فونو کو نظر انداز کرتے ہوئے فرمائیں گے کہ مرنے والا کلام کر رہا ہے، ہرگز نہیں کہ کلام تو متکلم ہی کا ہے لیکن اس کا پہنچانے والا فونو گراف ہے، پھر یہاں کیوں تامل ہے اور لاؤڈ اسپیکر کو کیوں کالعدم کئے دیتے ہیں کہ حالت تو دونوں ہی کی یکساں ہے دونوں ہی نے اس لہر سے یہ کلام حاصل کیا ہے جو متکلم کی قوت سے پیدا کی تھی اور دونوں ہی متکلم اور مستمع کے درمیان واسطہ پڑے ہیں۔

الحاصل اس بیان سے ثابت ہوا کہ یقیناً اس قدر مسافت بعید پر یہ آلہ امام کی آواز اور اس کی تکبیرات وغیرہ پہنچانے کے لئے واسطہ ہوگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ آلہ امام اور مقتدیوں کا غیر ہے۔ اور امام کا غیر مقتدی کے قول پر اور مقتدی کا غیر امام کے قول پر عمل کرنا مفسد صلوٰۃ ہے پس اس آلہ کی آواز پر جو لوگ رکان نماز ادا کریں گے ان کی نماز نہ ہوگی، چنانچہ ردالمحتار میں ہے :-

(و کذا اخذ) ای اخذ المصلیٰ غیر الامام بفتح من فتح علیہ، مفسد ایضاً کما فی البحر عن الخلاصۃ واخذ الامام بفتح من لیس فی صلاتہ، کما فیہ عن القنیۃ انتہی

ہو سکتا ہے کہ کسی سائینس دان اور ماہر فن کی تحقیق فقیر کی اس تحقیق کے مخالف ہو تو یاد رکھئے کہ اس باب میں کافر یا فاسق کے قول کا تو اصلاً اعتبار ہی نہیں ہاں متقی کے مقابلے میں گنجائش ہے کہ فقیر کی تحقیق کا اعتبار نہ کیا جائے تو اول تو ایسا شخص نشاء اللہ تعالیٰ میسر ہی نہیں آسکتا اور بالفرض نہایت درجہ کی تلاش سے میسر آجی جائے تب بھی حرمت و حلت کے دلائل کے تعارض کے وقت دلائل حرمت ہی کو ترجیح ہوتی ہے لہذا میرا ہی قولی الحق بالقبول ہوگا اور یہ بھی نہیں تو کم از کم ان دلائل سے شبہ تو ضروری واقع ہوتا ہے، اور شبہ بھی معتنی ہے اس کے ترک کو فان الظن فی الفقہیات ملحق بالیقین حاکم معتنی حل و علا کا ارشاد ہے ر لا

تقف ما ليس لك به علمات السمع والبصر والفؤاد كل اولئك كان عنه مسئولا۔ یعنی جس بات کی تجھ کو تحقیق نہ ہو تو اس پر عمل مت کر کہ ہر شخص سے اس کے کان آنکھ اور دل سے پوچھ ہوگی بادی النظر میں اس جیسے آلات بڑے بھلے اور مفید معلوم ہوتے ہیں اور خیال کیا جاتا ہے کہ یقیناً ان آلات کی ہمارے لئے سخت ضرورت تھی کہ اب تک ہم اس سے محروم تھے کہ اپنے امام کی بلا واسطہ تکبیرات سنتے اور اس کی قرأت ہمارے کانوں تک پہنچتی نصاریٰ کا شکریہ ہے کہ اس نے ہماری اس دینی ضرورت کو پورا کر دیا، لیکن نہ سمجھے کہ نصاریٰ نے اس پردہ میں تم سے آیت کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم کی تکذیب کرادی اعازنا اللہ تعالیٰ، نہ اس کا شعور ہوا کہ اب امام کی آواز میں شیطان آواز کا دخل ہو گیا، اپنی جیسی آوازوں کے ذریعے سے تو بہکانے پر آمادہ ہو کر شیطان آیا تھا جس پر ارشاد ہوا تھا واستغفرنا من استطعت منهم بصوتك الایۃ، یعنی جس جس پر تیرا قابو پلے تو اپنی چیخ پکار سے اس کا قدم اکھاڑ دو جو اور اپنے سوار و پیادے ان پر چڑھایا لہو اور ان کے مال و اولاد میں شرکت کر لہو اور ان کو وعدے دے لہو کہ یہ آوازیں تمہارے دین کو قبول کرنے والی ہیں، لیکن ہے یہ کہ اس کا وعدہ محض مکر و فریب ہے انتہی۔ نہ اس پر غور کیا کہ اس پر وہیں قرآن کریم کی اہانت کرائی جا رہی ہے اور اس کا تماشا بنایا جا رہا ہے۔ قرآن کریم نے فرمایا اخن هذا الحدیث تعجبون و تضحکون کیا تم اس کلام پاک کو اچھنجا بناتے ہو اور ہنسی کرتے ہو عالمگیری میں ہے من حرم صۃ القرآن ان لا یقرأ فی السوق انتہی۔ فقیر تو عبارت کے اندر اس آیت کی ممانعت کرتا ہے بعض محققین تو عام تقاریر میں اس کے استعمال کو ناجائز جانتے ہیں۔ چنانچہ دس بارہ سال ہوئے ایک بڑے محقق عالم نے فقیر کے پاس عام مجالس میں اس آیت کے استعمال سے متعلق سوال ارسال کیا تھا جس کا جواب دیا گیا تھا کہ مکروہ تنزیہی ہے پس بضرورت اس کا استعمال جائز ہے، لیکن جب ان سے ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ میرے نزدیک تو مطلقاً اس کا استعمال ناجائز و حرام ہے جس کو میں نے اپنے فتوے میں دلائل قویہ سے ثابت کیا ہے میں اس کی نقل آپ کو بھیجوں گا لیکن پھر ان کا وصال ہو گیا تو میں نے ان کے صاحب زادے سے دیکھ وہ بھی بڑے عالم اور معنی شہر میں، اس فتوے کو طلب کیا لیکن ان سے دستیاب ہو سکا غالباً علامہ مرحوم نے اس کو آلات لہویہ سے شمار فرمایا، فقیر کے خیال میں اگرچہ یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ آلات جہاں ضروریات زندگی کے لئے مفید ہیں وہاں مسلمانوں کو محصیت میں واقع کرنے کے لئے بھی بڑے قوی ذریعہ ہیں، ان کی ایجاد سے نصاریٰ کی اسل غرض تو مولیٰ تعالیٰ ہی جانے لیکن ان کی چھپی دشمنی کا اقتضایہ ضرور ہے کہ ہمیں اسلاف کے طریقے سے متزلزل کر دیں چنانچہ وہ برابر ہی اسی امر میں کوشاں رہے لیکن جو کام وہ سو سال کی لگاتار کوشش کے باوجود بھی نہ کر سکے، ان آلات کے ذریعہ چند ہی سالوں میں اس پر کامیاب ہو گئے۔

اگر آپ غور کریں گے تو شیطان کا کام جیسا ان آلات کے ذریعہ نکلا ہے دوسرے ذرائع سے کم نکلا ہے اسی طرح بعض مصنوعات ان کے اور بھی ایسے ہی ہیں چنانچہ فقیر کے پاس ایک مصلے قالینی آیا جس میں پیروں کے مقام میں ایک ایسی تحریر میں کلمہ شریف لکھا ہوا تھا جو سرسری نظر سے نہیں پڑھا جاتا تھا بلکہ تم سے قرأت

شرعیہ کی توہین کرائی جاتی ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ بعض الناس کی وہ دلیل کیا ہوئی کہ جو غیر المقرون میں نہ ہو وہ بدعت ہے، یہاں تو کوئی وجہ ہی نہیں نکلتی جو اس کو بدعات سے خارج کرے کہ صراحتہ طریقہ سنت کی مغیر ہے پس تہود اہلسنت کے نزدیک بھی اس کے بدعت ہونے میں شک نہیں۔

(۳) اس آراء کے ذریعہ تکبر کی تکمیل پر جو شخص ارکان نماز ادا کرے گا اس کی نماز نہ ہوگی لہذا تقدم من الدلائل نیز در مختار میں ہے و بہ علم جو انہما رفع الموزنین اصواتہم فی جمعۃ وغیرہا یعنی اهل الرفع اماما تعارفوہ فی زماننا فلا یبعد انہ مفسد اذا الصیاح ملحق بالکلام فتح و قال الشامی لہما راہ من تعقبہ انتہی۔ بلکہ تکبیر تحریمیہ کہتے وقت تو اگر تکبیر صرف تبلیغ کی نیت کر لیا اور اپنی تکبیر کی نیت نہ کر لیا تب تو خود اس کی نماز بھی نہ ہوگی جس میں کسی کا اختلاف ہی نہیں یہی حکم امام کا ہے کہ اگر وہ تکبیر تحریمیہ یا قرأت میں محض تبلیغ کی نیت کرے گا تو نہ اس کی نماز ہوگی نہ اس کے مقتدی کی۔ اور جب ثابت ہو چکا کہ یہ آراء باعتبار آواز کے خود مستقل حیثیت رکھتا ہے تو اب اس کا بھی احتمال ہے کہ اذان و خطبہ کا اعتبار ہی نہ ہو تو اس صورت میں تو ان دونوں کا اعادہ ضروری ہوگا ورنہ دوسری نمازوں کی اگرچہ ایک سنت ہو کہ وہ ہی جائے گی، لیکن نماز جمعہ تو اصلاً ادا ہی نہ ہوگی کہ خطبہ اس کے شرائط سے ہے لان اذان الصبی الذی لا یعقل غیر صحیحہ کالمجنون والمعنویہ کما فی الشامی فکیف یحکم اذان غیر الانسان واما الخطیب فیشتط فیہ ان یتاہل للامامۃ فی الجمعۃ کما فی العالمگیری وھذہ الالۃ لیست باہلہا۔ فقیر کو چوں کہ اختصار پر نظر ہے اس لئے ان احوال میں کراہت یا بطلان کے وہی وجوہ ذکر کئے جن میں زیادہ کچھ پوشیدگی نہ تھی، اور ایک منصف کے اطمینان کے لئے کافی تھے ورنہ اگر نظر تبلیغ سے کام لیا جائیگا تو اسی قسم کے متعدد وجوہ اور بھی پائیں گے۔ الحاصل اس آراء کا استعمال نہ اذان و خطبہ میں جائز ہے نہ نماز کے اندر تکبیر و قرأت میں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ شاہی امام

جامع مسجد فتحپوری دہلی

نوٹ :- یہ فتویٰ ۱۳۶۹ھ ۱۹۵۹ء میں "قصد المسبیل" کے نام سے علمائے دہلی کی تصدیقات کے ساتھ کتابی صورت میں حافظ محمد احمد صاحب نے اعلیٰ پریس دہلی میں طبع کرا کے شائع کیا تھا۔

(سوال نمبر ۳۸) بعض مساجد میں لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ نماز ہوتی ہے کیا یہ درست ہے؟

الجواب

بیشک محض لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر جو لوگ ارکان نماز ادا کریں گے ان کی نماز نہ ہوگی اس لئے کہ اس آلہ کے تصادم سے جو آواز پیدا ہو کر پھیلتی ہے وہ اس آلہ کی طرف نسبت کی جاتی ہے جیسے کسی کی آواز کا جب گنبد سے تصادم ہوتا ہے تو وہ آواز گنبد کی کہی جاتی ہے اور فقہا اس کی تصریح فرماتے ہیں کہ گنبد کی آواز بولنے والے کی غیر ہے یونہی اس آلہ کی آواز بھی غیر امام کی آواز ہوتی اور اس کی بھی تصریح فرماتے ہیں کہ امام کا غیر مقتدی کے قول پر اور مقتدی کا غیر امام کے قول پر عمل کرنا مفسد صلوٰۃ ہے۔ فقط

محمد مظہر عابدی

مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۳۹) ہمارے ہاں قریب قریب سات گاؤں واقع ہیں، جمعہ و عیدین کے موقع پر سب گاؤں والے جمع ہو کر جن کی تعداد تقریباً ڈیڑھ ہزار تک پہنچ جاتی ہے نماز جمعہ و عیدین ادا کرتے ہیں اس پر ایک عالم فرماتے ہیں کہ گاؤں میں جمعہ و عیدین کی نماز جائز نہیں کیا ان کا فرمانا درست ہے۔ بیسوا و توجسوا

الجواب

یہ تو صحیح ہے کہ ظاہر الروایۃ کے موافق گاؤں میں جمعہ جائز نہیں اور جو از جمعہ کے لئے مہر شرط ہے لیکن مہر کی تعریف میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ جو گاؤں اتنا بڑا ہو کہ اس کے تمام بالغ مرد اگر اس کی بڑی مسجد میں جمع ہوں تو اس میں نہ سما سکیں ایسا گاؤں بعض فقہاء کے نزدیک مہر ہے چنانچہ در مختار میں ہے :-
ولیشترط لصحتها المصرو وهو مال لا یسع اکبر مساجد اہلہ المکلفین بہا
وعلیہ فتویٰ اکثر الفقہاء۔

پس جس گاؤں میں جمعہ قائم ہے اگر وہ ایسا ہے جس پر تعریف مذکور صادق آتی ہے تو اس میں جمعہ جائز ہے اسے بند نہ کرنا چاہئے البتہ اس کے بعد چار رکعت بہ نیت آخر ظہر اور پڑھ لینی چاہئیں تاکہ فرض وقت یقین کے ساتھ ذمہ سے ساقط ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر عابدی

مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(۲۵ جنوری ۱۹۶۱ء)

(سوال نمبر ۴۰) (۱) ایک دیہات میں جمعہ کی شرائط نہیں پائی جاتیں لیکن وہاں چالیس پچاس سال سے جمعہ

ہوتا ہے اگر بند کیا جاتا ہے تو فتنہ کی صورت پیدا ہوتی ہے، ایسی حالت میں کیا کیا جائے ؟
 (۲) مسجد کے اندر ایک قبر ہے کیا اس کے سرمانے یا پائنتیوں نماز پڑھ سکتے ہیں ؟
 (۳) زید قرأت کے وقت حروف کی ادائیگی میں تحریف کرتا ہے مثلاً سین کی جگہ شین پڑھتا ہے ایسی صورت میں اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب

(۱) کم سے کم جو از جمعہ کے لئے بشرط ہے کہ اس موضع کے مکلف گروہاں کی بڑی مسجد میں نماز جمعہ کے لئے حاضر ہوں تو مسجد میں وہ نہ سما سکیں یہ بشرط موجود ہے اس موضع میں تو جمعہ جائز ہے ورنہ ناجائز۔ فقط
 (۲) قبر کے اور نمازی کے مابین سترہ ہونا چاہیے۔
 (۳) جو امام قرآن کریم کے حروف تبدیل کر کے پڑھتا ہے جب تک وہ حروف کو صحیح نکالنے پر نہ قادر ہو اس کو امام نہ بنانا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر عطار
 مسجد جامع فختپوری دہلی

(سوال نمبر ۴۱) جس شہر میں شرعاً جمعہ جائز ہے وہاں کسی چھوٹی مسجد میں جہاں جمعہ کی نماز نہ ہوتی ہو بغیر خطبہ کے جمعہ کی جماعت کر سکتے ہیں ؟

الجواب

اول تو چھوٹی مساجد میں جمعہ قائم ہی نہ کرنا چاہیے اگر صحت جمعہ کے دو شرط اٹھ پائے جاتے ہوں کہ دو ایک مقام سے زائد مقامات پر جمعہ قائم کرنا اکثر فقہاء کے نزدیک جائز نہیں اور خطبہ تو صحت جمعہ کے شرط سے ہے بلا خطبہ تو مسجد جامع میں بھی اگر جمعہ پڑھا گیا تو ادا نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

محمد مظہر عطار
 مسجد جامع فختپوری دہلی

(سوال نمبر ۴۲) زید نے ایک مسجد میں تراویح پڑھانے کے بعد وتر پڑھا ہے اور پھر دوسری مسجد میں آیا جہاں شب بیداری ہو رہی تھی اور پہلی رات کو وتر پڑھنے تھے چنانچہ یہاں آکر زید نے ایک رکعت وتر سے پہلے پڑھی اور یہ ایک رکعت پہلے والے وتر میں ملا کر نفل کر دئے اور اس کے بعد زید نے یہاں دوبارہ وتر پڑھا ہے جب بکر نے زید کے اس نفل پر اعتراض کیا اور کہا کہ ایک رکعت نماز نفل کوئی نماز نہیں تو زید نے جواباً یہ دلیل پیش کی :-

عن ابن عمر انه سئل عن الوتر قال اما انا فلو اوترت قبل ان انا ثم
 اردت ان اصلي بالليل شفعت بواحدة مما مضى من وترى ثم صليت مشغول
 مشغول فاذا اقصيت صلوتى اوترت بواحدة لان رسول الله صلى الله عليه و
 سلم امرنا ان نجعل آخر صلوة الليل الوتر - رواه احمد
 عن علي قال الوتر ثلاثة انواع فمن شاء ان يوتر اول الليل او تر فان
 استيقظ فشاء ان يشفعها بركعة ويصلي ركعتين حتى يصبح ثم يوتر فعلى و
 ان شاء صلى ركعتين حتى يصبح وان شاء آخر الليل اوتر - رواه البيهقي والشافعي
 في مسنده -

ازراہ کرم وضاحت فرمائیں کہ زید کی یہ دلیل صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب

زید جب ایک مرتبہ وتر پڑھا چکا تھا تو دوبارہ اس کو اس ہی روز کے وتر پڑھانا جائز نہ تھے اور جو ترکیب اس نے
 جواز کے لئے کی وہ عند الاحناف غیر معتبر ہے، بجز اس پر اعتراض صحیح ہے :-

لما اخرجہ ابن عبد البرنی التمهید عن ابی سعید ان النبی صلی اللہ علیہ
 وسلم نہی عن التبیراء ان یصلی الرجل واحدا یوتر بها کذا فی تعلیق الجلی
 ولما روى محمد بن کعب القرظی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن
 التبیراء کذا فی الغنیہ — وعن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت
 کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث لا یسلم الا فی آخرهن
 رواه الحاكم - وقال الصحیح علی شرط البخاری ومسلم کذا فی التعلیق الجلی

حق یہ ہے کہ وتر کے باب میں بکثرت احادیث مروی ہیں جو آپس میں ایک دوسرے کے معارض ہیں اور غیر مجتہد کے لئے
 باعث حیرانی ہیں اس لئے تا وقتہ کہ مجتہدین میں سے کسی ایک کا دامن نہ پکڑا جائے مسلمان ایسے ہی مفویٰ خیر افعال
 کا مرتکب رہے گا جس کی ایک نظیر سوال میں مذکور ہے - فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عسکری

مسجد جامع پنجتوری دہلی

(۷ جون ۱۹۵۷ء)

(سوال نمبر ۲۳) اس زمانہ میں شیعہ کا بڑا رواج ہو گیا ہے، ہمارے محلہ میں بھی بعض لوگ اس کا ارادہ کر رہے ہیں
 لیکن کچھ لوگ اس کے مخالف ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ شیعہ کفر و کلام کفر اور حرام ہے جو شخص اس میں چندہ دے گا وہ کافر ہے

ہوگا، پس سوال یہ ہے کہ کیا شبیہ کرنے والے گنہگار ہوں گے یا ثواب پائیں گے اور شریعت میں شبیہ کرنا کیسا ہے۔
(۲) اگر فرض جماعت سے ہڑے ہوں تو درجماعت سے ہڑے سکتا ہے یا نہیں۔ بدینا و توجس و ا۔

الجواب

(۱) شبیہ فی نفسہ مستحسن ہے اگرچہ اس کا وجود قرون اولیٰ میں نہ تھا لیکن یہ کوئی کلیہ نہیں کہ جو امر حادث ہے وہ ممنوعاً شرعیہ میں داخل ہے، صدہا امور باوجودیکہ محدثات سے ہیں لیکن علمائے اُن کو مستحبات سے شمار کیا ہے، بنائے مدارس تدوین کتب حدیث وغیرہ سب ایسے ہی امور ہیں سیدی عبدالوہاب شعرانی بحر المودود میں فرماتے ہیں اخذ علینا العہود ان نمکن احدنا من اخواننا ینکر شئینا ابتداء المسلمون علی جہۃ القریۃ الی اللہ تعالیٰ و سادۃ حسنا ہم پر عہد لیا گیا ہے کہ ہم کسی اپنے بھائی کو ایسی چیز پر انکار نہ کرنے دیں جو مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب کے لئے نئی نکالی اور اچھی سمجھی ہو۔ کسی امر کی جتنک شارع علیہ السلام سے ممانعت وارد نہ ہو کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس سے منع کرے کہ جواز کے لئے صرف اسی قدر کافی ہے کہ شارع نے اس پر ممانعت نہ فرمائی ہو اور جب اُس فعل کو بہ نیت حسن کیا جاوے تو لامحالہ مستحبات میں شمار ہوگا غرض شبیہ کی نفس ذات میں تو کوئی قباحت نہیں بکثرت اکابر سے منقول ہے کہ وہ ایک ات میں ختم کلام اللہ کر لیتے ہیں یہاں تک کہ خود امامنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا گیا کہ وہ ماہ رمضان میں تراویح سے علاوہ ہر روز اور ہر شب ایک قرآن کریم ختم کرتے اور یوں پورے ماہ میں اکسٹھ بار قرآن کریم کی تلاوت فرما لیتے تھے، پس اس پر انکار صحیح نہیں اور اس پر حال ضرور ثواب کے مستحق ہیں۔ ہاں جن امور کی وجہ سے اس کی ممانعت کی جاتی ہے اُن کا لحاظ واجبات سے ہے اگر اُن امور میں سے کوئی پایا جائے گا تو ضرور اسے شبیہ سے ممانعت کی جائے گی اور وہ امور یہ ہیں :-

حفاظ پڑھنے میں اس قدر تعجیل کرتے ہیں کہ نہ حروف اپنے مخارج سے ادا ہوتے ہیں نہ کھڑے اور پڑے کا امتیاز باقی رہتا ہے دوسرے قواعد تجوید کا تو ذکر ہی کیا ہے اور ایسی طرح پڑھنا اور اس کا ستناد دونوں حرام ہیں پس اگر صحیح پڑھنے والے حفاظ میسر نہ آئیں تو شبیہ نہ کیا جاوے۔ جس حدیث میں تین روز سے کم میں ختم قرآن کی ممانعت وارد ہے اُس میں حقیقت میں اسی قسم کے پڑھنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ بعض حفاظ محض اس خیال سے شبیہ میں پڑھتے ہیں کہ سامعین کی نظروں میں ہم کو دوسرے حفاظ سے فوقیت حاصل ہو جاوے اور یہ بھی مذموم ہے سامعین اکثر ایسے اشخاص ہوتے ہیں جن پر شبیہ کی شرکت گراں ہوتی ہے اور وہ اپنے بعض دوستوں کے اصرار و مروت کی وجہ سے اس میں شریک ہوتے ہیں پھر کس مانند ہونے کے آثار اُن سے نمایاں ہوتے ہیں جنکی وجہ سے لوجہ اللہ شریک ہو نیوالے بھی پریشانی میں پڑتے ہیں پس ایسے لوگوں کو ہرگز شرکت پر برا نگیختہ نہ کیا جاوے۔ بعض مقام پر جہاں شبیہ ہو رہا ہے وہیں طعام سحری کا بھی انتظام کیا جاتا ہے

جس کی وجہ سے قاری اور سامعین تشویش میں پڑتے ہیں اور یہ بھی ممنوع ہے، پس اس مقام پر اس سے بھی حذر کیا جاوے۔ اسی حال اگر امور مذکورہ کی اصلاح کر لی جاوے تو شبہ میں مضائقہ نہیں۔ فقط

(۲) ہاں پڑھ سکتا ہے صغیری میں ہے اذ الیصلی الفرض معہ قبیل لا یتبعہ فیہا ولا فی لوترو کذا اذا الیصلی معہ التراويح لا یتبعہ فی لوترو الصحیحانہ یجوز ان یتبعہ فی ذالک ککہ کذا فی الصغیری۔

محمد منظر اللہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۴۴) ایک شخص کے جنازے پر پہلے پچاس آدمیوں نے نماز پڑھی دوسری مرتبہ سو آدمیوں نے تیسری مرتبہ میت کی تدفین کے بعد ایک شخص نے جو پھلی دو نمازوں میں شامل نہ تھا، نماز پڑھی۔ بکر کہتا ہے کہ جنازے کی تین نمازیں جائز ہیں اور استاد لالائے کہتا ہے کہ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ اقدس پر کئی مرتبہ نماز پڑھی گئی، آیا بکر کا یہ قول صحیح ہے بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل۔

الجواب

جب علی میت نماز جنازہ پڑھ لے تو پھر سوائے سلطان کے کسی دوسرے شخص کو دوبارہ اس جنازے کی نماز پڑھنا جائز نہیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نماز کی تکرار آپ کے خصائص سے تھی اور مزار شریف پر تو حضور کے بھی نماز نہیں پڑھی گئی۔ ہدایہ شریف میں ہے :-

وان صلی لولی ای علی المیت لم یخز لاحد ان یصلی بعدہ لان الفرض یتادی بالاول والتقل بہا غیر مشروع ولہذا ما آینا الناس ترکوا عن آخرہم الصلوۃ علی قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وهو الیوم کہا وضع استھی۔ فقط

محمد منظر اللہ عفر لہ
امام مسجد فتحپوری دہلی

دوسرا باب

ب

عبادات

رویت ہلال

(سوال نمبر ۴۵) رویت ہلال کے متعلق تاریخ ٹیلیفون، خطوط، ریڈیو کی خبر مثل عینی شہادت کے معتبر اور قابل عمل ہے یا نہیں۔ آج کل عوام ہی نہیں بلکہ بعض اہل علم بھی ریڈیو اور ٹیلیفون کی خبر پر اعتماد لگی رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ عذاب ثواب ہماری گردن پر ہے۔ کیا ان کا یہ قول شرعاً قابل عمل ہو گا یا نہیں اگر ہو گا تو کیا اگر کوئی عالم رویت کا فیصلہ کر کے بذریعہ ریڈیو اعلان کروائے تو یہ بھی قابل عمل ہو گا یا نہیں۔ فقط المستفتی

عقیل احمد عثمانی قاضی شہر جسے پوز خبریوں کا راستہ
معروضہ یکم ذوالحجہ ۱۳۸۶ھ یوم شنبہ

الجواب هو الموفق للصواب

اصل اس باب میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ لا تصومن حتی تروا الهلال ولا تظنوا حتی تروا فان غم علیکم فاقدما والود فی سوا یتة فاکملوا العدة ثلاثین (متفق علیہ) ای حتی یثبت عندکم سوا یتة ہلال بشہادۃ (مرقاۃ) یعنی (بہ نیت رمضان) روزہ نہ رکھو تا وقتیکہ چاند نہ دیکھ لو اور نہ افطار کرو جب تک سے نہ دیکھ لو (یعنی تمہارے نزدیک جب تک ثابت نہ ہو جائے) تو اگر تم پر (مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے) چاند پوشیدہ کر دیا جائے تو اس کے لئے اندازہ کر لو، یعنی تیس روز پورے کر لو، اس حدیث پاک کا مضمون تو ظاہر ہے کہ روزہ رکھنے اور اس کے ترک کرنے کی ممانعت رویت ہلال کی نہ ثابت ہونے پر فرمائی ہے، نیز ارشاد ہے کہ اگر چاند تمہارے دیکھنے میں نہ آوے تو تیس روز پورے کر لو، تمہیں تاریخ وغیرہ سے اس ٹٹول کا حکم نہیں دیا جاتا کہ چاند کہاں نہوا کہاں نہیں۔ کہ یہ تمہیں کچھ مفید نہ ہو گا۔ ہاں اگر شہادت سے ثابت ہو جائے تو پھر اس پر عمل کرنا لازم ہے، تو اب معلوم کرنا چاہیے کہ وہ کیا صورتیں ہیں کہ اگر وہ نہ پائی جائیں تو چاند ثابت نہیں ہوتا، اور ایسی صورت میں چاند ثابت مان کر اس پر عمل کرنا یقیناً مملوع ہے پس جاننا چاہیے کہ ایسے وقت کہ تیس تاریخ کسی مقام پر چاند عام طور پر نہ دیکھا گیا ہو تو فقہانے اس مقام پر چاند کے ثابت ہونے کے تین ہی طریق کا ذکر فرمایا ہے۔ جن کو طرق موجبہ کہا جاتا ہے۔ اگر وہ نہ پائے جائیں تو چاند ہونیکا حکم نہیں کیا جاسکتا اور وہ یہ ہیں (۱) عینی شاہد و نکی شہادت نہ ہو اور اصل شاہدوں کی شہادت دشوار ہو تو ایسے شاہدوں کی شہادت ہو جو ایسے شاہدوں کی شہادت پر شاہد بنائے گئے ہوں۔ (۲) ایسے شاہد ہوں جو قاضی کے فیصلے کی شہادت دیتے ہوں، یا اس خط کی شہادت دیتے ہوں جو ایک قاضی نے

دوسرے شہر کے قاضی کی جانب ان کے ذریعہ بھیجا ہو (۳) خبر مستفیض ہو پس ان طریقوں میں سے اگر کوئی طریق نہ پایا جائیگا، تو چاند ثابت نہ ہوگا۔ مثلاً اگر دو چار شخص یہ خبر آ کر دیں کہ فلان مقام پر اہل شہر نے چاند دیکھا ہے تو نہ مانا جائیگا۔ کہ ان طریقوں میں سے کسی طریقہ کا بھی اس پر اطلاق نہیں آتا چنانچہ در مختار میں ہے :-
 فیلزم اهل المشرق بروية اهل المغرب اذا ثبت عندهم بروية اولئك بطريق موجب -

پھر علامہ شامی طرق موجبہ کا بیان فرماتے ہوئے فرماتے ہیں :-

كان يحتمل اثبات الشهادة او يشهدا على حكم القاضى او يستفيض الخبر بخلاف ما اذا اخبر ان اهل بلدة كذا رواه لانه حكاية -

اور تنویر الابصار میں ہے :-

الشهادة على الشهادة مقبولة الا في حد وقود بشرط تعدد حضور الاصل.

اور اسی میں ہے :-

شهدوا انه شهد عند قاضى مصر كذا شاهدان، وية الهلال وقضى به ووجد اجتماع شرائط الدعوى قضى القاضى بشهادتهما وقال في الدلائل المختارة ان قضاء القاضى حجة وقد شهدوا به لا لو شهدوا بروية غيرهم لانه حكاية نعم لو استفاض الخبر في البلدة الاخرى لزعمهم على الصحيح من المذهب
 (مجتبى وغيره انتہی)

اور ظاہر ہے کہ اول دوم صورت تو تار وغیرہ کی خبریں مستحق نہیں۔ کہ وہ شہادتیں ہیں اور یہ زری خبر، شاہد کے لئے تو علاوہ دیگر شرائط کے ایک بڑی شرط یہ ہے کہ وہ مجلس قضا میں حاضر ہو کر بلا پروہ بلفظ "شہد" گواہی دے کہ انی عامرہ کتب الفقہ جوہرہ نیرہ میں ہے الشهادة في الشرح عبارة عن اخبار بصدق مشروط في مجلس القضاء ولفظ الشهادة انتہی ما فیہ۔ رہی تیسری صورت یعنی خبر مستفیض تو وہ اگرچہ خبر ہے، لیکن اس کے تحت بھی ان اخبار میں سے کوئی خبر داخل نہیں، اس لئے کہ اس کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ خبر مستفیض یہ ہے کہ بلدہ رویت سے متعدد جماعتیں آکر بیاں کریں کہ فلان مقام پر مثلاً چاند دیکھ کر روزہ رکھا گیا۔ چنانچہ در مختار میں ہے :-

قال لرحمتي معنى الاستفاضة ان تاتي من تلك البلدة جماعات متعددة

كل منهم يخبر عن اهل تلك البلدة انهم اماموا عن روية لا مجرد الشيوخ من

غير علم بهن اشاعه - انتہی

اور مؤرخہ الخالق حاشیہ بحر الرائق میں ہے :-

اعلم ان المداد بالاستفاضة تو اتر الخبر من الوامر دين من بلدة النبوة

الى البلدة التي لم يثبت بها الحج والاسْتِفاضة، لانها قد تكون مبنية على
اخبار رجل واحد مثلاً ص ۲۴۲

خبر مستفيض کی اسی تعریف کی بنا پر زمانہ سابق میں علماء، تار و ٹیلیفون خطوط کی خبروں کو خبر مستفيض نہ مانتے ہوئے روایت
ہلال کے ثبوت میں غیر معتبر جانتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ نظام حیدرآباد و جو دیکہ علماء کی ایک مقتدر جماعت کی سرکردگی
میں روایت ہلال کے تار ارسال کرتے رہے لیکن نہ مانا گیا، اور بعض ذمہ دار مستفیضوں نے بذریعہ ٹیلیفون خبریں دیں لیکن
معتبر نہ سمجھا گیا کہ فقہا خبر مستفيض اس خبر کو کہہ رہے ہیں جو جماعت متعددہ آکر دیں اور یہاں ایک شخص کا بھی ورود نہیں
تو جب ٹیلیفون جیسی چیز معتبر نہ سمجھی گئی، حالانکہ متعدد وجوہ سے وہ ریڈیو سے کہیں بہتر ہے، اس کی خبر میں اگر شبہ
واقع ہو تو اس کا ازالہ ہو سکتا تھا، بجائے ایک شخص کے دس پانچ جانے پہچانے ان لوگوں سے جنہوں نے خود
چاند دیکھا، بیان بھی لیا جاسکتا تھا، لیکن کسی طرح اس کو اس مسئلہ میں راہ نہ دی گئی تو ریڈیو کے ذریعہ کسی ایک
شخص کی خبر کا کیوں کرا اعتبار کیا جاسکتا ہے۔

پھر خبر مستفيض کو بھی نہ اس حدیث سے طرق موجبہ میں شمار کیا گیا ہے کہ وہ مستفيض ہے بلکہ اس حدیث سے
کہ وہ امر موجب للعقل کی ایسے طریق سے ناقل ہے جو بمنزلہ خبر متواتر ہے، اس لئے کہ اس سے یا یہ ثابت ہو رہا ہے
کہ فلاں مقام پر رویت عام ہوئی۔ یا یہ کہ وہاں کے قاضی کے فیصلہ کی بنا پر چاند مانا گیا۔ اور یہ دونوں امر موجب
عمل ہیں، اور خبر مستفيض ان میں سے کسی امر کو ثابت کر رہی ہے، تو اگر بجائے متعدد جماعتوں کے یا جماعت عظیم
کے چند ہی اشخاص آکر یہ خبر دیں تب بھی نہ مانا جائے گی، کہ یہ خبر، خبر مستفيض کی شان نہیں رکھتی۔ چنانچہ
در مختار میں ہے :-

لا يثبت بالرواية غيرهم لانه حكاية نعم لو استفاض الخبر في
البلدة الاخرى لنزاهة على الصحيح من المذهب وقال الشامي قلت
ووجه الاستدراك ان هذه الاستفاضة ليس فيها شهادة على قضاء
قاض واحد على شهادة لكن لها كانت بمنزل الخبر المتواتر وقد ثبت بها
ان اهل تلك البلدة صاموا يوم كذا الزم العمل بها لان البلدة لا تخلوا
عن حاكم شرعي عادة فلا بد من ان يكون صومهم مبنياً على حكم حاكم شرعي
الشرعي فكانت تلك الاستفاضة بمعنى نقل الحكم المذكور وهي اقوى من
الشهادة بان اهل تلك البلدة صاموا او الهلال وصاموا لانها لا تفيد اليقين
فلذا لا تقبل الا اذا كانت على الحكم او على شهادة غيرهم لتكون شهادة
معتبرة والا فهي مجرد اخبار بخلاف استفاضة فانها تفيد اليقين انتهى
اس عبارت سے ایک مسئلہ اور بھی معلوم ہوا، کہ اگر یقیناً معلوم ہو کہ بلدہ رویت میں کوئی قاضی یا محتاط عالم نہیں ہے

تو اگر وہاں سے متعدد جماعتیں بھی خبر دیتی ہوئی آئیں کہ وہاں چاند مان لیا گیا ہے۔ تب بھی معتبر نہ ہوگی کہ احتمال ہے کہ ریڈیو وغیرہ جیسی خبر پر چاند نہ مان لیا گیا ہو، مگر جب کہ یہ خبر دیں کہ وہاں پر عام طور پر چاند دیکھا گیا ہے۔

غرض جب ثابت ہو گیا کہ طرق موجبہ میں تار، ریڈیو خطوط کی خبر داخل نہیں تو ایسی خبروں سے چاند کیسے ثابت ہو سکتا ہے، بنظر شرع ملاحظہ کریں گے تو بہت سے وجوہ ان میں ایسے پائے جائیں گے جو ان کو اس بات میں ساقط الاعتبار کرنے کے لئے کافی ہیں۔ چنانچہ مخبر کا مجہول یا مستور ہونا یا اس کی آواز و تحریر کی صحیح معرفت نہ ہونا کہ النعمة تشبه النعمة اور الخط يشبه الخط فقہاء کے اصول مسلمہ سے ہے، ہدایہ میں ہے

ولو سمع من وراء الحجاب لا يجوز له ان يشهد ان النعمة تشبه النعمة

فلم يحصل لعلمه - اور ایسی میں ہے الخط يشبه الخط فلم يحصل لعلمه -

اور کتاب القاضی الی القاضی سے شبہ کیا جاوے، کہ آخر وہ بھی تو خط ہی ہے پھر اس پر کیوں عمل کیا جاتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو اس میں ضرورت تھی اس لئے باجماع اس کو حجتہ قرار دیا گیا، دوسرے نہ دیکھا کہ اس کے قبول ہونے کے لئے کس قدر شرائط ہیں جن کا بیان کتب فقہ میں ملے گا، چنانچہ منجملہ ان شرائط کے ایک شرط اس پر شامل ہونا ہے، بغیر شاہدوں کے وہ بھی قابل قبول نہیں۔ عالمگیری میں ہے :-

جعلنا حجة بالاجماع ولكن انما يقبل القاضی المكتوب اليه عند وجود

شرائط ومن جملة الشرائط البينة حتى ان القاضی المكتوب اليه لا

يقبل كتابه لقاضی ما لم يثبت بالبينة انه كتابه لقاضی انتهى -

پھر اس کے ساتھ یہ قید مزید کر یہ خط بھی ہو۔ تو قاضی کی جانب سے ہو، غیر قاضی کا خط قاضی کسی طرح بھی قبول نہ کرے گا، چنانچہ درمختار میں ہے :-

ولا يقبل من محكم بل من قاض مولی من قبل الامام انتهى

یہاں سے ان حضرات کے شبہ کا جواب بھی حاصل ہو جاتا ہے، جو فرماتے ہیں کہ زمانہ سابق میں اگر ڈاک کا سلسلہ یا ریڈیو جیسے آلات ہوتے تو ضرور آئمہ مجتہدین اور فقہائے معتہدین ان کی خبروں کو عمل کے لئے حجتہ لازمہ قرار دے دیتے، اس لئے کہ خطوط کا طریقہ تو ڈاک سے بھی زیادہ اس زمانہ میں موجود تھا، جب تو خطوط کے متعلق مسائل ذکر کئے گئے، اور بتلایا کہ یہ بلا بینہ قبول نہیں۔ رہا ریڈیو تو اس کی حقیقت یہی تو ہے، کہ اس میں ایک غائب آدمی کی آواز سنی جاتی ہے، جس کی نہ خلقت کا علم ہو سکتا ہے نہ اخلاق کا اور اوپر گزرا جانا پچانا آدمی بھی اگر دیوار کے پیچھے سے بولے تو اس باب میں اس کا کچھ اعتبار نہیں، جس میں ریڈیو جیسے سمعی آلات کا حکم تو موجود ہے۔ سمجھنے کے لئے فہم درکار ہے، ورنہ فقہاء کرام و شکر اللہ مساعیہم، نے تو ہمارے اجتہاد کے لئے کوئی ضرورت بھی باقی نہ رکھی۔ بعض جہلاؤ کا یہ کہنا کہ عذاب ثواب ہماری گردن پر یہ بتلاتا ہے کہ ریڈیو کے ذریعہ چاند کے ثبوت میں ان کو یقین کامل ہو چکا ہے۔ یہ لوگ اپنی عقل نارسا پر ایسا اعتماد رکھتے ہیں کہ اگر کسی حکم شرعی کو

بھی اُس کے خلاف پاتے ہیں تو جب تک ہو سکتا ہے اُس کو ایسے رنگ میں لانے کی کوشش کرتے ہیں جو اُن کی عقل کے موافق ہو جائے، ورنہ اُس کا مذاق اڑانے لگتے ہیں کہتے ہیں کہ ہمارا دین عقل کے موافق ہے، جو مسئلہ عقل کے خلاف ہے وہ ہرگز دین کا نہیں ہاں بیشک یہ دین عقل کے موافق ہے، مگر نہ تیری عقل کے۔ اسے عزیز ہوش میں آگیا تو نہیں جانتا کہ تیری عقل نے دائرہ محسوسات سے تو باؤل باہر رکھا ہی نہیں بلکہ غور کرے گا تو معلوم ہوگا کہ یہ عقل تو محسوسات میں بھی اکثر مواقع میں غلطی کرتی ہے، پھر محسوسات میں کیا دخل دیگی، اور پھر شرائط میں، کیا مسراج کا واقعہ تیری عقل میں آسکتا ہے۔ اور معجزات انبیاء علیہم السلام کو تیری عقل قبول کر سکتی ہے تو پھر کس برتے پر کہتا ہے کہ عذاب ثواب میری گردن پر۔ تو نے اپنے مخاطب کا عذاب تو اپنی گردن پر لے لیا لیکن اس کی گردن سے کیا ہلکا کر دیا۔ ہرگز ہرگز ایسے شخص کے قول پر عمل کرنا اسے بے پردہ نہ ہوں کہ لاتری و انما لاتونی من اخری، وہ اپنی ذمہ داری سے ہرگز نہ پھوٹیں گے۔

اس مسئلہ میں بڑی دلیل اُن کی یہ ہے کہ وہ خبر جس کے صدق پر ظن غالب ہو وہ قبول کی جاسکتی ہے۔ سو یہ حکم وہی ہے جہاں شریعت مطہرہ کا کوئی ضابطہ نہیں پایا جاتا۔ اور اُس کو بندہ کے ظن غالب پر چھوڑ دیا گیا ہے، پس جن خبروں کے قبول کرنے کے لئے ضوابط مقرر ہیں، اُن میں ظن غالب کا اعتبار نہیں اور اصل یہ ہے کہ خبر دو قسم کی ہوتی ہے۔ خبر متواتر اور خبر آحاد، خبر متواتر وہ ہے جس کو اتنی کثرت سے لوگوں نے بیان کیا نہ ہو جن کا بھوٹ پر اتفاق عقل نہ تسلیم کرتی ہو تو اُس سے تو یقین حاصل ہوتا ہے۔ اور خبر آحاد وہ جو اس قدر لوگوں کی خبر نہ ہو، پھر اس میں خبر دینے والوں کی تعداد و صفات کے اعتبار سے خبر کی حیثیت جداگانہ ہوتی ہے، اگر بڑی جماعت ہے تو حسب اہمیت اعداد و خبرین ظن غالب حاصل ہوگا، اور ان کی خبر، خبر مستفیض کہلاتی ہے، اور ایسی جماعت، جماعت عظیم اور جم غفیر اور بڑی جماعت نہیں ہے، تو اعداد و صفات مخبرین اور فہم و تجربہ سامعین کی وجہ سے کبھی خبر کی کسی طرف کا یقین حاصل ہوگا۔ اور کبھی ظن غالب اور کبھی صرف ظن حاصل ہوگا، اور کبھی شک، اور کبھی کسی قسم کا فائدہ بھی حاصل نہ ہوگا، پس اگرچہ خبر آحاد میں سب سے اونچے درجہ کی خبر مستفیض ہے جس سے غلبہ ظن حاصل ہوتا ہے، لیکن اگر جماعت عظیم نے صرف ایک شخص مثلاً زید سے سن کر خبر دی ہے، تو اس سے اتنا ہی ثابت ہوگا کہ زید کا یہ قول ہے، اب شریعت کی نظر میں زید کی جو حیثیت ہے۔ اُس کے موافق ان پر حکم ہوگا۔

پھر جماعت عظیم سے نیچے کے درجات کی خبروں میں مخبر اور مخبر لہ اور مخبر عنہ اور سامع کی حیثیات مختلفہ کی جہت سے اُن کے احکام ہوں کہ مختلف ہوں گے، اس لئے شارع علیہ السلام نے خود بخود یہ فرمادی اور قواعد مقرر کر دیے کہ فلاں فلاں مواقع میں مخبر کی شان ایسی ہونی چاہیے اور فلاں مواقع میں ایسی جیسی تفصیل کتب فقہ میں ملے گی اور مختلف صورتوں کے مختلف احکام پائیں گے۔ کہ کسی صورت میں ایک کافر کی خبر کا اعتبار ہے، تو کسی میں مسلمان ہونے کی بھی قید، اور کسی میں اُس کے ساتھ عادل ہونے کی بھی شرط اور کسی میں عادل ہونے کے باوجود چار مرد، اور کسی میں جماعت عظیم اور کسی میں صرف ایک عورت، اور کسی میں کم از کم دو مرد یا ایک مرد و دو عورتیں، پھر کسی میں شہادت اور حکم

حاکم شرط، اور کسی میں یہ بھی نہیں، اور کسی میں ان خبروں کے ساتھ غلبہ ظن کی بھی شرط، اور کسی میں یہ بھی نہیں، غلبہ ظن ہو یا نہ ہو، غرض شارع علیہ السلام نے کسی چیز کے ثابت کرنے کے لئے جو طریقہ اور اس کے لئے جو شرائط مقرر کر دیے ہیں، ان میں سے اگر کسی میں بھی کمی واقع ہے، تو وہ چیز ہرگز ثابت نہ ہوگی، اگرچہ کیسا ہی غلبہ ظن بلکہ یقین ہی کیوں نہ ہو جائے، چنانچہ روزہ ہی کے باب میں دیکھئے کہ خود سلطان یا قاضی شہر عید کا چاند دیکھتا ہے، اور چاند کے ہونے میں اصل شک نہیں کرتا، لیکن سوائے اس کے اور کوئی دیکھنے والا نہیں، تو وہ چاند کے ہوجانے کا فیصلہ نہیں کر سکتا، بلکہ خود اسے حکم ہے کہ افطار نہ کرے کہ اس کے حق میں بھی ابھی چاند ثابت نہیں، چنانچہ عالمگیری میں ہے لورای الامام وحده والقاضی وحده هلال شوال لا يخرج الی المصلی ولا یامر الناس بالخروج ولا یفطر سراً ولا جهراً کذا فی لسراج الوهاج۔ غرض جہاں قضائے قاضی کی ضرورت ہے وہاں غلبہ ظن کی نہیں چلتی۔ وہاں توجہ کی ضرورت ہے، الآشباہ والنظائر میں ہے القاضی لا یقضی الا بالجملة وهي البينة والاقرار والنکول کما فی وقف الخانیة انتہی تو اگر اس کو بلا قیام حجتہ چاند ہوجانے کا یقین بھی ہوجائے تو وہ چاند ہونے کا حکم نافذ نہیں کر سکتا، چنانچہ اشباہ میں ہے الفتویٰ علی عدم العمل بعلم القاضی فی زماننا کما فی جامع الفصولین انتہی۔ بلکہ قواعد شرعیہ کے موافق چاند ثابت ہونے کے بعد بھی اگر قاضی اپنے معتبر عادل شخص کو کسی دوسرے شہر اعلان کرنے کے لئے بھیجے کہ چاند ہو گیا تو نہ مانا جائے گا، کہ طرق موجبہ سے نہیں، خط لکھ کر اپنی مہر سے مزین کرنے کے بعد بھی کسی دوسرے قاضی کے نام بھیجے لیکن لیجانے والا ایک ہی شخص ہو تب بھی قبول نہ ہوگا، کہ اگرچہ کتاب القاضی ہے، لیکن اس پر دو گواہ ہونے کی شرط مفقود ہدایہ میں ہے لا یقبل الکتاب الا بشهادة رجلین اور جل وامراتین۔ لان الکتاب یشبه الکتاب فلا ینتبت الا بحجة تامة۔ انتہی۔

تو دیکھئے ان صورتوں میں غلبہ ظن حاصل ہے۔ لیکن موجب عمل نہیں، معلوم ہوا کہ ہر جگہ ظن غالب موجب عمل نہیں بلکہ وہیں جہاں شریعت نے معتبر رکھا، ہاں اگر رمضان کا چاند کیلا قاضی دیکھے تو پھر قاضی مختار ہے خواہ چاند کا اپنے علاقہ میں خود اعلان کر دے یا کسی دوسرے قاضی کو تجویز کر کے شہادت دے، اور وہ اعلان کر دے کہ اس چاند کے لئے وہ شرائط نہیں جو دوسرے چاندوں کے لئے ہیں۔ کہ کسی امر دینی میں صرف ایک عادل یا مستوفی الحال کی خبر دینا کافی ہوتی ہے۔ تو اگر مطلع صاف ہو تو جماعت عظیم کی خبر کی ضرورت ہوتی ہے کہ غلبہ ظن کا فائدہ دے، بلکہ ایک روایت کے موافق صرف دو ہی عادل کی بلکہ اگر بیرونجات یا کسی اونچے مقام سے آیا ہے تو اس صورت میں صرف ایک کی کافی ہے، در مختار میں ہے :-

وقبل بلائعلة جمع عظیم یقع العلم الشرعی وهو غلبة الظن بمخبرهمو
هو مفوض الی ساری الامام من غیر تقدیر بعدد علی المذہب وعن
الامام انه یکتفی بشاہدین واختارہ فی البحر وصح فی الاقضية الاکتفاء

بواحد ان جاء من خارج البلد او كان على مكان مرتفع - انتهى -
 بخلاف عیدین کے چاند کے کہ یہ حقوق عباد سے بھی تعلق رکھتا ہے، اس لئے مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں
 بھی اس کے اثبات کے لئے دو عادل مرد یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں کی شہادت کی ضرورت ہے، کہ مجلس
 قضائیں اگر شہادت دیں۔ بحر الرائق میں ہے :-

اما في شهادة الفطر والاضحى فيشترط لفظا للشهادة وتشتترط العدالة في لكل
 لان قول الفاسق في الديانات التي يمكن تلقيها من العدول غير مقبول كما
 لهدال وما وايتة الاخبار ولو تعدد كفاستين فاكثر انتهى

اس روایت سے معلوم ہوا کہ عیدین کے چاند کے لئے زیادہ شرائط ہیں، جب تک ان شرائط کیسا تھ شہادت نہ پائی جائیگی
 عیدین کا چاند ثابت نہ ہوگا، اگرچہ غلبہ ظن حاصل ہو جائے، فرض کیجئے کہ ایسا شاہد جو اس وقت الناس ہونے میں اپنا ثانی
 نہ رکھتا ہو۔ اپنی عمر میں کبھی جھوٹ بولا ہی نہ ہو۔ اور اس کے ساتھ زہد و ورع میں بھی بلند پایہ رکھتا ہو، وہ عید کے چاند
 کی اکیلا گواہی دے تو ہرگز قبول نہ کی جائے گی۔ اور عوام میں سے دو عادل شخص گواہی دیں تو قبول کر لی جائے گی۔
 حالاں کہ جو پہلی صورت میں آپ کو غلبہ ظن حاصل ہوتا ہے، وہ دوسری صورت میں ہرگز حاصل نہیں۔ بلکہ اگر بجائے مسلمان
 کے دو چار دس بیس وہ غیر مسلم جن کی سچائی کی دھاک بندھی ہے گواہی دیں نہ مانی جائے گی۔ حالاں کہ غلبہ ظن تو
 اس وقت بھی حاصل ہے، اور اسہی چاند کی دو مسلمان گواہی دے دیں مان لی جاتی ہے، اگرچہ غلبہ ظن نہ حاصل ہو
 کہ پہلی صورتوں میں شہادت قانون شرعی کے موافق ہے۔ اور پہلی میں سقیم تو اگر قاضی غلبہ ظن کی وجہ سے پہلی صورتوں
 میں چاند ہونے کا حکم کر دے اور دوسری صورتوں میں نہ کرے تو گنہگار اور فاسق ہوگا، بلکہ قابل تعزیر اور مستحق
 عزل چنانچہ درختار میں ہے :-

فلو امتنع بعد وجود شرايطها اثم لتركه الفرض واستحق العزل لفسقه

وعن الامام تكا بدمالا يجوز شرعا۔ نہ یلعی انتهى

اس سے معلوم ہوا کہ شارع نے جس شے کو ثابت کرنے کے لئے جو طریقہ مقرر فرما دیا ہے، وہ شے صرف ظن غالب
 سے ثابت نہیں ہو سکتی، جب تک وہ طریقہ مع اپنے شرائط کے نہ پایا جائے گا، مگر اس وقت کہ ظن غالب سے مافوق
 دلائل کا شریعت ہی نے اعتبار نہ رکھا ہو تو اگر مثلاً طریق موجب تو پایا جاتا ہے لیکن کوئی شرط اس کی مفقود ہے تو
 اگر اس کا کوئی قائم مقام موجود ہے تو اس کا اعتبار ہوگا۔ مثلاً کسی مقام میں شاہد تو موجود ہے، لیکن قاضی یا کوئی
 عالم موجود نہیں تو اس کے قائم مقام مسلمانوں کی جماعت ہے، بجائے قاضی کے وہ شہادت لیں گے چنانچہ درختار
 میں ہے :-

ولو كانوا ببلدة لاحاكم فيها صاموا بقول ثقة و افطر و باخبار عدلين مع العلة

للضرورة -

اور اگر قائم بھی نہ ہو تو اب ظن غالب کا اعتبار ہوگا، چنانچہ ردالمحتار میں ہے :-

والظاهر هو ان يلى من اهل لقرى بسماح المدافع وروية القناديل من المصرا
لانه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل انتهى

بعض حضرات کو ردالمحتار کی اس عبارت سے یہ شبہ واقع ہوا ہے، کہ جب توپ کی آواز کا سننا قریہ والوں کے لئے کافی ہے تو ریڈیو کا اعلان جبکہ ایک ذمہ دار مسلمان کے ذریعہ سے ہو اور وہ قاضی کے فیصلہ کا اعلان کرتا ہو تو کیوں نہ موجب عمل ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں ہوگا اس لئے کہ جب اُس شہر اور اُس کے اطراف اور گرد و
فواح کے لئے ثبوتِ رویت ہو گیا تو اب اُن کے رہنے والوں کے لئے صرف خبری دینا باقی ہے، جس کے
لئے یہ علامات کافی ہیں، کہ ایسی خبر کے ماننے کے لئے طریق موجب درکار نہیں، صرف غلبہ ظن ہی کافی ہے
خواہ کسی طریق سے حاصل ہو کہ یہاں رویت ہلال کا ثبوت مقصود نہیں، ہاں اگر اتفاق سے ایسی صورت واقع ہو جائے
کہ مثلاً سال میں رمضان کا ہونا تو متیقن ہے، لیکن اس کے قیتم کے لئے دلیل نہ پائی جائے تو وہاں غلبہ ظن معتبر
ہوگا، بسوٹ میں ہے :-

ان اشتبه شهر رمضان على الاسير تحرى وصام شهر بالتحري لانواعوا
بصوم رمضان وطريق الوصول اليه التحري عند انقطاع سائر الادلة
انتهى ص ۹۹

الغرض شامی کی عبارت کا تو یہ مفاد ہے کہ قاضی شہر کی ولایت میں جو مقامات ہیں صرف اُن کے لئے یہ علامات مفید
ہو سکتی ہیں جبکہ غلبہ ظن حاصل ہو جائے۔ نہ دوسرے بلاد کے لئے دوسرے بلاد میں اگر ایک شہر کا قاضی دوسرے
شہروں میں ایسی خبر دے تو اس کا اعتبار نہیں کہ اس کو دوسرے بلاد کے امور میں کچھ دخل نہیں، چنانچہ فتح القدير
میں ہے :-

والقاضي لو اخبر قاضى لبلد الاخر بانه ثبت عنده بيينة قبلها حق فلان
الكائن في بلد الاخر لم يحزن العمل به، لان اخبار القاضى لا يثبت حجة في
غير محل ولايته (انتهى)

پس جب قاضی کا اعلان دوسرے بلاد والوں کے لئے حجت ہی نہیں تو اُن کے لئے اس پر عمل کیوں کر ممکن۔
بلکہ اگر یہ قاضی اپنا خط بھی دوسرے قاضی کے پاس اُن شرائط کے ساتھ بھیجے جو فقہانے لازم فرماتے ہیں، تب
بھی وہ مختار ہے کہ اپنے نزدیک صحیح پائے تو اُس کے موافق حکم کرے ورنہ نہیں، ردالمحتار میں ہے :-

وكتب لشهادة الى قاضى يكون الخصم في ولايته ليحكم القاضى المكتوب اليه
بها على ما ايد وان كان مخالفا لما اى الكاتب لانه ابتداء حكمه انتهى، ص ۹۹

ان روایات سے واضح ہو گیا کہ کسی قاضی کا دوسرے شہر میں بذریعہ ریڈیو خبر دینا اگرچہ قاضی ہی کو دے، وہاں کے

لوگوں کے لئے حجت طرہ نہیں اور اگر اس کو اور تالیفون کی خبر کو حجت طرہ قرار دیا جاتا ہے، تو پچھلے زمانے میں ان خبروں پر ظن غالب ہوتے ہوئے جو روزہ نہ رکھا گیا۔ اور آئندہ ایسی خبروں پر روزہ رکھ لیا گیا اور تیسرا روزہ پورے ہونے پر بھی چاند نہ دیکھا گیا تو کیا حکم ہوگا، کیا پہلی صورت میں ان روزوں کی قضا لازم ہے اور دوسری صورت میں عید کرنا حلال ہوگا، بعض حضرات کو ایک شبہ یہ بھی واقع ہوتا ہے کہ ظاہر الروایت میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں اس لئے کہ فقہا تصریح کرتے ہیں کہ اگر کسی مقام پر چاند ثابت ہو جائے، تو مشرق سے مغرب تک ہر اس مقام کے رہنے والوں پر چاند کا ماننا لازم ہو جاتا ہے، جن کو ان کی خبر پہنچے، لہذا ان ذرائع سے جہاں خبر پہنچے گی، ان پر چاند کا ماننا لازم ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو صحیح ہے کہ ظاہر الروایت میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، لیکن یہ تسلیم نہیں کہ ہر طرح کی خبر سے چاند کا ماننا لازم ہوتا ہے، بلکہ خبر مستفیض سے اور خبر مستفیض کی تعریف ہم بحوالہ شامی و منعم الخالق بتا چکے ہیں کہ متحد جماعات کا خبر دینا ہے نہ ہر ایک خبر، منعم الخالق میں ہے :-

کل من استفاض عندہم خبر تلك البلدة يلزمہما اتباع اهلها ویدل علیہ قولہ ویلزم اهل المشرق برویة اهل المغرب اذ لیسوا لمراد باهل المشرق جمیعہم بل بلدة واحدة تکفی کمالاً یخفی استہی ۔

اس ہی میں ہے :-

لا یجرح الاستفاضة لانها قد تكون مبنیة علی اخبار رجال واحد مثلاً فی شیخ الخبر
عندہ ولا ینک ان هذا لا یکنی بدلیل قولہما اذا استفاض وتحقق فان التحقق لا
یکون الا بما ذکرنا۔ منعم الخالق ص ۲۷۷

پھر عوام ایک دلیل یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ اکثر ذنیوی کاروبار تو انہی چیزوں پر جاری ہیں، بلکہ سرکاری بڑے بڑے امور کا تو انہی پر مدار ہے، شبہ کی گنجائش ہی نہیں مانی جاتی تو کیوں نہ دینی امور میں ان پر اعتبار کیا جائے، لیکن یہ لوگ خود اپنے ہی قول پر غور نہیں کرتے کہ ان ہی ذنیوی کاموں کے سرانجام پائی کا تو مدار ہے جو کسی کے حق سے تعلق نہیں رکھتے اور جن میں شہادت کی ضرورت نہیں ہوتی، کیا کبھی کسی سرکاری محکمہ کو دیکھا کہ ان ذرائع سے کسی مقدمہ میں شہادوں کی شہادت مان کر کوئی حکم نافذ کرتا ہو، اگر نہیں تو دینی احکام نافذ کرنے کی اس سے کیوں توقع کی جاتی ہے، اور اگر ذنیوی معاملات پر ہی قیاس کی ٹھہری ہے تو پھر چاند دیکھنے اور ریڈیو سننے کی تکلیف بھی کیوں گوارا کی، اس باب میں تو جنسریوں پر عمل درآمد ہے تو چاہیے کہ رویت کے مسئلہ ہی کو ختم کر دیا جائے جنسری دیکھی اور عید کر لی، کہ اس میں تو بعض فقہا بھی آپ کی تائید فرماتے ہیں۔ مراقی الفلاح میں ہے :-

وقول اولی التوقیت لیس بموجب وقیل نعم والبعض ان کان یکثروا ۔

اوتار وغیرہ کی خبریں تو کوئی بھی آپ کا موافق نظر نہیں آتا، اور اگر اس سے یہ خیال مانع ہو کہ اس کو تو حقوق عباد سے بھی کچھ تعلق کہا جاتا ہے، تو اس میں قضائے قاضی اور شہادت کی ضرورت ہوگی، تو پھر سرکاری عدالتوں کا

اتباع کیجئے، اور علماء کو مجبور کیجئے کہ جس طرح وہاں مسلم غیر مسلم ہر طرح کے شاہدوں کی شہادت پر حکم کیا جاتا ہے آپ بھی ایسا ہی کیجئے، اس کلام سے آپ کو واضح ہو گیا ہوگا، کہ قوانین اسلامیہ غیروں کے معاملات و قوانین سے جدا حیثیت رکھتے ہیں۔

ایک شبہ یہ بھی کیا جاتا ہے کہ فلاں عالم نے ان آلات کی خبر کو چاند کے معاملہ میں معتبر قرار دیا ہے، اور فلاں ملک میں عامہ علماء اس پر عامل ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ انہوں نے خبر مستفیض کے لغوی معنی پر نظر رکھتے ہوئے ایسا کیا ہو جو غلط ہے، لیکن کسی شخص واحد یا ایک گروہ کا فعل قابل حجت نہیں ہو سکتا، یہاں لائق شرعیہ کی ضرورت ہے، ان کے دلائل معلوم ہوں تو اس پر نظر کی جائے۔

پس خلاصہ کلام یہ ہوا کہ چاند کے ثبوت کے لئے تار وغیرہ آلات کی خبر کافی نہیں، اس لئے حکم قضا کے لئے ان آلات کی خبر کو فقہا معتبر نہیں مانتے، دوسرے ہر قاضی اپنے علاقہ پر ولایت رکھتا ہے، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک قاضی تمام دنیا کی قاضیوں کی ولایت سلب کر لے اور اپنے مقام پر بیٹھا ہو تمام دنیا کے لوگوں پر حکمرانی کرے، اور مجتہدوں کی کوششوں کے ایک حصہ کو نظر انداز کرتے ہوئے فقہ کے ایک باب کو ہی حذف کر دے کہ دنیا کے کسی قاضی کو روزہ کے باب میں نہ شہادت کی ضرورت رہے نہ شہادت علی الشہادت کی اور نہ شہادت علی القضاء کی حاجت رہے نہ کتاب قاضی الی القاضی کی اور خبر مستفیض تو کالعدم ہی ہو جائے کہ اس کی جگہ یہ آلات خود ہی سنبھال بیٹھے۔ اس تقریر سے اس مسئلہ کا جواب بھی حاصل ہو گیا کہ جب کوئی عالم رویت ہلال کا فیصلہ کر کے ریڈیو کے ذریعہ اعلان کرے کہ اس ترکیب سے ان نقائص کا جن کا ذکر کیا گیا کس طرح ازالہ کیا جائیگا۔ آخر وہ خبر ہی تو ہوگی نہ خبر مستفیض شرعی اور ثابت کیا جا چکا ہے، کہ دوسرے شہروں کے لئے خبر مستفیض شرعی کی ضرورت ہے، نہ محض خبر کی، اب قاضی کسی سے خبر دلائے یا خود دے، اور خبر دینے والا مسلم ہو یا غیر مسلم عادل ہو یا فاسق عالم ہو یا جاہل، بہر حال یہ خبر تو محض خبر ہی رہے گی، اور وہ حجتہ ملزمہ نہیں یہاں تک میں تحریر کرنے پایا تھا کہ ایک مفتی صاحب کا اسہی مسئلہ کے متعلق ایک فتویٰ زیر مطالعہ آیا، انہوں نے ایک ترکیب اور بیان فرمائی ہے جس سے ایسی خبر عام مسلمانوں کے لئے موجب عمل ہو جائے، اور وہ یہ کہ حکومت یا مسلمانان ہند کسی عالم معتد کو پورے ہندوستان کے لئے مقرر کر کے رویت ہلال کا فیصلہ ان کے سپرد کر دیں، اور وہ جہاں جہاں ریڈیو اسٹیشن ہیں وہاں اپنے نائب علماء مقرر کر دیں، اب یہ علماء اپنے مقام پر شہادت لیکر اپنا فیصلہ بذریعہ ریڈیو کسی مسلمان سے اپنی نگرانی میں نشر کر دیں تو اس پر تمام ہندوستان کے مسلمانوں کو عمل کرنا واجب ہو جائے گا، اس کے ساتھ بعض دلائل کا بھی ذکر فرمایا ہے، اگرچہ اس مختصر میں جواب تو اس کا بھی آگیا، لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مستقلاً مگر مختصراً اس پر بھی کچھ معروض کروں فاقول، اول تو کسی عالم کا سلطان کے حکم میں ہونا ہی محال ہے، کہ جب تک تمام

اس سے مفتی آگرہ جناب مولانا عبدالحفیظ صاحب مرحوم مراد ہیں۔

اشرف اوجیان مملکت کا اُس پر اتفاق نہ ہو وہ کیسے اس پایہ کو پہنچ سکتا ہے، سہنڈ اور دوسری شرط یہ بھی ہے کہ وہ اپنی قوت غلبہ سے اپنے احکام ملک کے گوشہ گوشہ میں جاری کر سکے اور لوگ اُس کے احکام ماننے پر مجبور ہو جائیں اور یہ شے بھی اس کو کہاں میسر ہو سکتی ہے، جبکہ ایک شہر میں کسی ایک عالم پر لوگوں کا اتفاق کرنا متعذر رہو رہا ہے، ہماری دہلی ہی میں اکثر اوعیدیں ہوتی ہیں۔ ردالمحتار میں ہے :-

السلطان یصیر سلطاناً بامرین بالمبایعة معہ من الاشراف والاعیان
وبان ینفذ حکمہ علی رعیتہ خوفاً من قہرہ فان بویع ولم ینفذ فیہ حکمہ
لجزء عن قہرہم لا یصیر سلطاناً۔ انتہی طبع

پھر اگر تنزلاً یہ بھی مان لیجئے کہ کوئی عالم سلطان کی جگہ سنبھال لے گا پھر بھی اُس کی قضا موضع اختلاف میں نافذ ہو سکتی ہے نہ موضع خلاف میں۔ وہ کون مجتہد ہے، جس کے نزدیک ریڈیو کی خبر سے سلطان تمام ملک میں رویت ہلال کے ثبوت کا اعلان کر کے لوگوں کو اس پر عمل کرنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ درمختار میں ہے :-
الاصل ان القضاء یصح فی موضع الاختلاف لا الخلاف والفرق ان الاول
دلیل الا الثانی۔

علاوہ ازیں سیاسی اور انتظامی امور کا یہ مسئلہ نہیں ہے، جس میں اُس کا حکم نافذ ہو جاتا ہے، اُس کا تعلق حقوق سے ہے، اور اُس میں اصل یہ ہے کہ ولایت خاصہ ولایت عامہ سے زیادہ قوی ہوتی ہے، ولی خاص کے ہوتے ولی عام کو تصرف کا اختیار نہیں ہوتا۔ چنانچہ الاشباہ والنظائر میں ہے :-

الولاية الخاصة اقوی من الولاية العامة ولهذا قالوا ان القاضي لا
یزوج الیتیم والیتیمۃ الا عند عدم ولیہما فی النکاح ولو ذارحم محرماً
اداماً او معتقاً۔ وعلی هذا ان القاضي لا یملك التصرف فی مال الوقف
مع وجود ناظرہ ولو من قبلہ (انتہی)

پھر سلطان کو بھی اگر اختیار ہے، تو ایسے امور میں صرف اسی قدر جس قدر قاضی کو ہے بلکہ اس میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ عالمگیری میں ہے :-

السلطان اذا حکم بین اثنين لا ینفذ و فی ادب القاضي للخصاف ینفذ وهو
الاصح وبہ یفتی کذا فی الخلاصۃ۔

شامی میں ہے :-

لو کان المرأی اماماً فلا یامر الناس بالصوم ولا بالفطر اذا مرأاه وحده
ویصوم هو کما فی الامداد (انتہی)

اور فتح القدر میں ہے :-

لا فرق بين كون هذا الرجل من عرض الناس او كان الامام فلا ينبغي
للامام اذا ما اذ واحدة ان يامر الناس بالصوم وكذا في الفطر بل حكمها
حكم غيره (انتہی)

رہے نابین تو ان کی خبر خود مفتی صاحب اپنے قول لان قضاء القاضی محدود فی ولایتہ میں دوسرے
شہروں کے لئے غیر معتبر تسلیم کر رہے ہیں، اور یہ ثابت کیا جا چکا کہ ثبوت رویت کے لئے طریق موجب شرط ہے اور
ریڈیو کی خبر طریق موجب نہیں، اور وہ اپنے فتویٰ میں اس کو بھی تسلیم فرما رہے ہیں، تو پھر ان کا یہ حکم کیسے
صحیح ہو سکتا ہے، کہ تمام ہندوستان میں اس ہی پورے ہندوستان کے قاضی کا اعلان معتبر ہوگا، اسی طرح
ان کا یہ حکم بھی کیسے مانا جاسکتا ہے، کہ پاکستان اور دوسرے اسلامی ممالک کا اعلان ہلال رمضان میں تو
براہ راست عوام کے لئے قابل عمل ہوگا (یعنی عوام کو پھر کسی مفتی سے پوچھنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی)، لیکن ہلال
عبیدین میں براہ راست قاضی پاکستان کو قاضی ہندوستان سے شرعی طریق سے مخاطب کرنا ہوگا تاکہ قاضی ہندوستان
اپنے نقطہ نظر سے فیصلہ کرے لیکن اس کی ترکیب نہ بتلائی کہ جب ریڈیو وغیرہ کی خبر طرق موجب میں داخل نہیں تو اس
سے شرعی طریق سے مخاطب کیوں کر ہوگا کہ یہ تو محض خبر ہے نہ خبر مستفیض اسی طرح ہلال رمضان کے مسئلہ میں انہیں
یہ مغالطہ ہوا ہے، کہ جب شاہد کے لئے لفظ شہادت قضائے قاضی اور مجلس قضا شرط نہیں اور یہ شہادت بمنزلہ
خبر کے ہے۔ تو پھر عوام کو قاضی اور مفتی سے بھی اب کیا علاقہ اور یہ مغالطہ یوں واقع ہوا کہ اکثر فقہاء کی عبادت
میں صیغہ قبل اور ماد کا فاعل مظہر دیکھنے میں نہ آیا، لیکن یہ بھی صحیح نہیں اس لئے کہ شاہد کو قاضی یا اس کے قائم مقام
کے حضور حاضر ہونا ضروری ہے۔ مختصر القدروری میں ہے :-

اذا كان بالسما علة قبل الامام شهادة الواحد العدل -
اور مستحکم میں ہے :-

من ساءى هلال رمضان وحده ساء القاضى قوله صام -
تو پھر نیزہ میں ہے :-

واطلاق هذا الكلام يتناول المحدود في القذف اذا تاب وهو ظاهر
الرواية لانه خبر وعن ابي حنيفة لا تقبل لانه شهادة من وجه بدليل
انها يشترط حضوره الى القاضى (انتہی)

اصولی بحث میں مفتی صاحب نے بعض دلائل سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ غلبہ ظن مطلقاً عمل کے لئے علة ہوتا ہے، تو یہ صحیح نہیں،
جس صورت میں حجۃ ملزمہ کی ضرورت ہے اور وہ صورت منصوص علیہ بھی ہے، اس میں غلبہ ظن کی کچھ نہیں چلتی اور یہ ثابت
کیا جا چکا ہے کہ بلکہ ثبوت رویت کے علاوہ دوسرے بلاد میں چاند ثابت کرنے کے لئے حجۃ ملزمہ درکار ہے اور
منصوص علیہ میں قیاس کا کچھ دخل نہیں۔ چنانچہ خود مفتی صاحب کی اصول الشاشی کی منقول عبارت اس کی شاہد ہے

اس میں عند انعدام ما فوقها من الدلیل کی شرط مذکور ہے، نیز اس ہی میں صحت قیاس کے شرائط میں بتلایا اِحدا ان لا یكون فی مقابله النص (انتہی) حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مستصفیٰ میں فرماتے ہیں :-

ما تعبد فیہ بالعلم لا یجوز اثباتہ بالقیاس کمین یرید اثبات خبر الواحد بالقیاس علی قبول الشہادۃ (انتہی) طبع ۳۳

الحاصل منقہ صاحب کی یہ ترکیب بھی ریڈیو وغیرہ کی خبر معتبر نہیں بنا سکتی۔ ان ترکیبوں کو دیکھتے ہوئے مجھے پھر عرض کہ ناظر تامل ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے چاند نہ ثابت ہونے کی صورت میں صرف ایک ہی بات کا حکم فرمایا ہے، کہ تم تین دن پورے کر لیا کرو تو ان کوششوں کی ضرورت کونسی واقع ہو گئی ہے۔

یہاں تک تو کلام اس بنا پر تھا کہ ظاہر الروایت میں اختلاف مطالع کا مطلقاً اعتبار نہ تھا اور اسہی پر اکثر فقہاء کا فتویٰ ہے، لیکن چوں کہ یہ حقیقت ہے کہ ہر مقام کا مطلع جدا ہوتا ہے۔ اور ایک مقام میں جس روز چاند نظر آتا ہے بعض بہت سے دوسرے مقامات میں اس روز چاند نظر نہیں آتا، آپ نے ہمیشہ سنا ہوگا کہ مکہ معظمہ میں یہاں سے ایک روز پہلے چاند ہوا، لیکن باوجودیکہ ایک جماعت عظیم آپ کو آکر اس کی خبر دیتی ہے، اپنے لئے آپ کبھی اس پر عمل کو جائز نہیں رکھتے، علاوہ ازیں بہت سے محققین فقہانے بھی اس کا اعتبار کرتے ہوئے اس پر فتویٰ دیا ہے کہ دو شہروں کے درمیان فاصلہ کثیر ہو تو ایک شہر کی رویت دوسرے کے لئے معتبر نہیں (اور اس فاصلہ کثیر کا اندازہ جو بیس فرسخ یا ایک ماہ کی مسافت بتلائی ہے) چنانچہ علامہ زلیحی اور صاحب التجرید اور صاحب الفیض وغیرہم اس ہی کو موافق حدیث قیاس اور اشنبہ بحق کہہ رہے ہیں، اور ظاہر الروایت کو اس ہی صورت پر محمول کرتے ہیں، جبکہ دو بلادوں کے درمیان فاصلہ بچید ہو، یہاں تک کہ محقق رافع الظلام علامہ ابن ہمام نے بھی اس کو اولیٰ فرمایا :-

حیث قال ومختار صاحب التجرید وغیرہ من المشائخ اعتبار اختلاف المطالع وعروض علیہم بحديث کرب (الحديث) ولاشک ان هذا اولی لانہ نص وذاک محتمل لکون المراد امر کل اهل مطلع بالصوم لرویتہم کذا فی فتح القدر

فتاویٰ سراجیہ میں ہے :-

اهل بلدة صاموا للروية بثلاثين يوماً واهل بلدة اخرى تسعة وعشرين يوماً للروية فعلى هؤلا وقضاء يوم الا اذا كان في البلدتين تبان بحيث يختلف المطالع (انتہی)

مستخلص میں ہے :-

والعمل بقول من رأی لا بقول من لم یر۔ هذا اذا كان بين البلدتين تقاناً بحيث لا يختلف المطالع وان كان يختلف لا يلزم ما اهل احد من البلد حکم

الاخر هذا كلامه ولا يخفاء في انه قد اعتبر اختلاف المطالع كونه في المستقيم فاقول
عن الفتاوى الكبير-

اور اس زمانہ کے علماء میں سے (جس کا مجھے علم ہے) مولینا لکنوی نے بھی اپنے فتاویٰ میں ان ہی کو مستبر رکھا ہے
والدلائل مذکورہ فی فتاویہ پس اگر اختلاف مطالع کا بھی اعتبار کیا جائے تو ریڈیو کی خبروں کی کتابیں بدین
کی صورت میں طریق موجب پر بھی قاضی رویت ہلال کے ثبوت کا حکم نہیں کر سکتا۔

اور چونکہ حدیث پاک صوموا لرہیتہم میں جو علت اختلاف مطالع کے غیر مستبر ہونے کی بتلائی جاتی تھی وہ
عیداضحیٰ میں نہیں پائی جاتی، اس لئے عید اضحیٰ کے چاند میں تو خود علامہ شامی نے بھی اختلاف معتبر مانا ہے، چنانچہ
رد المحتار میں ہے :-

يفهم من كلامهم في كتاب الحج ان اختلاف المطالع فيه معتبر فلا يلزمهم شئ
لو ظهر انه صوي في بلدة اخرى قبلهم بيوم وهل يقال كذلك في حق الاضحية
لغير الحجاج لمانه والظاهر نعم لان اختلاف المطالع انما لم يعتبر في الصوم
لتعلقه بمطلق الروية وهذا بخلاف الاضحية فالظاهر انها كاوقات الصلوة
يلزم كل قوم العمل بما عندهما انتهى ص ۱۰۵

اور مولینا لکنوی نے بھی اپنے فتاویٰ میں اس کو معتبر رکھا ہے، تو عید اضحیٰ میں تو اگر ریڈیو ایسے مقامات سے رویت
ہلال کی خبر دے جس کا مطلع جدا مانا گیا ہے تو اس صورت میں تو اختلاف مطالع کا اعتبار کرنا ہی اقوی ہے کہ وہ
علماء جو مطلقاً اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں کرتے، وہ بھی اس جگہ اعتبار کر رہے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم
بالصواب هذا ما عندی وعلم حقيقة المسئلة عندہ بی۔

حماہ

محمد منظر اعجاز
مدرسہ اسلامیہ

مسجد جامع فتحپوری دہلی اور ذوالحجہ ۱۳۸۵ھ

نوٹ :- یہ فتویٰ ۱۳۸۵ھ / ۱۹۵۵ء میں "انتقاء الحال فی رویت الہلال" کے عنوان سے کتابی صورت میں حافظ سید امیر محمد
صاحب نے جمید برقی پریس، دہلی میں چھپوا کر شائع کیا تھا۔

ملاحظہ

حسب

بہار العلوم و فنون

لقد استغفرت من ذنوبی

(سوال نمبر ۴۵) (۱۷) اس سال جو فچپوری کے قدیمی جلسہ رویت ہلال کے علاوہ رمضان کے چاند کی تحقیق کے لئے جامع مسجد میں جلسہ کیا گیا ہے، کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ اس کی کیا وجہ ہوئی؟

(۲) اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۹ مارچ حاضر ہے اس میں جو مع مولینا مفتی کفایت اللہ صاحب ۲۲ علماء کا مستفقہ فیصلہ شائع کیا گیا ہے، جس پر جامع مسجد کے جلسہ نے عمل کرتے ہوئے چاند کا اعلان کیا یہ فیصلہ آپ کے نزدیک صحیح ہے؟

(۳) دوسرے روز کے اخبار الجمعیۃ کو ملاحظہ کریں جس میں ایک آپ کے متعلق فتویٰ شائع ہوا ہے، اور اس میں بتلایا ہے کہ آپ نے لوگوں کو بدھ کے روز روزے توڑنے پر مجبور کیا ہے کیا یہ صحیح ہے؟ اس سے مسلمانوں پر برا اثر پڑ رہا ہے۔

(۴) جامع مسجد کے جلسہ کے بعد دوسرے روز مولینا حفظ الرحمن صاحب غیرہ نے دوسرے مقام سے آکر عینی شہادت رویت کی دی ہے، اب آپ کے نزدیک ان کے متعلق کیا حکم ہے جنہوں نے روزہ نہیں رکھا یا رکھ کر توڑا ہے؟ بینوا تو جبروا

محمد عاشقین نقلم خود

(۲۰ مارچ ۱۹۵۹ء)

ٹائروالے باڑہ ہند وراؤ دہلی

ہوالموفق

(۱) اس کی اصل وجہ جو میرے نزدیک ہے وہ تو نہیں بتلا سکتا کہ وہ ایک عالم کی بدنامی کا باعث ہوگی، البتہ فریق ثانی اس کی وجہ یہ بیان کرتا ہے کہ چونکہ فچپوری کی ہلال کمیٹی ریڈیو اور ٹیلیوین وغیرہ آلات کی خبر رویت ہلال کے بارہ میں تسلیم نہیں کرتی اور ہمارے نزدیک اس بارہ میں اس کی خبر معتبر ہے، اس لئے کہ ہم کو علیحدہ جلسہ کرنے کی ضرورت ہوئی۔

(۲) فقیر کے نزدیک اس فیصلہ کا جو مطلب لیا جا رہا ہے وہ صحیح نہیں، اس فیصلہ کے الفاظ یہ ہیں :-

فیصلہ

مجلس نے بالاتفاق یہ طے کیا ہے کہ اگر ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے کہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جا رہی ہے، وہاں کے علماء نے چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا حکم کیا ہے، خبر دینے والا بھی متعین ہو کہ کوئی مسلمان معتد خبر دیتا ہو تو اس کا اعلان پر اعتماد کرنے کے دوسرے مقامات میں بھی چاند ہو جانے کے حکم پر عمل کیا جانا جائز ہے۔

اور تمام ہندوستان کے قصبوں اور شہروں میں متعین ذمہ دار جماعت اس کے موافق حکم کریں تو اس پر عمل کیا جائے یہ حکم تمام ہندوستان اور پاکستان کے لئے ہے۔

اب ملاحظہ کیجئے کہ اس فیصلہ میں ریڈیو کی خبر پر عمل کو کیسی کیسی سخت شرائط کے ساتھ مشروط کیا ہے، جن کا وجود محالات عادیہ سے ہے جس کا صریح یہ مطلب ہوا کہ ریڈیو کی خبر پر چاند کے باب میں عمل نہیں کیا جاسکتا۔ کہ اذا فاق المشروطات المشروط۔ خیال تو فرمائیں کہ یہ بھی تو اسی ریڈیو سے معلوم ہوگا کہ جہاں سے ریڈیو کی خبر دی جا رہی ہے اور وہاں کے علماء نے چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا حکم کر دیا ہے اور مخبر مسلمان معتد ہے، تو اس بارے میں ریڈیو کو معتبر سمجھنا گویا اس کا اعتبار ثابت ہونے سے پیشتر اس کو معتبر سمجھ لیتا ہوا جو غیر معقول اور مستلزم دور ہے جو محال ہے۔ یونہی ہندوستان کے تمام شہروں اور قصبوں میں ذمہ دار جماعتوں کی تعین اور ان میں ہلال کیٹیوں کا اور ریڈیو کے اسٹیشنوں کا قیام کرانا کس قدر تکلیف والا یطابق ہے، پھر اس کے باوجود بھی اس خبر پر عمل کو صرف جائز کہا ہے، لازم و واجب نہیں کہا اور وہ بھی جب کہ تمام ذمہ دار جماعتیں اس کے موافق بالاتفاق حکم کریں اور یہ بھی محال ہے کہ سنی، شیعہ، مقلد، غیر مقلد، سیلوں طرح کی جماعتیں ہیں اور ہر ایک کا مسلک جدا۔ تو سب بالاتفاق اس پر کیسے حکم کر سکتی ہیں۔

اسی طرح اس فیصلہ میں اور بھی کئی شرطیں ایسی ہیں جن کا مفاد یہی ہے کہ چاند کے بارے میں ریڈیو کا اعتبار نہیں جس زمانہ میں یہ فیصلہ ہوا ہے اسی زمانہ میں اس مسئلہ کے متعلق مجھے قاضی شہر جے پور کا سوال موصول ہوا تھا جس کا جواب مختصر طور پر میں نے ایک رسالہ سہ ماہی بہ استفادہ الحال کی شکل میں لکھنے کے بعد شائع کر دیا تھا تاکہ اس فیصلہ سے لوگ کسی مخالط میں نہ پڑیں۔

پس اس کے غیر معتبر ہونے کے دلائل تو اس میں آپ کو ملیں گے عوام کے سمجھنے کے لئے تو صرف اس قدر بتلادینا کافی ہے کہ گوریڈیو تو اس زمانہ کی پیداوار ہے، لیکن ٹیلیفون جو اس سے بدتر ہے اس مسئلہ میں بہتر اور قابل اعتبار سمجھا جاتا ہے اس کو نکلے ہوئے قودت گزر گئی۔ پچھلے زمانے کے علماء باوجودیکہ اس زمانہ کے علماء سے بدتر علم و فضل دریاقت و تقویٰ میں بڑھے ہوئے تھے، اس زمانہ میں تاریخ ہی آتے رہے، ٹیلیفون بھی آئے، خطوط بھی وارد ہوئے لیکن کبھی نہ دیکھا ہوگا کہ انہوں نے ان میں سے کسی کی خبر پر چاند کا فیصلہ کیا جو اس فیصلہ پر تو بائیس ہی عالموں کا اتفاق نظر آتا ہے لیکن اگر اس کو ریڈیو کا ہمنوا تسلیم کیا جائے تو اس کے مخالف بیسیوں نہیں سینکڑوں اور ہزاروں علماء کا اتفاق نظر آتا ہے۔

اس ہی آپ کی دہلی میں کیسے بڑے بڑے فضلاء گزرے ہیں، مثلاً مولانا ابوالخیر شاہ صاحب مولانا مسعود شاہ صاحب مولانا عبدالکحیم صاحب مولانا سید نذیر حسین صاحب مولانا محمد شاہ صاحب، مولانا ابو محمد عبدالحق صاحب، مولانا عبدالرشید صاحب، مولانا مفتی محمد یعقوب صاحب، مولانا کرامت اللہ صاحب، مولانا محمد عمر صاحب، مولانا احمد سعید صاحب، مولانا عبدالعلی صاحب وغیرہم۔ اور ان کے

علاوہ دوسرے مقامات کے تو اس قدر علماء ہیں، جن کا شمار میں آنا ہی دشوار ہے، مثلاً مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا عبدالحی صاحب لکنوی، مولانا محمد قاسم صاحب دیوبندی، مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی وغیرہم، ان حضرات کے زمانے میں تارٹیلیفون موجود تھے لیکن کسی نے بھی چاند کے باب میں ان کا اعتبار نہیں کیا، اور ان کے غیر معتبر ہونے پر ہی فتوے صادر کئے بلکہ بعض نے اس پر مستقل رسالے شائع کئے۔

میری نظر سے متعدد رسائل اس مسئلے میں گذرے جن میں علماء کے فتاویٰ کو جمع کیا گیا ہے، سب میں علماء کو اس پر متفق پایا کہ ریڈیو ٹیلیفون جیسے آلات کی خبر سے چاند کی رویت کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ مولانا عبدالحی صاحب خلیفہ جامع رنگون نے علمائے عرب ترکستان و ہندوستان کے بڑے بڑے چالیس سے زائد علماء کے فتاویٰ عربی کے مرتب کئے، مولانا سید شاہ محمود حسن صاحب نے رسالہ مسنی بہ جامع الاقوال مرتب کیا جس میں بیس علماء کے فتاویٰ جمع کئے، اور قیس محمد خاں صاحب قادری نے رسالہ مسنی بہ عید کا چاند تالیف کیا جس میں ۱۹۵ علماء کے فتاویٰ اور تصدیقات ہیں، اسی طرح اور بھی حال میں کئی رسالے ایسے نظر سے گزرے جس میں بیسیوں علماء کے فتاویٰ اور تصدیقات اس پر ہیں کہ چاند کی رویت کا ثبوت تارٹیلیفون اور خطوط سے نہیں ہو سکتا پہلا رسالہ عربی فتاویٰ کا مجموعہ اگرچہ صرف تار و خطوط کے بارے میں ہے لیکن چونکہ خطوط ٹیلی فون اور ریڈیو کی اس مسئلہ میں ایک ہی حیثیت ہے، اس لئے کہ خطوط کے غیر معتبر ہونے کی علت الخبط تشبہ الخبط ہے اور ٹیلی فون اور ریڈیو کے غیر معتبر ہونے کی علت النعمۃ تشبہ النعمۃ ہے تو دونوں میں اشتباہ کا منہ نہ ہے پس جو خطوط کا حکم ہے وہی ٹیلی فون کا ہے، اس مجموعہ میں مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کا فتویٰ بھی موجود ہے، اس میں مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ چاند کے باب میں تار کا تو مطلقاً اعتبار نہیں خواہ کتنے ہی آجائیں، رہے بذریعہ ڈاک خطوط تو وہ اگرچہ ٹیلی گراف سے آتی ہیں لیکن اگر حد شہرت پر نہ پہنچیں ہوں تو وہ بھی غیر معتبر ہاں اگر ان کی تعداد پانچ سے بڑھ جائے اور بھیجنے والوں کے خط پہچان لئے جائیں اور خطوط کے الفاظ بھی وہ ہوں جو رویت بلال کی شہادت کی صلاحیت رکھتے ہوں تو اس صورت میں اگرچہ ایسے خطوط اعتماد کے لائق تو ہیں کہ اب ان میں وہ شبہات بہت کم ہو گئے جو ٹیلی گراف میں ہوتے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے بھی ہم جزاً ان کے قبول کرنے کا حکم نہ کریں گے کہ شرائط قبول کی رعایت ہر ایک کے لئے آسان نہیں۔ مفتی صاحب کی یہ عبارت عربی میں ہے، اختصاراً میں نے اس کا مطلب اردو میں بیان کیا ہے، مفتی صاحب کا رویہ اگرچہ اس مقام پر بہت نرم ہے کہ پانچ سے زائد خطوط کو جوازاً قابل اعتبار سمجھتے ہیں لیکن پھر بھی وہی فرماتے ہیں جو دوسرے علماء فرما رہے ہیں کہ ہم جزاً ان خطوط کے قبول کرنے کا حکم نہ کریں گے۔ بلکہ بعض علمائے متبحرین تو جوازاً بھی ان کو روزہ کے باب میں قابل اعتبار نہیں جانتے اور خبر مستفیض میں داخل نہیں فرماتے، چنانچہ مولانا مشتاق احمد کانپوری فرماتے ہیں :-

صاحب یہ کیسے فرسکتے تھے کہ ریڈیو کی خبر پر روزہ رکھنے بلکہ عید کرنے کے لزوم کا حکم کر دینا چاہیے، پس ثابت ہوا کہ مفتی صاحب کی اس فیصلہ سے غرض یہی تھی کہ ان علمی دنیا کے بچوں کی ضد بھی پوری ہو جائے اور شریعت مطہرہ کا حکم بھی نہ بدلیے اور جو ہے کہ مفتی صاحب نے اس فیصلہ کے بعد بھی آخر عمر تک کبھی ٹیلیفون کی خبر پر بھی فیصلہ نہ کیا چہ جائیکہ ریڈیو کی خبر پر۔

۱۳۔ میرا کل غلط اور مجھ پر اتہام ہے کہ میں نے کسی کو روزہ توڑنے پر مجبور کیا ہو، لوگوں کو مجھ سے بدظن کرنے کے لئے اکثر بہتان باندھے اور افواہیں اڑائی جاتی رہی ہیں۔ اور وہ اپنا کام بھی کر رہی ہیں۔ عوام کا حال یہ ہے کہ کسی کے متعلق کوئی بُری افواہ سُنی اور انہوں نے اس پر یقین کامل کر کے اس کی تبلیغ شروع کر دی، ان کو اس کی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوتی کہ جس کے متعلق یہ افواہ ہے، اس سے تحقیق تو کریں۔ اس کے متعلق کل کے اخبار میں اس ہی فیصلہ کے اعلان کے قبل افواہوں کی دنیا کی سُرخ کی نیچے جو مضمون ہے اسے پڑھئے وہ بتائے گا کہ افواہوں میں کیسی قوت ہوتی ہے کہ ایک بے بنیاد شے کو عوام کے اذہان میں ایسی راسخ کر دیتی ہیں گویا انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سُنا ہے۔ اب اس کے نتائج کیسے ہی خراب ظاہر ہوں اس سے عوام کو کیا سرکار، افواہ اڑانے والے تو خوش ہیں کہ اب اس کی تردید کارے وارد۔

جس کے متعلق آپ نے استفسار کیا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ جامع مسجد سے جب فون کے ذریعہ خبر منگوا کر چاند کے ثبوت کا اعلان کیا گیا اور فتح پوری سے اعلان نہ ہوا تو مسلمانوں میں تشویش پیدا ہوئی چنانچہ شب کے تقریباً دو بجے ایک جم غفیر مولانا مفتی ضیاء الحق صاحب (صدر جمعیت علماء) اور مولانا عبدالرحیم صاحب کے ساتھ میرے مکان پر آیا، اور ان دونوں علیل القدر عالموں نے صورت حال بیان کی اور روزہ کے متعلق دریافت کیا کہ تیرے نزدیک کیا حکم ہے، میں نے عرض کیا کہ اس حال میں میرے نزدیک تو رویت ثابت نہیں البتہ شک ضرور واقع ہو گیا ہے، اس لئے کل کا روزہ خالص نفل کی نیت سے تو رکھا جاسکتا ہے، رمضان کی نیت سے روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے کہ یہ یوم شک ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ صبح پونے بار بجے تک کولنے پینے سے ڈکیں اس وقت سے قبل اگر خبر معتبر سے چاند کا ثبوت ہو جائے تو روزہ کی نیت کر کے اُسے پورا کریں ورنہ پھر کھانی سکتے ہیں، کہ موجودہ صورت کا شرعی حکم ہے، چنانچہ درمختار میں ہے :-

و احياء يوم الشك الا نفلًا ولو جنم ان يكون عن رمضان كما تحريمًا

اس کے بعد دن میں جو لوگ آئے ان میں بعض وہ تھے جنہوں نے کہا کہ ہم نے ابھی تک کھایا پیا نہیں نہ روزہ کی نیت کی، ان سے کہا کہ تم کھانی سکتے ہو کہ تمہارا روزہ ہی نہیں ہے اور بعض رمضان کی نیت سے روزہ رکھے ہوئے آئے ان کے دریافت کرنے پر ان سے کہا گیا کہ تمہیں اب خالص نفل کی نیت کر لینی چاہیے۔ ہاں بعض نے جب پوچھا کہ اگر ہم خالص نفل کی نیت نہ کریں اور اب کھانی لیں تو کوئی گناہ تو نہ ہوگا، ان سے کہا گیا کہ نہیں گناہ نہیں ہوگا۔ اس فقرہ کی حقیقت صرف اس قدر ہے لیکن اگر کسی نے روزہ توڑنے پر اس خوف سے کسی کو مجبور بھی

کیا ہو کہ حدیث میں آیا ہے :-

من صام يوم المشك فقد عصى ابا القاسم

یعنی جس نے یوم شک میں روزہ رکھا اُس نے ابو القاسم یعنی سرکارِ قدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔
تو وہ بھی قابلِ طعن کیسے ہو سکتا ہے، اُس نے گناہ کیا کیا؟ وہ تو ثواب کی امید رکھتا ہے، ان اللہ کے بندوں نے
اگر یہ خیال کیا ہے کہ ایسی حرکات سے مجھے حق کہنے سے روک دیں گے تو یہ خیال ان کا باطل ہے، میرا مولیٰ
مجھے اس سے محفوظ رکھے، عمر گزر گئی لیکن جو صورت آج واقع ہوئی کبھی نہ دیکھی۔

جلسہ رویت سے ہمیشہ اتفاق کے ساتھ حکم صادر ہوتا رہا، لیکن کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ جلسہ میں رویت
ثابت نہیں ہوئی اور بعد میں میرے پاس شاید پہنچے میں نے شہادت لے کر مفتی صاحب کی خدمت میں وہ شہادت
بھیج دی، مفتی صاحب نے اس پر دستخط کر دیئے، اور میں نے ثبوت رویت کا اعلان کر دیا، اور ایسا بھی ہوا کہ
شاید پہلے مفتی صاحب کے پاس پہنچے اور انہوں نے شہادت لے کر میرے پاس وہ تحریر بھیج دی اور میں نے
اس پر دستخط کر کے ثبوت رویت کا اعلان کر دیا، لیکن یہ کبھی نہیں ہوا کہ انہوں نے مجھے یا میں نے انہیں یا
جلسہ کے شریک ہونے والے علماء میں سے کسی نے اس کا مشورہ دیا ہو کہ تار یا ٹیلی فون کی خبر پر فیصلہ کیا جائے
(۴) ہاں اب چونکہ مجھے بسمل صاحب کی عینی شہادت موصول ہو گئی ہے، اس لئے اب میرے نزدیک کبھی
۲۹ شعبان کی رویت ثابت ہے، پس جن لوگوں نے بدھ کا روزہ نہیں رکھا یا رکھ کر توڑا ہے، وہ بعد رمضان
شریف ایک روزہ قضا رکھ لیں۔

صوم و افطار کا مبنیٰ رویت ہے کہ جب شہادت شرعیہ معتبرہ ثابت ہو جائے تو اگر رمضان کا چاند ہے
تو روزہ رکھیں اور عید کا چاند ہے تو افطار کریں، ثابت نہ ہو تو ہر گز روزہ نہ رکھو، خواہ حقیقت میں ہزاروں ہی
جگہ چاند ہونا ثابت ہو چکا ہو۔

ایسی صورت میں یہ خیال کرنا کہ روزہ نہ رکھنا یا توڑنا گناہ ہوگا۔ صحیح نہیں، دین دار مسلمان کے لئے
یہی وقت امتحان کا ہے، دیکھ رہا ہے کہ ٹیلی فون متعدد جگہ چاند ہونے کی خبر دے رہا ہے اور طبیعت صحیح
ہے، کہ روزہ رکھے اور رکھا ہوا ہے تو نہ توڑے، لیکن وہ شریعت کے حکم کے آگے تسلیم خم کرتا ہے تو
وہ مستحقِ ثواب ہے نہ یہ کہ اسے مستحقِ عذاب کہا جائے۔

اب عید کا چاند آ رہا ہے اگر طریق موجب سے ثابت نہ ہوگا تو محض ریڈیو یا ٹیلی فون کی خبر پر تمہیں روزہ
افطار کرنا حرام ہوگا، اور مستحقِ عتاب۔ اور جب طریق موجب سے ثابت ہو جائے تو تم پر افطار کرنا واجب ہوگا۔
اگر چہ غروب آفتاب میں دو چار ہی منٹ رہ گئے ہوں اور گھر میں ریڈیو کبہ رہا ہو کہ دنیا میں کہیں چاند نہیں ہوا، اسے
خوب یاد رکھیں۔ مولانا مفتی محمد کفایت اللہ تو تشریف لے جا چکے، اب فقیر بھی اپنی عمر پوری کر چکا ہے، آج نہیں
کل اپنے مولیٰ کے حضور میں حاضر ہو جائے گا، اس لئے تمہیں وصیت کرتا ہے کہ تم ایسے امور میں ان علماء

کی پیروی کرنا جو مجتہدانہ روش نہیں جا رہے، بلکہ سلف صالحین کے پیرو ہیں۔ فقط واللہ اعلم

محمد منظر اللہ عفی عنہ
مسجد مفتوی، دہلی

نوٹ :- یہ فتویٰ فتویٰ رویت ہلال کے نام سے ۱۳۶۸ھ، ۱۹۵۹ء میں محمد عاشقین صاحب نے جمہور برقی پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا تھا۔

(سوال نمبر ۴۴) متھرا میں ۲۹ رمضان المبارک کو مطلع بالکل صاف تھا لیکن کسی کو چاند نظر نہ آیا، شب کو امام صاحب جامع مسجد متھرا سے بعض لوگوں نے کہا کہ ریڈیو سے بتی، آسام، پٹنہ وغیرہ میں چاند ہونے کی اطلاع آئی ہے اور دہلی سے مولوی محمد میاں (الجمعیۃ) نے بھی ٹیلیفون پر مبارک دی ہے لیکن امام صاحب موصوف نے فرمایا کہ یہ سب ذرائع ثبوت رویت ہلال کے لئے نامعتبر ہیں۔ میں چاند ہونے کا اعلان نہیں کر سکتا۔ ۳۰ رمضان المبارک کو مسلمانان متھرا نے بدستور روزہ رکھا لیکن دس بجے ایڈیٹر نئی دنیا (دہلی) سے ٹیلیفون پر معلوم ہوا کہ وہاں عینی شہادت کی بنا پر عید ہوئی ہے، لیکن امام صاحب نے اس کو بھی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد کمیٹی کی طرف سے امام صاحب کے نام حکم نامہ آیا کہ وہ اعلان کریں مگر امام صاحب نے اس کی بھی تعمیل نہ کی۔ لہذا کمیٹی ان کو نکالنے کے درپے ہے، بعض لوگوں نے خود بھی روزے توڑے اور جہز ابالاعلان دوسروں کے بھی روزے کھلوادئے، دہلی سے جب ایک شخص چاند کی خبر لے کر پہنچا تو امام صاحب نے بھی روزہ کھول لیا۔ صورت مذکورہ میں مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مرحمت فرما کر عند اللہ عاجز رہوں :-

- (۱) کیا امام صاحب جامع مسجد متھرا حق پر ہیں؟
- (۲) کیا کمیٹی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ حکم عدولی کے جرم میں امام صاحب کو برطرف کر دے؟
- (۳) کیا جن لوگوں نے روزہ توڑا ہے ان پر قضا لازم ہے؟

الجواب

یہ تو صحیح ہے کہ دہلی میں بعض عینی شاہدوں کی شہادت کی بنا پر ۲۹ رمضان کا چاند مانا گیا اور عید ہوئی، لیکن چونکہ نشر آثار، ٹیلیفون، ریڈیو وغیرہ کی خبروں سے کسی دو سرے مقام پر چاند ثابت نہیں ہوتا، اس

لئے مسکرا میں ہفتہ کے روز عید قرار دینا جائز نہ تھا، عید کا حکم نافذ کرنے والوں کو جو جواب امام صاحب نے دیا وہ دیا وہ ہی تھا جو ان پر شریعت مطہرہ نے لازم کیا تھا جنہا اھملاً اللہ خیر الجناء۔ مسلمانوں کو اپنے مولا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ ان کا ایک متقی اور فاضل امام ہے ورنہ اس زمانہ میں تو سیاسی انقلاب نے اپنے لپیٹے میں مذہب کو بھی نہیں چھوڑا، اس کے مسائل میں بھی انقلاب رونما ہونے لگا، اس سے پہلے بھی تار، ٹیلیفون، ریڈیو اور ٹیلی ویژن سب ہی کچھ موجود تھا، لیکن علماء کا بالاتفاق یہی قول تھا کہ ان خبروں کا چاند کے بارے میں کوئی اعتبار نہیں خصوصاً ایسی ایک دو خبروں کا، لیکن اس میں بھی ترمیم ہونے لگی ہے۔ اور بڑا تعجب اس انقلاب پر ہے کہ پہلے عالم عوام کو حکم دیتے تھے، اب عوام عالم کو حکم دینے کی جرأت کرتے ہیں ع

بہیں تفرات رہ از کجا است تا بجا

دہلی میں بھی بذریعہ ریڈیو کئی مقام کی خبر موصول ہوئی، لیکن جب تک عینی شہادتیں نہیں پہنچیں ان خبروں کا کوئی اعتبار نہیں کیا گیا۔ الغرض امام صاحب حق پر ہیں جن لوگوں نے روزے توڑوائے وہ اور خود توڑنے والے گنہگار ہوئے، یہی حکم زید کا ہے۔ دہلی سے عید کی نماز پڑھ کر آنے والے کے قول سے ان کو بھی روزہ توڑنا جائز نہ تھا، اب جنہوں نے روزہ توڑا ہے، ان پر ایک روزہ کی قضا واجب ہے۔ ہاں اگر دہلی سے یا دوسرے مقام رویت سے اتنے لوگ متھرا میں جا کر چاند ہونا بیان کریں جن کی خبر کو خبر مستفیض کہا جاتا ہے، تو اسی وقت امام کو چاہیے کہ اعلان کر دیں کہ اب کسی روزے کی قضا واجب نہیں۔

قوم اگر امام کے ساتھ ہے (اور ان پر فرض ہے کہ وہ اس مسئلے میں امام کا ساتھ دیں، تو کسی کو کوئی حق نہیں کہ وہ امام کو علیحدہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عظیم الرحمن

مسجد جامع پنجوری دہلی

(سوال نمبر ۴) (۱) آل انڈیا ریڈیو سے رمضان المبارک اور عید الفطر وغیرہ کے چاند کے بارے میں جو اعلانات ہوتے ہیں، کیا ان پر عمل کیا جائے جب کہ عینی شاہد موجود نہ ہوں۔

(۲) اگر تہی، لوبان، اور کوئی دھواں دینے والی خوشبو سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں، جیسا کہ مساجد وغیرہ میں خوشبو کے لئے یہ چیزیں جلائی جاتی ہیں، اگر ٹوٹ جاتا ہے کفارہ لازم ہے یا قضا کافی ہے۔

مستفتی

محمد شرف - ضلع میرٹھ

الجواب

(۱) رویت ہلال عیدین کے لئے شہادت کا ملہ ضروری ہے۔ ریڈیو وغیرہ کی خبر ہلال عیدین کے لئے قابل اعتبار نہیں، البتہ رویت ہلال رمضان کے لئے شہادت کا ملہ ضروری نہیں، خبر معتبر کافی ہے۔
 (۲) خوشبودار دھواں عمدًا سونگھنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور اگر ایسا دھواں سونگھنے کی عادت ہے تو کفارہ بھی واجب ہے۔ فقط

محمد عبدالغنی عفرلہ
 مدرسہ اعلیٰیہ - دہلی

هوالموفق

جوابات صحیح ہیں لیکن جواب اول میں جو کہا ہے کہ ہلال رمضان کے لئے خبر معتبر کافی ہے، اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر آسمان پر ابر و غبار ہو تو ایک ایسے مسلمان کا جو فاسق نہ ہو اس کا یہ خبر دینا کہ میں نے چاند دیکھا ہے، کافی ہے، لیکن اگر آسمان صاف ہو تو ایک مسلمان کا یہ خبر دینا کافی نہ ہوگا بلکہ ضروری ہے کہ اس قدر مسلمان اپنا دیکھنا بیان کرے جن کی خبر پر ظن غالب چاند ہونے کا حاصل ہو جائے اور تیسرے جواب میں جو کہا ہے کہ خوشبودار دھواں عمدًا سونگھنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اس سے دھوئیں کا ناک میں چڑھانا مراد ہے، محض سونگھنے سے روزہ نہیں جاتا بلکہ دھوئیں کے بلا قصد کچھ اجزاء ہی ناک میں چلے جائیں تو روزہ نہ ٹوٹے گا کما فی عامۃ الکتب الفقہ اور کفارہ بھی اسی صورت میں لازم ہوگا جب قصدًا ناک میں دھواں چڑھائے اور اس چڑھانے سے حقہ کی طرح کسی کو اپنی طلب پوری کرنی ہو۔ ہاں رمضان شریف میں مساجد میں ہرگز لوبان وغیرہ روشن نہ کرنا چاہیے کہ دھوئیں کے متعلق یہ حکم بوجہ ضرورت ہے اور مساجد میں لوبان روشن کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تو قیاس چاہتا ہے کہ گو دوسرے لوگوں کا روزہ نہ ٹوٹے لیکن جو لوبان روشن کرے گا، اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ فقط

محمد منظر عفرلہ
 مسجد جامع فتحپوری دہلی

روزہ و افطار

(سوال نمبر ۴۲) ایک تو مہند شخص رمضان المبارک کے مہینے میں سفر پر جا رہا ہے وہ کتنے روز تک سفر پر رہ سکتا ہے، آیا بحالت سفر روزہ رکھے یا نہیں اور تراویح پڑھے یا نہیں۔ فقط
 مستفتی
 فضل احمد - دہلی

الجواب

جب تک اس کی ضرورت پوری نہ ہو وہ سفر میں رہ سکتا ہے، لیکن کسی مقام پر اگر پندرہ روز کے قیام کی نیت کر لیا تو وہ مقیم ہو جائے گا، مسافر نہ رہے گا، مسافرت کی حالت میں وہ اگر روزہ رکھے بہتر ہے اور افطار کرنا چاہے تو افطار بھی کر سکتا ہے، بعد رمضان قضا کر لے اور تداویح پڑھنے میں دشواری نہ ہو تو پڑھے ورنہ وہ بھی ترک کر سکتا ہے۔

محمد منظر عطار
جامع فقہوری، دہلی

(سوال نمبر ۴۹) ماہِ حجب کی ستائیس تاریخ کا روزہ رکھنا کیسا ہے؟

الجواب

یہ روزہ رکھنا مستحب ہے عن ابی ہریرۃ موقوفاً من صام لیوم سبوع وعشرین من رجب کتبہ اللہ لہ صیام ستین شهراً وهو الیوم الذی ہبط فیہ جبرئیل علی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالرسالة وهذا امثل ما ورد فی هذا المعنی - انتہی ما فی ما ثبت بالسنة للشیخ عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ محدث دہلوی - فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عطار
مسجد فقہوری، دہلی

(سوال نمبر ۵۰) (۱) کوئی غیر مسلم افطار کے لئے کوئی چیز پیش کرے تو اس سے افطار جائز ہے یا نہیں یا اگر سخت ضرورت کی حالت میں کسی غیر مسلم سے افطار کے لئے کوئی کھانے کی چیز لی جائے تو وہ کھا سکتا ہے یا نہیں۔

(۲) اگر کسی غیر مسلم کے ہاں بطور مہمان یا ویسے ہی ٹہرنا ہو جائے تو اس کے ہاں سے کھانا وغیرہ لے کر افطار یا سحری کر سکتا ہے۔ بیواؤ تو جبروا

الجواب

ہر دو صورتوں میں جائز ہے، اور روزہ کے ثواب کے متعلق اسلام کی ضرورت ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم
مسجد جامع فقہوری، دہلی

حج

سوال نمبر (۵) (۱) کیا مملکت اسلامیہ کو اس امر کا شرعی مجاز ہے کہ صاحب استطاعت مسلمانوں کو محض یہ عذر پیش کر کے حج کی سعادت سے محروم کر دے کہ اسکے پاس زر مبادلہ اور جہاز نہیں حالانکہ تجارت اور دیگر امور کے لئے حکومت لاکھوں روپیہ زر مبادلہ مہیا کرتی ہے اور سامان تجارت وغیرہ کی نقل و حمل میں بیسیوں جہاز مصروف رہتے ہیں۔

(۲) کیا حکومت اسلامیہ اس امر کی شرعاً مجاز ہے کہ صاحب استطاعت عازمین حج کو مقررہ تعداد کے علاوہ بیت اللہ شریف لے جانے کی سہولتیں نہ بہم پہنچائے اور اس کے علی الرغم دیگر ممالک سے سامان تجارت اور غیر ملکی مسافروں کو لانے لیجانے کیلئے جہازوں کو استعمال کرے۔

(۳) کیا سلطنت اسلامیہ شرعاً اس امر کی مجاز ہے کہ عازمین حج کے لئے ایک ایسا مرکزی ادارہ قائم کرے جہاں ان سے مبلغ یکصد روپے کے ساتھ درخواستیں لی جائیں جب کہ منظوری اور عدم منظوری کا دار و مدار قرعہ اندازی پر ہو جس کے نام نکلے ان کو اجازت دے دی گئی اور باقی درخواست دہندگان باوجود استطاعت کے اس حق سے محروم کر دئے گئے۔

الجواب

(۱) سائل کا اعتراض مذکور بالکل صحیح ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ حکومت جب کہ تجارت کے سلسلے میں کوڑیا روپیہ کا انتظام کر سکتی ہے تو یہ کیسے یقین کیا جاسکتا ہے کہ وہ حجاج کے لئے روپیہ کے تبادلے میں قاصر ہے۔ یہ بدعت تو اس نے وہ جاری کی ہے جس کا وجود غیر اسلامی ممالک میں بھی نہیں ملتا۔ حالانکہ حکومت اسلامیہ کا تو اولین فرض یہ ہے کہ عبادت کے باب میں وہ رعایا کی تفتیش رکھے کہ ان سے اس میں تساہل نہ ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

أَلَا كَلِمَةٌ مَرَّاعٍ وَكَلِمَةٌ مَسْئُولُونَ عَنْ سَعِيَّتِهِ قَالَ إِمَامُ الذَّيْنَعَالِي الْمَنَاسِ

مَرَّاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ سَعِيَّتِهِ

یعنی لوگوں پر جو حاکم ہے اس سے رعایا کے احوال کی پرسش ہوگی۔ پس برخلاف اس کے ان کو عبادت سے روکنا بلاوجہ صحیح کے، کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

(۲) اس کا بھی وہی حکم ہے جو پہلے سوال میں بتلایا گیا ہے، حکومت تجارت کے مسئلے کو حجاج پر ترجیح نہیں دے سکتی۔

(۳) یہ تو صراحتاً حجاج کو ادائے فرض سے روکنا ہے جو اشد درجہ حرام ہے، لقولہ تعالیٰ :-

وَاللَّهُمَّ لَا يَعْزُبُ عَنْكَ اللَّهُمَّ وَهْمٌ يَصْدُونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

الجواب

اگر ہوائی جہاز سے بھی نہیں جاسکتی اور حقیقت میں ایسی معذور ہے کہ کسی طرح بھی اس سفر کی طاقت نہیں رکھتی تو اپنی زندگی میں بھی حج بدل کر سکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عطار لاسی
مسجد جامع فتحپوری دہلی
[۳ اپریل ۱۹۶۰ء مطابق
[۷ شوال المکرم ۱۳۷۹ھ]

قربانی

(سوال نمبر ۵۴) ایک شخص صاحب نصاب ہے لیکن اس کا حقیقہ نہیں ہوا ہے کیا اس پر قربانی واجب ہے۔
سنتفتی

فضل احمد — دہلی

الجواب

اس پر قربانی واجب ہے نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا، اور یہ خیال لغو ہے کہ حقیقہ جس کا نہ ہوا ہو تو وہ قربانی نہیں کر سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عطار لاسی
جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۵۵) ایک شخص دہلی میں رہتا ہے اس نے اپنی طرف سے کلکتہ میں قربانی کرانی تاکہ وہاں اس کے اعزہ اس کا گوشت کھالیں، شخص مذکور کو یہ معلوم نہ تھا کہ قربانی ۱۰ رذی الحجہ کو ہوگی یا ۱۱-۱۲ کو۔ نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ اس کو حجامت کس دن بنوانی چاہیے۔

الجواب

یہ قربانی اس شخص کی جانب سے ہو جائیگی۔ اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کو وقت قربانی بھی معلوم ہو۔ حجامت اس کو بروز عید ہی بنوالینی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عطار لاسی
جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۵۶) زکوٰۃ اور قربانی کے جانوروں کی کھال کی قیمت مدرسہ اسلامیہ کے صرف میں لانا جائز ہے یا نہیں۔

مستفتی
ماثر تصدق حسین

الجواب

ہاں یہ رقم مدرسہ کے مستحقین طلبہ کے وظائف میں دی جاسکتی ہے یا اس رقم سے ان کو لحاف وغیرہ بنا کر دئے جاسکتے ہیں۔ فقط

محمد منظر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۵۷) قربانی کی کھالوں کو امام مسجد، مؤذن یا مسجد کے خدمت گاروں کو دینا جائز ہے یا نہیں۔ اگر مسجد کی صفوں وغیرہ کے لئے ضرورت ہو تو اس کی رقم مسجد کے اخراجات پر لگائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

قربانی کی کھالیں معاوضہ میں تو کسی خدمت کے نہیں دی جاسکتیں اور بلا معاوضہ جس کو چاہیں دے سکتے ہیں خواہ امام ہو یا مؤذن یا اور کوئی۔ اور جب ان کو دے دی جاوے تو یہ لوگ اپنی جانب سے مسجد کی ضرورت میں صرف کر سکتے ہیں۔ فقط

محمد منظر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۵۸) (۱) قربانی کی کھالوں کے مستحق کون لوگ ہیں؟
(۲) کیا قربانی کی کھالوں کا روپیہ ان لوگوں کو دیا جاسکتا ہے جن کے پاس غریبوں میں تقسیم کرنے کے لئے ہزاروں روپیہ موجود ہے مگر وہ اس فرض کو باحسن وجوہ انجام نہیں دیتے صرف روپیہ جمع کرنے کے شوقین ہیں۔ بیٹو اور جوڑا۔

هوالموفق

(۱) عین کھال تو جس طرح اپنے کام میں لائی جاسکتی ہے اسی طرح جس کو چاہیں دے سکتے ہیں۔ فی القدا واللحم بمنزلة الجلد فی الصحیح انتہی۔ لیکن اگر کھال بیچ دی گئی تو اس کی قیمت تصدق کی جائے گی جس کے مصرف فقراء و مساکین ہیں۔ فی الدر المختار :-

فان بیع اللحم والجلد بدراهم تصدق بثمانه - وقال الله تعالى
انما الصدقات للفقراء والمساكين الایہ -

(۲) اگرچہ توکیل ایسے امور میں جائز ہے لیکن مذکورہ اشخاص کو ہرگز نہ دیا جائے کہ وہ اس کے اہل نہیں ہیں
ان کو دینا جائز نہیں۔ ہدایہ میں ہے :-

تخری فذبح و فی اکبر، ایہ اندہ لیس بمصرف لایجزیہ -

فقط والله تعالى اعلم بالصواب

حضرہ محمد منظر اللہ غفر لہ

اہم مسجد فتحپوری دہلی

سوال نمبر ۵۹) زید نے اپنے ہاتھ سے بکرا خسی کیا اور پھر ایام قربانی میں اپنے ہاتھ سے اس کی قربانی کی اس
میں شرفا کوئی کراہت تو نہیں۔ بینوا و توجروا -

الجواب

بکرے کا خسی کرنا اور پھر اس خسی پر قربانی جائز ہے۔ تنویر میں ہے :-
بعضی بالجماء والخصی والشولاء -

فقط والله تعالى اعلم

(۱۷ جون ۱۹۵۳ء)

محمد منظر اللہ غفر لہ

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۶۰) عام طور پر لوگ جو قربانی کے لئے جانور خریدتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ یہ جانور قربانی کے لئے
خرید ہے۔ زید کہتا ہے کہ یہ نہ کہنا چاہیے اس طرح وہ جانور نذر کے حکم میں آجاتا ہے۔ ہاں اگر ذی الحجہ
یا ۱۱-۱۲ کو یہ بات کہے گا تو جائز ہے ورنہ وہ جانور نذر کا مانا جائیگا۔ کیا زید کا یہ قول صحیح ہے بینوا و توجروا -

الجواب

زید کا یہ قول غلط ہے، البتہ اگر کسی ایسے شخص نے بہ نیت قربانی خریدنا ہو جس پر قربانی واجب نہ تھی
تو اس پر اس خاص جانور کی قربانی ضروری ہو جاتی ہے، لیکن نذر کے حکم میں وہ بھی نہیں ہوتی۔ اس ہی طرح دوسرا
قول بھی غلط ہے۔ فقط والله تعالى اعلم

(۱۷ جنوری ۱۹۵۳ء)

محمد منظر اللہ غفر لہ

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۶۱) زید نے دو بکرے خرید کر قربانی کی، قربانی کے بعد معلوم ہوا کہ یہ بکرے قصائی نے چرا کر فروخت کئے تھے۔ ایسے بکروں کا گوشت کھانا حلال ہے یا حرام، اور ان کی کھالیں تصرف میں لائی جاسکتی ہیں یا نہیں۔
بینوا و توہروا۔
مستفتی

صوفی عبدالصمد چشتی صاحب ری
بلند شہر (بھارت)

الجواب

سرقہ کا مال کھانا جائز نہیں مگر جب کہ معلوم ہو کہ یہ مال سرقہ کا ہے اس لئے جنہوں نے اس کا گوشت کھایا ہے ان پر کچھ گناہ نہیں ہاں اگر کھال فروخت کر کے صرف میں نہ لائی گئی ہو تو اس کو صرف میں نہ لانا چاہیے۔ مالکوں کو دینا مستعذر ہو تو کسی فقیر کو دے دیں۔ فقط وہو اعلم

محمد رضا عسکری (۲۱)

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(۱۳ فروری ۱۹۶۶ء)

زکوٰۃ

(سوال نمبر ۶۲) (۱) جو رقم ادھار میں پھیلی ہوئی ہے، اگر دو یا تین سال میں قسط وار یا ایک مشنت وصول ہوتی ہے تو اس کی زکوٰۃ صرف ایک سال کی فرض ہوگی یا پورے عرصہ کی؟
(۲) سال کے اختتام پر چھٹا بنانے وقت کیا ادھار میں پھنسی ہوئی رقم کی بھی زکوٰۃ دینی چاہیے؟

مستفتی

عاجی عبدالخالق - سکھر

(۵ مئی ۱۹۵۶ء)

الجواب

(۱) پچھلے سالوں کی بھی زکوٰۃ دینی لازم ہے۔

(۲) ایسی رقم پر زکوٰۃ تو ہے لیکن دینی جبٹ جب ہوگی جب وصول ہو جائے اور پہلے ہی دے دی جائے تو یہ جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد رضا عسکری (۲۱)

(سوال نمبر ۶۳) میں ایک صاحب نصاب شخص ہوں، میں نے اپنے ایک عزیز کو جو صاحب جائداد ہونے کے باوجود ایک ہوزی مرض کی وجہ سے تنگ دست ہو گیا ہے۔ ماہانہ وظیفہ مقرر کر رکھا ہے، آیا وظیفہ کی یہ رقم زکوٰۃ کی جگہ مستور ہو سکتی ہے؟ اگر نہیں تو کیا آئندہ ان کو یہ وظیفہ بطور زکوٰۃ دے سکتا ہوں۔ عزیز موصوف زمین دار ہیں اور ایک رہنے کا مکان ہے۔

الجواب

جو کچھ اس وقت تک دیا جا چکا ہے وہ تو بہر حال زکوٰۃ میں ادا نہیں ہوا۔ ہاں اگر ان صاحب کے پاس رہنے کے مکان کے سوا کوئی دوسرا مکان نہیں نہ کوئی اور دوسری وجہ ایسی پائی جاتی ہے جو ادائے زکوٰۃ کی مانع نہ ہو تو آئندہ ان کو آپ زکوٰۃ دے سکتے ہیں خواہ ماہانہ دیں یا کسی دوسرے طریق سے۔ زمین کی آمدنی جب اتنی بھی نہیں کہ ان کو روزمرہ کو کافی ہو تو ان کو زکوٰۃ دینے میں مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عقیل اللہ
لاہور

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۶۴) زکوٰۃ سال گزرنے پر ہی دی جانی چاہیے یا ماہ بہ ماہ بھی دے سکتے ہیں۔ ایک صاحب نصاب شخص نے جس کے مال پر ابھی سال نہیں گزرا ہے اپنے ایک عزیز کو ایک تقریب کے سلسلے میں کچھ دیا ہے اور دل میں یہ تصور کر لیا کہ جب زکوٰۃ ادا کروں گا تو یہ رقم اس میں محسوب کر لوں گا۔ کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔

مستفتی

فضل احمد - دہلی

الجواب

زکوٰۃ واجب تو جب ہی ہوتی ہے، جب مال پر سال گزر جائے لیکن اس سے قبل زکوٰۃ کی نیت سے اگر دیا جائے تو جب بھی زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔ فقط

محمد عقیل اللہ
لاہور

جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۶۵) ایک جگہ مال زکوٰۃ اور مال حبہ جمع کر کے رکھ لیا گیا ہے۔ اس مال سے کوئی جائداد یا تجارت کے حصے (شیئرز) خرید کر اس کا منافع غرباء و مساکین پر تقسیم کیا جا سکتا ہے یا نہیں اور اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جائیگی یا نہیں۔ بیخواب و توجروا۔

الجواب

مالِ زکوٰۃ پر تملیک شرط ہے پس اس مال سے ایسی جائیداد کی بنا جائز نہیں (لیجوس بالذکر کاتہ کل ما لا تملیک فیہ - کذا فی العالمگیری ملتقطاً - رہا مال حبہ سوا اگر محبوب لہ کا اس پر قبضہ نہیں ہوا تو ابھی یہ مال واپس لیا ہے وہ جو چاہے اس میں تصرف کرے اور اگر یہ تمام ہو چکا تو یہ مال محبوب لہ کا ہے، دوسرے کو اس میں تصرف جائز نہیں مگر اس کی اجازت سے - فقط

عمرہ محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری دہلی

صدقات

(سوال نمبر ۶۶) کیا دولت مند عربی کو صدقہ دیا جاسکتا ہے؟

مستفتی
فضل احمد - دہلی

الجواب

اللہ تعالیٰ کے نام پر مال دینا صدقہ ہے اور صدقات دولت مند عربی کو دینا جائز نہیں - فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

دستبر

هوالموفق

ہر دو جواب صحیح ہیں بیشک ان نجی بیت المالوں میں اموال زکوٰۃ وغیرہ صدقات دینا جائز نہیں جس کے دو باجوئے بالا میں تفصیل کے ساتھ ذکر کئے جا چکے ہیں من جہد ان کے ایک وجہ ناجائز ہونے کی یہ بھی ہے کہ بیت المال کے اموال کئی قسم کے ہوتے ہیں جن کے مصارف علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں لیکن کارکنان بیت المال اس کی اصلاح پر لگائے

۱۔ اصل سوال کا جواب اقل مولوی محمد جمیل الرحمن (ناٹب مفتی دارالعلوم دہلی) نے دیا ہے جس پر مفتی داتا گیلانی کے علاوہ حضرت علیہ الرحمہ کی یہ تصدیق تحریر ہے -

کرتے جس کی وجہ سے اغلب یہی ہے کہ زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ہے۔ فقہاء تو امام المسلمین کو ہی اس کی ہدایت کرتے ہیں کہ اس پر واجب ہے کہ چار بیت المال بنائے اور ہر قسم کے مال کے لئے علیحدہ مقام رکھے اس لئے کہ ہر قسم کے مال کا جدا حکم ہے جو اس کے ساتھ مختص ہے۔ دوسرا مال اس میں شریک نہیں ہو سکتا، کذا فی العالمگیری ترجمہ۔ نیز اس ہی میں ہے کہ امام پر واجب ہے کہ مال کو مستحقین سے روک نہ رکھے اگر ایسا کرے گا تو اس کا وبال اس کی گردن پر ہوگا۔ انتہی ترجمہ۔ غرض مسلمانوں کو صدقات واجبہ کی ادائیگی میں نہایت احتیاط درکار ہے لہذا تو بعض لوگ پوری طرح رکھتے ہی نہیں پھر اگر اس طرح زکوٰۃ نکالنی شروع کی تو مستحقین کے محروم رہنے کے علاوہ یہ بھی امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ ادا بھی ہوئی یا نہیں۔ پس ماں کو ان سخت وعیدوں سے ڈرنا چاہیے جو نصوص قطعہ میں زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر وارد ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عسکری
مسجد جامع فتحپوری دہلی

قسم

(سوال نمبر ۶۸) تقریباً تیس دہائیوں نے قرآن شریف کو سامنے رکھ کر اور اللہ کو حاضر و ناظر سمجھ کر ایک بات کے لئے قسم کھائی۔ مگر وہ پوری نہیں ہوئی۔ شرعاً اس کا کیا کفارہ ہے۔ بدینوا و توجسوا

الجواب

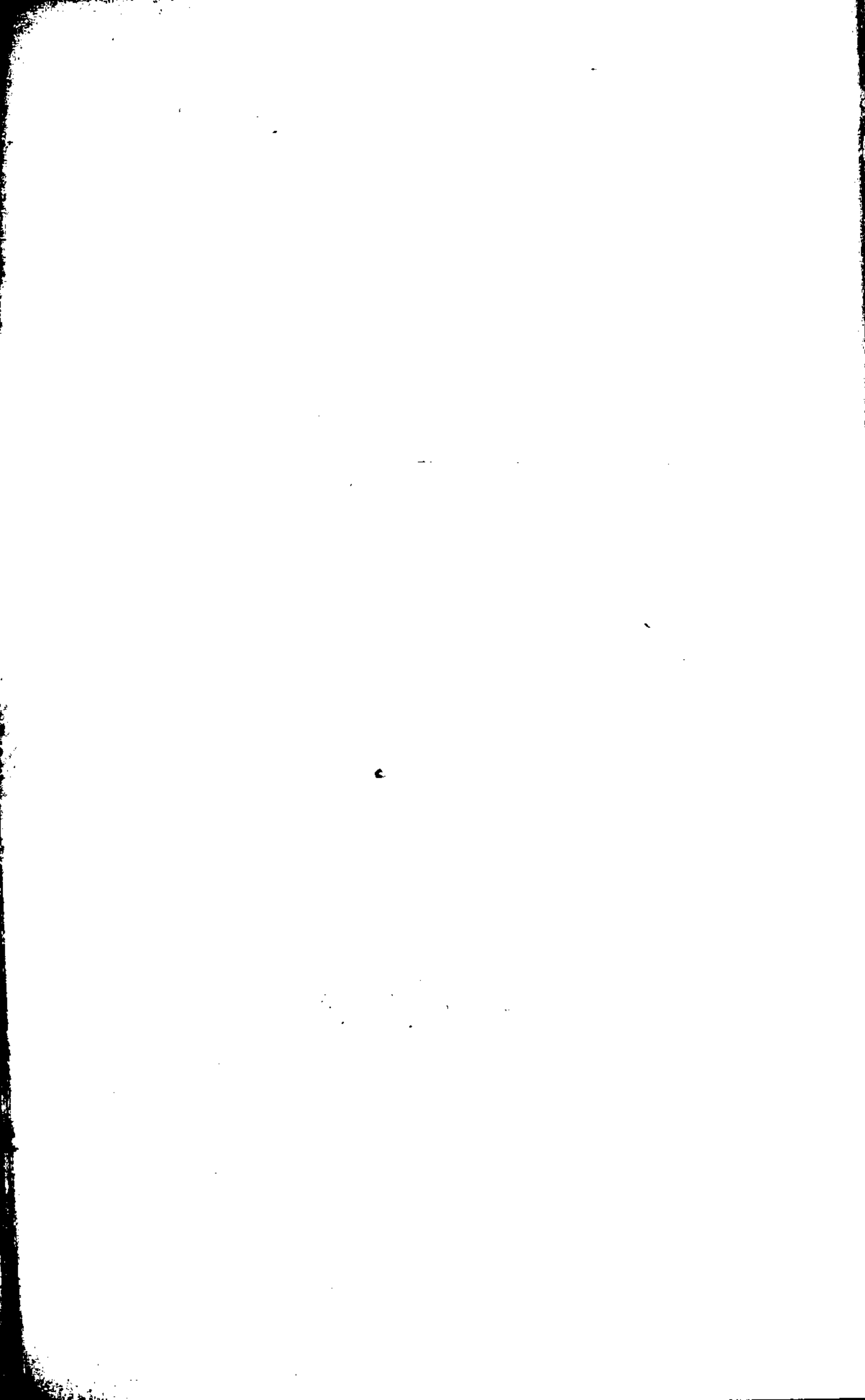
جس بات پر قسم کھائی تھی اگر اس کے خلاف کیا گیا ہے تو ہر ایک پر دس ساکین کا دو وقت کا کھانا کھلانا لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عسکری
مسجد جامع فتحپوری دہلی

تيسر الباب

1

معاملات
بين الزوجين



(سوال نمبر ۶۹) بسم الله الرحمن الرحيم۔ قال الله تعالى في القرآن المجيد والفرقان
المجيد ومن كل شيء خلقنا زوجين — فيا ايها الشيخ الاسلام اين الشمس لثاني؟
واين القمر الثاني؟ — واقول لكم امنت بالله وعلى قوله واعلم قوله ومن اصدق
من الله قيلاً۔ ولكن اسئل منكم لتفهيم ففهمني، دعوت شاكر لكم جدا فقط
العبد الضعيف

الجواب

اقول وبالله التوفيق ان الشمس والقمر فهما من زوجين قال الرازي في تفسير هذه
الاية والزوجان اما الضدان واما اللتساكلان فان كل شئ له شبيه ونظير وضد و
ند۔ وقال ابو السعوي نوعين ذكر او انثى وقيل متقابلين السماء والارض و
الليل والنهار والشمس والقمر والبر والبحر ونحو ذلك فقط والله بالصواب اعلم

محمد نظر محمد
الله

سبحان فتح پوری دہلی
(۵ نومبر ۱۹۵۹ء)

نکاح

(سوال نمبر ۷۰) کیا نکاح کے لئے زوجین کا ہم کفو ہونا شرط ضروری ہے۔ بینوا تو جبروا
مستفی

حافظ عبد یحییٰ (ملتان)

۱۹۴۹ء

الجواب

اکثر علماء کے نزدیک تو غیر کفو سے بلا اجازت ولی نکاح ہوتا ہی نہیں، عالمگیری میں ہے :-

المرأة اذا تزوجت من غير كف صح النكاح ولكن للاولياء حق الاعتراض

وروى الحسن عن ابي حنيفة رحمه الله تعالى ان النكاح لا ينعقد وبه اخذ

كثير من مشائخنا والمختار في زماننا للفتوى، واية الحسن وقال الشيخ

الامام شمس لائمة الخري، واية الحسن اقرب الى الاحتياط كذا في فتاوى

فاضل خان۔ فقط والله تعالى اعلم

محمد نظر محمد
الله

سبحان فتح پوری
دہلی

(سوال نمبر ۷۱) زید کی دو بیویاں ہیں۔ کریمہ اور سلیمہ۔ کریمہ کے بطن سے ایک لڑکا ہے اور سلیمہ کے بطن سے ایک لڑکی۔ سلیمہ نے اس لڑکی کے ساتھ اپنی پوتی کو دودھ پلایا ہے جو اس کے پہلے شوہر کے بیٹے سے پیدا ہوئی ہے اب اس سلیمہ کی پوتی کا جس کو اس نے دودھ پلایا ہے کریمہ کے لڑکے سے نکاح جائز ہے یا نہیں۔ — بدینوا بالبرہان، حکمہ الرحمٰن۔

الجواب

صوت مذکورہ میں سلیمہ کی پوتی کریمہ کے لڑکے کی رضاعی بہن ہے پس ان کے درمیان نکاح جائز نہیں۔ عالمگیری میں ہے۔
یحرم علی الرضیع ابواء من الرضاع و اصولهما و فروعهما من النسب الرضاع
جمیعا حتی ان المرضعة لو ولدت من هذا الرجل او غیره قبل هذا الازمان
او بعدہ او امرضعت، ضیعا او ولد لهذا الرجل من غیر هذه المرأة قبل هذا
الارضاع او بعدة او امرضعت من لبنه، ضیعا فالکل اخوة الرضیع و اخواته
انتہی فقط۔

محمد مظہر اللہ غفر لہ
امام مسجد مچھری

(سوال نمبر ۷۲)

- (۱) ہندہ ایک غیر مرد زید کے ساتھ بارادۃ نکاح اپنے والدین کے گھر سے فرار ہوئی، بعد میں ہندہ کے عزیزوں نے ان دونوں کا نکاح کر دیا۔ کیا یہ نکاح شرعاً جائز ہے؟
- (۲) ہندہ کے اس ناسزا فعل پر کیا شریعت میں کوئی سزا ہے؟
- (۳) اگر ہندہ کے والدین اس سے مقاطعہ کر لیں تو کیا یہ شرعاً جائز ہوگا۔

بدینوا و توجروا

الجواب

ہندہ اگر شادی شدہ نہ تھی تو یہ نکاح صحیح ہے، ہاں اگر زید یا اس کا غیر کفو ہے تو ہندہ کے والدین اس کا نکاح منع کر سکتے ہیں۔ اگرچہ شرعاً ہندہ کا غیر مرد کے ساتھ جانا حرام تھا، لیکن اس کے لئے دنیاوی کوئی سزا مقرر نہیں ہے اس لئے والدین کو اس کی اجازت ہے کہ وہ اس سے مقاطعہ کریں ہاں شریعت مطہرہ اور والدین کی نافرمانی اعلان کی جگہ عزت کی

وجہ سے آخرت میں اس سے مواخذہ ہوگا اس لئے اس پر لازم ہے کہ توبہ کرے اور جس طرح بن سکے الدین سے معافی حاصل کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عسکری
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۳۷) عبد الرحمن نے اپنے لڑکے کی نسبت واجد علی کی لڑکی سے کر دی، کچھ عرصہ بعد واجد علی کے بھائی محمد علی سے مذاقاً عبد الرحمن نے کوئی ایسی بات کہی جو ناگوار معلوم ہوئی، چنانچہ محمد علی نے اصرار کر کے یہ نسبت چھٹوادی کچھ عرصہ بعد محمد علی نے اپنی لڑکی کی نسبت عبد الرحمن مذکور کے بھائی عبد لیزاق کے لڑکے سے کر دی۔ دریں اثنا یہ دیکھ کر عبد الرحمن دوبارہ اپنے لڑکے کی شادی واجد علی کی لڑکی سے کرنے پر آمادہ ہو گیا مگر محمد علی کو یہ بات ہرگز پسند نہیں۔ صوت مذکورہ میں کیا کرنا چاہیے۔ بدینوا و توجروا

الجواب

جب لڑکا اور لڑکی کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے جس کی وجہ سے شرعاً نکاح ہو سکتا ہے تو ہر شخص کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے لڑکے کا دوسرے کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے یہ آپس کی خواہ مخواہ ضد ہے جس کا کچھ اعتبار نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عسکری
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۳۸) ہندو عرصہ اٹھارہ سال سے زید کے نکاح میں ہے، چار سال ہوئے کہ زید اپنا بیچ ہو گیا ہے اور اس کی گزیر بھریاتی روٹیل پر ہونے لگی جو ہندو کے لئے نہایت تکلیف دہ ہے زید سے طلاق کے لئے کہا گیا تو وہ راضی نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں ہندو دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

جب تک ہندو زید سے طلاق حاصل نہ کرے گی اس کو دوسرے شخص سے نکاح جائز نہیں فقط

محمد منظر اللہ عسکری
امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۳۹) زید اپنے سوتیلے دادا کی بیوہ کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں۔ واضح رہے کہ اس کے حقیقی دادا اور سوتیلے دادا کی صرف مائیں الگ الگ ہیں اور باپ ایک ہے بدینوا و توجروا۔

هوالموفق

مذکورہ نکاح صحیح ہے کہ ان کے درمیان کوئی حرمت کی وجہ نہیں۔ فقط

محمد منظر اللہ غفرلہ صل
امام مسجد فتحپوری د

(سوال نمبر ۷۶)

(۱) زیادہ ہندہ کے والدین نے ان دونوں کا نکاح اس وقت کیا جب زید کی عمر سترہ سال تھی اور ہندہ کی چودہ سال۔ مہر ایک ہزار عندالطلب باندھا گیا لیکن نکاح کے بعد خصت نہیں کیا، کچھ عرصہ بعد زید نے ایک دوسری عورت سے نکاح کر لیا تو اب ہندہ پڑھا وادے کر اور مہر معاف کر کے اس سے طلاق لینا چاہتی ہے مگر وہ نہیں چھوڑتا، اس صورت میں کیا ہندہ اپنا مہر لینے کی مجاز ہے۔

(۲) لڑکا اور لڑکی شرعاً کس عمر میں بالغ ہوتے ہیں اور اس کی کیا علامات ہیں۔

(۳) لڑکا اور لڑکی کے نابالغ ہونے کی صورت میں ان کے والدین اپنی ولایت میں جو نکاح کر دیتے ہیں، کیا بعد بلوغ وہ اپنا نکاح شرعاً فسخ کر سکتے ہیں؟

الجواب

(۱) نابالغہ کا باپ اگر اس کا نکاح کر دے تو بعد بلوغ اس کو فسخ کا اختیار نہیں رہتا پس یہ نکاح تو لازم ہو چکا البتہ چوں کہ مہر عندالطلب ہے ہندہ ہندہ جس وقت چاہے اس کو وصول کر سکتی ہے مگر نصف لے گی ابھی وہ زید کے پاس پہنچائی نہیں گئی۔

(۲) لڑکے کو جب احتلام ہونے لگے یا وہ عورت کو حاملہ کر دے تو اس کو بالغ کہیں گے اور لڑکی کو جب حیض آئے لگے یا حاملہ ہو جاوے تو اس وقت بالغ کہا جائے گا اور پندرہ سال کا لڑکا لڑکی بہر حال بالغ کہا جاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر اللہ غفرلہ صل
امام مسجد فتحپوری د

(سوال نمبر ۷۷)

(۱) ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ ہوا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ نامرد ہے ایسی صورت میں نکاح ہوا یا نہیں۔

(۲) زید کی نامردی کے متعلق جب معلوم ہوا تو ہندہ کے والدین نے اس کو اپنے گھر بلا لیا کیوں کہ سسرال میں اس کو دوسری تکالیف بھی تھیں۔ کچھ عرصہ بعد زید کے والد نے کہا کہ زید کا علاج کر لیا گیا ہے چنانچہ

ہندہ کو پھر بیچ دیا گیا مگر وہاں وہی بات نکلی، اس مرتبہ ہندہ کو اس کی سسہاں میں جبراً روک لیا گیا جس پر قانونی چارہ جوئی کی گئی اور از روئے عدالت یہ ثابت ہونے پر کہ زید نامزد ہونے ہندہ کو والدین کے سپرد کر دیا گیا۔ عرصہ تین سال سے وہ اپنے والدین کے ہاں ہے۔ شادی کے وقت زید نے یہ لکھ کر دیا تھا کہ وہ ہندہ کو مبلغ ۱۰ روپے ماہانہ دیتا رہے گا کیا ہندہ اپنے والدین کے ہاں رہتے ہوئے گزشتہ تین سال کی رقم زید سے وصول کرنے کی مجاز ہے؟

(۳) ہندہ کے والدین چوں کہ غریب ہیں اور اس کا بار نہیں اٹھا سکتے اس لئے انہوں نے زید سے کہا کہ طلاق دے دے گزشتہ تین سال سے ایسی صورت میں کیا لڑکی کا عقد ثانی کیا جاسکتا ہے؟

(۴) زید طلاق کے عوض ایک معقول رقم کا خواہاں ہے، کیا وہ ایسا کرنے میں حق بجانب ہے؟

(۵) طلاق کی صورت میں کیا ہندہ مقررہ زہر لے سکتی ہے؟

(۶) ایسی صورت میں جب کہ ہندہ عرصہ تین سال سے والدین کے گھر ہے بصورت طلاق اس پر عدت کی پابندی عائد ہوگی یا نہیں؟ اور ہوگی تو کتنی مدت؟

مستفتی

قاضی حسام الدین

الود - راجپوتانہ

الجواب

نکاح تو ہو گیا البتہ لڑکی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ قواعد شرعیہ کے تحت کسی حاکم مسلم کی عدالت سے نسخ نکاح کا حکم حاصل کرے پھر بعد انفقائے عدت دوسرے شخص سے نکاح کر سکے گی۔ لڑکے والوں کا طلاق پر کچھ طلب کرنا ان کی زیادتی ہے بلکہ خود ان کے ذمہ لڑکی کا پورا بہرہ واجب الادا ہے البتہ اگر لڑکی بہر کے بدلے طلع کرنے پر آمادہ ہو تو اس میں مضائقہ نہیں، رہا نفقہ گزشتہ تین سال کا تو اگر واقعی لڑکے کی جانب سے زیادتی تھی یا وہ بلا کر رکھنا ہی نہ چاہتا تھا تب تو حسب تہریر لڑکی پھپھلا نفقہ لے سکتی ہے ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

منظر عقداً
محمد ہاشم

جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۷) ایک بہن کے ہاں لڑکا ہوا اور دوسری بہن کے ہاں لڑکی۔ دوسری بہن نے ایک روز غلطی سے اپنی بہن کے لڑکے کو دودھ پلا دیا۔ کچھ عرصہ بعد اس لڑکے کی دودھ شرمیک بہن فوت ہو گئی۔ دوسری بہن کے ہاں ایک اور لڑکی ہوئی اب یہ بہن چاہتی ہے کہ اس کا نکاح اپنی چھوٹی بہن کے لڑکے سے کر دے جس کو اس نے غلطی سے دودھ پلایا تھا کیا یہ نکاح شرعاً ہو سکتا ہے۔

مستفتی

فضل احمد - دہلی

الجواب

ہیں ان دونوں کے درمیان نہیں ہو سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی

جامع منچپوری دہلی

(سوال نمبر ۷۹) ہندہ کو جبراً چار پانچ آدمی اٹھا کر لے گئے اور ایک کمرے میں بند کر کے اس کو زبرد سے نکاح کرنے پر مجبور کیا جب وہ راضی نہ ہوئی تو اس کو زد و کوب کیا اور آلات قتل سے اس کو ڈرایا۔ خوف زدہ ہو کر اس نے کہا قبول قبول۔ اس معاملے کو جب ایک انجمن کے سامنے رکھا تو اس نے ایک مولوی صاحب کو حکم مقرر کیا انہوں نے اس نکاح کو رد کر دیا۔ بعد یہ مقدمہ عدالت میں پیش کیا گیا حاکم قتل نے بھی خارج کر دیا۔ کیا یہ نکاح جس کی تفصیل اوپر عرض کی گئی شرعاً ہو گیا یا نہیں؟ بینوا و توجروا

الجواب هو الموفق للصواب

وہ متعدد اس کے مقتضی ہیں کہ یہ فیصلہ مولوی صاحب، صرف کا اور حاکم مجاز کا قابل نفاذ ہے، اب دوسرا حاکم اس کو نہیں توڑ سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حرمہ محمد منظر عظیمی

امام مسجد منچپوری دہلی

(سوال نمبر ۸۰) اگر مطلقہ عورت طلاق کے دس بیس دن بعد دوسرا نکاح کر لے تو یہ نکاح شرعاً جائز ہوگا یا نہیں جس مرد سے نکاح ہوا ہے اس پر اس عورت کا کوئی حق ہے یا نہیں۔ نیز اس سے جو اولاد ہوگی وہ حرام ہوگی یا حلال۔ بینوا و توجروا۔

الجواب هو الموفق للصواب

طلاق بائنہ کی عدت میں کسی شخص کو اس عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں پس یہ نکاح دوسرا جائز نہیں ہے لہذا تفریق کرادی جائے ان کے مابین۔ عورت پر کوئی حق اس دوسرے شخص کا نہیں۔ اگر تفریق نہ کرائی جائے گی تو جو اولاد ہوگی وہ حرام متصور ہوگی۔ فقط

حرمہ محمد منظر عظیمی

امام مسجد منچپوری دہلی

(سوال نمبر ۸۱) میرا نکاح ایک شخص زید کے ساتھ ہوا، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مسلک شیعہ ہے جب کہ میں سنی ہوں۔ ایسی حالت میں نکاح درست ہوا یا نہیں، اگر نہیں تو انفساخ نکاح کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ بینوا و توجروا

مستفتی
ایک سائلہ

الجواب

شیعوں میں بہت سے ایسے امور پائے جاتے ہیں جو موجب کفر ہیں اگرچہ ان میں بعض امور ایسے بھی ہیں جن کے کفر ہونے میں علماء کا اختلاف ہے لیکن دو امر تو ایسے شدید ہیں کہ جو باجماع کفر ہیں ایک قرآن عظیم کو ناقص بلانا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ بعض صحابہ نے ان کلمات یا آیات کو قرآن کریم سے نکالا ہے جن میں اہل بیت اطہا کی فضیلت کا ذکر تھا، دوسرے ائمہ اطہار کو انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دینا، چنانچہ ان کے مجتہدین کے اس باب میں فتاویٰ موجود ہیں، پس اگر سائلہ کے خاوند میں ان دونوں امور میں سے کوئی امر ثابت ہے تب تو یہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں کہ ایسی حالت میں وہ مرتد ہے اور مرتد سے کسی کا نکاح صحیح نہیں اور اگر یہ امور ثابت نہ ہوں تو پھر نیکٹ انفساخ نکاح، ۱۹۳۹ء کے تحت کسی مسلم حاکم سے اس نکاح کو فسخ کرایا جاسکتا ہے۔ بعد انفساخ نکاح عدت پوری کر کے دوسرے شخص سے کر سکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر عسکری
مسجد جامع فتحپوری دہلی

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۸۲) ایک غالی شیعہ عورت نے اپنی خواہش اور اپنے والدین کے ایما پر یہ طے کیا ہے کہ وہ ایک سکھ مرد سے اس طور پر نکاح کرے کہ پہلے سکھ مذہب کے عقائد کے مطابق گرنہی نکاح پڑھائے اور اس کے بعد مجتہد نکاح پڑھائے۔ کیا یہ فعل ارتدادی حد تک نہیں پہنچتا؟ جو لوگ اس نکاح میں شریک ہوں ان کے لئے شریعت میں کیا حکم ہے بینوا و توجروا۔

مستفتی

نواب خسرو مرزا - دہلی

(۱۳ اکتوبر ۱۹۶۳ء)

الجواب

غالی شیعہ خود اپنے ہی بعض عقائد کی وجہ سے کافر ہیں کجا کہ ایسے شدید قطعی حرام فعل میں ان کے ساتھ شرکت! اگر اس کو بہتر جان کر شرکت کی تو بیشک مسلمان کافر ہو جائے گا اور اس کے تمام اعمال غارت ہو جائیں گے ورنہ سخت گنہگار ہونے میں تو شک ہی نہیں۔ مولیٰ تعالیٰ مسلمان کو اس فعل شنیع سے محفوظ رکھے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد مظہر عظیمی
مدرسہ اسلامیہ

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(۱۴ اکتوبر ۱۹۶۳ء)

(سوال نمبر ۸۳) زید کہتا ہے کہ مسلمان زانی اور زانیہ کا نکاح سوائے زانی یا زانیہ اور مشرک و مشرکہ سے کسی مسلمان سے جائز نہیں جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے الزانی الا ینکح الا نرا ان الایۃ لیکن عمر کہتا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے اور زانی و زانیہ کا نکاح مسلم یا مسلمہ سے ہو سکتا ہے، کیا عمر حق پر ہے؟ بدینہ اور توجہ وا۔

الجواب

عمر کا قول صحیح ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت کریمہ وانکحوا لایامی منکم سے منسوخ ہے یا یہ حکم فقراء مہاجرین کے لئے خاص ہے۔ بہر حال اس پر اجماع ہے کہ زانی و زانیہ کا نکاح صلحائے امت سے جائز ہے چنانچہ جلالین میں ہے :-

فقیل التحريم خاص بهم وقيل عام ونسخه بقوله تعالى وانكحوا لایامی منکم۔

اس کے علاوہ مفسرین نے اور بھی توجیہات کی ہیں جس کے لئے مکتب تفاسیر ملاحظہ کریں۔ فقط واللہ اعلم

محمد مظہر عظیمی
مدرسہ اسلامیہ

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۸۴)

(۱) زید نے اپنے انتقال کے بعد ایک بیٹا دو بیٹیاں اور ایک بیوہ چھوڑی ہے، لڑکیوں کا شرعی ولی کون ہوگا؟
(۲) بالغ لڑکی کو اپنے نکاح کے سلسلے میں ولی کی اجازت کی ضرورت ہے یا نہیں، اگر بغیر اجازت ولی اس لڑکی کا نکاح کسی غیر برادری میں کر دیا جائے تو یہ جائز ہوگا؟

مستفتی

مسلم احمد - دہلی

الجواب

بالغ لڑکی کا ولی اس کا بھائی ہے اگر اس نے بھائی کے خلاف اپنے کفو میں اور اپنے پورے گھر کے ساتھ

نکاح کر لیا ہے تو نکاح ہو جائیگا ورنہ بھائی کو اختیار ہوگا کہ وہ اس نکاح کو حاکم مسلم سے فسخ کرالے۔ فقط واللہ اعلم

محمد منظر عقیل
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۸۵) ہنڈ کا نکاح زید سے ہوا، زید نے چند سال بعد دوسری شادی کر لی اور ہنڈ کو ۱۶ سال قبل تحریری طلاق نامہ سے دیا، کیا وہ دوسری شادی کر سکتی ہے۔ بینوا و توجرا

الجواب

اگر مسماۃ کے شوہر نے اسے طلاق دے دی ہے تو دوسرے شخص سے اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ

اعلم۔

محمد منظر عقیل
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۸۶) دو بہنیں ہیں جن میں ایک بالغہ ہے اور دوسری نابالغہ۔ ایک ہی گاؤں میں دونوں کی شادی ہوئی۔ نابالغہ لڑکی کے خاوند نے بالغہ لڑکی کو بہکا کر اپنے گھر میں رکھ لیا اور اس کے بطن سے ایک بچہ بھی ہو گیا۔ نابالغہ کا شوہر اپنی بیوی کو طلاق دے کر اس کو رکھنا چاہتا ہے از روئے شرع اس کے لئے کیا حکم ہے۔ بینوا و توجرا

الجواب

پہلے بڑی کو اس کے خاوند کے ہاں چھوڑے کہ وہ اس کو طلاق دے پھر اپنی بیوی کو طلاق دے۔ اس کے بعد جب دونوں کی عدت گزر جائے تو بڑی سے نکاح کر سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عقیل
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۸۷) ہنڈ کے خاوند کو لاپتہ ہوئے تقریباً چار سال کا عرصہ گزر چکا ہے، جب عدالت سے رجوع کیا گیا تو اس نے نکاح ثانی کا فیصلہ دے دیا۔ کیا شرعاً ہنڈ صورت مذکور میں نکاح ثانی کر سکتی ہے۔ بینوا و توجرا

مستفتی

جمیلہ خاتون - یکم جولائی ۱۹۶۶ء

الجواب

احناف کے نزدیک تو یہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح نہیں کر سکتی، البتہ امام مالک کے مذہب کی رو سے ان کی شرائط کے موافق اگر کسی مسلمان حاکم نے فیصلہ کیا تو اسے اختیار ہے کہ عدت گزار کر وہ دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عطار
مسجد جامع فتحپوری دہلی

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۸۸) ایک شخص نے اپنی لڑکی کی نسبت ایک لڑکے کے ساتھ طے کر لی مگر لڑکی دوسری جگہ شادی کرنا چاہتی ہے، کیا شخص مذکور دوسری جگہ نکاح کر سکتا ہے اس میں شرعاً تو کوئی قباحت نہیں۔ بیسوا و توجروا

الجواب

بلاوجہ کرے گا تو خلاف عہد کا مواخذہ ہوگا لیکن اگر نکاح کر دے گا تو شرعاً صحیح ہو جائیگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عطار
مسجد جامع فتحپوری دہلی

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۸۹) شرعاً نکاح کس عمر تک جائز ہے؟۔ بیسوا و توجروا۔

الجواب

شرعاً نکاح کو زوجین کی کسی عمر کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا، مسلمان مختار ہے جس عمر میں چاہے اپنے مصالح کو دیکھتے ہوئے نکاح کر سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عطار
مسجد جامع فتحپوری دہلی

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(۱۲ مارچ ۱۹۵۶ء)

(سوال نمبر ۹۰) ہندہ کی شادی ایک شخص زید سے ہوئی، کچھ عرصہ بعد ہندہ اپنے والدین کے گھر آگئی ایک عرصہ تک خاوند لینے نہیں آیا جب ہندہ کے والدین نے اس سے لے جانے کے لئے کہا تو اس نے جو ابا کہا میں نے ہندہ کو چھوڑ دیا۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد ہندہ کا نکاح ثانی کر دیا گیا کیا شرعاً یہ جائز ہے۔

بیسوا و توجروا

الجواب

سائل سے معلوم ہوا کہ یہ قصبہ میوات کا ہے اور میوات میں بھی بیوی کو چھوڑ دیا کہنا طلاق میں مستعارف ہے چنانچہ ہندہ کے والدین کا ہندہ کے خاوند سے یہ الفاظ سن کر طلاق پر مطمئن ہونا اور ہندہ کا نکاح کر دینا اور اس پر پہلے خاوند کا خاموش رہنا صریح دلیل ہے۔ پس پہلے خاوند سے تو طلاق ہو گئی اور عدت گزرنے پر دوسرا نکاح کیا ہے تو وہ بھی صحیح ہے۔ البتہ اگر عدت گزرنے سے پیشتر دوسرا نکاح ہوا ہے تو یہ نکاح، نکاح صحیح نہیں فاسد ہے، یہ شخص اس کو جدا کرے اس کے بعد اگر عورت رضا مند ہو تو اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عظیم الدین
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۹۱) ہندہ کا خاوند چار سال سے دیوانہ ہے جو نہ اس کی نفسانی خواہش کی تکمیل کر سکتا ہے اور نہ اخراجات بڑاشت کر سکتا ہے۔ کیا اس صورت میں ہندہ کا نکاح ثانی کیا جاسکتا ہے۔ بینوا و توجروا

الجواب

اگر حقیقت میں اس عورت کا خاوند چار سال سے دیوانہ ہے تو اس کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی حاکم مسلم مجاز سے نسخ نکاح کا حکم حاصل کرے اس کے بعد عدت گزار کر دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے۔ اگر مسلم حاکم نہ ہو تو غیر مسلم حاکم کسی باوقار کے سپرد کر دے وہ جو فیصلہ کرے حاکم اس فیصلہ کو نافذ کر دے۔ فقط

محمد عظیم الدین
مسجد جامع فتح پوری دہلی

(سوال نمبر ۹۲) ہندہ کا نیک سے نکاح ہوا مگر ہندہ اس کے گھر نہیں گئی اور نہ زید سے خلوت صحیحہ کی کوئی صورت پیدا ہوئی، ان حالات میں اگر زید اس کو طلاق دے دے یا زید کا انتقال ہو جائے تو عدت و مہر وغیرہ کے معاملے میں شریعت کا کیا حکم ہے۔ بینوا و توجروا۔

مستفتی

شیخ بندو (شکار پور ضلع بلند شہر)

الجواب

خلوت صحیحہ سے قبل اگر طلاق دی گئی تو عورت پر عدت نہیں لیکن اگر خاوند کا انتقال ہو گیا تو اس پر عدت

ہے، طلاق کی صورت میں عورت نصف مہر کی مستحق ہوگی اور موت کی صورت میں پورے مہر کی۔ فقط

محمد مظہر عسکری
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۱۷ نومبر ۱۹۵۹ء)

(سوال نمبر ۹۳) ہندو کے زید سے ناجائز تعلقات قائم ہوئے اور ہندو کو حمل قرار پا گیا۔ اس حالت میں دونوں کا نکاح کر دیا گیا اور ان کے ہاں اولاد ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد ہندو کے والد نے ہندو کو اپنے گھر ٹھہرایا اور ایک سال بعد عدالت سے اس کا نکاح اول فسخ کر کے کسی دوسرے شخص سے نکاح ثانی کر دیا اس کے بعد پہلے خاوند نے طلاق دے دی اس وقت ہندو حمل سے تھی۔ کیا شرعاً نکاح ثانی صحیح ہے اور کیا ہندو پر عدت لازم تھی بینوا و توجروا

الجواب

اگر شرعاً فسخ نکاح کی کوئی وجہ نہ پائی جاتی تھی جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے تو خواہ فسخ کرالیا گیا ہو یا نہ کرایا گیا ہو پھر صورت دوسرا نکاح صحیح نہیں۔ اب جب کہ اصل خاوند نے اس کو طلاق دے دی تو عدت لازم ہے، بچہ پیدا ہونے پر عدت پوری ہوگی اس کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کر سکے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر عسکری
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۵ نومبر ۱۹۵۹ء)

(سوال نمبر ۹۴) کیا ماموں کے ماموں یعنی نانی کے بھائی کی لڑکی سے نکاح جائز ہے؟

مستفتی
فیض محمد — دہلی

الجواب

ہاں نانی کے بھائی کی لڑکی سے نکاح جائز ہے کہ یہ اس کی محرمات میں داخل نہیں ہے، محرمات نسبتیہ صرف اصول و فروع یا اصل قریب کے فروع اور اصل بعید کے صلیبیہ ہوتی ہے، شرح وقایہ میں ہے:-

وحریم اصلہ و فرعہ و فرع اصلہ القریب و صلیبیۃ اصلہ البعید

محمد مظہر عسکری
مسجد جامع فتحپوری دہلی

طلاق و عدت

(سوال نمبر ۹۵) زید کے حسب ذیل اقوال کی روشنی میں اس پر کفر عائد ہوتا ہے یا نہیں اس کی بیوی اس کے نکاح سے خارج ہوگئی یا نہیں اور اس کی قسم مندرجہ ذیل اقوال میں قابل قبول ہوگی یا نہیں؟

اقوال زید

- (۱) خدا نے سب کو پیدا فرمایا، اس کو کس نے پیدا کیا، اس کو پیدا کرنے والا کوئی ضرور ہوگا؟
- (۲) اگر دل نے گواہی دی تو میں عیسویت یا دہریت وغیرہ اختیار کر لوں گا۔
- (۳) نماز کیا چیز ہے اس کے پڑھنے سے کیا حاصل ہوگا، نماز کوئی چیز نہیں اگر من دو من لکڑیاں چیریں تو ذخیرہ سا منے ہوتا ہے، نماز سے کیا حاصل ہوگا۔
- (۴) ایک مرتبہ اپنے ہمسایہ کی تدفین میں شریک ہوا۔ بعد دفن قبر پر دو گھنٹے بیٹھا ہا اور پھر کہا نکیرین کی آمد اور بیت کے سوال و جواب کے متعلق کوئی علامت میرے علم میں نہیں آئی، میں نے اپنے والد صاحب سے بحث کی مگر وہ مجھ کو مطمئن نہ کر سکے۔

صفر المنظر ۱۳۷۵ھ
۲۹ ستمبر ۱۹۵۵ء

الجواب

حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خان صاحب نے امت فیوضہم کا جواب بالکل صحیح ہے، زید کے اقوال سے یقیناً ثابت ہے کہ وہ بعض ضروریات دینیہ پر اعتقادِ جازم نہیں رکھتا اور اس کو تصدیق فی جمیع ماجار بہ النبی عن اللہ حاصل نہیں جو حقیقتِ ایمان ہے لان معنی التصدیق قبول القلب اذ عانہ لما علم بالضرورت انہ من دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کما فی رد المحتار۔ پس اس پر تجدیدِ اسلام اور تجدیدِ نکاح (بشرطِ رضائے زوجہ) لازم ہے، زید کے ان اقوال پر یہ حکم کہ وہ ابھی اسلام پر قائم ہے تا وقتے کہ بعد تحقیق بھی اس کا شبہ نہ اٹل نہ ہو صحیح نہیں، شبہ کے ازالہ کا حکم تو بعد ارتداد و مرتد حاکم پر استحباً اس لئے ہے تاکہ وہ قتل سے بچ سکے اس کا یہ منشاء ہرگز نہیں کہ وہ ابھی مرتد نہیں ہوا چنانچہ تنویر میں ہے :-

من ارتد عن رض علیہ الاسلام استحباً ویکشف شبہة ویجلس ثلاثہ

۱۷۔ ان اقوال کے بارے میں پہلے زید کے والد کا جواب درج کیا گیا ہے پھر مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی کا جواب بصواب ہے اس کے بعد حضرت قدس سرہ کی تصدیق ہے جو جواب کی صورت میں یہاں پیش کی گئی ہے۔

ایمان استعمال فان اسلم والاقتل - فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عسکری
مسجد جامع فتح پوری دہلی

(سوال نمبر ۹۶)

- (۱) زید کی بیوی ہندہ کے ہاں ایک لڑکا ہوا لیکن زید نے عدالت میں یہ بیان دیا کہ یہ لڑکا اس کا نہیں ہے کیا زید کا یہ بیان تفریق زوجین کے لئے کافی ہے؟
- (۲) زید نے حمل کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دی کیا یہ طلاق واقع ہو گئی۔

مستفتی
فضل احمد - کراچی

الجواب

- (۱) کسی شخص کا اپنی عورت کے خلاف عدالت میں بیان دینا کہ اس کے پاس جو لڑکا ہے میرا نہیں ہے، یہ باعث تفریق زوجین نہیں ہوتا، ہاں اگر لعان کی صورت ہو تو پھر اس کا حکم اور ہے، سوال میں وہ صورت نہیں بتلائی گئی۔

(۲) حمل کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے کہ وہ وقوع طلاق کا مانع نہیں۔ فقط واللہ اعلم

محمد منظر عسکری
مسجد جامع فتح پوری دہلی
(۲۶ ستمبر ۱۹۵۳ء)

- (سوال نمبر ۹۷) پانچ سال ہوئے ہندہ کا شوہر پاکستان جا چکا ہے وہ اب ہندہ سے خط و کتابت کرتا ہے اور نہ اس کے نفقہ کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتا ہے ایسی صورت میں ہندہ کے لئے شریعت میں کیا حکم ہے

الجواب

سوائے طلاق حاصل کرنے کے ہندہ اپنے شوہر سے آزاد نہیں ہو سکتی۔ ہاں بعض ائمہ کے نزدیک اس کی رہائی کی ایک صورت ہے جس کی بنا پر قانون بنایا گیا ہے اور اس کے ماتحت نکاح منسوخ کئے جا رہے ہیں لیکن میرے نزدیک چوں کہ ان ائمہ کے مذہب پر عمل نہیں کیا جا رہا اس لئے میں اس پر فتویٰ نہیں دیتا۔ فقط واللہ اعلم

محمد منظر عسکری
مسجد جامع فتح پوری دہلی

(سوال نمبر ۹) میری اہلی میری والدہ کی آپس میں لڑائی ہو رہی تھی میرے خاوند باہر کھڑے سُن رہے تھے، وہ گھر میں آئے اور غصہ میں صرف یہ کہائیں نے طلاق دی، طلاق دی۔ ہم دونوں میں اس سے قبل رغبت کی کوئی صورت تھی اور نہ اب ہے۔ ایسی صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے۔

مستفتیہ
سعیدہ بیگم (دہلی)

الجواب

اگر سائلہ کے خاوند نے اس کو مخاطب کر کے طلاق نہیں دی نہ اس نے اس کو طلاق دینے کے ارادے سے یہ الفاظ کہے تو طلاق نہ ہوئی لعدم اضافة الطلاق الى الزوجة ورنہ جتنی مرتبہ طلاق دی ہے اتنی مرتبہ طلاق واقع ہو گئی، دو مرتبہ طلاق دی ہے تو عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے اور اس سے زائد دیں تو بلا حلالہ نکاح بھی نہیں کر سکتا۔ فقط والله تعالى اعلم

مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۶ نومبر ۱۹۵۹ء)

(سوال نمبر ۹۹) زید نے اپنی بیوی کو کہا کہ ”تو میری ماں بہن ہے“ یا ”ماں بہن جیسی ہے“ اور یہ بھی کہا کہ ”وہ حرام خور ہے، مجھے اس پر شک ہے“ تو ایسی حالت میں طلاق ہوئی یا نہیں۔ بدینوا توجروا۔

الجواب

اگر زید نے اپنی بیوی کو صرف ماں بہن ہی کہا ہے تب تو اس کا یہ کہنا لغو ہے اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی، البتہ اس نے برا کیا، آئندہ احتیاط رکھے لیکن اگر اس نے یوں کہا ہے کہ ”میرا ماں بہن جیسی ہے“ تو اس میں نیت دریافت کی جائے اگر یہ نیت ظہار اس طرح کہا ہے تو جب تک کفارہ ظہار ادا نہ کرے اس سے جماع بلکہ بوس و کنار بھی حرام ہے اور یہ بہ نیت طلاق کہا ہے تو عورت بائنہ ہو گئی جب تک تجدید نکاح نہ کرے اس سے ہم بستری ناجائز ہے اور اگر نہ یہ نیت ہے اور نہ وہ، تو نہ ظہار ہو نہ طلاق، درمختار میں ہے۔

وان نوى بانث على مثل امي او كذا الوحدف على خانيه، برا
او ظهار، او طلاقا صحت نيته ووقع ما نواه لانه كناية وان لا ينو
شيئا و حذف الكاف منها وتعين الاولى اي البريعنى الكراهة و
يكو قوله انت امي۔ انتهي

اگر شہید ہو گیا ہے۔

ان نوى الطلاق به وقع الطلاق البائن لان من الكنايات حوان
الظهار صحت فانه التشبيه باللام تشبيه بعضها مع زيادته -

اور شرع وقایہ میں ہے :-

ويحرم وطبها ودواعيه حتى يكفر - انتهى

اور کفارہ ظہار ہمارے زمانہ میں دو ماہ کے پے در پے روز رکھنے ہیں بشرطیکہ پہلی تاریخ سے روزہ رکھنا شروع کیا
ہو ورنہ ساٹھ روزے اور اس پر طاق نہ ہو نہ یہ امید ہے کہ زندگی اس کی طاقت میسر آئے گی تو بالغ مساکین کو
دونوں وقت بھر پیٹ کھانا کھلانا - فقط والله تعالى اعلم

محمد عظیم الدہلوی

مسجد جامع فتحپوری دہلی

نوٹ سندرجہ ذیل جواب طلاق کے بارے میں ایک فتوے کے جواب میں جو مسودے میں نقل نہیں کیا گیا،
مولانا محمد عرفان صاحب کے جواب کی توثیق ہے اور رفاقت حسین صاحب کا سنجیدہ رد ہے -
دہلی (فقیر کے نزدیک مولوی محمد عرفان صاحب کا جواب صحیح ہے، بیشک صورت مسئلہ میں جہاں بھی
طلاق کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس سے طلاق پر آمادگی ظاہر ہوتی ہے اس لئے کہ ہر مقام پر صیغہ مضارع
کا استعمال کیا گیا ہے اور وہ اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے ہرگز انشاء کے لئے موضوع نہیں بلکہ حقیقتہً
اس کی وضع مستقبل کے لئے ہے اور حال کے معنی کا بھی احتمال رکھتا ہے، پس اگر قرآن سے معلوم
ہو کہ قائل نے حال کے معنی میں استعمال کیا ہے تو حال کے معنی میں متعین ہو جاتا ہے چنانچہ عم الرائق
میں ہے :-

واما المضارع فانه وان كان حقيقة في الاستقبال الا انه يحتمل

الحال - انتهى

اور بعض نے اس کا عکس بھی بیان فرمایا ہے اور اس کو اصح کہا ہے لیکن ہر حال خواہ اس کے حقیقی معنی استقبال
کے لئے جائیں یا حال کے - انشاء کے معنی کے لئے ہرگز اس کی وضع نہیں اور گو صیغہ ماضی بھی واضح
لغت نے انشاء کے لئے نہیں وضع کیا لیکن شارع علیہ السلام نے اس کو انشاء کے لئے اختیار فرمایا ہے
کہ یہ تحقق و ثبوت پر وال ہوتا ہے نہ مستقبل و حال کو - اگر یوں کہتا کہ میں نے وی طلاق لکھوا لو تو یقیناً طلاق کا
حکم کیا جاتا لیکن اس نے تو بجائے ماضی کے مضارع کا صیغہ استعمال کیا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں کہ میں
طلاق دینا چاہتا ہوں تم طلاق نامہ لکھوا لو - اگرچہ بعض صورتوں میں مضارع کے صیغہ سے بھی طلاق واقع
ہو جاتی ہے مگر جب کہ حال کے معنی لینے پر قرینہ موجود ہو - غالباً مولانا رفاقت حسین صاحب علیہم السلام نے اس
کے اس قول سے کہ تم طلاق نامہ لکھوا لو وقوع طلاق کا شبہہ پڑا کہ رد الخیار وغیرہ میں یہ بڑی قیود ہیں کہ

ولو قال للكاتب اكتب بطلاق امرأتی کان اقراراً بالطلاق۔

سویکم جب ہے جب مضمون طلاق نامہ بھی بتلایا ہو اور یہاں اول تو استکتاب ہی نہیں استکتاب کی اجازت ہے
مہذا مضمون طلاق نامہ بھی نہیں بتلایا تو اس صورت میں وقوع طلاق کا حکم کیسے دیا جاسکتا ہے، چنانچہ ردالمحتار
میں اسی عبارت کے آگے تحریر ہے۔ ولو استکتب الخ۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ پہلا جزئیہ مقید ہے اس
مقید کے ساتھ کہ طلاق دینے والے نے مضمون طلاق نامہ بھی بتلایا ہو اور پھر اس کا بھی اقرار کرتا ہو کہ میری طرف
سے لکھا گیا ہے اور خود میں نے لکھوایا ہے تب طلاق کا حکم کیا جائے گا، یہاں ان امور میں سے کوئی بھی امر
نہیں پایا جاتا۔ غرض اس کلمہ سے صورت مذکورہ میں طلاق کے وقوع کا حکم تو نہیں دیا جاسکتا البتہ اس میں شک
نہیں کہ یہ نابکار اس قابل نہیں کہ یہ صالحہ اس کے نکاح میں رہے اس لئے بذریعہ حکومت مجاز جبراً اس
سے طلاق حاصل کی جائے۔ فقط والله تعالیٰ اعلم

محمد منظر عہدہ امام
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۰۱) زید نے اپنی بیوی سے کہا میں نے تجھے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی۔ کیا
شرعاً طلاق واقع ہوگئی۔ بدینوا و توجروا۔

الجواب

صورت مذکورہ میں طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اب بلا حلالہ یہ آپس میں نکاح بھی نہیں کر سکتے۔

محمد منظر عہدہ امام
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۰۲) زید نے اپنی بیوی ہندہ کے متعلق ایک اقرار نامہ تحریر کیا کہ :-

”اگر میں اپنی زوجہ کو شرعاً یا قانوناً کوئی ناجائز تکلیف دوں یا

اس سے تین ماہ تک بے خبر رہوں اور نان نفقہ کی خبر نہ لوں تو

میری زوجہ کو اختیار ہے کہ وہ تین ماہ گزر جانے کے بعد اپنے

اوپر تین طلاقیں ڈال لے مجھے کوئی عذر نہ ہوگا۔“

زید باوجود اس اقرار نامہ کے مسلسل خلاف ورزیاں کرتا رہا چنانچہ ہندہ ۹ ماہ سے اپنے والدین کے گھر ہے

مندرجہ بالا اقرار نامہ کی رو سے اس نے تین ماہ بعد اپنے اوپر تین طلاقیں ڈال لیں جس کو ۵ ماہ سے زیادہ عرصہ

گزر گیا، کیا اس صورت میں ہندہ دوسری جگہ عقد کر سکتی ہے۔

مستفتی
فضل احمد - کراچی
(۱۱ اگست ۱۹۵۳ء)

الجواب

صوت مذکورہ میں طلاق واقع ہوگئی، ہندہ نے جب اپنے اوپر طلاق کی ہے اگر اس کے بعد اس کو تین مہینے آپکے ہیں تو اس کی عدت بھی ختم ہوگئی اب وہ دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۰۳) زید کی شادی ہندہ سے ہوئی۔ ڈیڑھ سال بعد زید کے والد نے ہندہ سے ناجائز تعلقات پیدا کر لئے اور بوس و کنار شروع کر دیا جس پر اہل محلہ میں ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہیں، ایک چودہ سالہ لڑکی نے تو زید کے باپ کو ہندہ پر بیٹھے ہوئے بھی دیکھا ہے، ایسی صوت میں ہندہ، زید پر حرام ہوگئی یا نہیں۔ بیخوار و توجروا

الجواب

اگر یہ شخص بوس و کنار کرتا ہے اور لڑکی کے بیان کو تصدیق کیا جاتا ہے تو اس کے بیٹے پر اس کی بیوی حرام ہوگئی، اب اس کو چاہیے کہ اس کو علیحدہ کر دے، علیحدہ ہونے کے بعد عدت گزار کر دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے۔ فقط

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۰۴) سوال مذکور میں جس ہندہ کا ذکر کیا گیا ہے جب اس نے یہ تمام واقعات اپنے گھر جا کر سنا تو زید اور اس کے والد کو پنچایت کے اجلاس میں طلب کیا گیا۔ اس پر یہ دونوں حاضر نہ ہوئے اور زید نے کہا ”جو کچھ کفارہ ہو میں ادا کرنے کو تیار ہوں اس معاملہ کو دبا دو جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا۔“ زید ہندہ کو رکھنے پر مصر ہے کیا صوت مذکورہ میں اس کے ازدواجی تعلقات قائم رہے۔ بیخوار و توجروا۔

الجواب

باوجود بلانے کے زید کا پنچایت میں حاضر نہ ہونا اور اس کا یہ قول کہ ”جو کچھ کفارہ ہو میں ادا کرنے کو تیار ہوں اس معاملہ کو دبا دو جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا۔“ اس پر صریح دلیل ہے کہ زید ہندہ کے بیان کی تصدیق کرتا ہے پس اس صوت میں کچھ شبہ نہیں رہا کہ ہندہ زید پر حرام ہو چکی، اب زید پر واجب ہے کہ ہندہ کو چھوڑ دے ورنہ گنہگار ہوگا اور ہندہ ہرگز اس کے پاس نہ رہے اگر اب بھی وہ نہ چھوڑے تو بذریعہ حکومت علیحدہ کرانی جاسکتی ہے

اس کے لئے کوئی کفارہ نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عثمانی
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۰۵) زید کے والد نے زید کی بیوی کے ساتھ زنا کیا۔ کیا اس صل سے زید پر اس کی بیوی حرام ہوگئی
بینوا و تو جاوا۔

الجواب

صورت مذکورہ میں اگر زید بھی اس واقعہ کی تصدیق کرتا ہے تب تو بیشک زید پر اس کی زوجہ حرام ہوگئی لیکن جب
تک زید اس بیوی کو اپنے سے علیحدہ نہ کر دے گا اور اس کا مصمم قصد نہ کر لے گا کہ میں اس کو اب اپنے تحت میں
نہ رکھوں گا اور اس کے بعد عدت بھی مستغنی نہ ہوئے گی اس وقت تک زید کی بیوی کسی دوسرے سے نکاح نہیں
کر سکتی۔ درمختار میں ہے :-

وبحمة المصاهرة لا يرد تفع النكاح حتى لا يحل لها المتزوج باخراة
بعدا المتاركة وانقضاء العدة . انتہی

اور اگر زید اس واقعہ کی تصدیق ہی نہیں کرتا تو زید پر اس کی یہ بیوی حلال ہے۔ نکاح میں کوئی نقصان واقع نہیں
ہوا۔ عالمگیری میں ہے :-

رجل تزوج امرأة على انها عذراء فلما امراد وقاعها وجدها قد افتنت
فقال لها من افضك فقالت ابوك ان صدقها الزوج بانت منه ولا
مهر لها وان كذبها فمهي امراته - كذا في الظهيرية

اور اگر زید تصدیق تو کرتا ہے لیکن اس کو چھوڑتا نہیں تو حاکم مجاز سے علیحدگی کرا لی جائے۔ فقط واللہ اعلم

حررہ محمد منظر عثمانی
امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۰۶) ایک شخص نے دو معتبر گواہوں کے سامنے اپنی بیوی کو ایک مرتبہ طلاق دی، دوسری مرتبہ اس کو
ماں کہا اور تیسری مرتبہ اس کو بہن کہا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ میں قرآن و حدیث کو نہیں مانتا میں کافر ہوں بوزیور میں نے
بیوی کو چڑھایا ہے اور جو برتن وغیرہ دیئے ہیں سبے اپس کرو، چناں چہ وہ دے دئے گئے۔ صورت مذکورہ
میں طلاق ہوگئی یا نہیں۔ بینوا و تو جاوا۔

هوالموفق

اس شخص کا یہ کہنا کہ میں قرآن حدیث کو نہیں مانتا اور میں کافر ہوں۔ صریح کفر ہے ومن یرضی بکفر ففسد فقد کفر (عالمگیریہ)۔ پس ایسی صورت میں نکاح باطل ہے بغیر تجدید اسلام کے نکاح صحیح ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ پھر اگر تجدید اسلام کرے تو اب بھی حق رجعت باقی ہے بشرطیکہ ایک طلاق صریح دی ہو اور اس کی عدت نہ گزر گئی ہو اور رجعت کا مسنون طریقہ یوں ہے کہ کہے کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کی اور بیوی کو اس بات کا علم کرا دے اور اس پر دو گواہ بھی قائم کرے (کذا فی العالمگیریہ) اور اگر عدت گزر چکی ہو یعنی تین حیض یا تین ماہ گزر چکے ہوں تو اب بھی حق رجعت باقی نہیں رہا۔ اب رہا اس شخص کا اپنی بیوی کو ماں بہن بنانا تو اگر اس نے یوں کہا ہے کہ تو میری ماں یا میری بہن ہے تب تو اس نے بڑا کیا، لیکن اس کا اثر نکاح پر کچھ نہیں اور اگر کہا تو مجھ پر میری ماں یا میری بہن کی مانند ہے۔ تو اب اس سے پوچھا جائے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ پس اگر اس کی مراد اس سے طلاق ہے جیسا کہ قرینہ سے بھی پایا جاتا ہے، تب تو طلاق بائن پڑ گئی۔ اس صورت میں بھی رجوع نہیں کر سکتا اور جو ظہار کی نیت کی ہے تو بعد کفارہ ظہار دینے کے اس کی بیوی اس پر حلال ہو سکتی ہے اور اگر کچھ بھی نیت نہیں کی تو ان لفظوں کا بھی نکاح پر کوئی اثر نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد منظر اللہ غفرلہ

امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۰) زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور بیوی نے زہر معاف کر دیا۔ بیوی چوں کہ حاملہ ہے اس لئے زید اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ طلاق واقع نہیں ہوئی۔ کیا یہ صحیح ہے۔ بینوا و توجروا۔

۲۳ جمادی الاول ۱۳۳۲ھ

الجواب هوالموفق للصواب

صوت مذکورہ میں اگر اللہ دیا زید، نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں تو اب سوائے حلالہ کے دوسری صورت نہیں جس سے وہ اس پر حلال ہو جائے، عورت کا حاملہ ہونا وقوع طلاق کے لئے مانع نہیں۔ فقط واللہ اعلم

حررہ محمد منظر اللہ غفرلہ ولین رحمہ علیہ

امام مسجد فتحپوری دہلی

(نوٹ) فتوے مذکور ۱۹۲۳ء/۱۳۴۲ھ میں تحریر فرمایا تھا۔

سوال نمبر ۱۰۸) زید سے ہندہ نے کہا کہ تجھ سے سو روپے لے لے اور طلاق دے دے۔ چنانچہ وہ روپے دے دئے گئے اور زید نے ایک طلاق دی۔ لیکن جن لوگوں نے ہندہ کو طلاق لینے پر مجبور کیا تھا جب زید سے یہ کہا کہ باقی دو بھی تم کو دینی پڑیں گی تو زید نے کہا "چلو وہ دونوں بھی دے دیں اور تینوں طلاق ہو گئیں۔" صورت مذکورہ شرعاً ہندہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔ بینوا و توجروا۔

ہوالموفق

صوت مذکورہ میں تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں۔ اب سوائے طلاق کے دوسری ایسی صورت نہیں جس سے یہ عورت اس مرد پر حلال ہو جائے۔

قال فی النہر فی المنصوی فی شرح المسعودی المختلعة یلحقها صحیح الطلاق
اذا كان فی العدة۔ انتہی ما فی الشامی

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حرمہ محمد منظر اللہ عفرلہ
امام مسجد فتح پوری دہلی

سوال نمبر ۱۰۹) زید نے اپنی بیوی سے تین بار یہ کلمات کہے ہیں نے تجھے آزاد کر دیا۔ کیا ان کلمات سے ہندہ پر طلاق واقع ہو گئی۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

یہ کلمات طلاق بائن کے ہیں، اگر طلاق کی نیت سے کہے گئے ہیں تو ایک طلاق بائن ہو گئی۔ پھر سے نکاح کی ضرورت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر اللہ عفرلہ
امام مسجد فتح پوری دہلی

سوال نمبر ۱۱۰) زید نے اپنی بیوی سے کہا تجھ طلاق دیتا ہوں اگر تجھ سے بولوں۔ یہ کلمات تین بار کہے اور اس کے بعد پھر کہا کہ تو زیور دے یا نہ دے۔ صورت مذکورہ میں طلاق واقع ہو گئی یا نہیں۔ بینوا و توجروا

الجواب

صوت مذکورہ میں اگر تین مرتبہ یہ الفاظ کہے ہیں تو طلاق مغلظہ واقع ہو گئی۔ اب بلا حلالہ زید اپنی عورت سے نکاح ہی نہیں کر سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر اللہ عفرلہ
امام مسجد فتح پوری دہلی

(سوال نمبر ۱۱۱) زید کی بیوی اپنے میکے میں تھی کہ زید نے ایک پرچہ بھیجا جس میں تحریر تھا کہ تم فوراً علی آؤ اگر نہ آئیں تو تمہارے گھر کا دروازہ بند ہو گیا۔ کیا صورت مذکورہ میں طلاق واقع ہو گئی؟ بیسوا و توجسوا۔

الجواب

اس قول سے کہ آپ کے گھر کا دروازہ بند ہو گیا اگر طلاق کی نیت کی تھی تو طلاق بائن واقع ہو گئی جس کے بعد جدید نکاح کی ضرورت ہے اور اگر بلا نیت طلاق اس قول کو کہا ہے تو طلاق واقع نہیں ہوئی، شوہر کے گھر جا سکتی ہے۔
فقط واللہ اعلم

محمد منظر عسکری
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۱۲) زید نے نکاح کے بعد قبل رخصتی اپنی بیوی کو طلاق دی۔ پھر اس نے اس کو اپنے گھر رکھ لیا اور اس سے صحبت بھی کی لیکن دوبارہ نکاح نہیں کیا۔ صورت مذکورہ میں زید کو کیا کرنا چاہیے تھا۔

الجواب

اگر قبل رخصتی ایک طلاق دی تھی تو طلاق بائن واقع ہو گئی اور یوں کہا تھا کہ تجھ پر تین طلاق ہیں تو حلالہ کی ضرورت ہے۔ ان دونوں صورتوں کے علاوہ یہ عورت اس شخص پر حلال نہ ہوگی۔ حلالہ کی صورت مشہور ہے۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عسکری
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۱۳)

- (۱) ایک عورت کو اس کے خاوند نے طلاق بائنہ دی، اس طلاق کے دس بیس یوم بعد مطلقہ عورت ایام عدت گزارنے سے پہلے دوسرے شخص سے نکاح کر لیتی ہے۔ کیا یہ نکاح صحیح ہے؟
- (۲) ایام عدت کی مدت شرعاً کیا ہے۔
- (۳) جس شخص سے عورت نے نکاح ثانی کیا ہے کیا اس کا عورت پر کوئی حق زوجیت ہے۔
- (۴) عدت اس شخص کے گھر سے بلا طلاق نکل سکتی ہے یا اس سے طلاق حاصل کرنا ضروری ہے۔

الجواب الموفق للصواب

(۱) حالت عدت میں کسی طرح سے نکاح درست نہیں کما قال اللہ تعالیٰ :-

ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب اجله

(۲) عدت طلاق حیض الی عورت کے لئے تین حیض کامل اور غیر حیض الی عورت کے لئے تین ماہ کامل ہیں :-

هي المرأة تحيض لا طلاق والفسخ ثلث حیض کو اہل و

لمن لم تحض ثلثة اشهر - کذا فی الشرح الوقایہ -

(۳) عدت میں نکاح کرنے والے کا حق عورت پر نہیں بلکہ اگر اس شخص نے اس عورت سے وطی کر لی ہے تو

اسی پر عورت کا مہر ادا کرنا لازم ہے :-

اذا دخل الرجل بالمرأة علی وجه شبهة او نكاح فاسد فعليه المهر -

کذا فی العالمگیریہ -

(۴) یہ عورت بلا طلاق کے مرد سے علیحدہ ہو سکتی ہے بلکہ واجب ہے کہ اس سے علیحدہ ہو ورنہ گنہگار ہوگی

پھر بعد علیحدہ ہونے کے دوسری عدت گزارے اس کے بعد کسی سے نکاح کر سکتی ہے اور چاہے تو اسی مرد سے پھر نکاح کرے :-

لانه واجب الرفع - کذا فی الشرح الوقایہ - والعدتة فی النکاح الفاسد

عقوب التفریق او عزیم الوطی علی ترک وطئها - کذا فی الہدایہ -

واللہ اعلم بالصواب

حررہ محمد منظر اللہ عنی عنہ

امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۱۴) ایک عورت جو لازم ہے اس کے خاوند کا انتقال ہو گیا اب سوائے اس ملازمت کے اس کا کوئی

ذریعہ معاش نہیں۔ ایسی صورت میں وہ عدت کس طرح گزارے۔

مستفتی

فضل احمد — کراچی

۲ جون ۱۹۵۳ء

الجواب

عدت تو اس کی چار ماہ دس روز ہے لیکن یہ ملازمت کے لئے دن میں باہر نکل سکتی ہے۔ ہاں رات کا اکثر حصہ

گھر ہی میں گزارے، رات کو دوسری جگہ نہ رہے۔ فقط واللہ اعلم

محمد منظر اللہ عنہ

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۱۵) عورت نابالغہ ناقابلِ وطی اور عورت بالغہ قابلِ وطی کو خاوند کے انتقال کے بعد کتنی کتنی مدت عدت کرنی چاہیے۔ مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب هو الموفق للصواب

طلاق کی عدت اگر عورت بالغہ ہے تو تین حیض اور جو نابالغہ ہے تو تین مہینے ہیں۔ ہدایہ شریف میں ہے :-
 اذا طلق الرجل امرأته فعدتها ثلاثة اقراء لقوله تعالى والمطلقات يتربصن
 بانفسهن ثلاثة قروء وان كانت من لا تحيض فعدتها ثلاثة اشهر لقوله تعالى
 "واللائي يئسن من المحيض من نسائكم الایہ (ای ان امرتتم فعدتهن ثلاثة
 اشهر)۔ انتہی ملقطاً۔

لیکن اگر اس عورت سے وطی یا خلوت صحیحہ نہیں کی ہے تو اس پر عدت نہیں ہے فتاویٰ ہندیہ میں ہے :-

اربع من النساء لا عدت علیہن المطلقة قبل الدخول۔ انتہی مافیہ،

اور وفات کی عدت اگر عورت حاملہ نہیں ہے تو چار ماہ دس روز ہیں خواہ کسی قسم کی عورت ہو :-

قال فی الہدایہ وعدة الحرة فی الوفاة اربعة اشهر وعشر لقوله تعالى
 والذین یتوفون منکم ویذرون انما واجبا یتربصن بانفسهن اربعة اشهر
 وعشرا۔ انتہی مافیہ مع نہیادۃ

اور اگر حاملہ ہے تو طلاق و وفات دونوں کی عدت وضع حمل ہے۔

لما فی الہدایہ وان كانت حاملا فعدتها ان تضع حملها لطلاق قوله تعالى
 واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن۔ انتہی مافیہ،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ حافظ محمد مظہر اللہ غفرلہ ولوالدیہ

امام مسجد فتحپوری دہلی

(نوٹ) یہ فتویٰ حضرت علیہ الرحمہ کے ایام جوانی کا ہے جس کو نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔

(سوال نمبر ۱۱۶) زید نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دیں۔ ہندہ نے عدت پوری کی اور طلاق کے دن سے آٹھ ماہ بعد
 علماء اہل حدیث کے فتوے کے رو سے زید سے دوبارہ نکاح کر لیا جس سے اولاد بھی ہو گئی۔ کیا یہ نکاح شرعاً صحیح ہے۔

ببینوا و توجروا۔

الجواب هو الموفق للصواب

یہ طلاق مغلطہ واقع ہو چکی تھی پس بغیر طلاق زید پر یہ مطلقہ حلال نہیں، لقولہ تعالیٰ
فان طلقها فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح نہ وجا غیرہ
اور حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے :-

قلت یا رسول اللہ! اے ایت لو طلقته ثلاثا اکان یحل لی ان اخرجها قال
لا کانت تبین منک وکان معصیۃ۔ رواہ الدارقطنی کذا فی تفسیر المظہری۔
پس یہ نکاح جائز نہیں ہوا۔ زید کو چاہیے کہ اس سے متارہ کرے اور چوں کہ یہ نکاح فاسد ہے لہذا یہ عورت بعد
عدت کے دوسرے سے نکاح کرے۔ شامی میں ہے :-

وذكر فی البحر ہناك عن المجتبی ان كل نكاح اختلف العلماء فی جوائزہ
كالنكاح بلا شہود فالدخل فیہ موجب للعدۃ۔ انتهى
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد منظر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری دہلی

(نوٹ) یہ فتویٰ بھی نصف صدی قبل تحریر فرمایا تھا۔

(سوال نمبر ۱۱۷) میری اور میری بیوی کے درمیان لڑائی ہو رہی تھی میں نے غصہ میں کہا تم اپنے گھر چلی جاؤ
اس پر میری سالی نے کہا کہ مارتے کیوں ہو اس سے تو آزاد ہی کر دو۔ اس پر میں نے جواب دیا "جاؤ آزاد کر دی"
پھر اپنے سر سے جا کر بھی میں نے یہ کہا۔ "تمہاری لڑکی نے میرا ناک میں دم کر دیا ہے، تم اسے لیجاؤ
میں نے اسے استعفادے دیا ہے" کیا صورت مذکورہ میں طلاق واقع ہو گئی۔

ستفتی

فیاض علی۔ دہلی

الجواب

صورت مذکورہ میں ایک طلاق بائن واقع ہوئی جس کے بعد نکاح کی ضرورت ہے۔

محمد منظر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۱۸) زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ ہوا، اور وہ رخصت کر کے اپنے گھر لے گیا، کچھ دن بعد جب ہندہ اپنے والدین کے گھر آئی تو چند لوگوں نے اس کے والد سے کہا کہ زید نامرد ہے جس کی تصدیق ہندہ نے بھی کی، جب زید کا ڈاکٹری معائنہ کرایا گیا تو وہ نامرد ثابت ہوا۔ جب زید سے کہا جاتا ہے کہ ہندہ کو طلاق دے دے تو وہ انکار کرتا ہے اس صورت میں شرعاً کیا کرنا چاہیے۔ بینوا و توجہ و ا۔

الجواب

اگر زید ہندہ سے جماع نہ کر سکا تو واقعی اس کے لئے وہ عین ہے، اگر وہ طلاق نہیں دیتا تو حکومت میں درخواست دینی چاہیے تاکہ اس مقدمہ کی کارروائی کسی مسلمان کے سپرد کی جائے جب اس پر کامیابی ہو جائے تو وہ مسلمان حاکم زید کو علاج کے لئے ایک سال کی مہلت دے اس کے بعد بھی اگر زید کامیاب ہو سکے اور طلاق بھی نہ دے تو وہ حاکم خود نکاح فسخ کر دے لیکن اگر زید مدعی ہو کہ میں جماع کر چکا ہوں تو حاکم ایک عادل عورت کے ذریعہ ہندہ کو دکھلا کر اس کا اطمینان کرے کہ واقعی وہ کنواری ہے اور اس کا دعویٰ صحیح ہے۔ مرد کا ڈاکٹری امتحان شرعاً معتبر نہیں اس ایک سال کی مدت میں ہندہ کو زید کے پاس رہنا پڑے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

منظر عہدہ
محمد ہاشم
مسجد جامع فتح پوری دہلی
[۲۲ ستمبر ۱۹۵۵ء]
[صفر ۱۳۷۵ھ]

(سوال نمبر ۱۱۹)

- (۱) ایام حمل میں زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی، کیا طلاق شرعاً ہو گئی؟
- (۲) اگر طلاق ہو گئی تو زید سے دوبارہ نکاح کی شرعی صورت کیا ہے؟
- (۳) اس کے ہاتھ کا کھانا وغیرہ زید استعمال کر سکتا ہے۔؟

الجواب

- (۱) حمل کے ایام میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، پس یہ طلاق صحیح ہے۔
- (۲) اگر ایک یا دو مرتبہ طلاق دی ہے تو بچہ ہونے سے پیشتر بلا نکاح ہی رجوع کر سکتا ہے اور بچہ ہو چکا ہے تو دوبارہ اس سے نکاح کر سکتا ہے اور تین مرتبہ طلاق دی تو بلا حلالہ نکاح بھی نہیں کر سکتا۔
- (۳) اس کے ہاتھ کا کھانا پینا جائز ہے لیکن طلاق کے بعد ہی علیحدگی اختیار کر لینی چاہیے اگر تین طلاق

دی ہیں ورنہ بچہ ہونے تک یکبارہ سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

۱۷ شوال ۱۳۷۹ھ

۱۲ اپریل ۱۹۶۰ء

(سوال نمبر ۱۲) طلاق کے بعد عورت کو شرعاً عدت کہاں گزارنی چاہیے۔ اور اس کے نان نفقہ کا ذمہ دار کون ہے۔

الجواب

خاوند کے مکان پر عدت گزارنی چاہیے اگر اس کے مکان سے چلی جائے گی تو نفقہ نہ پائے گی مگر جب کہ شوہر کی اجازت سے جائے گی تو گودوں گنہ گار ہوں گے مگر نفقہ پائے گی۔ فقط

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

۱۷ شوال ۱۳۷۹ھ

(سوال نمبر ۱۲۱) زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ ہوا، رخصتی کے بعد جب ہندہ اپنے میکے آپس آئی تو اس نے زید کے پاس جانے سے انکار کر دیا، حتیٰ کہ خود کشی کے لئے بھی تیار ہے، یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ زید حقوق زوجت ادا کرنے سے قاصر رہا اور ہر حیثیت سے ناقص و قاصر ہے۔ خلع یا طلاق کے لئے اس سے کہا جاتا ہے تو رقم خطیر طلب کرتا ہے۔ اس صورت میں شرعاً کیا کرنا چاہیے۔

مستفتی

عبدالرحمن میوانی

الجواب

صورت مذکورہ میں زید پر واجب ہے کہ وہ ہندہ کو بلا معاوضہ طلاق دے، اس پر اس کے لئے کچھ بھی لینا جائز نہیں اگر لے گا تو اور زبردستی دلوانے والے سب گنہ گار ہوں گے، ہندہ کو چاہیے کہ وہ حکومت میں درخواست دے تاکہ مسلمان حج قواعد شرعیہ کے موافق فسخ نکاح کا حکم نافذ کر دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

۱۷ شوال ۱۳۷۹ھ

(نمبر ۲۲) علامہ ابن حجر شافعی و علامہ قسطلانی شارح بخاری فرماتے ہیں :-

ذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى

انه يقع الثلاث -

علامہ نووی فرماتے ہیں :-

من قال لامرأته انت طالق ثلاثا فقال الشافعي ومالك وابو حنيفة و

احمد و جماهير العلماء من السلف والخلف يقع الثلاث - وهكذا في

عمدة القاري - وقد روى عن ابن عباس من غير طريق انه افق بلزوم

الثلاث لمن وقعها مجتمعة - (فتح الباري)

ابو داؤد میں ہے بسند صحیح :-

قال كنت عند ابن عباس مجاز رجل فقال انه طلق امرأته ثلاثا الى ان

قال عصيت ربك وبانت منك امرأتك — وفي الموطا قال رجل

لابن عباس اني طلقت امرأتي مائة تطلقه فماذا ترى فقال ابن عباس

طلقت منك ثلاثا وسبع تسعون اتخذت بها آيات الله هن وا -

نفقة

(سوال نمبر ۱۲۳) لڑکی کو حرام کا حمل ہو گیا اس کے خاوند نے تین طلاقیں دے دیں اب وہ میکہ میں ہے اس کا نفقہ شوہر پر ہے یا نہیں -

الجواب

خاوند اگر لڑکی کو ماں کے پاس رہنے پر رضامند نہیں ہے تو بیشک خاوند پر نفقہ نہیں ہے - فقط

محمد منظر عطار
مسجد جامع فتحپوری دہلی

۱۵ طلاق کے بارے میں ایک نوٹ کی صورت میں مسودے کی شکل میں حضرت علیہ الرحمہ کی یہ تحریر تھی، ممکن ہے کسی سوال کا جواب ہو یا اس کا جزو -

(مرتب)

(سوال نمبر ۱۲۴) طلاق کے بعد بچوں کا نفقہ کس پر واجب ہے اگر زید پر ہے تو کس قدر ماں کی پرورش میں بچے کب تک رہ سکتے ہیں۔ اگر زید نفقہ نہ دے تو شرعاً کیا کیا جائے۔ بدینوا و توجروا۔

الجواب

بعد طلاق بھی بچوں کا نفقہ زید پر ہے اور اس کا اندازہ زید کی حیثیت پر ہے۔ اور سات سال کی عمر تک یہ بچے ماں کی پرورش میں رہیں گے بشرطیکہ اس درمیان میں وہ بچوں کے نامحرم سے نکاح نہ کرے۔ اگر باپ بچوں کا نفقہ نہ دے تو ماں کو اختیار ہے کہ بچوں کو باپ کے سپرد کر دے۔ فقط

محمد منظر اللہ غفرلہ

امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۲۵) دور جدید کی فیشن زدہ بگڑی ہوئی عورتیں جو اپنے شوہر کی بغیر اجازت غیر مردوں کے ساتھ بھرتی اور تعلق رکھتی ہیں وہ اپنے نان و نفقہ، مکان و مہر وغیرہ کی حقدار ہیں یا نہیں۔ بدینوا و توجروا۔
ستفتی

محمد ابراہیم سوئی و محمد حمزہ میسوری

هوالموفق

یہ تو صحیح ہے کہ ایسی عورت کا جب تک وہ خاوند کے مکان میں نہ آئے نفقہ ساقط ہے لاندہ لا نفقۃ خاہجۃ من بیتہ بغیر حق و هو الناشرۃ حتی تعود (در مختار) لیکن یہ صحیح نہیں کہ مہر بھی ساقط ہو جاتا ہے کہ مہر تو ایک دفعہ دہلی کرنے پر لازم آچکا، وہ بلا ابراء کیسے ساقط ہو سکتا ہے؟۔ عامہ کتب فقہ میں یونہی ہے چنانچہ رد المحتار میں ہے :-

افاد ان المہر وجب بنفس العقد لکن مع احتمال سقوطہ بردتھا و تقبیلھا باینہ او تنصیفہ بطلان قہا قبل الدخول وانما یتأكد لنوم تمامہ بالوطء ونحوہ وبہ ظہر ان ما فی آلدہر من ان قولہ عند و طء متعلق بالوجوب

۱۔ رسالہ آستانہ (دہلی) کے مندرجہ ذیل شماروں میں اس سوال کے جوابات غالباً معنی آستانہ نے تحریر فرمائے تھے جس کی ترویج حضرت علیہ الرحمہ نے اس تحریر میں فرمائی ہے۔ آستانہ کے مذکورہ شمارے یہ ہیں :-

اگست ۱۹۵۹ء (ص ۲۹)، ستمبر ۱۹۵۹ء (ص ۷۳-۷۴)، اپریل ۱۹۵۹ء (ص ۲۶۶)۔

غیر مسلم کما افادہ فی الشریعہ قال فی البیاض واذ انا کذبہا ذکر کا
یسقط بعد ذلک وان كانت الفرقۃ من قبلہا لان البدل بعد تا کذبہ لا یحتمل
السقوط الا بالابراء کالثلث اذ انا کذبہ بقبض المبیح۔ انتہی۔
تحفۃ الفقہاء میرے پاس نہیں ہے، نہ اس کے مصنف کا کچھ حال معلوم۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عوفی
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۲۶)

- (۱) ہندہ کی منگنی زید سے ہوئی۔ اور جانبین نے ایک دوسرے کو کچھ سامان دیا، کچھ عرصہ کے بعد ہندہ کے ورثاء نے اس عرصے پر منگنی توڑ دی کہ جانبین ایک دوسرے کا سامان واپس کر دیں گے۔ چنانچہ ہندہ کے ورثاء نے سامان واپس کر دیا مگر زید نے وہ سامان استعمال کر لیا اور مستعمل واپس کرنا چاہتا ہے، اس صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟
- (۲) کیا ہندہ کو بھی اس سامان کے استعمال کا حق حاصل تھا جو منگنی کے موقع پر اس کو دیا گیا تھا؟
- (۳) ہندہ اور زید کے ورثاء نے جو سامان دیا اس میں اگر امانت کی نیت ہو تو کیا حکم ہے اور اگر ہدیۃ دیا ہو تو اس کا کیا حکم ہے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

- (۱) زید کو جو اشیاء دی گئی تھیں زید ان چیزوں کے دینے کا مستحق ہے۔
- (۲) ہاں اس کو بھی اس کا حق تھا۔
- (۳) نیت کا اعتبار نہیں، ہاں اگر صراحتہ کہہ دیا ہو کہ یہ امانت ہے تو البتہ واپسی کا اختیار ہے لیکن اب بھی مستعمل واپس ہوگا البتہ اس صورت میں زید گنہگار ہوگا کہ امانت کی شے کو استعمال کیا۔ فقط واللہ اعلم

محمد منظر عوفی
مسجد جامع فتحپوری دہلی

مہر و عنبرہ

(سوال نمبر ۱۲۷) میری لڑکی کا نکاح زید سے ہوا کچھ عرصہ بعد اس نے طلاق دے دی۔ اب کیا مندرجہ ذیل

چیزیں واپس لی جاسکتی ہیں :-

- (۱) دولہا کو کپڑوں کے نام سے مبلغ ۱۲۰ روپے دئے۔
- (۲) سلامی کے نام سے مبلغ ۶۰ روپے دئے۔
- (۳) زیور، برتن، جوڑے، پلنگ وغیرہ جو جہیز میں دیا گیا۔
- (۴) عدت کے دنوں کا نان نفقہ۔
- (۵) مہر مبلغ ۵۰۰ روپے۔
- (۶) ایک دعوت پر خسروچ کے لئے دولہا کو کچھ روپے دئے۔

ستفتی

عبدالکریم دریا ستبے پور،
۱۳ اپریل ۱۹۶۰ء

الجواب

صورت مذکورہ میں جہیز اور مہر اور جانہین کا چڑھاوا اور عدت کا نفقہ تو سائل لے سکتا ہے لیکن جوڑے کے ۱۲۰ روپے اور سلامی کا روپیہ اور دعوت کا خرچہ نہیں لے سکتا۔ فقط واللہ اعلم

مسئلہ نمبر ۱۲۸
محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۲۸)

- (۱) ہندہ کا نکاح زید سے ہوا، کچھ عرصہ بعد زید کی بدسلوکی سے تنگ آکر اپنے میکے بیٹھ گئی۔ ہندو کا مہر عندالطلب ہے کیا شرعاً لے سکتی ہے۔
- (۲) شادی کے موقع پر دولہا کی طرف سے جو زیور دھن کو چڑھایا جاتا ہے کیا وہ اس کی ملکیت شمار ہوگا۔ بینوا و توجہ وا۔

الجواب

- (۱) مہر عندالطلب ہے تو وہ لے سکتی ہے۔
- (۲) وہ زیور دھن کا ہوتا ہے اس کو لے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ نمبر ۱۲۸
محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۲۹) زید نے نکاح کیا اور مہر ۵۰۰ روپے قرار پایا، کچھ عرصہ بعد زید مقررہ مقررہ ہو گیا، جو جائداد تھی وہ بجائے پانچ سو کے پانچ ہزار کی قرار دے کر اپنی بیوی کے نام کر دی کیا یہ شرعاً جائز ہے۔

الجواب

اگر مہر صرف پانسو کا تھا اور محض قرض خواہ سے بچانے کی وجہ سے زید نے اپنی بیوی کا مہر پانچ ہزار قرار دے کر اس قیمت کی جائداد اس کے نام کی ہے تو زید عند اللہ گنہ گار ہوگا۔ فقط

محمد منظر عسکری

مسجد جامع فتح پوری دہلی

(سوال نمبر ۱۳۰) زید کی بیوی ہندہ شادی ہونے کے چند ماہ بعد اپنے میکے بیٹھ گئی اور اپنے ساتھ سونا، برتن اور کپڑے وغیرہ جو اس کو دئے گئے تھے لے گئی۔ سسرال بلایا گیا تو آنے پر رضامند نہیں بلکہ اب اس کا مطالبہ ہے کہ اس کا مہر ادا کر کے فارغ خطی دے دی جائے۔ ایسی صورت میں شرعاً زید پر مہر واجب الادا ہے یا نہیں۔ بینوا و توجہ وا۔

محمد یعقوب . دہلی

۲۰ مارچ ۱۹۶۶ء

الجواب

سونا اور جہیز تو لڑکی کی ملکیت ہے باقی مہر دینا شوہر پر لازم ہے لیکن طلاق کی وجہ سے تک بتلائی جائے اس کا جواب نہیں دیا جاسکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عسکری

مسجد جامع فتح پوری دہلی

(سوال نمبر ۱۳۱) ہندہ اپنے شوہر اور چھوٹے بچے چھوڑ کر دوسرے مرد کے ساتھ بھاگ گئی۔ کچھ عرصہ بعد ہندہ کے شوہر کا انتقال ہو گیا اور ایک لڑکے کا بھی انتقال ہو گیا۔ دوسرا لڑکا کہتا ہے کہ اس کے باپ کے ترکہ میں سے اس کی ماں کا مہر اس کو دیا جائے۔ کیا یہ شرعاً حقدار ہے۔ بینوا و توجہ وا۔

الجواب

اس عورت کا مہر اس عورت کو ہی دینا لازم ہے۔ لڑکا اس کا مہر لینے کا مستحق نہیں ہے، عورت خود اجازت دے تو دیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عسکری

مسجد جامع فتح پوری دہلی

(سوال نمبر ۱۳۲) زید کی زوجہ اول فوت ہوئی اور اس نے دو لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑی۔ کچھ عرصہ بعد زید نے نکاح ثانی کیا اور دوسری زوجہ سے دو بچے ہوئے اس کے بعد زید فوت ہو گیا۔ زوجہ ثانی کا مہر للہم ۳ روپے متوفی کے ذمہ ہے۔ زید نے کچھ مال بھی چھوڑا ہے، آیا وہ وارثوں میں تقسیم کیا جائے یا اس سے مہر ادا کیا جائے اگر وارث اپنا اپنا حصہ لے لیں تو پھر ادائے مہر کا بار کس پر ہوگا۔ زوجہ ثانیہ کا چڑھاوا وغیرہ کس کی ملکیت ہے، زوجہ ثانی کے شیر خوار بچوں کی پرورش اور خود ایام عدت میں اس کا نان نفقہ کس کے ذمہ ہوگا۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

اگر مبلغ للہم ۳ کا مہر متوفی کے ذمہ زوجہ ثانیہ کا ثابت ہے تو تقسیم ترکہ سے پیشتر متوفی کی جائداد سے وہ دلایا جائے گا، وارثان میت سے اس مہر کا کوئی تعلق نہیں۔ ہاں اگر اس قدر مہر متوفی کے ذمہ ثابت ہے اور ترکہ سے ادائے مہر ہو بھی سکتا ہے تو اس صورت میں اگر بعض وارثان متوفی یہ مہر نہ دیں گے تو وہ عند اللہ ماخوذ ہوں گے۔ چڑھاوا اتمام زوجہ ثانیہ کا ہے، شیر خوار بچوں کی پرورش ان کے اس حصہ سے ہوگی جو ان کو متوفی کے ترکہ سے ملا ہے، زوجہ کی عدت کا نفقہ خود اس ہی پر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری دہلی

اسقاط حمل

(سوال نمبر ۱۳۳) زید کے ہاں بچہ پیدا ہوا، تقریباً پانچ ماہ بعد بیوی سے صحبت کی تو استقرار حمل کے آثار ظاہر ہوئے۔ زید کے کئی اور بچے ہیں، مفلوک الحال ہے، موجودہ شیر خوار بچے کو بازار سے دودھ بھی نہیں پلا سکتا، اس کی تربیت کی فکر ہے اس صورت میں اگر اس کی بیوی اسقاط حمل کی دوا استعمال کرے تو شرعاً مضائقہ تو نہیں۔ بینوا و توجروا۔

مستفتی

قاضی محمد نصر اللہ

مدرس مدرسہ عالیہ عربیہ فتحپوری دہلی

۱۹ جولائی ۱۹۵۸ء

الجواب

ہاں جائز ہے لیکن اگر چار ماہ کا حمل ہو تو ایسی صورت میں نہ چاہیے اور بعض نے مطلقاً اس کی اجازت دی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر رحمہ اللہ

مسجد جامع فتحپوری دہلی

پوختاب

ب

معاملات
بين المسلمين

مراہ الغیاث لتقسیم المیراث

حقوق

میت کے مال سے تجہیز و تکفین، پھر ادائے دین، پھر باقی تہائی اور وارث جائز رکھتے ہوں تو اس سے زائد میں وصیت نافذ کرنے کے بعد اس کے وارثوں میں باقی مال کی تقسیم ہوگی۔

وارث

تین قسم کے ہیں۔ ”ذوالفروض“۔ جن کا حصہ مقرر ہے۔ ان کے حصے دو طرح کے ہوتے ہیں (۱) نصف، ربع، ثمن (۲) سدس، ثلث، ثلثان۔ ان حصوں کا مخرج (جن سے یہ حصے نکل سکیں)، ان کا ہم نام ہوتا ہے سوائے نصف کے کہ اس کا مخرج ۲ (دو) ہے۔ پس ربع کا مخرج اربع یعنی چار ہوگا و قس علیٰ ہذا۔ لیکن جب دونوں قسم کے وارث ہوں تو اگر نصف دوسری قسم سے ملا ہے تو مخرج ۶ (چھ) ہوگا، اور ربع ملا ہے تو ۱۲ (بارہ)، اور ثمن ملا ہے تو ۲۴ (چوبیس)۔

”عصبہ“۔ وہ ہیں جن کا حصہ مقرر نہیں، ذوالفروض سے بچا ہوا مال لیتے ہیں اور وہ (عصبہ) میت کے فروع پھر اس کے اصول پھر باپ کے فروع پھر دادا کے فروع ہیں جب کہ یہ لوگ مذکور ہوں۔ البتہ میت کی بیٹی پوتی اور حقیقی علاقہ بنہیں اپنے بھائیوں کے ساتھ اور یہ بہنیں میت کی بیٹی پوتی کے ساتھ بھی عصبہ ہوتی ہیں۔ ذوالفروض اور عصبات کے حصے آپ کو اس نقشہ کی داہنی جانب ملیں گے۔

”ذوی الارحام“۔ وہ لوگ ہیں جو ان کے علاوہ ہیں۔ عصبات کی طرح ان کی بھی مع الترتیب چار قسمیں ہیں، جن کے حصے آپ کو اس نقشہ کی بائیں جانب ملیں گے۔

لئے علم المیراث سے متعلق حضرت نے ایک نقشہ مرتب فرمایا تھا جس میں دریا کو کوزہ میں بند فرمادیا تھا، یہاں اس نقشہ کی طرف اشارہ ہے۔ یہ نقشہ دہلی میں محفوظ ہے افسوس اس کو حاصل نہ کیا جاسکا۔ راقم کے بھتیجے مولانا محمد اصف جاہ سلمہ نے اس نقشہ سے جو تفصیلات نقل کی ہیں، یہاں اسی سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ممکن ہے اس نقل میں اصل نقشہ کے مقابل مضامین میں تقدیم و تاخیر ہوگئی ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض باتیں رہ گئی ہوں۔ اس چوتھے باب کا آغاز فتاویٰ سے ہونا چاہیے تھا لیکن چونکہ حضرت علیہ الرحمہ کی یہ جامع و مختصر تحریر علم الفرائض کے سلسلے میں مفید تھی اس لئے اس کو یہاں شامل کر دیا گیا۔

(مرتب)

عول

دارتوں کے حصوں کا مجموعہ مخرج بڑھ جانا "عول" کہلاتا ہے۔ چھ کا دس تک۔ اور بارہ کا سترہ تک، (مگر بعد دطاق) اور چوبیس کا صرف ستائیس "عول" ہوتا ہے۔

رد

دارتوں کے حصوں کا مجموعہ سے گھٹنا۔ "عول" اور "رد" کی صورت میں حصوں کا مجموعہ مخرج قرار پاتا ہے۔ یاد رکھو کہ رد و جن پر "رد" نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ "رد" کی صورت میں ان کا حصہ ان کے اقل مخرج سے دو اور باقی "رد" والوں کو اگر باقی "رد" والوں پر صحیح تقسیم ہو تو فہا اور نہ "رد" کا "سند" علیحدہ بناؤ۔ پھر "رد" والوں کے مسئلے کو بے "رد" والوں کے مسئلے میں اور اس کے حصے میں ضرب دو اور باقی اقل مخرج کو "رد" والوں کے حصے میں۔ پھر اگر کسی طائفہ پر ان کے حصے منکسر ہوں تو بقاعدہ تصحیح ان کے حصے صحیح کر دو جس کا بیان آگے آتا ہے۔

دو عدول میں نسبت

دو عدد اگر آپس میں مساوی ہوں تو ان میں "تماثل" ہے اور چھوٹا بڑے کو صحیح تقسیم کر دے تو داخل ہے اور دونوں کو سوائے ایک کے تیسرا عدد فنا کر دے تو ان میں "توافق" ہے ورنہ "تباہین"۔ پھر جو عدد دوسرے کو فنا کرتا ہے اس عدد کے ساتھ ان میں "توافق" کہتے ہیں اور خارج قسمت کو اس کا "دوق"۔ مثلاً ۱۶ اور ۲۰ ان دونوں کو چار فنا کرتا ہے، لہذا ان میں "توافق" بالربح ہے، اور ۱۶ کا دوق ۴ اور ۲۰ کا دوق پانچ ہے۔ لیکن یاد رکھو کہ جب عدد منفی دس سے بڑھ جائے تو ایسے "توافق" کو جز کے ساتھ کہتے ہیں۔ پس اگر مثلاً گیارہ سے "توافق" ہو تو ایسے "توافق" کو "بجز ۶ من احد عشر" کہیں گے۔

تصحیح

اور دارتوں کے کسی طائفہ پر اس کے حصے ٹوٹتے ہوں تو اگر عدد رؤس اور عدد سہام میں "توافق" ہے یا "تداخل" ہے تو عدد رؤس کے دوق کو مسئلہ میں اور ہر ایک طائفہ کے حصوں میں ضرب دو اور۔ ہے تو پورے عدد کو اور کئی طائفوں پر ٹوٹا ہو تو پہلے عدد رؤس اور عدد سہام میں نسبت دیکھو اگر "توافق" ہے تو عدد رؤس کے دوق کا اعتبار ہوگا (جائے اصل عدد کے) ورنہ کل کا۔ اب ان اعداد معتبرہ کی آپس کی نسبتیں دیکھو۔ اگر ایک عدد سے دوسرے کو "توافق" کی نسبت ہے تو ایک کے کل کو دوسرے کے دوق میں ضرب دو۔ ورنہ کل۔ پھر اس کے حاصل کو تیسرے کے ساتھ اسی طرح عمل کو آخر کے حاصل کو مسئلہ میں اور ہر ایک کے حصے میں

ضرب دو — یاد رکھو کہ ان میں 'تمائل' ہو تو ایک کالینا کافی ہوگا اور 'تداخل' ہے تو صرف بڑے کالینا کافی ہے۔

مناسخہ

اگر مورث اعلیٰ کا ترکہ ابھی تقسیم نہیں ہوا ہے کہ اس کا کوئی وارث فوت ہو گیا ہو تو اس کا مافی الید لیکر اس کے مسئلے کی تصحیح کرو، اگر صحیح تقسیم ہو جائے تو فہا ورنہ مافی الید کو اس کے وارثوں کا عدد سہام اور تصحیح کو اگر صحیح تقسیم ہو جائے فہا ورنہ عدد رؤس، سمجھئے۔ پس تصحیح کے کل یا وفق کو اوپر کے تمام زندہ وارثوں کے حصوں میں اور سب سے اوپر کی تصحیح میں ضرب دو اور عدد مافی الید یا اس کے وفق کو اس میت کے وارثوں کے حصے میں ضرب دو — تصحیح بالا سے سب کے صحیح حصے نکل آئیں گے۔ پھر دوسرا اوپر کے وارثوں میں سے کوئی فوت ہو ہو تو اس کے ساتھ بھی یہی عمل کرو۔ یہاں تک کہ تمام اموات کے ساتھ اس عمل سے فارغ ہو جائیں۔ پس مورث اعلیٰ کے مسئلے کی اوپر کی تصحیح تمام زندہ وارثوں کے حصے کا مخرج ہوگا پس اس مبلغ کو خط کھینچ کر اس کے اوپر لکھو اور خط کے نیچے زندہ وارثوں کے نام کے نیچے ان کے حصے۔

قواعد

- (۱) اصل کے ہوتے ہوئے اس کے ذریعہ رشتہ رکھنے والا محروم ہوتا ہے سوائے ولد اُم کے۔
- (۲) دور کا قریب کے ہوتے ہوئے محروم ہوتا ہے۔
- (۳) قوی قرابت والا ضعیف قرابت والے کو محروم کرتا ہے۔
- (۴) ذوی الارحام میں ولد وارث ولد غیر وارث کو محروم کرتا ہے مگر جب کہ جہت مختلف ہو کہ ایک باپ کی طرف کا ہو اور دوسرا ماں کی۔
- (۵) ایک ارث کا جب دونوں طرف سے رشتہ ہو تو وہ دونوں طرف کا حصہ لے گا۔
- (۶) اگر وارث کسکچ بعد فروع یا اصول ہیں تو پہلے اس درجہ کے اقرب والوں پر تقسیم کریں گے یہاں ذکر و انات کا اختلاف ہے پھر ذکر و انات کے طائفہ کو جو ملا ہے ان کے حصوں کو اسی طرح ان کے آگے والوں پر تقسیم کرتے ہوئے موجودہ وارثوں کو دیں گے۔
- (۷) اقرب کے اگر متعدد فروع یا اصول ہوں تو اقرب ان کی تعداد کے موافق شمار ہوگا۔
- (۸) قرابت اگر متحد نہ ہو تو باپ والوں کو دو تہائی اور ماں والوں کو ایک تہائی ملتی ہے۔
- (۹) مستحقین میں مرد کو عورت سے دو گنا ملتا ہے، لیکن انخیانی بہن بھائی اور ان کی اولاد میں علی السوۃ۔

حصے

۱۔ بیٹا پوتا الخ دپڑ پوتا، سکر پوتا، عصبہ اس کی بیٹی بیٹیاں ف نک (نصف، ثلثان مشترک،

۲۔ اوپر کی ایک غیر عصبہ ہو تو قریب کی نیچے والیوں کے لئے س (سدس،

۳۔ اور دو ہوں تو نیچے والیاں محروم مگر جب کہ ان کے مقابل یا ان سے کسی نیچے والی کے ساتھ ان کا بھائی ہو تو وہ مقابل اور غیر حصہ والیوں کو اپنے ساتھ عصبہ کر دے گا۔

۴۔ باپ دادا الخ (پروادا، سکر دادا) عصبہ بولد ذکر س بولد نوٹ س (سدس اور باقی)۔

۵۔ اور ان کی مائیں الخ (نانی، پر نانی) س۔ اور ماں کے اور یہ جس کی ماں ہے، اس کے ہوتے ہوئے محروم۔

۶۔ ماں ث (ثلث، بولید یا باخوہ س (سدس) اور مع الاب واحد الزوجین ثقی (ثلث باقی)۔

۷۔ اور ماں کی مائیں الخ (نانی، پر نانی) س (سدس) لیکن ماں کے ہوتے محروم۔

۸۔ حقیقی و غلاتی بہنیں ف نک (نصف، ثلثان مشترک،

۹۔ حقیقی ایک غیر عصبہ ہو تو غلاتیوں کے لئے س (سدس) اور دو ہوں تو محروم۔ مگر جب کہ ان کے ساتھ

ان کا بھائی بھتیجہ ہو تو وہ اپنے مقابل اور اپنے سے اوپر غیر حصے والیوں کو عصبہ کر دے گا، نیز میت کا بیٹا پوتا، باپ دادا کو محروم کر دے گا۔

۱۰۔ اخیانی بہن بھائی س نک (سدس و ثلث مشترک) بالسویہ۔

۱۱۔ زوج نصف بالولد ریح۔ زوجہ ریح بالولد بہن۔

۱۲۔ میت کا جس کے واسطے سے کسی شخص کا رشتہ ہو اس کے ہوتے وہ شخص وارث نہیں ہوتا سوائے ولد الام کے۔

تخریج حصہ حمل

اس مسئلے کی جمل کے مذکور ہونے کی تقدیر پر تخریج کی جائے اور مونت ہونے کی تقدیر پر بھی، پھر دونوں

مسئلوں میں اگر توافق ہو تو ایک کے کل کو دوسرے کے ذوق میں ضرب دیں اور وارثوں کے سہاموں میں

اور اگر تباہ ہو تو ایک کے کل کو دوسرے کے کل میں ضرب دیں اور وارثوں کے سہاموں میں۔ پھر دونوں

مسئلوں کے حصوں سے ان کو وہ حصہ دیں جو کم ہو۔ اور دوسرے مسئلہ سے جس قدر اس کو زیاد ملتا ہو

وہ محفوظ رکھیں۔ پس بچہ ہونے پر اگر ظاہر ہو کہ دوسرے وارث صحیح حصہ پا چکے ہیں تو محفوظ ہے اولاد

کے کم حصے میں ملا کر ان پر تقسیم کریں ورنہ ہر وارث کو ان کے حصے واپس کر دیں۔ مسئلہ کا نقشہ (پیش

کیا جاتا ہے) :-

بتقدیر مذکر

۲۴

بنت
حل
۱۳
۱۱۲

اب
۴
۳۶

ام
۴
۳۶

زوجہ
۴
۳۶

بتقدیر انثیٰ

۲۴

بنت
حل
۱۶
۱۲۸

اب
۴
۳۲

ام
۴
۳۲

زوجہ
۴
۳۲

تلخیص

(اب وجد) ع، بولد مذکر س، بولد مؤنث سی۔

(ام) بولڈیا انوہ س۔

(جدات) س، بام م۔

(بنت) ف، بنت ن، باین ع۔

(بنت الابن) کالبنت، ببنت س، ببناات یا ابن م۔

(اخت حقیقی) ف ن، بولد واحد مؤنث س، باخ و بنات ع۔

(باپ دادا) ع، س، سی۔

(مال) ، جد س، ولد ام س۔
ثقی

بیٹی، پوتی، حقیقی علاتی بہن ف، ن، ع۔ ہر صنف میں اوپر کی ایک ہو یا لڑکا تو س۔ ۲ ہوں تو محروم۔ فروع
و اصول مذکر کے ساتھ بہن بجائی محروم۔

ترکہ زید چوبیس ہزار پانسویں سے ہر ایک ارش کو وہ حصہ ملے گا جو اس کے نام کے نیچے لکھا گیا۔ یعنی ماں کو چار ہزار
ترہائی روپے پانچ آنے چار پائی۔ اور ہر ایک لڑکے کو چار ہزار پانسویں تیس روپے، ۷ پائی۔ اور ہر ایک لڑکی کو
دو ہزار دو سو اڑسٹھ روپے آٹھ آنے ۳ پائی۔ نابالغوں کا ولی ان کا چچا ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۳۶) فرزند متبنی کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

الجواب

متبنی کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ متبنی کرنے والا اس کا نفقہ اپنے ذمہ لازم کر لیتا ہے۔ رہا توریث کا
تعلق سوا اس سے اس کو کچھ علاقہ نہیں۔ متبنی کا ترکہ اس کے حقیقی ماں باپ وغیرہ کو ملے گا اور یہ ان سے ترکہ
پائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۳۷) ایک صاحب جائیداد شخص خالد نقد روپیہ موجود نہ ہونے کی وجہ سے زید سے مبلغ ایک ہزار
روپیہ قرض لے کر حج پر گیا۔ جب وہ اپس آیا تو اس کا انتقال ہو گیا۔ کیا یہ قرض متوفی کے ترکہ سے ادا کیا جائے گا
اور کیا ادائے قرض سے پہلے متوفی کا حج ادا ہو گیا۔ بینوا و توجہوا۔

الجواب

بیشک سب سے اول متوفی کے ترکہ سے اس کا قرض ادا کیا جائے گا اس کے بعد جو باقی ہے اس کو وارث
اپنے درمیان تقسیم کر سکتے ہیں۔ سراجی میں ہے :-
الاول یبدأ بتکفینہ و تجهیزہ ثم یقضی دیونہ من جمیع ما بقی من
مالہ۔ انتہی

صورت مذکورہ میں خالد کا حج ادا ہو گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حضرہ محمد منظر عظیمی
امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۳۸) زید کا انتقال ہو گیا اس نے ورثاء میں تین لڑکے اور دو حقیقی بھائی چھوڑے، ترکہ شرعاً کس طرح تقسیم کیا جائے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

بعد تقسیم علی الارث ترکہ زید کے تین حصے کر کے ہر ایک لڑکے کو ایک حصہ ملے گا، بھائی محروم ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۳۹) زید نے انتقال کیا اور وراثت میں ایک بیوہ، ایک بھتیجی، تین بھانجے، چار بھانجیاں چھوڑی ہیں، ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے گا۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

مسئلہ ۱۲۰

زوجه	بنت الاخ	ابن الاخت	ابن الاخت	بنت الاخت	بنت الاخت	بنت الاخت
۱	۲	۳	۳	۳	۳	۳
۳	۲۰	۱۳	۱۳	۱۳	۱۳	۱۳

حقوق مقدمہ علی الارث کے ادا کرنے کے بعد ترکہ مرحوم ایک سو بیس حصوں پر تقسیم ہوگا جس میں سے تیس حصے ان کی بیوی کو اور بیس حصے بھتیجی کو اور چودہ چودہ حصے بھانجوں کو اور سات سات حصے بھانجیوں کو ملیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۴۰) زید اور اس کی بیوی حج بیت اللہ کے لئے جانا چاہتے ہیں زید کے پاس ۳۵۰۰۰ ہزار روپیہ کا اثاثہ موجود ہے اور اس کے ورثاء میں ایک لڑکی اور اس کی اولاد، والدہ اور ایک زوجہ موجود ہے زید چاہتا ہے کہ اس اثاثہ کی تقسیم کے لئے (بصورت وفات) وصیت کر جائے، یہ وصیت کس حساب سے کی جائے۔ چوں کہ بیوی بھی ہمراہ جا رہی ہے وہ بھی وصیت کرنا چاہتی ہے، اس کے ورثاء میں ایک بیٹی، ایک حقیقی بھائی، ایک حقیقی بہن اور والد موجود ہے اور ایک مرحوم بھائی اور ایک مرحوم بہن کی اولاد بھی موجود ہے، یہ اپنے حصے کو کس طرح تقسیم کرنے کے لئے وصیت کر سکتی ہے۔

بینوا و توجروا۔

الجواب

زید اپنے وارثوں کے حق میں حسب ذیل وصیت کر جائے :-

بیوی کو ۰۔۔ ۲۳۷۵ کی اور ماں کو ۴۔۔ ۶۵۶ کی اور لڑکی کو ۱۲۔۔ ۲۲۹۶۸ کی اور ہندہ ایک تہائی کے اندر جس قدر کی چاہے بھائی بہن اور ان کی اولاد میں سے جس کے اسطے چاہے، اور جس قدر چاہے وصیت کر سکتی ہے باقی میں تہائی والدہ کے لئے اور دو تہائی والد کے لئے وصیت کر جائے۔ فقط

محمد منظر عہدہ امام
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۴۱) زید عرصہ ۷ سال سے لاپتہ تھا اب معلوم ہوا کہ اس کا اور اس کے اہل و عیال کا انتقال ہو چکا ہے، متوفی کے ورثہ میں تین چچا زاد بھائی، چار چچا زاد بہنیں اور دو خالہ زاد بھائی ہیں، ترکہ کس حساب سے تقسیم کیا جائے۔

الجواب

اگر یہ ثابت ہو کہ اقصیٰ زید کا اور اس کی اہل و عیال کا انتقال ہو چکا ہے اور یہ نہ معلوم ہو کہ کون کس کے بعد فوت ہوا تو اس صورت میں زید کا ترکہ تین حصے کر کے ہر ایک حصہ اس کے چچا زاد بھائیوں کو ملے گا۔ باقی لوگ محروم ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عہدہ امام
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۴۲) زید کا انتقال ہوا اس کے ورثہ میں دو لڑکے موجود ہیں۔ ایک لڑکا متوفی کے حیات میں انتقال کر گیا تھا اس کے دو لڑکے اور ایک لڑکی موجود ہے، ایسی صورت میں زید کا ترکہ پوتے پوتی کو ملے گا یا نہیں۔

مستفتی

محمد عمر

الجواب

لڑکوں کی موجودگی میں پوتے پوتی وارث نہیں۔ فقط

محمد منظر عہدہ امام
امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۴۳) ہندہ فوت ہوئی اس نے ورثاء میں خاوند باپ، چار حقیقی بھائی، دادا اور دادی چھوڑے متوفیہ کا مہر، زیور، چڑھاوا اور پینیر وغیرہ کس طرح تقسیم ہوگا۔

الجواب

مسئلہ ۲

زوج	اب	اخوہ	ابلااب	امالاب
۱	۱	محروم	محروم	محروم

بعد تقسیم ما یقیم علی الارث ترکہ متوفیہ کا (جس میں مہر وغیرہ داخل ہے) نصف اس کا خاوند لے گا اور نصف باپ باقی لوگ محروم ہیں۔ فقط

محمد منظر اللہ عظیمی
امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۴۴) زید نے اپنی حیات میں اپنی جائداد وغیرہ اپنی اولاد پر تقسیم کر کے تحریر کر دی اور ہر ایک اپنے حصہ پر قابض ہو گیا، زید کی حیات ہی میں اس کے ایک لڑکے کا انتقال ہو گیا، اب اس کا ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے گا۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

اگر محروم کی نہ اولاد ہے اور نہ ماں تو اس کا تمام ترکہ اس کے والد کو ملے گا۔ فقط

محمد منظر اللہ عظیمی
امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۴۵) ہندہ نے انتقال کیا اور ورثاء میں ایک شوہر (سراج الدین)، دو لڑکیاں (کلثوم و سلمیٰ)، ایک لڑکا (ظہیر الدین)، اور والدین (حاجی قدرت اللہ و حاجی خانم)، چھوڑے۔ متوفیہ کی جائداد کو ورثاء پر کس طرح تقسیم کیا جائے گا۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

مسئلہ ۳

زوج	اب	ام	ابن	بنت	بنت
سراج الدین	حاجی قدرت اللہ	حاجی خانم	ظہیر الدین	کلثوم بی	سلمیٰ بی
$\frac{۳}{۱۲}$	$\frac{۲}{۸}$	$\frac{۲}{۸}$	$\frac{۵}{۱۰}$	$\frac{۵}{۵}$	$\frac{۵}{۵}$

بعد تقسیم ماتقدم علی الارث ترکہ متوفیہ اڑتالیس سہام پر تقسیم ہوگا جس میں سے بارہ سہام اس کے شوہر کو، آٹھ سہام ماں باپ کو، دس سہام لڑکے کو اور پانچ پانچ سہام دونوں لڑکیوں کو ملیں گے۔ فقط

محمد منظر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۲۶) محمد ابراہیم، مراد خاں اور خیراتی تین سگے بھائی تھے۔ خیراتی لا ولد فوت ہوا، اور اس نے اپنے ورثاء میں ایک بیوہ (نصیبین)، ایک بھائی (محمد ابراہیم)، دو سہا بھائی (مراد خاں)، ایک بھتیجہ (محمد رفیق)، دو سہا بھتیجہ (اسمعیل، چھوڑے)۔ پھر محمد ابراہیم کا انتقال ہوتا ہے اور وہ یہ ورثاء چھوڑتا ہے، ایک بیوہ (مجیدین)، ایک بیٹا (محمد رفیق)، دو سہا بیٹا (اسمعیل)۔ دونوں متوفیان کا ترکہ ورثاء پر کس طرح تقسیم ہوگا۔ بینوا و توجسوا۔

الجواب

مسئلہ ۱۲۸		مسئلہ ۱۲۶		محمد ابراہیم باقی ۲	
زوجہ	اخ	زوجہ	اخ	ابن	ابن
نصیبین	محمد ابراہیم	مجیدین	مراد خاں	محمد اسمعیل	محمد رفیق
$\frac{۲}{۳۲}$	۳	$\frac{۱}{۲۶}$	$\frac{۳}{۳۸}$	$\frac{۶}{۲۱}$	$\frac{۶}{۲۱}$

بعد ادائے حقوق متقدم علی الارث ترکہ خیراتی ایک سو اٹھائیس حصوں پر تقسیم ہوگا جس میں بیس حصے نصیبین کو ملیں گے اور اڑتالیس حصے مراد خاں کو اور چھ حصے مجیدین کو اور اکیس حصے محمد رفیق کو اور اسی قدر اسمعیل کو ملیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر اللہ غفرلہ

مسجد جامع فتح پوری دہلی

(سوال نمبر ۱۲۷) زید کے ورثاء میں ایک بیوی، ایک لڑکی، ایک بھائی اور تین بھتیجے ہیں، ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے گا۔

مستفتی

محمد اسحاق

۱۳ فروری ۱۹۶۶ء

الجواب

بعد تقسیم بايقدم علی الارث ترکہ مرحوم کے آٹھ حصے ہوں گے جس میں سے ایک حصہ ان کی بیوی کو ملے گا اور چار حصے لڑکی کو اور تین حصے بھائی کو، بھتیجے مرحوم ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۴۸) زید کا انتقال ہو گیا، زوجہ اول مرحومہ سے دو لڑکیاں ہیں جو زوجہ ثانی کے پاس ہیں، زید کے انتقال کے بعد اس کا بھائی بکر اس کی ملکیت پر قابض ہو گیا اور صرف متوفی کی زوجہ ثانی کو ترکہ دیا ہے، شرفا متوفی کا ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے گا۔

مستفتی
محمد یونس دہلوی
۱۴ اپریل ۱۹۶۳ء

الجواب

زید کا ترکہ چوبیس حصوں پر تقسیم ہو گا جس میں سے تین حصے ان کی بیوہ کو ملیں گے اور آٹھ آٹھ حصے دونوں لڑکیوں کو اور پانچ حصے بھائی کو۔ لڑکیاں شادی شدہ ہیں اور بیوہ کے بھی اگر بچے ہیں تو ان کا اظہار کر کے دوسری دفع سوال کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتح پوری دہلی

(سوال نمبر ۱۴۹) زید نے اپنی بھانج ہندہ سے نکاح کیا، اس کی دو شادی شدہ لڑکیاں تھیں جو زید کی بھتیجیاں ہوتی ہیں۔ ہندہ کا انتقال ہو گیا تو اس نے مندرجہ بالا دو لڑکیاں چھوڑے۔ اس کے بعد ایک لڑکی کا انتقال ہوا اس کے چار لڑکے اور ایک لڑکی ہے۔ زید دوسری لڑکی کے پاس رہتے تھے جو ان کی بھتیجی ہے۔ زید لوگوں کو قرض وغیرہ بھی دیتے رہے جو وصول کرنے میں اب زید کا انتقال ہو گیا، ان کے ترکہ اور قرضے کا کون مالک ہے۔

الجواب

زید کا تمام ترکہ اور جو کچھ قرض میں وصول ہو سارا زید کی بھتیجی کا ہے کہ وہی زید کی ذوی الارحام میں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۵۱) زید نے دو لڑکے عمرو بکر اپنے وارث چھوڑے جو زید کی متروکہ اشیاء پر مشترک طریقہ پر قابض رہے، اب عمر کا انتقال ہوا اور اس نے ایک بیوہ، دو لڑکیاں اپنے ورثاء چھوڑے، سوال یہ ہے کہ کیا عمر کے ورثاء بکر کی موجودگی میں زید کے ترکہ میں حقدار ہوں گے یا نہیں۔ بینوا و توجروا۔

مستفتی

مسلم احمد - دہلی

الجواب

زید کا ترکہ اڑتالیس حصوں پر تقسیم ہوگا جس میں سے تین حصے عمر کی بیوی کو ملیں گے اور آٹھ حصے ہر ایک لڑکی کو اور انتیس حصے بکر کو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عطار
مسجد جامع فتحپوری دہلی

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۵۲) زید نے اپنی حیات میں اپنے دو لڑکوں عمرو بکر کے نام کچھ جائیداد خریدی مگر تقسیم نہ کی اس کے بعد زید کا انتقال ہو گیا اور اس نے عمرو بکر کے علاوہ ورثاء میں ایک بیوہ (ہندہ) اور ایک بیٹی زینب کو چھوڑا۔ جائیداد تقسیم نہ ہونے پائی تھی کہ ہندہ کا انتقال ہو گیا۔ بکر نے والدین کی وفات کے بعد جائیداد کی آمدنی میں سب ورثاء کو مشترک طور پر شریک حال رکھا۔ اس کے بعد عمرو کا انتقال ہو گیا اور اس نے ایک لڑکا (خالد) اور ایک بیوہ (متا) کو اپنے ورثاء میں چھوڑا۔ اب خالد بالغ ہونے پر اپنا اور اپنی والدہ کا حصہ بکر سے طلب کر رہا ہے کیوں کہ اب تک تمام جائیداد بکر کے قبضے میں چلی آ رہی ہے، صورت مذکورہ میں زید کی جائیداد کس طرح تقسیم کی جائے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

جائیداد زید کی قرار پانے کی تقدیر پر اس کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ کل جائیداد میں سے منقسم ہوگی جس میں سے آٹھ سہام بکر لے گا اور چار سہام زینب کو ملیں گے اور ایک سہم متا لے گی اور سات سہام خالد و تین سہم المسئلة بهذا الطريق :-

عمر	متا	زینب	ابن	ابن	زوجه
ابن	زوجه	بنت	ابن	ابن	زوجه
خالد	متا	زینب	عمرو	بکر	ہندہ
۷	۱	۱/۴	۲	۲	کاملتین

محمد منظر عطار
مسجد جامع فتحپوری دہلی

میتھ	بینہما تباین	مقصود عالم ۱۱۹
۱۱۶	ارغ عینی نصیر عالم ۵۹۵	ارغ علانی محمداویس محروم

میتھ	بینہما تداخل	امینۃ النساء ۲۲۳۲ و ۳۴۲
۱۱۶	ابن محمد زبیر ۴۲۳	بنت تنویر النساء ۳۴۲

المبلغ ۱۳۸۲۴

نظیر عالم	محمد زبیر	وہیلہ النساء	تنویر النساء	خاتون	محمداویس	نصیر عالم
۳۴۶۸	۱۸۸۳	۱۸۸۳	۱۸۸۳	۴۹۷	۷۱۴	۱۳۰۹

بعد تقسیم یا تقدم علی الارث ترکہ مولینا مرحوم تیر ہزار آٹھ سو چوبیس پر تقسیم ہوگا، جس میں ان کے ہر ارث کو اس قدر حصے ملیں گے جو زیر خط احواء ہر ایک کے نام کے نیچے لکھے گئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد زبیر محمد زبیر

مسجد جامع پنجپوری دہلی

{ ۲۷ جون ۱۹۵۶ء }
{ ۲۷ شوال ۱۳۷۵ھ }

(سوال نمبر ۱۵۵)

- (۱) زید کا ترکہ مبلغ ۳۳۳۳۳ ہزار روپے زید کے مندرجہ ذیل ورثاء پر کس طرح تقسیم ہوگا۔ چار بالغ لڑکے اور چار بالغ لڑکیاں۔
- (۲) زید کے انتقال کے بعد ایک لڑکی کا انتقال ہو گیا، اس نے دو لڑکوں کو تبتنی کر رکھا تھا، کیا وہ بھی وارث ہیں۔
- (۳) زید نے اپنی زندگی میں ایک مکان ۷۵۰۰ ہزار روپے کا خریدا تھا مگر اس کی قیمت زید کے ایک لڑکے نے ادا کی تھی لیکن مکان زید ہی کے نام پر ہے، کیا شرعیہ مکان لڑکے کی ملکیت شمار ہوگا یا ترکہ میں شمار ہوگا۔ فقط۔

(۱) مرحوم کے اس ترکہ سے چھ سو تیس روپیہ ۹ آنے ۵ پائی ہر ایک لڑکے کو ملے گا اور تین سو نو سو روپے ۱۲ آنے ۶ پائی ہر ایک لڑکی کو۔

(۲) مرحوم لڑکی کا حصہ ہولید جو وہ لڑکیوں میں شامل ہو گیا ہے، اس حصے کو تینوں پر تقسیم کر کے ہر لڑکے کو دو حصے اور ہر لڑکی کو ایک اس میں سے دیا جائے۔ قبضی لڑکے محروم ہیں۔

(۳) زید نے جب خود اس مکان کو خریدا ہے تو یہ مکان اس کے ترکہ میں شامل ہوگا۔ لیکن اگر لڑکا یہ ثابت کر دے کہ میں نے اپنی ذات سے اس کی رقم باپ کو بطور قرض کے دی تھی اور اس کے باپ پر ظاہر کر دیا تھا جس کے معتبر گواہ موجود ہیں تو البتہ وہ اس مکان سے اپنا وہ قرض لے سکتا ہے۔ لیکن اگر باپ کا حق سمجھ کر دی تھی یا دل میں قرض کی نیت تھی اور باپ سے کچھ نہ کہا تھا تب بھی وہ اس مکان سے اپنے روپیہ کے مقابلہ میں کچھ نہیں لے سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عسکری

مسجد جامع فتحپوری دہلی

جون ۱۹۵۶ء

ذیقعد ۱۳۷۵ھ

(سوال نمبر ۱۵۶) زید کا انتقال ہوا اس نے یہ وراثہ چھوڑے — ایک زوجہ تین بھائی اور ایک بہن۔ ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے۔ بیٹوں اور توجروا

الجواب

بعد ادا کے باقی اللارث (جس میں متوفی کی بیوی کا مہر بھی ہے) ترکہ متوفی آٹھ حصوں پر تقسیم ہوگا جس میں سے ایک ایک حصہ اس کی بیوی کو اور بہن کو ملے گا اور دو حصے اس کے بھائیوں کو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عسکری

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(۲۷ جنوری ۱۹۵۶ء)

دنیہ (نوٹ) مساوات کے درجہ میں سوال مذکور نہ تھا۔

الجواب

امام علی		۲۳۰		۲۲۰		۱۶۰		۱۲۰	
ابن رستم	ابن چھدو	ابن ملک	ابن رحم علی	ابن کرم علی					
$\frac{1}{32}$	$\frac{1}{32}$	$\frac{1}{32}$	$\frac{1}{32}$	$\frac{1}{32}$	$\frac{1}{32}$	$\frac{1}{32}$	$\frac{1}{32}$	$\frac{1}{32}$	$\frac{1}{32}$
۱۵۳۶	۶۳	۳۲	۱	۱	۱۵۳۶				
رحم علی ودا		بینہما تبیین		۳۲		۳۲		۳۲	
اخ رستم علی	اخ چھدو	اخ ملک	اخ کرم علی	بنت مقصودا	زوجہ اسودن				
$\frac{3}{4}$	$\frac{3}{4}$	$\frac{3}{4}$	$\frac{3}{4}$	$\frac{3}{4}$	$\frac{1}{4}$				
۱۲۳	۶	۳	۱۲۳	۲۳۰۲	۱۹۲				
ملک و ۳۵		بینہما تبیین		۲		۲		۲	
اخ رستم علی	اخ چھدو	اخ کرم علی	ابن انور علی	ابن منگل					
			$\frac{1}{35}$	$\frac{1}{35}$					
			۸۲۰	۲۵۲۰	۲۵۲۰				
چھدو و ۳۵		بینہما توافق بالنصف		۲۲۰		۲۲۰		۲۲۰	
بنت بولن	بنت مسکا	ابن مدو	ابن لٹو	زوجہ وفانا					
$\frac{4}{225}$	$\frac{4}{225}$	$\frac{12}{290}$	$\frac{12}{290}$	$\frac{1}{2}$					
۴۳۵	۴۳۵	۱۳۶۰	۱۳۶۰	۲۱۰					
رستم علی و ۱۶۸ و ۶۰		بینہما تداخل		۲۲۰		۲۲۰		۲۲۰	
بنت خوشنودی		ابن احمد	زوجہ پیرانا						
$\frac{4}{290}$		$\frac{12}{290}$	$\frac{1}{2}$						
		۲۹۰	۲۱۰						

(۶) مسئلہ نمبر ۱۶۸

زینبہ	ابن الاخ	ابن الاخ	ابن الاخ	ابن الاخ	ابن الاخ	ابن الاخ	ابن الاخ	ابن الاخ
رضانو	منگل	انور علی	لٹو	مدو	احمد	مقصودا	بولن	بنتالان
$\frac{5}{430}$	$\frac{292}{882}$	$\frac{292}{882}$	$\frac{292}{882}$	$\frac{292}{882}$	$\frac{292}{882}$	$\frac{292}{882}$	$\frac{292}{882}$	$\frac{292}{882}$

(۷) مسئلہ

بنیہما تباین	خوشنودی و ۴۹۰
ام	اخ عینی
پیرانا	احمد
$\frac{1}{140}$	$\frac{2}{98}$

(۸) مسئلہ

ابن احمد	پیرانا و ۱۱۲۰
$\frac{1}{1120}$	

الاست ۲۳۰۴۰ بلغ

الاحیاء
 امودن ، مقصودن ، منگل ، انور علی ، لٹو ، مدو ، احمد ، رضانو ، وقان ، ملک ، بولن
 ۵۷۶ ، ۲۳۰۴ ، ۳۴۰۲ ، ۲۳۵۲ ، ۲۳۵۲ ، ۶۳۰ ، ۵۹۲۲ ، ۶۳۰ ، ۶۳۰ ، ۴۲۵ ، ۷۳۵
 بعد اوائے حقوق مقدمہ علی الارث ترکہ مرحوم امام علی تیس ہزار چالیس حصوں پر تقسیم ہوگا جس میں سے ان کے
 موجودہ ورثہ میں ہر ایک کو اس قدر حصے ملیں گے جو زیر خط احیاء ہر ایک کے نام کے نیچے لکھے گئے۔ فقط واللہ
 تعالیٰ اعلم۔

محمد منظر احمد صاحب

مسجد جامع فتحپوری دہلی

۱۳ جون ۱۹۵۷ء

(سوال نمبر ۱۵۸) بکر کے ہاں تین لڑکے (عمر، خالد، ولید) اور ایک لڑکی شمیمہ ہوئی، خالد بکر کے
 سامنے فوت ہو گیا اور شمیمہ بھی فوت ہو گئی۔ خالد کے ورثاء میں اس کی زوجہ اور اولاد موجود رہی۔ اس کے بعد
 بکر فوت ہو گیا اور اس کے دونوں بیٹے عمر اور ولید وارث ہوئے۔ بکر کا ترکہ دونوں بیٹوں میں تقسیم ہوگا
 یا مرحوم بیٹے کی اولاد کو بھی ملے گا۔؟

بکر کے انتقال کے بعد اس کے دونوں بیٹے بھی فوت ہو گئے۔ اب صورت یہ ہے کہ عمر کا ایک لڑکا

المسئله ۲۲۲

الاحیاء

سلیمہ حمیدہ صالحہ حافظہ سالمہ نواب بیگم حفیظہ علیہ علیہ حکیمہ
۲۰۴ ۶۳ ۱۶ ۱۶ ۱۹ ۱۵ ۳۴ ۳۴ ۳۴

بعد اداۓ حقوق متقدمہ علی الارث ترکہ محمد عمر مرحوم چار سو تیس حصوں پر تقسیم ہوگا جس میں سے موجودہ وارثوں میں ہر ایک کو اس قدر حصے ملیں گے جو خط احیاء کے نیچے ہر ایک کے نام کے نیچے لکھے گئے فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عمر علیہ السلام

مسجد جامع فتحپوری دہلی

۵ نومبر ۱۹۵۹ء

(سوال ایضاً) محمد عمر خاں کا انتقال ہوا تو انہوں نے دو لڑکیاں بتول بیگم اور اصغری بیگم، دو بیٹے اور ایک لڑکی نواب بیگم وارث چھوڑے۔ بتول بیگم کی شادی عبد الرحیم خاں سے ہوئی، اصغری بیگم کی شادی برکت اللہ خاں سے ہوئی۔ پہلے عبد الرحیم خاں کا انتقال ہوا، انہوں نے ایک زوجہ بتول بیگم، لڑکا حمید اللہ اور ہمیشہ نواب بیگم وارث چھوڑے۔ پھر برکت اللہ خاں کا انتقال ہوا اور انہوں نے زوجہ اصغری بیگم، تین لڑکیاں، زبیدہ میمونہ، شادبانو، اور ایک بھتیجہ حمید اللہ خاں (ولد عبد الرحیم خاں) وارث چھوڑے۔ اب زوجہ برکت اللہ خاں کا انتقال ہوا، انہوں نے ایک حقیقی بہن بتول بیگم، ایک بھانجہ حمید اللہ اور تین لڑکیاں زبیدہ، میمونہ، اور شادبانو، وارث چھوڑے۔ صورت مذکورہ میں محمد عمر خاں اور برکت اللہ خاں کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا۔

بینوا و توحيوا۔

الجواب

مسئله ۶۸	۲۲۲	۶۸	۲۲۲	مسئله ۶۸
بنت	بنت اصغری بیگم	ابن الاخ	ابن الاخ	بنت الاخ
بتول بیگم	عبد الرحیم خاں	برکت اللہ خاں	نواب بیگم	نواب بیگم
$\frac{2}{14}$	$\frac{2}{14}$	$\frac{1}{8}$	مخروم	مخروم
۱۳۴	۱۳۴			
زوجه	ابن	اخت	عبد الرحیم خاں علی	
بتول بیگم	حمید اللہ	نواب بیگم		
$\frac{1}{4}$	$\frac{2}{14}$	مخروم		

برکت اللہ صفت				۲۳	۷۲
ابن ابن اعم	بنت	بنت	بنت	زوبہ	اصغری بیگم
حمید اللہ	شادبانو	میونہ	زبیدہ	۱۶	۱۶
۱۵	۱۶	۱۶	۱۶		[۱۶]

اصغری بیگم ۱۵۳ و ۱۷۱				۳	۹
بنت	بنت	بنت	بنت	زبیدہ	
بنتول بیگم	شادبانو	میونہ	میونہ	۲	۲
۳	۲	۲	۲	۳۴	۳۴
۵۱	۳۴	۳۴	۳۴		

و مختصاً ۲۱۶
المبلغ ۴۳۲

الاحیاء

شادبانو	میونہ	زبیدہ	حمید اللہ	بنتول بیگم
۲۵	۲۵	۲۵	۳۹	۱۰۲

بعد ادا کے حقوق مستقیمہ علی الارث ترکہ متوفی محمد عمر دو سو سو لہ حصوں پر تقسیم ہوگا جس میں موجودہ وارثوں کو اس قدر حصے ملیں گے جو ہر ایک کے نام کے نیچے لکھے گئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد نظر علی اللہ (۱۴)

مسجد جامع پنجپوری دہلی

(۱۲ نومبر ۱۹۵۹ء)

(سوال نمبر ۱۶۰) یونس خاں کا انتقال ہوا انہوں نے چار بیٹے محمد عمر خاں، نصر اللہ خاں، نصر اللہ خاں، عبد اللہ خاں، چھوڑے۔ محمد عمر خاں کے ہاں دو لڑکیاں اصغری بیگم اور بنتول بیگم ہوئیں، نصر اللہ خاں کے ہاں ایک لڑکا۔ برکت اللہ خاں ہوا۔ نصر اللہ خاں کے ہاں ایک لڑکا عبد الرحیم خاں ہوا، عبد اللہ خاں لاولد رہے۔

پہلے نصر اللہ خاں کا انتقال ہوا جن کے ارث برکت اللہ خاں ہوئے، برکت اللہ خاں کے نکاح میں محمد عمر کی لڑکی اصغری بیگم آئی۔ پھر نصر اللہ خاں کا انتقال ہوا جن کے وارث عبد الرحیم خاں اور ایک لڑکی نواب بیگم ہوئیں۔ عبد الرحیم خاں کے نکاح میں محمد عمر خاں کی دوسری لڑکی بنتول بیگم آئی۔ اس کے بعد عبد اللہ خاں لاولد فوت ہوئے۔ پھر محمد عمر خاں کا انتقال ہوا۔ نصر اللہ خاں کی

عبدالرحیم صفحہ ۲	ابن حمید اللہ ۶۱ ۱۸۹	زوجہ بتول ۳ ۲۷
------------------	----------------------------	----------------------

برکت اللہ صفحہ ۳۲	بنت شادبانو ۱۶ ۶۴	بنت میمونہ ۱۶ ۶۴	بنت زبیدہ ۱۶ ۶۴	زوجہ اصغری ۹ ۳۶
-------------------	-------------------------	------------------------	-----------------------	-----------------------

اصغری بیگم صفحہ ۱۸	بنت شادبانو ۲ ۴	بنت میمونہ ۲ ۴	بنت زبیدہ ۲ ۴
--------------------	-----------------------	----------------------	---------------------

المسئلہ ۸۶۲ بلغ

الاحیاء

شادبانو ۱۰۴	میمونہ بیگم ۱۰۴	زبیدہ بیگم ۱۰۴	حمید اللہ ۲۴۹	بتول بیگم ۲۳۱	نواب بیگم ۷۲
----------------	--------------------	-------------------	------------------	------------------	-----------------

بعد اوائے حقوق متقدم علی الارث ترکہ متوفی محمد یونس خاں آٹھ سو چونسٹھ حصوں پر تقسیم ہوگا جس میں ان کے موجودہ وارثوں میں سے ہر ایک کو اس قدر حصے ملیں گے جو خط احیاء کے نیچے ہر ایک کے نام کے نیچے لکھے گئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عمر اللہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
۱۲ نومبر ۱۹۵۹ء

(نمبر ۱۶۱)

الجواب

صفحہ ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴

بنت خیر النساء ۶۷۲ ۲۰۱۶ ۶۰۴۸	بنت حفصہ بنتی ۶۷۲ ۲۰۱۶ ۶۰۴۸	بنت مسرت بی ۶۷۲ ۲۰۱۶ ۶۰۴۸	بنت حسرت بی ۶۷۲ ۲۰۱۶ ۶۰۴۸	ابن مقبول حسن ۱۳ ۱۳۳۴	ابن فدا حسن ۱۳ ۱۳۳۴ ۱۲۰۹۶	ابن بدظالین ۱۳	زوجہ فضیلت بی ۱۰ ۶۹۰ ۲۸۸۰ ۸۶۴۰
---------------------------------------	--------------------------------------	------------------------------------	------------------------------------	-----------------------------	------------------------------------	-------------------	--------------------------------------------

۲۵ مئی ۱۹۲۱ء و ۹۶		بینہما توافق بالنصف			بدالدین و ۱۳۷ و ۱۳۷	
زوجہ	ام	ابن	ابن	ابن	بنت	بنت
مریم	فضیلت بی	انار اللہ	ایشار اللہ	منیر احمد	واجب بن بی	ولی النساء
$\frac{۲۴}{۱۶۸}$	$\frac{۳۲}{۲۲۴}$	$\frac{۳۲}{۲۳۸}$	$\frac{۳۲}{۲۳۸}$	$\frac{۳۲}{۲۳۸}$	$\frac{۱۷}{۱۱۹}$	$\frac{۱۷}{۱۱۹}$
$\frac{۵۰۴}{۱۵۱۲}$	$\frac{۶۷۲}{۲۰۱۶}$	$\frac{۷۱۴}{۲۱۴۲}$	$\frac{۷۱۴}{۲۱۴۲}$	$\frac{۷۱۴}{۲۱۴۲}$	$\frac{۳۵۷}{۱۰۷۱}$	$\frac{۳۵۷}{۱۰۷۱}$

۲۵ مئی ۱۹۲۱ء و ۳		بینہما بجزء من اربعہ و عشرين		مقبول حسن و ۱۳۲۲ء و ۵۶	
زوجہ	ام	ابن	بنت	بنت	بنت
امینہ	فضیلت بی	منظور احمد	نور النساء	نور النساء	نور النساء
$\frac{۳}{۹}$	$\frac{۲}{۱۲}$	$\frac{۳۲}{۱۹۰۴}$	$\frac{۱۷}{۹۵۲}$	$\frac{۱۷}{۹۵۲}$	$\frac{۱۷}{۹۵۲}$
$\frac{۵۰۴}{۱۵۱۲}$	$\frac{۶۷۲}{۲۰۱۶}$	$\frac{۵۷۱۲}{۱۹۰۴}$	$\frac{۱۷}{۹۵۲}$	$\frac{۱۷}{۹۵۲}$	$\frac{۱۷}{۹۵۲}$

۱۲ مئی ۱۹۲۱ء و ۳		بینہما بالربع		نور النساء و ۹۵۲ و ۲۳۸	
زوج	ام	بنت	اخ	اخ	اخ
زید	امینہ	سارہ	منظور احمد	منظور احمد	منظور احمد
$\frac{۳}{۷۱۴}$	$\frac{۲}{۷۱۴}$	$\frac{۴}{۱۳۲۸}$	$\frac{۱}{۲۳۸}$	$\frac{۱}{۲۳۸}$	$\frac{۱}{۲۳۸}$

۶ مئی		بینہما داخل			فضیلت بی و ۱۲۶۷	
ابن	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت
نور الحسن	حسرت بی	حسرت بی	حسرت بی	حسرت بی	حسرت بی	خیر النساء
$\frac{۲}{۲۲۲۴}$	$\frac{۱}{۲۱۱۲}$	$\frac{۱}{۲۱۱۲}$	$\frac{۱}{۲۱۱۲}$	$\frac{۱}{۲۱۱۲}$	$\frac{۱}{۲۱۱۲}$	$\frac{۱}{۲۱۱۲}$

الرحیمة المہدیۃ ۶۹۱۲۰ بلغ

نور الحسن ۱۶۳۲۰ حسرت بی ۸۱۶۰ حسرت بی ۸۱۶۰ حسرت بی ۸۱۶۰ خیر النساء ۸۱۶۰ مریم بی ۱۵۱۴ انار اللہ ۲۱۴۲

ایشار اللہ ۲۱۴۲ منیر احمد ۲۱۴۲ واجب بن بی ۱۰۷۱ ولی النساء ۱۰۷۱ امینہ ۱۹۸۸ منظور احمد ۵۹۵۰ زید ۷۱۴ سارہ ۱۳۲۸

اگر حافظ نظام الدین نے بیوی کے نام جائیداد خرید کر پورے قبضہ میں نہیں دی ہے تو جائیداد انہیں ہزار ایک سو بیس حصوں پر تقسیم ہوگی جس میں ہر ارث کو اس قدر حصے ملیں گے جو زیر خط احیاء ہر ایک کے نام کے نیچے لکھے گئے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عظیم الدین

مسجد جامع فتحپوری دہلی

۱۳ ستمبر ۱۹۶۳ء

نوٹ :- مذکورہ بالا جواب کا سوال مسودہ میں بخوف طوالت نقل نہیں کیا گیا۔ بہر حال سہام کی تقسیم سے اندازہ ہو جاتا ہے۔
(مرتب)

(سوال نمبر ۱۶۲) ولایت علی اور اشرف علی (پسران شاعلی) درگاہ حضرت روشن چراغ دہلی کی آمدنی و موضع کے حقوق کے حقدار تھے۔ ان دونوں کا انتقال ہو گیا، ان کا بھانجہ برکت علی کیا شرعاً مذکورہ آمدنی کا وراثتاً حقدار ہو سکتا ہے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

درگاہ شریف کی آمدنی کے وہ لوگ جو اس کی خدمت کرتے ہیں مستحق ہیں کہ زائرین کا منشاء انہیں کو دینا ہوتا ہے اور متولی درگاہ انہیں میں تقسیم کرتا ہے یا ان میں کہ گو وہ خدمت نہیں کرتے لیکن وہاں کے رواج کے موافق وہ بھی مستحق سمجھے جاتے ہیں۔ پس برکت علی درگاہ کی خدمت کرتے ہیں یا مستحقین آمدنی میں ان کا شمار ہے تو ضرور درگاہ شریف کی آمدنی اور موضع کے حقوق میں اپنے حصہ کے مستحق ہیں۔

اس آمدنی میں شرعاً میراث جاری نہیں ہوتی، نہ اب ولایت علی اور نہ اشرف علی مرحوم کا اس آمدنی میں کچھ حق باقی ہے پچھلے زمانہ کے عمل کو دیکھ لیا جائے کہ کس کو کس نسبت سے یہ آمدنی تقسیم کی جاتی تھی اس ہی پر عمل کیا جائے۔ فقط

محمد عظیم الدین

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۶۳) ہندہ نے ایک وصیت نامہ کے ذریعہ اپنی جائیداد کی حبشہ اپنی اپنے نواسہ نواسیوں کے نام کر دی لیکن ہندہ کے بھتیجے بھتیجی بھی اس جائیداد سے اپنا حصہ طلب کرتے ہیں، کیا شرعاً وہ بھی مستحق ہیں؟

الجواب

حبشہ جن کے نام ہوئی ہے ان کے سوا اس میں کسی کا حق نہیں۔ فقط

محمد عظیم الدین

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۶۴) زید کا انتقال ہوا اس نے کچھ جائیداد چھوڑی جن کے ورثاء یہ لوگ ہیں۔ چار لڑکیاں، ایک لڑکا اور ایک زوجہ۔ لڑکیوں کو زید نے اپنی زندگی میں ایک ایک مکان اور دس دس ہزار نقد دے دیئے تھے۔ صورت مذکورہ میں ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا۔

الجواب

زندگی میں جو جائیداد کسی کو دے کر اس کا غیر مشترک قبضہ کرادیا ہے وہ تو اس ہی کا ہے بشرطیکہ مشترک نہ ہو اور اگر مشترک ہے تو وہ ترکہ میں داخل ہوگا۔ پھر ترکہ اڑتالیس سہام پر تقسیم ہوگا جس میں سے چھ سہام بیوی کو ملیں گے اور چودہ سہام لڑکے کو اور سات سات سہام لڑکی کو ملیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۶۵) عزیز الدین نے ایک مین خریدی اور قبالہ میں اپنے نام کے ساتھ دو بالغ اور ہشبار لڑکیوں محمد شریف اور محمد لطیف کے نام اس لئے ڈلوادئے کہ وہ اپنے نابالغ چھوڑے بھائیوں کی کفالت کرتے رہیں گے۔ کچھ عرصہ بعد محمد شریف کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس نے اپنے ورثاء میں چار بھائی، پانچ بہنیں اور والدین چھوڑے۔ اس کے بعد محمد شریف کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد اس زمین پر مکان بنانے کی تجویز ہوئی چنانچہ محمد شریف کے تین بھائی محمد رفیع، محمد تقی، محمد شفیع، اور ان کے بھانجے محمد اشفاق نے اپنے ذاتی روپے سے مکان تعمیر کیا۔ محمد لطیف کا اس میں کچھ حصہ نہ تھا۔ اس کے بعد محمد شفیع کا انتقال ہوا۔ کچھ عرصہ بعد ان کے والد عزیز الدین بھی فوت ہو گئے، ان کے بعد ان کی لڑکی امیرہ السلطان کا انتقال ہو گیا انہوں نے ایک لڑکا محمد اشفاق چھوڑا۔

اب محمد لطیف یہ کہتا ہے کہ چونکہ قبالہ میں میرا نام ہے اس لئے مکان کا مالک میں ہوں اور تمام وارث محروم ہیں۔ کیا محمد لطیف کا یہ کہنا صحیح ہے۔ اگر نہیں تو پھر ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے۔ بینوا و توجروا

الجواب

قبالہ میں کسی کا نام ڈالنے سے۔ جس کا نام ڈالا گیا ہے وہ اس جائیداد کا مالک نہیں ہو جاتا۔ جس نے اپنے روپے سے خریدا ہے وہی اس کا مالک ہوتا ہے اور اولاد بلا کسی شرط کے اپنے باپ کی جائیداد میں اپنے پیسہ سے کچھ زیادتی کرے تو وہ باپ کے ساتھ احسان کرنے کے حکم میں ہوتی ہے، پس یہ مکان عزیز الدین کی ملک قرار دیا جا کر گیارہ حصوں پر تقسیم ہوگا جس میں سے ہر لڑکے کو دو حصے اور ہر لڑکی کو ایک حصہ ملے گا اور

امتہ السطان کا حصہ ان کے وارثوں کو ملے گا۔ فقط وہو اعلم

محمد مظہر عسکری (م)

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۶۶) عبد القدوس کی لڑکی سے غلام نبی کا نکاح ہوا، لڑکی حاملہ ہوئی اور جب وقت آیا تو دروڑہ میں مبتلا ہوئی، تکلیف زیادہ تھی اس لئے ہسپتال میں داخل کرادی گئی۔ وہاں جب ڈاکٹرنیاں عاجز ہو گئیں تو انہوں نے عبد القدوس سے کہا کہ یا تو بچہ بیچ سکتا ہے یا تمہاری لڑکی؛ چنانچہ عبد القدوس نے اجازت دے دی کہ بچہ مار کر لڑکی کو بچا لیا جائے۔ اور لڑکی ہسپتال میں زیر علاج رہی۔ اس عرصہ میں عبد القدوس نے اپنی چھوٹی لڑکی (جو غلام نبی کے برادر خور و غلام تھی الدین سے بیاہی ہوئی تھی) کے ذریعہ اپنی بڑی لڑکی کے تمام زیورات وغیرہ چوری چھپوا کر منگوا لیے۔ جب غلام نبی نے پوچھا تو اقرار کیا گیا اور کہا گیا کہ جب لڑکی اچھی ہوگی تو اس کے ساتھ بھیج دیں گے۔

اس دوران مریضہ کی حالت نازک ہوئی، آخر اس نے دو عورتوں کے سامنے اپنے خاوند کا مہر معاف کیا اور جملہ زیورات کا وارث اپنے خاوند کو قرار دیا۔ اس کے بعد وہ فوت ہو گئی۔ صورت مذکورہ کے پیش نظر مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں :-

(۱) غلام نبی کا بچہ جو عبد القدوس کے کہنے پر مار کر نکالا گیا ہے اس کو علمائے کرام زندہ تسلیم کریں گے یا شہید اور اس کی تجہیز و تکفین کی کیا صورت ہوگی۔

(۲) غلام نبی کا لڑکا اگر زندہ ہوتا تو غلام نبی کا خسر عبد القدوس کہاں تک حصہ دار ہوتا۔

(۳) اگر غلام نبی کا خسر مہر کے معاف کئے جانے کو (جو دو گواہوں کے سامنے معاف کیا گیا

ہے) باطل ثابت کرے تو ایک ہزار روپے کے مہر میں سے عبد القدوس، زوجہ عبد القدوس، اور

ان کے چار لڑکوں اور تین لڑکیوں کو کتنا کتنا حصہ ملے گا؟

(۴) عبد القدوس نے نوزائیدہ بچہ کے متعلق جو مارنے کی اجازت دی، یہ کہاں تک صحیح ہے؟

(۵) عبد القدوس نے اپنی لڑکی کی شادی میں جو زیورات دئے، اس میں خود عبد القدوس اور

ان کے دوسرے رشتہ داروں کا کیا حق ہے؟ - نیز یہ کہ زیورات مہر کے ذیل میں آتے ہیں یا

نہیں؟

مستفتی

۲۵ جنوری ۱۹۱۵ء

یہ سوال یہ ہے کہ کیا زید کے حسب منشاء دوبارہ تقسیم کی جائیگی یا اس کا دعویٰ غیر معتبر قرار دیا جائے گا۔

الجواب

اگر وہ اپنے دعویٰ پر معتبر گواہ رکھتا ہے تو اس کا دعویٰ سنا جائیگا ورنہ خارج کر دیا جائے گا۔ عالمگیری میں ہے :-
 قال محمد بن عبد الله تعالى اذا اقتسم القوم امرا او دارا او قبض كل واحد
 منهم حقة من ذلك ثم ادعى احدهم غلطا فان اباحنفة رحمه الله
 تعالى قال في ذلك لا يعاد القسمة حتى تقيم البيعة على ما يدعى. انتهى
 فقط والله تعالى اعلم

منظر عقود
 محمد ہراند
 مسجد جامع فتحپوری دہلی

نمبر ۱۶۷- (ب)

الجواب

حصہ ۲۲

زوجه	بنوں	بنات
۰۸	۲۸	۲۸

بعد تقسیم یا تقدم علی الارث ترک متوفی — معافی مہر کا اگر زندہ اقرار کرتی ہے اور بصورت انکار معتبر
 گواہوں سے وہ کاتب ہے تو وہ معاف ہو چکا — لڑکیوں کے لئے جس وقت سامان چہیز بنایا ہے اس
 وقت اگر لڑکیاں نابالغہ تھیں تب تو یہ سب سامان لڑکیوں کا ہے ورنہ ترکہ میں داخل ہوگا کہ بالغہ لڑکی کے
 لئے جو کچھ بنایا جاوے جب تک اس کا اس پر قبضہ نہ کرایا جاوے اس کی ملک قرار نہیں پاتا۔ درختاریں سب
 اتخذ مولاه اولتמידہ ثابا ثم انرا و منها خیر لیس له ذالک ما لم
 یسین وقت الاتخاذ انها عامیۃ۔ وقال فی ساد المختار ای للصغیر و اما
 الکبیر فلا بد من التسلیم۔

زید کے لڑکے اگر اس کے ارثوں سے کسی کا حق رکھیں گے تو عند اللہ ما خود ہوں گے۔ لڑکیوں سے اگر دست
 بڑاری کے کاغذات لکھوائے گئے ہیں تو وہ عند الشرع معتبر نہیں لیکن کسی لڑکی کی اولاد کو یہ حق نہیں کہ
 اپنی ماں کی زندگی میں اس کے حق کا مطالبہ اپنے ماموں سے کریں۔ فقط لہ
 لہ یہ حراجت جیب علیہ الرحمہ نے مسودہ کی صورت میں تحریر فرمایا تھا۔ جو شکل سے پڑھنے میں آتا تھا اس
 لئے کوئی غلطی ہو تو لازم اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے اس کا سوال بھی مذکور نہ تھا اس لئے یہاں نہیں لکھا گیا۔ (مرتب)

سوال نمبر ۱۶۸، ایک شخص ترک من کر کے پاکستان کا باشندہ بن گیا، اس کی جائیداد قانون کے مطابق کسٹوڈین میں جا چکی ہے اگر ایسے مکانات کا سامان اہل محلہ کسی مسجد کی تعمیر میں باجارت مالک اصلی لگانا چاہیں تو لگا سکتے ہیں یا نہیں۔ بینوا و توجروا۔

استفتی

(قلمی) محمد میاں مدنی مدرسہ عالیہ

مسجد فتحپوری، دہلی

ستمبر ۱۹۵۵ء

محرم ۱۳۷۵ھ

الجواب

غیر منقولہ جائیداد پر اگر حکومت نے مالکانہ قبضہ کیا ہے تب تو اصل مالک کی ملکیت سے وہ جائیداد نکل چکی اب اس کو اس میں تصرف کا اختیار نہیں رہا اور حکومت کا محافظانہ قبضہ ہے تو اصل مالک کو اس میں تصرف کا اختیار ہے۔ یہی منقولہ جائیداد تو اس پر شنا جاتا ہے کہ ابھی محافظانہ قبضہ ہے اور اصل مالک کو اس کی ملکیت دے دی جاتی ہے اس لئے اس کو اس میں تصرف کا حق ہے، ایسی شے باجارت اصل مالک مسجد میں لگانا جاسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر عطار (۲۱)

مسجد جامع فتحپوری، دہلی

امانات

سوال نمبر ۱۶۹، ایک غیر مسلم کی امانت ایک مسلمان کے پاس ہے۔ غیر مسلم مر چکا ہے، ایسی صورت میں وہ امانت کس کو دی جائے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

ایسی صورت میں مساکین کو اس ارادے سے دے دو کہ مولیٰ تعالیٰ اس امانت کو قریب میں پہنچی گرفت کرے۔ فقط

محمد مظہر عطار (۲۱)

مسجد جامع فتحپوری، دہلی

سوال نمبر ۱۰۱) ایک مسلم کی امانت ایک مسلمان کے پاس ہے۔ امانت رکھوانے والا فوت ہو گیا اور اس کا کوئی وارث نہیں، ایسی صورت میں اس امانت یا قرض کا کیا کیا جائے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

امانت یا قرض کے روپیہ مساکین کو اس ارادے سے دے دو کہ مولیٰ تعالیٰ اس کو پہنچائے اور اس کی مغفرت فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۰۱) اگر کسی شخص نے گھڑی ساز کو مرمت کے لئے گھڑی دی اور اس کی دوکان سے چوری ہو گئی تو اس پر اس گھڑی کا ضمان آئیگا یا نہیں۔ اجیبوا فاستجیبوا۔

مستفتی

قاری، محمد میاں، مدرس، مدرسہ عالیہ

مسجد فتحپوری، دہلی

الجواب

یہ گھڑی امانت کے حکم میں ہے اس کے چوری ہو جانے سے کاری گریہ ضمان نہیں۔ فقط

محمد منظر عظیمی

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۰۲) اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ قوم بطور امانت رکھ جاتے تھے۔ سب بچہ خانقاہ کی بسی امانت اس کے پاس رہتی تھیں، اتفاق سے اس کے ہاں چوری ہو گئی اور یہ سب امانتیں ضائع ہو گئیں۔ کیا زید پر یہ تمام رقم واجب الادا ہے اور امانت رکھنے والے تقاضا کرنے میں حق بجانب ہیں؟ بینوا و توجروا۔

مستفتی

محمد ابراہیم، مظفر آباد

(آزاد کشمیر)

الجواب

یہ امانتیں اگر امانت ہی کے طریق پر محفوظ مقام میں رکھی گئی تھیں اور اس میں زید تصرف نہیں کرتا تھا تو

امانت رکھنے والا امین سے کچھ نہیں لے سکتا۔ نہ مسجد و نہ گاہ کی امانت کا دینا اس کے ذمے ایسی ہی جگہ منقطع
واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد منظر عہدہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

۱۲ شوال المکرم ۱۳۷۵ھ

۱۱ اپریل ۱۹۵۶ء

(سوال نمبر ۱۷۳) زید کی والدہ کا انتقال ہوا جس کا سونے کا زیور زید کے ماموں کے پاس بطور
امانت رکھا تھا کہ زید جب بالغ ہو جائے تو اس کو دے دیا جائے۔ چنانچہ بالغ ہونے پر جب زید نے
اس امانت کا مطالبہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس کے ماموں نے وہ زیور اپنے کام میں لے لیا، اب وہ دینا
چاہتا ہے، کیا زیور کے بدلے زیور دیا جائے یا اگر رقم دی جائے تو کس زمانے کے حساب سے ماضی کے
یا حال کے؟ بینوا و توجروا۔

مستفتی

(مولوی) عبد الکریم، مدرسہ دعائیہ دہلی

۲۵ دسمبر ۱۹۵۶ء

الجواب

موجودہ زمانے کی قیمت اس زیور کی دینی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عہدہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

۱۲ شوال المکرم ۱۳۷۵ھ

(سوال نمبر ۱۷۴) ہندہ اور زید کے وراثت نے جو ایک دوسرے کو سامان دیا اس میں اگر امانت کی
نیت ہو تو کیا حکم ہے اور اگر بد نیتاً دیا تو اس کے لئے کیا حکم ہے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

نیت کا اعتبار نہیں ہاں اگر صراحتاً یہ کہہ دیا ہو کہ یہ امانت ہے تو البتہ واپسی کا اختیار ہے لیکن اب
بھی مستعملہ واپس ہوگا۔ البتہ اس صورت میں زید گنہگار ہوگا کہ امانت کی شے کو استعمال کیا۔ فقط واللہ
تعالیٰ اعلم۔

محمد منظر عہدہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

۱۲ شوال المکرم ۱۳۷۵ھ

قرض

(سوال نمبر ۱۷۵) ایک صاحب ثروت شخص زید نے اپنے لڑکے کو تجارت کرانے کے لئے دو عورتوں سے معقول رقم لی مگر کوئی تحریر نہیں دی، حسب عدہ اس نے قرض ادا نہیں کیا اور مال سٹول کرتا رہا حتیٰ کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ انتقال سے پہلے وہ یہ ضرور کہتا رہا کہ قرض ادا کرے گا۔ اب مرنے کے بعد آخرت میں اس سے کیا معاملہ ہوگا۔

هُوَ الْمَسِدُّ

اگر حقیقت میں زید نے قرض لیا تھا اور اس کے ادائے قرض کے لئے کچھ چھوڑا نہیں تو قیامت میں اس کی رہائی کی دو ہی صورتیں ہیں، یا صاحب حق سے معاف کرایا جائے گا یا اس کے اعمال صالحہ سے بقدر حق اس کو عمل دلائے جائیں گے اور اعمال صالحہ نہ ہوں گے تو اس کے گناہ اس پر لا دے جائیں گے۔ کما جاء فی البخاری۔ ایسی حالت میں مرنا کبائر کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے۔ لقولہ علیہ السلام :-

ان من اعظم الذنوب عند الله تعالى بيلقائه عبد الكباثر اللتي
نهي الله تعالى عنها ان يموت رجل وعليه دين لا يدع له قضاء

(رواه ابو داود)

اور اگر اس نے مال چھوڑا ہے اور ادائے قرض کی وصیت بھی کر دی تھی تو زید اس کے گناہ سے بری ہے۔ وارث اگر ادا نہ کریں گے تو وہ ظالم ٹھہریں گے اور ان سے قیامت میں بھی معاملہ پیش آئیگا۔ ہاں باوجود قدرت ادائے قرض ڈھیل دیتے ہیں لہذا یہ ایسا گناہ ہے جو وہ اپنے ساتھ لے گیا۔

لقولہ علیہ السلام مطلق الغنى ظلم له

اور اگر مال چھوڑ گیا ہے اور ادائے قرض کی وصیت نہیں کی اور زندگی میں ادائے قرض کا ارادہ بھی نہیں رکھتا تھا تو اس پر دونوں گناہوں کا بار ہے، اگر وارث ادا کریں گے وہ قرض سے سبکدوش ہو جائے گا ورنہ دونوں گناہوں میں ماخوذ ہوگا پھر اگر (ورثاء) اس قرض کے متعلق علم رکھتے ہیں یا حجت شرعیہ سے قرض ثابت ہے تو نہ دینے کی صورت میں ان سے بھی اس قسم کا مواخذہ ہوگا جس کا اوپر ذکر کیا گیا اور اگر وارثوں کو خبر نہیں نہ وہ حجت شرعیہ سے ثابت تو نہ دینے کی صورت میں وارثوں سے کچھ مواخذہ نہ ہوگا اور دینے کی صورت میں امید ہے کہ زید سے مواخذہ نہ کیا جائے گا۔ فقط

محمد منظر اللہ غفر لہ
امام مسجد مچھوری دہلی

حصہ

(سوال نمبر ۱۷۶) تجارت گورنمنٹ نے عوام و خواص سے قرضہ حاصل کرنے کی ایک نئی شکل نکالی ہے وہ یہ کہ پانچ پانچ روپے اور سو سو روپے کے بونڈ نوٹ پھپھوائے ہیں جو پانچ سال کی مدت کے ہیں، جو شخص گورنمنٹ کو قرضہ دے گا اس کو رقم کے مطابق کاغذی تحریر مل جائیگی۔ پانچ سال کی مدت ختم ہونے پر گورنمنٹ کے معاہدے کے مطابق گورنمنٹ کے خزانہ سے بونڈ دکھا کر قرضہ کی اصلی رقم مل جائیگی اس رقم پر چوں کہ نہ کوئی سواڈ کوئی منافع ہوا تھا اس لئے صرف قرضے کی اصلی رقم جوں کی توں مل جائے گی۔

گورنمنٹ اس قرضہ کی رقم سے جو کارخانے جاری کرے گی اس کے منافع میں سے ایک کروڑ کی رقم پرتین لاکھ اڑسٹھ ہزار روپے علیحدہ کر لے گی، اس رقم کو گورنمنٹ اپنے قرضہ دینے والوں پر بصورت انعام بذریعہ قرعہ اندازی تقسیم کرے گی۔ تقسیم انعامات کے درجے رکھے ہیں، پہلا، دوسرا، تیسرا، چوتھا وغیرہ وغیرہ۔ یہ انعامات ہر سال تین تین ماہ کے بعد نکلتے رہیں گے، جن لوگوں کے نام قرعہ اندازی کے ذریعہ نکلتے رہیں گے ان کو انعام ملتا رہے گا۔ جن لوگوں کو انعام ملتا جائے گا ان کے نام آئندہ قرعہ اندازی سے علیحدہ رکھے جائیں گے۔ اس طریقہ سے ہر قرضہ کو بغیر کوئی منافع ہوا ہے کچھ نہ کچھ تھوڑا یا بہت منافع بھی پہنچ جائیگا۔ متذکرہ بالا صورت میں اگر کوئی مسلمان قرضہ دے تو اس پر کوئی شرعی گرفت تو نہیں ہوگی اور وہ رقم جو اس کو قرعہ اندازی کی شکل میں بطور انعام کے وصول ہوتی ہے وہ سود تو نہیں ہوگی۔ بیسوا اولو جہنا مستفتی

دعیم، محمد کمال، دہلی

۱۲ اپریل ۱۹۶۰ء

الجواب

مسلمان کو ایسا قرض دینا جائز نہیں اور انعام جو لے گا وہ سود ہے فقال علیہ السلام اذا قرض الرجل الرجل فلا يأخذ هدیتہ۔ فقط والله تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۷۷) زید نے اپنی دس بیگہ زمین بکر کے پاس ایک ہزار روپے کے عوض زمین رکھی۔ اس شرط پر جب ایک ہزار روپے آئے گا وہ زمین چھڑا لے گا، اور اس عرصہ میں زمین سے جو آمدنی ہو وہ بکر کی ہوگی کیا زمین کی یہ صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

مستفتی
محمد اسحاق، ضلع میرٹھ

الجواب

یہ صورت بھی جائز نہیں کہ زمین اس سے نفع لے گا۔ فقط واللہ اعلم

محمد عظیم
مسجد جامع فتحپوری دہلی

ص

(سوال نمبر ۱۷۷) زید نے ایک بیگہ اراضی مدرسہ کے نام پر کر دی جس کا باقاعدہ اعلان کیا اور ہتھم مدرسہ نے قبول کر لیا اور زید مذکور سے کہا کہ تم کاشت کرتے رہو، نصف حصہ پیداوار کا بھی بٹائی دیتے رہو۔ ایک سال بعد زید مذکور نے ڈھائی بیگہ اراضی اور مدرسہ کے نام پر کر دی مگر اس کا اعلان نہیں کیا بلکہ تین اشخاص کی موجودگی میں ضلع کے دفتر میں یہ لکھوادیا۔ یہ تین اشخاص جو قوم کے مستند علیہ تھان میں دوکا انتقال ہو گیا۔ ایک پاکستان چلا گیا۔ ۲۱ سال کے عرصہ سے اس زمین کا لگان مدرسہ ہی ادا کر رہا ہے۔ ڈھائی بیگہ اراضی سے زید نے اب تک کوئی بٹائی نہیں دی۔ اب صورتحال یہ ہے کہ زید کا دماغ ماؤف ہو گیا اور ہتھم مدرسہ کا انتقال ہو گیا۔ زید کا لڑکا ڈھائی بیگہ اراضی کے لیے کوئی فرضی تصور کرتے ہوئے اس کا دعویٰ دار ہے حالانکہ بعض قرائن سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت باعوض تھا چنانچہ وہاں بہت دھوب لہ کالین دین تھا اور یہ زمین کسی کے پاس نہیں تھی زید نے ہتھم مدرسہ سے قرض لے کر واگزارا کر لیا۔ زید کے قبیلے کے لوگ بھی اس کی شہادت دیتے ہیں کہ زید اپنی دنیوی ضرورتیں قرض لے کر پوری کرتا تھا، صور مذکور میں ڈھائی بیگہ اراضی کے لئے شرعاً کیا حکم ہے۔

مستفتی

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

الجواب

سوال سے یہ ثابت ہے کہ زید کا دماغ ماؤف ہے تو جب تک معتبر گواہوں سے یہ ثابت نہ ہو کہ زید نے اس ڈھائی بیگہ کو اس وقت بہ کیا تھا جب کہ زید کا دماغ صحیح تھا اس وقت تک اس بہ کی صحت کا حکم نہیں کیا جاسکتا کہ اس بہ کا پوشیدہ رکھنا ضروری شہ پیدا کرتا ہے۔ یہ سوال اس سے قبل ہی آچکا ہے جس میں متولی نے بھی اس بہ سے لاعلمی ظاہر کی تھی اور بتلایا تھا کہ جب لگان زیادتی کے ساتھ رہتا تھا تو یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اس ایک بیگہ کے لگان میں حکومت نے کچھ زیادتی کر دی ہے۔ پھر ایک بیگہ کی بھی بتائی لیتے رہے۔

ڈھائی بیگہ کی بتائی طلب کی حلال کہ متولی کو اس کا علم ہونا چاہیے تھا۔ اس سوال میں بتلایا گیا ہے کہ موہوب نہ متولی کا انتقال ہو چکا ہے اگر یہ صحیح ہے تو بعد کے متولی کو مدرسہ کی جائداد موہوب کا علم ہونا چاہیے تھا بلکہ مدرسہ کے متعلق رجسٹروں میں اس کا اندراج ہونا چاہیے۔ غرض ان وجوہات سے اس ڈھائی بیگہ کے بہ کی صحت میں قوی شبہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

محمد منظر عہدہ
سجده جامع فتحپوری دہلی
۱۳۸۰ھ

ملازمت

(سوال نمبر ۱۷۹) ایک مسلمان نہ تو ججہ کو کارخانہ بند کرتا ہے اور نہ کاریگروں کو نماز جمعہ کے لئے جھٹی دیتا ہے کیا شخص مذکور کا یہ فعل جائز ہے؟ کیا ملازمین و کاریگروں کے لئے جائز ہے کہ وہ اس حق کا مطالبہ کریں اور کیا اگر وہ یہ مطالبہ تسلیم نہ کرے تو اس کی ملازمت چھوڑ دیں۔ بینوا و توجسوا۔

فضل احمد - دہلی

الجواب

ایسا شخص شریعت مطہرہ کے نزدیک فاسق اور نہایت درجہ کا ظالم ہے۔ ملازمین کو نماز جمعہ کے لئے مطالبہ کرنا واجب ہے اگر یہ بد نصیب اجازت نہ دے تو مجبوراً پھر اس کی ملازمت ترک کریں۔ فقط واللہ اعلم

محمد منظر عہدہ
سجده جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۸۰) ایک مولوی صاحب نے ۱۲ رجب کو مدرسہ کی ملازمت چھوڑ دی، مگر رجب کے پورے مہینے کا مشاہرہ وصول کر لیا اور مزید شعبان کا نصف وصول کر لیا اور رمضان تک کی تنخواہ طلب کر رہے ہیں۔ کیا ان کے لئے یہ شرعاً جائز ہے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

جب کہ کوئی ملازم خود بخود اجارہ منسوخ کر کے کام چھوڑ دے تو پھر وہ تنخواہ کا مستحق نہیں، اگر مولوی صاحب نے خود کوئی ترک کر کے کام چھوڑ دیا تو اب وہ تنخواہ کا مستحق نہیں کہتے۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ عفرلہ

مدرسہ امینیہ - دہلی

ہوالموفق

صورت مذکورہ میں مولوی صاحب موصوف کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ رجب کی تیر و تاریخ کے بعد کسی ایسی مدت کی تنخواہ لیں جس میں انہوں نے تعلیم نہیں دی۔ عالمگیری میں ہے :-

الاجرة تستحق باحد معان ثلاثة اما بشرط التجميل او بالتجميل وباستيفاء المعقود عليه، فاذا وجد احد هذه الاشياء الثلاثة فانه يملكها۔ (کذا فی شرح الطحاوی)۔

اگر جس مدت میں انہوں نے کام نہیں کیا اس کی تنخواہ مہتمم مال وقف سے یا چندہ کے سے دے گا تو ضامن ہوگا کہ وہ چندہ دہندگان کا وکیل ہے اور ایسی تنخواہ کے متعلق ان کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر اللہ عفرلہ

امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۸۱) ایک سالہ جس میں مہتمم بازی کے اشتہار، سینما کے اعلانات اور کچھ فرضی محزب اخلاق مضامین شائع ہوتے ہیں، اس میں ملازمت کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں۔ بینوا و توجروا۔

مستفق

محمد فصیح الدین

کراچی

الجواب

اس میں ملازمت جائز نہیں کہ اعانت علی المعصیت ہے ہاں اگر اس کے متعلق کوئی ایسا کام ہو کہ جو شرعاً جائز ہے تو پھر ملازمت کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عہدہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۸۲)

(۱) سال میں حکومت ایک ماہ کی تنخواہ زیادہ دیتی ہے، یہ تنخواہ لینا شرعاً جائز ہے؟
(۲) حکومت کی طرف سے ملازمین کے فنڈ میں جو اضافہ ہوتا ہے وہ روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں اور اس فنڈ کے ساتھ جو سود کار روپیہ ملتا ہے وہ لینا شرعاً کیسا ہے۔ بیٹو اور توجروا۔

مستفتی
غلام حسین
۸ نومبر ۱۹۵۸ء

الجواب

(۱) حکومت جو ہر سال ایک ماہ کی تنخواہ زیادہ دیتی ہے وہ بھی شرعاً جائز ہے اور حکومت کی طرف سے جو ملازم کو تنخواہ کے بقیہ میں زیادتی کر کے دی جاتی ہے اور کچھ زیادتی بنام سود دی جاتی ہے اس کا لینا بھی جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عہدہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(نمبر ۱۸۳) مولانا عابد شاہ صاحب محدث رام پوری نے چند سوالات تحریر فرمائے تھے، مندرجہ ذیل جواب انہیں سوالات کے جواب میں مسودہ کی صورت میں دستیاب ہوا جو من و عن یہاں نقل کر دیا گیا۔

(مرتب)

الجواب

(۱) اس عبادت کا غالباً یہ مطلب ہے کہ میں اپنی زندگی میں لوجہ اللہ مدرسہ کی خدمت کرنا پسند کرتا ہوں

اس لئے مجھے مشاہیرہ لینا منظور نہیں، نیز مدرسین مدرسہ کی امداد میں اس رقم کی گنجائش کی بھی ضرورت ہے اور اس قدر گنجائش ہے نہیں یا مدرسہ کو اس قسم کی ضرورت ہے اس لئے بھی میں نہیں لے سکتا، پس زید اپنی زندگی میں تو یہ اختیار رکھتے تھے کہ وہ آئندہ کی تنخواہ لینے لگتے پھلی تنخواہ وہ بھی وصول نہیں کر سکتے تھے، لہذا اب جب کہ وہ وصال فرما چکے ہیں ان کے وارث پچھلے زمانے کی تنخواہیں وصول نہیں کر سکتے اور چوں کہ یہ اسقاط کی صورت میں ہے اس لئے مہتمم کا نہ واہب کے قبضہ میں ہونا شرط ہے نہ مہتمم کے دوسرے احکام کا اس میں لحاظ کیا جاسکتا ہے۔

(۲) مہتمم مدرسہ کے پاس مدرسہ کی رقوم امانت کا حکم رکھتی ہیں اگر بعد موت اس کی تحویل میں وہ رقوم نہ پائی جاویں تو اس کے حال کو دیکھا جائے گا اگر اس پر خیانت کا شبہ نہیں کیا جاسکتا ہے تو اس ہی پر محمول کیا جائے گا کہ یا تو اس نے اس رقم کو کسی جائز مصرف میں خرچ کیا ہے اور وہ تحریر کرنا بھول گیا ہے اور یا اس کے پاس سے جاتی رہی ہے پس اس صورت میں اس پر ضمان نہیں۔ اور اگر اس کے زمانے میں اس سے خیانتیں ظاہر ہوتی رہی ہیں تو پھر غالب یہی ہے کہ اس رقم میں بھی اس سے خیانت ہوئی ہوگی اس لئے اس کے مال سے اس رقم کو لیا جاسکتا ہے (اشباہ اور اس کی شرح جموی ص ۵۱۶) لیکن صورت مذکورہ میں چوں کہ زید کے حالات کو دیکھتے ہوئے اس پر خیانت کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا اس لئے اس کے مال سے رقم نہیں لی جاسکتی۔

(۳) زید کی وفات کے بعد جب اس کی اولاد کی اجازت سے معززین شہر نے ایک متدین شخص کو مہتمم مدرسہ بنا دیا تو جب تک اس سے کوئی خیانت ثابت نہ ہو اس کو معزول کر کے دوسرے شخص کو مہتمم بنانا باطل محض ہے، جو لوگ ایسا کرنے میں کوشاں ہیں وہ گنہگار ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عواد
مدرسہ اہل سنت
مسجد جامع فتحپور دہلی

بیع و شراء

(سوال نمبر ۱۸۴)

- (۱) زید ایک چیز فروخت کرتا ہے جب قیمت اسی وقت ادا کر دی جائے تو وہ دو روپیہ فی صد کمیشن دیتا ہے اور اگر آٹھ دن روز بعد ادائیگی کی جائے تو کمیشن نہیں دیتا۔
- (۲) بکر ایک چیز دس روپے درجن فروخت کرتا ہے جب کہ گاہک قیمت اسی وقت ادا کر دے اور ادھار لے تو وہ بکر دس روپے آٹھ آنے دینا ہے۔ مذکورہ بالا دونوں صورتوں پر سود کا اطلاق تو نہیں ہوتا۔
- بینوا و تو جوا۔

الجواب

ہیں دونوں صورتیں جائز ہیں، کسی میں سود کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔ فقط

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۸۵)

- (۱) دوکان پر ایک گاہک کے ہاتھ سے ایک نازک زنانی گھڑی ٹوٹ گئی جب کہ اس نے گھڑے کے گھڑے کو کھینچ کر دیکھنا چاہا، ایسی صورت میں گاہک سے جو نقصان ہوا ہے لیا جاسکتا ہے؟
- (۲) دوکان میں چوری ہو گئی جس میں گاہکوں کی وہ گھڑیاں بھی چوری ہو گئیں جو مرمت کے لئے آئی ہوئی تھیں۔ کیا گاہکوں کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی اپنی گھڑیوں کی قیمت یا متبادل گھڑیاں مالک دوکان سے لیں؟ بیسوا و توجروا۔

مستفتی
عاجی عبد الخالق - سکھ

الجواب

- (۱) گھڑی کا نقصان گاہک سے شرفاً لیا جاسکتا ہے۔
- (۲) صورت مذکورہ میں گاہکوں کو نہ گھڑیوں کے بدلے گھڑیاں لینا جائز ہے۔ نہ ان کی قیمت۔ فقط
- واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری دہلی

- (سوال نمبر ۱۸۶) ایک شخص نے زید سے کہا کہ یہ سونا لو اور فلاں شمارے سے میرے لئے زیور بنا دو۔ جہاں چہ زید نے وہ سونا شمارے کے سپرد کر دیا، اتفاق سے وہ شمارے مر گیا، اس صورت میں زید پر ضمان ہے یا نہیں؟

الجواب

صورت مذکورہ میں زید وکیل ہے اور چوں کہ وکیل بمنزلہ امین کے ہوتا ہے اور امین پر ضمان اس وقت لازم آتا ہے جبکہ وہ وادعت کی حفاظت میں کوتاہی کرے اور یہ یہاں مفقود ہے پس اس حالت میں زید پر ضمان نہیں۔ مالگیری میں ہے۔

ومنہ رای من احکام الوکالة، انه امین فیما فی یدہ، کالمودع فیضن
بما فیضن بہ المودع .

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۸۶) کیا نابالغ اپنے حقیقی چچا کی اجازت سے اپنی کسی شے کو کم داموں بیچ سکتا ہے اور اگر وہ نہ بیچنا چاہے تو کیا اس کا چچا اس کو اس بیع پر مجبور کر سکتا ہے یا خود چچا بلا اجازت نابالغ اپنے حصہ کے ساتھ اس کو بیچ سکتا ہے۔

الجواب

ایسے تصرف کا نہ نابالغ خود اختیار رکھتا ہے اور نہ اس کا چچا پس اگر ایسا کیا گیا تو یہ بیع باطل ہوگی ہاں یہ نابالغ کے چچا کو اختیار ہے کہ وہ اپنے حصہ کو جس قیمت کے ساتھ چاہے بیچے۔ در مختار میں ہے:-
وکل من شرکاء الملک اجنبی فی الامتناع عن تصرف مضر فی مال صاحبہ۔ انتہی
وفی الشامی:-

واما ما عدا الاصول من العصبیة کالعم والاکم او غیر ہم کالام لا یصح
اونہم لہ لانہ لیس لہم ان یصرفوا فی مالہ تجارۃ فلا یملکون
الاذن لہ فیہا۔ (شامی، ج-۵، ص-۱۱۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۸۸) ایک شخص کسی دوسرے شخص کو اپنی پانچ بکریاں اس شرط پر دیتا ہے کہ ان سے جو بچے پیدا ہوں وہ آپس میں آدھے آدھے تقسیم کرنے جائیں گے مگر اصل پانچ بکریاں شخص اول ہی کی رہیں گے۔ کیا یہ صورت شرعاً جائز ہے۔ بینوا و توجروا۔

مستفتی

سید عبداللہ ایم جلالی

مدیر مدرسہ عالیہ عربیہ مسجد فتحپوری دہلی

۲۸ اکتوبر ۱۹۵۹ء

الجواب

یہ معاملہ شرعاً صحیح نہیں ہے سب بکریوں والے کہیں جو ان بکریوں کی پرورش کرے گا اس کو پرورش کرنے کی اجرت ملے گا اور اگر اس نے اپنے پاس سے چارہ دیا ہے تو چارہ یا چارہ کی قیمت بھی وہ لے گا۔ ہاں اگر بکریوں والا نصف بکریاں دوسرے کے ہاتھ بیچ دے تو البتہ دوسرا بچوں میں بھی شریک ہو سکتا ہے عالمگیری میں ہے۔

اذا دفع البقرة الى انسان بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين
فما حدث فهو لصاحب البقرة ولذا لك الرجل مثل العلف الذي علفها
واجر مثله فيما قام عليها والحيلة في ذلك ان يبيع نصف البقرة من
ذلك الرجل. انتهى. وهكذا في الشامي.

فقط والله تعالى اعلم

منظر عمار لا
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۸۹)

(۱) مشتری نے ایک مین خریدی بعد میں معلوم ہوا کہ اس پر قبور ہیں تو اب وہ کس طرح تصرف میں لائے؟
(۲) اگر زمین پر صرف قبور کا ہونا معلوم ہے محل قبور نہیں معلوم تو کیا کیا جائے؟
(۳) بالعموم قبرستانوں کی بیچ و شراہ ہونے لگی ہے اور اس پر مکان وغیرہ بھی بنائے جاتے ہیں شرعاً اس کے لئے کیا حکم ہے۔

(۴) زید نے بکر کو ایک ہزار روپیہ دئے اور اس کے عوض زمین گرویں رکھ لی پھر بکر اور روپیہ لیتا رہا حتیٰ کہ ڈھائی ہزار روپے تک ہو گئے۔ اب بکر ان ڈھائی ہزار کے عوض وہ زمین زید کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتا ہے جو اب تک اس کے پاس گرویں رکھی ہے کیا یہ بیع صحیح ہے۔ بینوا و توجہ و ا۔

مستفتی

قرالین — بستی نظام الدین

مسجد بنگلہ عالی۔ نئی دہلی

الجواب

(۱) اگر زمین قبرستان تھی تب تو اس کی بیچ و شراہ ہی ناجائز ہے ورنہ صرف محل قبور کو مشتری محفوظ

کر دے باقی کو اپنے تصرف میں لاسکتا ہے۔ عالمگیری میں ہے :-

ویکراہ ان یبنی علی القبرا ویقعد اوینام او یطاء علیہ، او یقضی حاجۃ
الانسان من بول او غائط۔

(۲) جس طرف قبور کا ہونا معلوم ہے بعد تفتیش اس کو محفوظ کر دیا جائے پھر بھی معلوم نہ ہو تو اس کے ہر
حصہ پر مکان وغیرہ بنایا جاسکتا ہے بشرطیکہ یہ زمین قبرستان نہ ہو کہ وہ وقف ہوتا ہے۔

(۳) جب ثابت ہے کہ یہ قبرستان ہے تو اس کی بیع و شراء کیسے ہو سکتی ہے اور قبروں پر مکان
وغیرہ کیسے بنایا جاسکتا ہے۔

(۴) یہ بیع صحیح ہے۔ راہن مرتہن کو اتنا اور کہدے کہ اب آپ اس زمین پر مالکانہ قبضہ فرمائیں کہ پہلا قبضہ
دولیتہ تھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۹۰) دو شخص زید اور بکر کے درمیان زبانی معاہدہ کی بنا پر سلسلہ تجارت شروع ہوا جس میں
روپیہ زید کا ہے اور محنت بکر کی۔ ساتھ ہی یہ بھی معاہدہ ہوا کہ بکر، زید کے مشورے سے مال تجارت خریدے گا
— چند روز بعد تیسرے شخص عمر نے ایک ہزار روپیہ نقد بکر کو اس معاہدہ پر دئے کہ نفع نقصان برابر،
روپیہ میرا، محنت تمہاری — بکر نے عمر سے کہا کہ میں کپڑے کی خریداری کے لئے جا رہا ہوں اور اسی ارادہ
سے مبلغ بارہ سو روپیہ لے کر چاند پور گیا، جس میں دو سو روپے زید کے اور ایک ہزار عمر کے شامل تھے۔
چاند پور میں اتفاقاً ایک دوسرا مال ل گیا جس میں بظاہر بکر کو کچھ نفع معلوم ہوا چنانچہ بکر نے اپنی
ذمہ داری پر منڈی سے مزید روپیہ بارہ آنے فی سینکڑہ سو روپیہ لے کر اور یہ روپیہ ملا کر مبلغ پانچ ہزار
روپیہ کا مال خریدا، دوسرے روز فروخت کر کے قرضہ کی رقم ادا کی اور اصل رقم کا کپڑا خریدا لیا۔ اب
سوال یہ ہے کہ بکر نے اپنی رائے سے جو مال خرید کر نفع حاصل کیا اس میں بارہ سو کی رقم دوسرے دو
شراکاء (زید و عمر) کی شامل ہے جن سے اس مال کی خریداری کی اجازت نہیں لی گئی تھی تو جو منافع بکر نے
حاصل کیا ہے وہ باقی دو شرکاہ پر شرعاً کس طرح تقسیم کیا جائے۔ بیٹو اور توجروا۔

ستفتی

شمس الدین - (سیوہارہ)

۶ اکتوبر ۱۹۵۹ء

الجواب

صورت مذکورہ میں زید عمر نے کسی خاص تجارت کی قید نہیں لگائی تھی البتہ زید کی یہ قید ضرور تھی کہ اس کے مشورے سے تجارت کا مال خریدا جائے، پس اگر اس کے بلا مشورہ یہ مال خریدا ہے تو اس کی مخالفت ضرور ہوئی اس لئے اس کے مال میں بکر غاصب قرار دیا جائے گا۔ لہذا اس کے دو سو روپے کا بکر ضامن ہے گو زید کا اس وقت اس تجارت پر اعتراض نہیں لیکن اگر اس میں نقصان ہوتا یا اس کا سال تلف ہو جاتا تو وہ (عمر) اس کا ذمہ دار نہ تھا اور شرعاً اپنے دو سو روپے کا مستحق تھا۔ لیکن عمر نے کوئی قید نہ لگائی تھی اس لئے نفع کا $\frac{1}{2}$ اس کو ملے گا باقی $\frac{1}{2}$ بکر لے گا۔ فقط والله تعالیٰ اعلم

محمد منظر عسکری
مسجد جامع فتحپوری دہلی

پانچواں باب



اوقاف

(سوال نمبر ۱۹۱) موضع اٹھینی پر گزہ گڈھ مکشیر تحصیل اپور ضلع میرٹھ میں عید گاہ نہیں ہے، ایک مسجد آبادی کے باہر غیر آباد پڑی ہوئی ہے، اب تک اس میں عیدین کی نماز ہوتی رہی ہے، اب ارادہ ہے کہ مسجد کو کوشید کر کے عید گاہ بنادی جائے یا یہ جائز ہے یا نہیں عید گاہ بنانا بہتر ہوگا۔ بدینوا و توجس وا۔

الجواب

مسجد کے احکام عید گاہ سے جدا ہیں اور مسجد کو عید گاہ کی صورت میں لانے سے ان احکام کا لحاظ نہیں رکھا جاسکے گا نیز اس ہیئت کی تغیر میں واقف کی منشاء کی جس مخالفت ہے جو ناجائز ہے پھر بلا تغیر ہیئت اس وقت تک اس میں نماز عید بھی ادا کی جاتی رہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تغیر کی کچھ زیادہ ضرورت بھی نہیں بنا بریں اس مسجد کو اس ہیئت ہی پر رکھنا ضروری ہے، البتہ اگر کشادہ کرنے کی ضرورت ہو تو اور زمین شامل کر کے اس کو بڑھایا جاسکتا ہے۔

اور دوسرے مقام پر بھی عید گاہ بنانے کی ضرورت نہیں کہ اس صورت میں مسجد مذکور کی تعطیل لازم آتی ہے اور وہ بھی ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر اللہ عظیمی

امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۹۲) شاہ نواز خاں مرحوم نے غدر سے پہلے شاہ عالم ثانی کے زمانے میں ایک مسجد واقع غلہ مسجد تہور خاں میں تعمیر کرائی اور مسجد کے ملحق بہت سی اراضی متعلقہ مسجد یعنی صحن مسجد خرام رکھا۔ مسجد مذکور میں جب سے اس وقت تک نماز پنجگانہ، نماز جمعہ اور تراویح وغیرہ ہوتی رہیں۔ امام اور موذن بھی ہمیشہ سے اسی مسجد میں رہتے چلے آئے ہیں اور اب بھی رہ رہے ہیں۔ مسجد کا دروازہ بالکل الگ ہے جس کا دوسرے مکان یا راستہ سے کچھ تعلق نہیں ہے، ایسی صورت میں یہ مسجد کسی شخصیت کی ملکیت یا وقف خاص ہو سکتی ہے یا وقف عام؟ جس قدر اراضی و جائداد متعلقہ مسجد تھی متولی مسجد اس کو فروخت کر کے خرید کر گیا ہے جو اس کو جائز نہ تھا، ایسے شخص کی تولیت کا حق ثابت ہے یا نہیں۔ بدینوا و توجس وا۔

الجواب وهو الموفق للصواب

مسجد پر جب شرعاً مسجد ہونے کا حکم ہو جاتا ہے تو وہ وقف خاص نہیں ہوتی لان المسجد مال لا یكون لاحد فیه حق المنع (کذا فی الہدایہ)۔ اور صورت مذکورہ میں بلاشبہ تمام ائمہ کے نزدیک یہ مسجد مسجد ہے نہ ان کا کوئی مالک ہو سکتا ہے نہ کسی خاص قوم کو اس دعویٰ کا حق ہے کہ صرف ہم پر وقف ہے دوسری قوم اس سے متعلق نہیں ہو سکتی۔ عالمگیری میں ہے :-

لو جعل رجلا واحدا مؤذنا وامامنا فاذن واقام وصلی وحدثنا محمد بن
بالاتفاق (كذا في الكفاية وفتح القدير)

اور تئویرا لایعاریں ہے :-

فاذا تم ولزم لا یملك ولا یعار ولا یرهن انتہی۔ فقط
اس جائداد کی بیع باطل ہے لانه لا یقبل التملیک لغيره بالبیع ونحوه لا مستحال التملیک
الخارج عن ملكه (انتہی مافی الشامی) پس حاکم پر واجب ہے کہ اس بیع کے بطلان کا حکم دے اور
اس جائداد کو مسجد پر رد کر دے اور ایسے شخص کو معزول کر دے ورنہ گنہ گار ہوگا۔ چنانچہ درالمختار میں ہے :-
وینزوع وجوبا بزانیہ لو الواقف دہرہ فغیرہ بالاولی غیر مامون (انتہی
مافیہ) وقال العلامة الشامی مفتضاہ اثم القاضی بترکہ والاثم بتولیہ
الخائن ولا شک فیہ بحر انتہی۔ فقط واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

حمدہ محمد منظر اللہ شہنشاہ
امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۹۳)

(۱) ایک مسجد ریلوے اسٹیشن کے درمیان میں آگنی ہے راستہ نہایت خطرناک ہو گیا ہے اور خطرہ
ہے کہ کوئی نمازی ضائع ہو جائے۔

(۲) راستہ اس قدر محدود ہو گیا ہے کہ آمد و رفت بہت مشکل ہے۔

(۳) مسجد کے متصل گڑھے ایسے ہیں کہ مسجد منہدم ہو جانے کا بھی خطرہ ہے، مسجد کی پشت کے کونے کی
طرف حدود مسجد سے بڑھے ہوئے دو حجرے ہیں، جو تعمیر مسجد کے بعد عرصہ گزر جانے پر کسی شخص نے بنوادے
ہیں، مگر یہ تحقیق نہیں کہ زمین حجروں کی موقوفہ ہے یا نہیں اب ریلوے کہتی ہے کہ یہ دونوں حجرے ہم کو دید و اس
کے عوض میں دو حجرے جدید بنوادیں گے وہ لے لو، وجہ لینے حجروں کی یہ ہے کہ ریلوے دوسری لائن ڈالنے
کی تاکہ آپس میں گاڑیوں کا تصادم نہ ہو اور آمد و رفت میں کوئی حرج واقع نہ ہو۔

ریلوے یہ کہتی ہے کہ تم ہم سے تبادلہ کر لو گے تو ہم ہماری مسجد کی جگہ کھلی اور پورے طور پر حفاظت
کریں گے اور راستہ آمد و رفت نمازیاں بہت محفوظ اور قریب کر دیں گے تاکہ نمازیوں کے لئے کسی قسم
کی تکلیف اور کوئی خطرہ نہ ہو۔

حالت موجودہ میں مسجد بالکل غیر آباد ہے، بصورتہ استبدال آیاتہم و اس کے لئے کسی قسم کا اخراجات نہیں
نہیں رہے گا، اگر ریلوے سے مصالحت اور استبدال نہ کیا جائے تو مسجدیں و مسجدیں بالکل خراب ہوں گی۔

موقوفہ اور خطرناک ہوگا جس میں نمازیوں کی جانیں ضائع ہونیکا اندیشہ ہر وقت رہے گا۔۔۔ از روئے شرع شریف کیا حکم ہے۔ بعض مساجد اسی سینیہ میں گورنمنٹ کے قبضہ میں ہیں اگر یہ معاملہ طے ہو گیا تو ہم کو وہ مسجدیں بھی مل جاویں گی۔

الجواب

بزدہ نے مسجد مذکور کے موقع کو دیکھا ہے اور ہر ایک اعتبار سے مصالح مسجد نمازیوں کا مقتضی یہ ہے معلوم ہوا کہ مذکورہ حجروں کو بدل لیا جاوے کیوں کہ بعد تسلیم اس امر کے کہ وہ حجرے وقف ہیں استبدال وقف کو بھی بعض صورتوں میں فقہاء نے جائز رکھا ہے درمختار میں ہے :-

واما الاستبدال ولو للمساكين بدون الشرط فلا يملكه الا القاضي
دس شرط فی لیس خرج جہ عن الانتفاع بالکلیة وکون البديل عقلم
والمستبدال قاضی الجنبه المفسر بذی العلم والعمل الخ

پس چوں کہ عدم استبدال کی صورت میں بہت معزرتیں ہیں اور مسجد کا بقاء دشوار ہے اور ویرانی اس کی تو لابدی معلوم ہوتی ہے اس لئے مصلحت اسی میں ہے کہ استبدال کی اجازت دی جائے اس صورت میں مسجد کا راستہ قریب ممر عام سے ہونا متصوہ ہے اور استحکام مسجد آبادی مسجد انتظام حوض وغیرہ بخوبی ہو جاوے گا، اور بصورت عدم استبدال یہ تمام امور مفقود ہیں اور بظن غالب کچھ زمانہ کے بعد وہ مسجد بھی ریلوے کے تصرف میں آجاوے گی کیوں کہ مسجد مذکور آبادی سے علیحدہ ہے اور کوئی محلہ اب ہاں آباد نہیں ہے اس کی آبادی بصورت موجودہ اسی طرح ہو سکتی ہے کہ راستے کے گزرنے والے مسلمان نماز پڑھیں اور منتقلین مسجد مسجد کی ضروریات کا انتظام رکھیں اور موذن و امام مقرر کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ

عزیز الرحمن عفی عنہ

مفتی دارالعلوم دیوبند ۱۳ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ

الجواب هو الموفق للصواب

اگرچہ وہ مذکورہ میں استبدال وقف جائز نہیں لفقہان شرائط لیکن جب نفس مسجد کے ویران ہی نہیں بلکہ اس کے منہم ادب باد ہونے کا ظن غالب کیا جاتا ہے اور راستہ کے لئے کوئی کوشش کارآمد ثابت نہ ہوتی یہاں تک کہ اس سے بڑھنے سے مایوسی ہو چکی اور سوائے اس ایک طریقہ استبدال کے دوسرا کوئی ایسا طریقہ نظر نہیں آتا جس کے اختیار کرنے سے یہ سبھا بارہ سکے تو پھر ایسی صورت میں

مسلمان استبدال پر مجبور ہیں لانه اذا تعارض مض مضسد تان من وعی اعظمهما مض مضرا باہر تکلیف
 اخفهما قال التزیلی فی باب شروط الصلوة ثم الاصل فی جنس هذه المسائل
 ان اقبل ببلیتین وهما متساویتان یاخذن بایتهما مشاء وان اختلفا یختار اهوتهما ان
 ما فی الاشیاء والنظائر۔ فقط واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

محمد منظر اللہ غفرلہ

امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۹۴) ایک جگہ جہاں بطور مسجد سال با سال تک نماز ہوتی رہی تقریباً پچیس سال سے اس مسجد پر کے
 نصف سے زائد حصے کوٹھی سے بھر کر اور کرسی ڈال کر اور پختی مسجد بنا دی گئی باقی حصہ جو رہ گیا اس پر بھی لوگ
 برابر نماز پڑھتے رہے اب خیال ہے کہ اس جگہ پر دو گانیں بنا دی جائیں کیا صورت مذکورہ میں یہ جائز ہوگا۔ بدلائل
 قطعیہ واضح فرمائیں۔ بدینوا و توجروا۔

مستفتی

آحاق علی

ازبیکانیر۔ (بھارت)

هوالموفق

اگر مسجد قدیم پر مسجدیت کا حکم ہو چکا تھا تو اس کے حصے پر جس پر بنا واقع نہیں ہوئی، دکانیں نہیں بنائی جاسکتیں
 لقولہ تعالیٰ ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر الایة۔ اور در مختار میں ہے :-
 لو بنی فوقہ بیتا للامام لا یضر لانه من المصالح اما لو تمت المسجد یہ
 ثم اس اذ البناء منع۔ انتہی مافیہ۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر اللہ غفرلہ

امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۹۵)

۱۱) ایک مسجد کی چار دیواری پختہ نہیں ہوئی ہے اور چار دیواری کے باہر ہی اراضی مسجد کی ہے اور کچھ اراضی مسجد
 پر قبرستان بھی موجود ہے۔ اس اراضی پر منتظمان مسجد نے کرایہ داران علیہ دار آباد کئے ہوئے ہیں چنانچہ چار دیواری
 مسجد کی ایک دیوار پر کرایہ داران نے اپنے مکانات کی دیوار تعمیر کر کے رہائشی مکان بنوا رکھا ہے اور ان
 کرایہ داران علیہ دار و منتظمان مسجد کرایہ فعل درست ہے اور دیوار مسجد پر عملہ ڈال کر اس پر رہائشی مکان بنانا صحیح ہے۔

(۲) اس مسجد کی اراضی میں قبرستان بھی ہے ان قبروں پر مسجد کے غسل خانے کا اور وضو کا پانی گرتا ہے نیز بعض مکان جو اراضی مسجد پر آباد ہیں ان کا گندہ پانی بھی قبروں پر گرتا ہے اور ایک اکھاڑہ قبروں میں اراضی مسجد منتظمان نے بغیر کرایہ کے دے رکھا ہے، آیا اس سے مسجد قبروں کی بے حرمتی ہوتی ہے یا نہیں اور آیا منتظمان مسجد کا یہ فعل درست ہے؟

(۳) اس مسجد کے اور اراضی مسجد کے انتظام کے لئے تمام قوم نے دو اشخاص کو منتظم مقرر کیا تھا اس شرط کے ساتھ کہ اگر وہ قوم کی مرضی کے خلاف کام کریں گے تو قوم کو حق ہوگا کہ ان کو علیحدہ کر کے دوسرے آدمی ان کی بجائے مقرر کر دیں، اب قوم کی اکثریت ان کے کام سے ناخوش ہے چونکہ حسابات بھی غلط اور فرضی بنا رکھے ہیں۔ قوم کی اکثریت نے ان کو منتظمی سے علیحدہ کر دیا ہے مگر وہ بموجب شرائط علیحدہ نہیں ہوتے، چنانچہ قوم نے ان کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا ہے جس کا خرچ قوم کے چندہ سے پیدا کیا جا رہا ہے مگر مذکورہ الصدقہ دونوں منتظمین نے جو جوابی دعویٰ کیا ہے وہ مسجد کی آمدنی سے اس خرچ کو پورا کر رہے ہیں آیا ان کا یہ فعل جائز ہے؟

(۴) مسجد بزم امرت طلب ہے اور بغرض رفع تکلیف اور نمازیوں کی آسائش کے لئے اس مسجد پر خرچ کی ضرورت ہے مگر منتظمان بجائے اس طرف متوجہ ہونے کے اراضی مسجد کا صرفہ ایک مدرسہ میں دکھلا رہے ہیں جو خود انہوں نے اپنے نام سے کھول رکھا ہے کیا ان کا یہ فعل جائز ہے؟

(۵) اراضی مسجد پر کرایہ ایران نے علی بنارکھے ہیں بڑھت کر ایہ ایران عملاً خرید و فروخت منتظمان کرایہ ایران سے بطور نذرانہ بغیر لئے خرید و فروخت نہیں کرنے دیتے اس طور پر نذرانہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور شرفاندرانہ لینا کیسا ہے؟ فقط بیسوا و توجروا

(ماخوذ از)

رسالہ المرشد دہلی، جمادی الاول ۱۳۵۵ھ، ص ۳۰، ۳۱، ملخصاً

الجواب

(۱) دیوار مسجد پر کرایہ ایران کو اپنی دیوار قائم کر کے عمارت بنانا درست ہے ردالمحتار میں ہے :-

او یوضح الجذع علی جدار المسجد وان کامن او قادا (انتہی)

(۲) ان افعال سے اہل قبور کی بے حرمتی ظاہر ہے، مسلمانوں پر جس طرح زندہ مسلم کی حرمت لازم ہے اسی طرح وفات یافتہ گان کی بھی حرمت واجبات سے ہے چنانچہ فتح القدر میں ہے :-

الاتفاق علی ان حرمة المسلم میتا کحرمة حیثا۔

اور شایع ہے :-

المیت یتاذی بہا یتاذی بہ الحق

یعنی میت بھی اسی شے سے ایذا پاتی ہے جس شے سے زندہ تکلیف پاتا ہے۔

(۳) اگر منتظران سے کسی قسم کی خیانت متحقق ہے تو بیشک یہ معزولی کے مستحق ہیں، صورت مذکور میں تو ان سے معاہدہ ہو چکا ہے، اگر معاہدہ بھی نہ کیا گیا ہوتا تب بھی ان کو علیحدہ کرنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری تھا۔ درختار میں ہے :-

وینزع وجوباً لواقف غیر مامون فغیرہ بالاولیٰ درانتہی ملتقطاً، پس اگر یہ علیحدہ نہ ہوں گے اور قوم کی مخالفت میں مسجد کا روپیہ صرف کریں گے تو اس روپے کے ضامن ہونگے اور قوم وہ روپیے بھی ان سے وصول کر سکتے گی۔

(۴) مسجد کا روپیہ مدرسہ میں صرف نہیں کیا جاسکتا۔ اگرچہ مسجد کو فی الحال اس کی ضرورت نہ ہو، اور جب کہ مسجد کو اس روپیہ کی ضرورت بھی ہے تو اس حالت میں اس پر صرف نہ کرنا اور اس کی بجائے مدرسہ پر صرف کرنا صریحاً خیانت ہے۔

(۵) یہ نذرانہ رشوت ہے جس کا لینا حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۱۹۶) کیا ایک مسجد کی اشیاء کو دوسری مسجد میں لگایا جاسکتا ہے؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

تنویر میں ہے :-

حشیش المسجد وحصیرہ مع الاستغناء عنها وارباط والبراذ المیتفیع بہما فیصرف وقف المسجد والرباط والبراذ الی اقرب المسجد وارباط او بئر الیہ۔

یعنی جب بھی کبھی فاضل شے کی ضرورت مسجد غیرہ میں نہ ہوگی تب دوسری میں خرچ کی اجازت ہے۔ نیز اس ہی میں ہے :-

صرف نقضۃ الی عمارۃ ان احتاج والحفظ لاحتاج۔ فقط

محمد منظر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری، دہلی

سوال نمبر ۱۹۷، ایسی مسجد جس کی آمدنی مسجد کے اخراجات سے فاضل ہے، اس آمدنی کو اس مسجد کا متولی یا اس کی منتظمہ کمیٹی دوسری لاوارث ضرورت مند مسجد جس کی مستقل کوئی آمدنی نہیں ہے اس کے امام یا کسی دینی اسلامی مدرسہ میں بطور امداد خرچ کر سکتا ہے یا نہیں؟ بیٹو اور توجہ وا

الجواب

اگر یہ امید ہو کہ اس فاضل آمدنی کی ضرورت اس مسجد کو کبھی واقع نہ ہوگی تو اس کو اس کے قریب کی ضرورت مند مسجد کے لئے تو دیا جاسکتا ہے مدرسہ وغیرہ کے لئے نہیں دیا جاسکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عارف اللہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۳۰ جنوری ۱۹۷۰ء)

سوال نمبر ۱۹۸، چند مساجد و مقابر سیرین ترکمان دروازہ (دہلی) جو انقلاب زمانہ کی وجہ سے زمین میں دب گئے تھے اور اب برآمد ہوئے ہیں مگر اس وقت تک حکومت کے قبضے میں ہیں جس میں سے ایک مسجد اور چند مقابر شہید و مہندم بھی کر دئے گئے ہیں، اگر پشتر کہ بورڈ انجمن ہائے دہلی نے ان کے تحفظ کے لئے گورنمنٹ کے پاس مسلمانوں کے مطالبات بھیجئے ہیں لیکن تاہنوز کوئی تسلی بخش جواب نہیں ملا اس لئے علمائے کرام کی جناب میں التماس ہے کہ ہم کو بتلائیں کہ ہم ان کے تحفظ کے لئے کیا صورت اختیار کریں۔ بیٹو اور توجہ وا۔

ہوالموفق

ظاہر ہے کہ اوقاف کسی کی ملک نہیں خصوصاً مساجد کہ ارشاد باری ہے :-

ان المساجد للہ

اور قانون انگریزی کی رو سے بھی تمام اوقاف محفوظ ہیں جس کی بنا پر ہمیشہ یہ صورت رہی ہے کہ جس شخص نے بھی اوقاف میں سے کسی وقف کو نقصان پہنچانا چاہا یا اس کی آمدنی کو غیر مصرف میں صرف کرنے لگا فوراً حکومت سے چاہی جوئی کر کے اس کے تصرفات کو روک دیا گیا، پس یہی صورت یہاں بھی اختیار کی جائے اور وکلاء سے مشورہ کر کے اس شخص پر جس کے حکم سے اس مسجد اور مقابر کو مہندم کیا گیا ہے دعویٰ کیا جائے تاکہ پہلے نقصان کی تلافی ہو اور آئندہ کے لئے ایسے افعال شنیعہ کا انسداد ہو اور جو مساجد و مقابر حکومت کے قبضے میں ہیں وہ بھی مسلمانوں کے لئے واگذاشت ہوں۔ جب پشتر کہ بورڈ نے اس کام کو

اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے جس میں تمام انجنوں کے نمائندے کارکن ہیں، تو ایسی صورت میں بہت جلد کامیابی کی امید ہے لیکن پھر بھی چوں کہ یہ کوئی معمولی کام نہیں اس لئے ضرورت ہے کہ تمام مسلمان متفقہ طور پر اس میں کوشش کریں جس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ہر محلہ کے سربراہ اور وہ حضرات اراکین مشترکہ بورڈ سے مل کر اس میں جو کاروائی کی جا رہی ہے اس کے حالات معلوم کرتے رہیں تاکہ اس انجن کو اگر کسی قسم کی امداد کی ضرورت پیش آئے تو باسانی امداد کی جاسکے۔

مسجد کی حفاظت اگرچہ واجب علی الکفایہ ہے اور مشترکہ بورڈ کی کوشش تمام مسلمانوں سے اس کے وجوب کو ساقط کر دیتی ہے لیکن جب خود مشترکہ بورڈ اس کے تحفظ کے اسباب بہم پہنچانے میں حیران ہے تو ایسی صورت میں ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنی طاقت کے موافق اس کمیٹی کی اس میں اعانت کرے ورنہ گنہگار ہوگا کہ اسلام میں ہر مسجد کا گناہ شرک کے قریب قریب کہا گیا ہے چنانچہ ارشاد باری ہے :-

ومن اظلم من منع مساجدنا، الایۃ
یعنی اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں
میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے منع کرے اور ان کے برباد
کرنے میں کوشش کرے۔

پس ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ جب وہ ایسے مظالم کا انسداد کر سکے تو اپنی پوری کوشش صرف کرنے سے کبھی دریغ نہ کرے ورنہ عالمگیر عذاب کا اندیشہ ہے لقولہ علیہ السلام :-

ان الناس اذا ما ووالظالم فلم يآخذوا على يده او شك ان يعمر
الله بعقابه منه۔ (سواہ ابوداؤد)

”جس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ جب ظالم کے ظلم کو دیکھ کر اس کو اس ظلم سے نہ روکیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے اس جہود کی وجہ سے عام عذاب میں مبتلا فرمائے گا“

اور جب ہم مساجد کے گناہ کی عظمت اور اس میں طاقت ہونے کے باوجود کوشش نہ کرنے کا وبال معلوم ہو چکا تو اسی سے تحفظ مساجد کے ثواب کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے کہ کیا کچھ ہوگا۔ اعمال صالحہ میں ایمان کے بعد انہیں جیسے اعمال کا مرتبہ ہوگا چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں :-

فاذا كان الساعي في تخریبه في اعظم درجات الفسق وجب ان
يكون الساعي في عمارته في اعظم درجات الايمان۔

بلکہ خود باری تعالیٰ جل مجدہ فرماتا ہے :-

انما يعمر مساجدنا، الایۃ۔ (یعنی) مسجد کی تعمیر تو وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر

ایمان رکھتے ہیں نماز پڑھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔
اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

”جو شخص اللہ کے لئے مسجد بناتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر تیار فرماتا ہے۔“

یہاں شاید یہ شبہ پیدا ہو کہ صورت مذکور میں تو تعمیر مسجد نہیں ہے اور یہ فضائل تعمیر مسجد کے باب میں ہیں، سو یاد رہے کہ خواہ مسجد کا بنانا ہو یا اس کی اصلاح اور اس کی حفاظت کرتے رہنا ہو یا محض اس میں نماز کے لئے داخل ہو کر اس کو آباد رکھنا، سب تعمیر مسجد میں داخل ہیں۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں ہے :-

عمارتها تکون بوجهین احدهما بناؤها واصلاحها والثانی حضورها
ولنومها۔

الحاصل مذکورہ واقع میں اعانت کرنا خواہ راستے دینے کے ساتھ ہو یا روپیہ کی مدد سے اور دوڑ دھوپ کی کوشش سے ہو یا فقط دوسرے مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کرنے سے جس طرح بھی ہو ہر مسلمان پر ضروری ہے اور ان حضرات کے فرائض سے ہے جو خطاب یافتہ اور گورنمنٹ کی نگاہ میں معزز سمجھے جاتے ہیں، ان کو چاہیے کہ وہ گورنمنٹ کو اس کی اہمیت سے مطلع کریں اور اس کو سمجھائیں کہ قطع نظر آپ کے مواعید کے ایسے وقت کہ ملک کی فضا خراب ہو رہی ہے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھکرادینا اور ان کے دین کی اعانت کر کے ان کو اپنا دشمن بنا لینا مصلحت وقت سے بسا بعید ہے اور شتر کہ بورڈ کو بھی چاہیے وہ اس جذبہ جہد میں تہذیب کو ہاتھ سے نہ دے اور عقل و شریعت کے خلاف کوئی حرکت کر کے اس راہ کو پرخطر نہ بنائے اسی طرح عوام پر بھی لازم ہے کہ وہ اس انجمن کے خلاف راہ عمل اختیار کر کے اس کے لئے مشکلات نہ پیدا کر دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر البید غفر لہ
امام مسجد فتحپوری، دہلی

(نوٹ) یہ فتویٰ تقریباً تیس سال قبل تحریر فرمایا تھا۔

(سوال نمبر ۱۹۹) زید ایک محلے کی مسجد کا متولی ہے اس مسجد کے صحن کے نیچے صرف دو دکانیں تھیں، زید نے صحن مسجد کے نیچے کھود کر اور ان دونوں دکانوں کو ملا کر ایک گودام بنا لیا ہے اور خود ہی اس پر قابض ہو گیا ہے اور کرایہ بھی نہیں دیتا۔ آیا متولی مذکور کا یہ فعل جائز ہے اور اگر ناجائز ہے تو کیا ایسے متولی کو مسجد کی تولیت سپرد کی جاسکتی ہے۔ اور کیا گودام کو توڑ کر پہلی حالت پر کر دیا جائے؟

(بینوا و تو جروا)

الجواب

(مسجد کے) بانی نے جو دوکانیں مسجد کے فرش کے نیچے اس کے خرچ کے لئے نکالی ہیں، تو جائز تھیں لیکن پھر جو تمام فرش کے نیچے خلا کر کے ایک گودام بنا لیا ہے یہ ناجائز ہے، بہر حال اب اس کو یونہی رہنے دیا جائے اور معقول کرایہ پر چند سال کی مدت مقرر کر کے اس کو دیا جائے اور سابق متولی کو معزول کر دیا جائے کہ یہ خائن ہے اور دوسرا متولی مقرر کر دیا جائے کہ اس کی آمدنی مسجد کی ضروریات میں خرچ کرے اور بقایا کو محفوظ رکھے

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عظیم اللہ
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۰۰)

- (۲) کیا مسجد کو رہائش کے لئے لے کر اس کا کرایہ یا معاوضہ امام یا موزن یا متولی کو جائز ہے یا نہیں؟
- (۳) یا خود امام یا موزن یا متولی کو مسجد رہائش کے لئے دینا جائز ہے یا نہیں؟
- (۴) کیا متولی یا منتظم کمیٹی کو شرع کے رو سے اختیار ہے کہ آباد یا غیر آباد مسجد کو کرایہ پر لے لے، اگر اختیار نہیں ہے تو یہ لوگ قابل سرزنش ہیں یا نہیں؟
- (۵) کیا لوگوں کا یہ فعل کہ مسجد کو ڈھا کر یا لٹھہ جبرہ یا زمین موقوفہ کو فروخت کریں درست ہے یا نہیں؟
- (۶) اوقاف کی جملہ املاک یا بعض کو اپنے تصرف میں لانا اس کے حسابات وغیرہ کو غلط طور پر درج کرنا جائز ہے یا نہیں، اگر نہیں تو ایسا کرنے والے قابل سرزنش ہیں یا نہیں؟
- (۷) عام مسلمانوں کو مسجد کے متعلق حسابات وغیرہ دیکھنے اور حفاظت کرنے کا حق ہے یا نہیں نیز موقوفہ جائداد کے متعلق واقف کے ورناء اور دیگر مسلمانوں کو حق ہے یا نہیں؟
- (۸) کیا عام مسلمانوں کو حق پہنچتا ہے کہ مسجد یا موقوفہ جائداد کے خراب ہونے کی صورت میں عدالتی چارہ جوئی کریں یا نہیں؟
- (۹) کیا ترمذی شریف میں کوئی روایت ہے کہ قرب قیامت میں علماء خائن ہوں گے۔
- (۱۰) کیا مسلمانوں کو مسجد میں با وضو داخل ہونا چاہیے یا بے وضو اور اگر مسجد میں سوتے وقت محتلم ہو گیا تو کیا کرے۔؟

الجواب

(۸ تا ۱۰) مسجد یا اس کے کسی جز کو جو غاصبان مسجد یا دوسری ضروریات مسجد کے لئے واقف نے بنایا ہے کرایہ پر

دینا یا اس کو فروخت کر دینا یا بلا سوا وضہ ہی اس میں سکونت اختیار کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں یقیناً حرام ہے لان شرط
الواقف کنعہ لشارع۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ اشد درجہ کے ظالم اور سخت سرزنش اور عذاب الہی کے مستحق
ہیں آیت کریمہ ومن اظلم الا یہ (سورہ بقرہ) کی وعید شدید سے انہیں خوف کرنا چاہیے، آیت کریمہ ان لوگوں
کے حق میں جو مساجد کو مساجد کی شان میں رکھتے ہوئے کسی کو صرف اس میں نماز اور ذکر اللہ سے روکے
اور جو خود مسجد ہی کو مسجدیت سے نکال دے اس کے جرم کی عظمت کا تو ٹھکانہ ہی کیا ہے کہ اس نے تو اللہ تعالیٰ
سے مقابلہ کی ٹھانی ہے اور اس کی خالص ملکیت پر غاصبانہ قبضہ کر رہا ہے۔ آج کسی کی ملکیت پر کوئی غاصبانہ
قبضہ کرتا ہے تو پچاس اس کی مدد کو کھڑے ہو جاتے ہیں اور بیشک شرعاً ان پر واجب بھی یہی ہے تو یہ کیسے ممکن
کہ مسلمانوں کو اپنے مالک ہوئی کی ملکیت کی حفاظت کا حق ہی نہ ہو۔ حالانکہ وہ تعالیٰ مسلمانوں سے
اس کا مطالبہ فرما رہا ہے چنانچہ فرماتا ہے کہ :-

”مسلمانوں اللہ کے (دینی امور میں) مددگار ہو جاؤ (سورہ صف)

نیز اس کے فوائد بیان فرما کر اس پر برا نیگینتہ فرماتا ہے، چنانچہ فرماتا ہے کہ :-

”اگر تم (دین، خدا کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا“

(سورہ محمد)

اور اسی سورت میں بعض جہلاء کے اس قول کا رد فرماتے ہوئے کہ اسی کی چیز ہے وہ خود ایسے لوگوں سے
بدلے لے گا، اس کی حکمت بیان فرماتا ہے کہ :-

”اگر اللہ چاہے تو بیشک خود ہی ایسے لوگوں سے بدلہ لے لے لیکن اس لئے کہ تم میں سے بعض

کی بعض کے ذریعہ آزمائش فرمائے“ (تمہیں یہ حکم دیا گیا ہے)

(۹) یہ روایت مجھے یاد نہیں اور اس وقت میرے نزدیک ترمذی شریف بھی نہیں ہے۔ ہاں اس

مضمون کی احادیث ضرور مروی ہیں اور خیانت سے مراد ماہنت فی الدین ہے۔ اور اپنے مفاد یا کسی کی رعایت کی وجہ سے
نصوص شرعیہ کے مطلب کا بدل دینا ہے۔

(۱۰) ہاں مستحب بھی ہے کہ مسجد میں با وضو داخل ہو لیکن بے وضو داخل ہونے میں بھی حرج نہیں اور مسجد میں ہونے

کی حالت میں اگر احتلام ہو جائے تو بعد بیداری فوراً تیمم کر کے مسجد سے خارج ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر عیوب اللہ

مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۰۱) کافر اگر اپنی خوشی سے مسجد کے لئے چندہ دے تو وہ اس میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں، اگر

جائز ہے تو ماکان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ کی توضیح و تشریح فرمادیں۔ بینوا و قہر وا۔

هوالموفق

اگر کافر نے کسی خاص قوم کو چننا دیا ہے اس لئے کہ وہ اپنے لئے مسجد بنالیں تب تو یہ حال اس چننے کا مسجد میں لگانا جائز ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے۔ اور اگر کسی ایسے مسلمان شخص کو دیا جو عام مسلمانوں کا وکیل تھا تو اس میں دو صورتیں ہیں۔ اگر کافر کے اعتقاد میں مسجد بنانا ثواب کا کام ہے تب تو اس کا چننا مسجد میں لگایا جائے ورنہ نہیں۔ ہدایہ شریف میں ہے :-

اذا اوصى بما يكون قرابة في حقنا ولا يكون قرابة في معتقدهم كما اذا اوصى بالبحر او بان يبنى مسجد للمسلمين او بان يسرح في مساجد المسلمين فهذا الوصية بالملء بالاجماع اعتبار الاعتقاد هم الا اذا كان لقوم باعيا منهم لوقوعه تملیكا لانهم معلومون والجهة مشهورة ومنها اذا اوصى بما يكون قرابة في حقنا وحقهم كما اذا اوصى بان يسرح في بيت المقدس او بغزى الترك وهو من الحرم وهذا اجازة سواء كانت لقوم باعيا منهم او بغیر اعیانهم لانه وصية بما هو قرابة حقيقة وفي معتقدهم ايضا (انتہی)

اور آیت کریمہ میں تمہیں مساجد کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے لہذا اس سے اس پر استدلال نہیں کیا جاسکتا، البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ کفار سے چننا نہ لیا جائے کہ اول تو اس فعل سے وہ مسلمانوں پر احسان رکھنا چاہتے ہیں دوسرے بعض علماء نے آیت کریمہ پر نظر رکھتے ہوئے اس سے ممانعت فرمائی ہے چنانچہ تفسیر مظہری میں ہے :-

يجب على المسلمين منعهم من ذلك لان مساجد الله انما يعمر لعبادة الله وقد فمن كان كافرا بالله، فليس من شأنه ان يعمرها (ص ۱۰۰) انتہی

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ

امام مسجد چٹھوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۰۲) زہرہ نامی ایک طوائف نے تائب ہو کر اپنی شادی حاجی محمد صدیق صاحب سے کر لی، پھر اپنے دو ذاتی مکان حاجی صاحب موصوف کو ہبہ کر دئے جس کے بعد پورے طور پر رجسٹری بھی ہو گئی، مکانات مذکورہ پر قابض ہونے کے بعد ان دونوں مکانات کو ایک مسجد (نگیلے شاہ) کے نام وقف کر دیا، شرائط وقف کے تحت کچھ عرصہ تک زہرہ موصوفہ اس کی متولیہ ہیں، ان کی وفات کے بعد ان کے شوہر حاجی صاحب متولی رہے، ان کے انتقال کے بعد اس کی تولیت محلے کے چند منتخب حضرات کے سپرد کر دی گئی جو حاجی صاحب کی حیات ہی میں منتخب کر لئے گئے تھے، اب یہی لوگ متولی ہیں۔ کچھ لوگ معترض ہیں کہ یہ وقف بالکل ناجائز ہے اور اب قدس برادری پر

آبادہ ہیں۔ ازراہ کرم بدلائل واضح فرمائیں کہ ازروئے شرع یہ وقف صحیح ہے یا نہیں؟

مستفتی

محمد خاں ولد گلزار خاں
بنارس (بھارت)

ہوالموفق

اول تو ممکن ہے کہ یہ مکان فاحشہ کو کسی سے ترکے میں ملے ہوں تو اس صورت میں ان مکانوں کے وقف ہونے میں شبہ ہی کیا ہے اور اگر یہ ثابت ہو کہ اس نے اپنے پیشے کی نیکی حالت میں یہ مکانات حاصل کئے ہوں تو اس حالت میں بھی چوں کہ وہ بعض صورت میں مال کی مالک ہو جاتی ہے اس لئے ممکن ہے کہ اس نے یہ مکان اسی مال سے خریدے ہوں اور ان کو حاجی صاحب کو بہ کئے ہوں پس اس صورت میں بھی حاجی صاحب کا ان مکانوں کو وقف کرنا صحیح ہے کہ وہ ان کی ملکیت میں آچکے تھے اور اگرچہ یہ ثابت ہونا قریب ناممکن ہے کہ اس نے خاص اس حرام مال سے خریدے تھے جو اس کی ملکیت ہی میں نہیں آیا تھا تب بھی ایسے مال سے جو شے اس طرح خریدی جاتی ہے کہ نہ اس مال کو خرید سے پیشتر دیا جاتا ہے نہ خرید سے پیشتر اس کی طرف اضافت کی جاتی ہے وہ شے حلال اور جائز ہوتی ہے پس اس کا بہہ وقف بھی جائز ہوا۔

عن ابی حنیفۃ اذا اشتری الرجل بالدر اہم المخصوصۃ طعاما ان اضاع
الشرء الیہا ونقد غیرہا اولم یضیف الشرء الیہا ونقد منہا (ابن زمرہ
التصدق الا ان یضیف الشرء الیہا ونقد منہا (کذا فی فتاویٰ قاضی خاں)

اور ظاہر ہے کہ روایت ہی ہے کہ اشیاء کی خرید کے بعد قیمت دی جاتی ہے بلا اس کے کہ مال کی طرف اضافت کی جائے اور کہا جائے کہ میں اس مال کے عوض یہ شے لیتا ہوں۔ غرض ہر حال ان مکانات کا وقف صحیح ہے۔ فقط
واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر عسکری
مسجد جامع فتحپوری دہلی

۳۱ جولائی ۱۹۶۰ء

۱۶ صفر المظفر ۱۳۸۰ھ

(سوال نمبر ۲۰۲) طوائف نے مرتے وقت اپنا سکنی مکان اس طرح وقف کیا کہ اس کی آمدنی سے مکان مذکور کی دستوری مرمت و مجلس محرم و شربت اور مسجد محلہ کی دستوری کی جائے۔ کیا اس مکان کی آمدنی ازروئے شرع مسجد میں لگائی جاسکتی ہے۔ بینوا و توجروا۔

مستفتی

قاری محمد سلیمان مدرس مدرسہ عالیہ عربیہ مسجد فتحپوری، دہلی

هوالموفق

اول تو یہی متحقق نہیں کہ مکان موقوفہ مال حرام سے بنایا گیا ہو اور اگر بالفرض مال حرام سے بھی بنائے مکان کے لئے اشیاء خریدی گئی ہوں تب بھی عموماً خرید و فروخت اس طرح ہوتی ہے کہ مشتری مال لینے اور اس پر قبضہ کرنے کے بعد قیمت ادا کرتا ہے اور چونکہ نقد معاوضات میں متعین نہیں — کما فی الامتباہ حدیث قال النقد لا يتعين في المعاوضات — اس لئے صحیح کا انڈرٹن کا خبث شریک نہیں کہا جاسکتا اس لئے جو اشیاء خریدی گئیں وہ مشتری کی ملک میں بہ ملک صحیح آئیں اور تعمیر مکان میں کسی طرح حق خبث واقع نہیں ہوا پس بعد وقف اس کا کرایہ مسجد کی ضروریات میں اور ایصال ثواب کے لئے شربت وغیرہ میں صرف کرنے میں مضائقہ نہیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عسکری
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

مسجد جامع فتحپوری، دہلی

اعراض

اس جواب میں یہ خدشہ ہے کہ اگرچہ بیشک یہ صحیح ہے کہ نقد معاوضات میں متعین نہیں یعنی نقد مشارالہ کا غیر عوض ہو سکتا ہے لیکن ہرگز بعینہ جب مکان موقوف کی خرید میں قبضہ میں بائع کے یا کسی سامان کے من یا اجیر کی اجرت میں قبضہ میں دیا گیا ہو تو وہ بالقبض متعین ہو جائے گا۔ اور منی کے ظاہر حال سے ہی مؤید ہے لہذا جب تک اس کی جانب سے اس قبضہ کا بیان نہ ہو کہ اس نے مکان موقوف پر مال حرام اس طرح صرف نہیں کیا، کسی سے قرض لے کر مکان بنایا پھر قرض اس مال سے ادا کیا جس طرح اجیر وغیرہ کو طوائف سے معاملہ کرنے میں اپنا حق وصول کرنے میں اس کے عوض لے کر دینے کو مکلف بنایا جاتا ہے، لہذا مجیب صاحب اپنے جواب پر نظر ثانی فرمائیں۔ فقط

ولایت احمد

مددس مدرسہ عالیہ عربیہ مسجد فتحپوری،

دہلی۔

۱۰ حضرت مولانا ولایت احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت کے صاحبزادگان کے استاد تھے اور حضرت کی بیوی بزرگوار احرام کرتے تھے۔ لیکن ایسے حق گو تھے کہ کسی مسئلے میں ذرا بھی تردد ہوتا بر ملا اظہار فرما دیتے۔ حضرت فقیرانہ نگاہ سے ساتھ ان کے ترددات کا ازالہ فرما دیتے۔ پیش نظر اعراض اسی قبیل کا ہے۔

هُوَ الْمَسَدُ

میرے نزدیک جہاں تک ہو سکے ایسی صورت میں کہ کوئی صورت جو ازکی بھی نکلتی ہو فعل مسلم کو اس ہی صورت پر عمل کرنا اولیٰ ہے
سکنی مکان اکثر وارث کو مورث کے ترکہ میں ملتا ہے اور متروکہ مکان کو کسب حرام سے مورث نے حاصل کیا ہو وارث کے
لئے حلال ہوتا ہے جب کہ وہ اس کے اصل مالک اقف نہ ہو کذا فی الدرر۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ نہیں یہ اس ہی کا بنایا ہوا ہے تو اول تو اس پر جرم ہی نہیں کیا جاسکتا معہذا اس میں یہ
بھی احتمال ہے کہ پاک مال سے حاصل کیا ہو کہ یہ لوگ اکثر ایسے ہی مال کو خیرات کرتے ہیں۔ اور اگر مان لیا جائے
کہ کسب حرام کے مال سے اس نے حاصل کیا ہے تب بھی قیمت دینے سے پہلے جبہ قابض ہو گئی تو یہ مکان ملک
صحیح اس کی ملک میں آیا۔ اس کے بعد اگر وہ اس کی قیمت مہربانی سے ادا کرے تو پیشے اس کی ملک صحیح کو مل کر
فاسد کیسے کر دے گی۔ اور فرض کیجئے کہ شے مورث فساد ہو گئی تب بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس کو خود تصرف میں
لانا جائز نہیں لیکن جنس نے اس کو وقف کر دیا تو اس سے بھی وہ بری ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ اس کی مکان کی بیع
و شراء کو باطل تو کیا نہیں جاسکتا، فاسد ہی کہہ سکتے ہیں اور بیع فاسد میں اگر مشتری بیع کو وقف کر دے تو وہ
وقف صحیح و لازم ہو جاتا ہے اور بائع کو اس کے توڑنے کا اختیار نہیں رہتا چنانچہ در مختار میں ہے :-

فان باع (ای باع المشتري الفاسدا) بیعاً صحیحاً (الی ان قال)
او وقفه (وقفاً صحیحاً) لانه استهلكه حين وقف واخرجه عن ملكه و
ما فی جامع الفصولین علی خلاف هذا غیر صحیح، نفذ قال لشافعی تحت
قوله غیر صحیح و حملہ فی البحر علی ما اذالم یقض به اما اذا قضی به فانه
یرتفع الفساد للزومہ قلت لکن المسجد یلزم بدون القضاء اتفاقاً فانہم۔

اس مسئلے میں اگرچہ تردد مجھے بھی تھا لیکن یہ مسجد کے لئے وقف کا معاملہ ہے اس کو حتی الامکان رائیگاں کرنے سے
بچانا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے، جب اس وقف کے باطل ہونے کا حکم کیا جائے گا تو پھر اس کی کیا حیثیت قرار
دی جاسکتی ہے کیا پھر اس کو اسی کسی کو واپس کر دیا جائے یا حکومت کے حوالے کیا جائے اور جب اس کی
کسی حرام ہے تو اسے کسی مسلمان کو کیسے کھلایا جاسکتا ہے۔ امید ہے کہ بحیب ایسی سخت گیری نہ فرمائیں
گے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد عارف
مسجد جامع گنجان پورہ دہلی

(سوال نمبر ۲۰۴) خالص سنی عقیدے کے مسلمانوں نے جو لاکھوں اور کروڑوں روپے کے اوقاف مزارات
اور دیگر اہم دستاورد عالی علیہم کے ضروری مصارف کے لئے وقف کئے ہیں جن میں عرس کے مصارف بھی شامل ہیں

کیا ان اوقاف کی حفاظت و نگرانی اور انتظام کے لئے ان لوگوں کا مقرر کرنا جو اولیائے کرام سے عقیدت نہیں رکھتے جو ان کے مزارات کی تعظیم نہیں کرتے اور جو ان کے مراسم میں کوئی شرک کفر قرار دیتے ہیں۔ کیا از روئے شریعت اسلام یہ جائز ہے؟ کیا اولیائے کرام کے معتقدین کے اعتقادی، مذہبی اور انتظامی امور میں زبردستی دخل دینا مداخلت فی الدین نہیں ہے؟ کیا سنتی عقیدے کے مسلمانوں کے نکاح و طلاق اور مہر وغیرہ کے معاملات میں بدعتیہ لوگوں کو قاضی مقرر کرنا جائز ہے؟ اور کیا مسلمانوں کے پرسنل لاء مذہبی معاملات میں یہ نامناسب مداخلت نہیں ہے۔ ازراہ کرم شرعی احکام سے مطلع فرمائیں۔

مستفتی

مدیر اخبار غریب نواز (دہلی)

مطبوعہ اخبار مذکورہ ۱۵ نومبر ۱۹۶۶ء

الجواب

(۱) کسی وقف کا منتظم یا متولی وہی شخص ہو سکتا ہے جو مال وقف کو واقف کی شرائط کے موافق اس کے مصرف میں صحیح طور پر خرچ کر سکے۔ خیانت کا یا غیر مصرف میں خرچ کرنے کا اس سے اندیشہ نہ ہو۔ اور وقف اور جن لوگوں کو وقف کا نفع پہنچتا ہے ان کے حق میں بہتر ثابت ہو سکتا ہو، خود اپنے یا اپنے متعلقین کے اوپر صرف کر کے کی (خواہش) نہ رکھتا ہو بلکہ فقہا تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگرچہ وہ ہر طرح کی قابلیت رکھتا ہو لیکن اگر وہ خود متولی ہونے کی درخواست کرتا ہے تب بھی اس کو متولی نہ کیا جائے۔ پس ان فقہی احکامات پر نظر رکھتے ہوئے وہ لوگ اہل اللہ کی درگاہوں کے نگران و منتظم کیسے بنائے جاسکتے ہیں جو ایک حد تک سرسے سے ان درگاہوں ہی کے مخالف ہیں اور جبلان کے نزدیک ہر اسم ہی بدعت مگناہ ہے جو اوقاف کی آمدنی کے مصرف میں تو ان سے کیسے امید کی جاسکتی ہے کہ وہ شرائط وقف پر کما حقہ عمل کر سکیں گے اور یہ بتلایا جا چکا ہے کہ جو شرائط وقف پر عمل نہ کر سکیں وہ وقف کا متولی نہیں کیا جاسکتا۔

جس بل کے سلسلے میں یہ سوال کیا جا رہا ہے وہ بل بھی مطالعہ سے گزرا ہے میرے نزدیک تو اس بل کے ماتحت وہ لوگ بھی شرائط وقف پر عمل نہیں کر سکتے جو منتظم ہونے کے حقیقت میں اہل سمجھے جاتے ہیں اور مزارات مقدسہ کا صحیح طور پر احترام کرنے والے ہیں۔ مانا کہ اس وقت بھی کما حقہ شرائط واقف پر عمل نہیں کیا جا رہا لیکن آج اگر مال وقف کے چار آئے تلف ہو رہے ہیں تو اس بل کے ماتحت آٹھ آئے تلف ہوں گے۔ اتنا ضرور فرق ہوگا کہ اب تک متولی کھاتے ہی آئندہ دوسرے لوگوں کے لئے پیٹ پالنے کا ذریعہ نکل آئے گا۔ بہر حال وقف کو تو فائدہ جب بھی نہ ہوگا، اس لئے میرے نزدیک تو اس بل سے یہی ہے کہ اس بل کی مخالفت کی جائے، اوقاف کو سنتی اوقاف بل سے کونسا نفع پہنچا جو اس سے پہلے پہنچتا تھا؟

(۲) امور شرعیہ میں سے مسئلہ اوقاف بھی ایک مسئلہ شرعی ہے پس انتظام کے پردے میں اس کی مالیات کو برخلاف شرط واقف صرف کرنے کو لازم قرار دینا یا ایسا متولی یا منتظم اس پر مقرر کرنا جو ان صفات کا حامل نہ ہو جن کا ذکر اوپر کیا گیا اور اپنے سوء فہم کی وجہ سے بعض مصارف وقف ہی غیر شرعی سمجھتا ہو، یقیناً مداخلت فی الدین ہے۔

(۳) اس وقت زیادہ تر قاضی کی ضرورت نسخ نکاح کے باب میں محسوس ہو رہی ہے اس صورت میں حکومت اگر قاضی کا تقرر نہ بھی کرے تب بھی مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے لئے قاضی مقرر کریں جو شریعت مطہرہ کے موافق ان کے فیصلے کرے لیکن مشکل یہ ہے کہ اس کے لئے بھی ایک قانون بنا دیا گیا ہے جس سے بہت سے دفعات شریعت حقہ کے مخالف ہیں پس قاضی مجبور ہوگا کہ اس کے موافق فیصلے کرے، اس کے خلاف اس کا فیصلہ قابل نفاذ نہ ہوگا، تو ایسی قضات نہ کسی کو قبول نہ یہ جائز ہے اور نہ اس کا فیصلہ شرعاً معتبر ہوگا۔

اسی طرح اگر خود قاضی پراندیشہ کیا جاتا ہے کہ وہ اہل سنت کے خلاف قضا یا فیصلہ کرے گا تو اس کا تقرر بھی جائز نہیں پھر قاضی کے تقرر کے لئے جو ووٹوں کا طریقہ رکھا جائے گا، یہ طریقہ بھی قاضی کو شرعی قاضی بننے نہ دے گا، علاوہ ازیں غیر مسلم حکومت کی طرف سے کسی کو قاضی بنانے کا جواز خود مختلف فیہ ہے تو حکومت کے تسلیم کرنے کے بعد جب تک خواص اہل اسلام اور علمائے اہل سنت باتفاق تسلیم نہ کریں گے اس کے قاضی ہونے میں کلام ہی رہے گا۔ چنانچہ شامی علیہ الرحمہ نے اس مسئلے پر کلام کرتے ہوئے فرمایا :-

اذا ولی الکافر علیہم قاضیا و ماضیہ المسلمون صحت تولیتہ لاشبہۃ۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عصار
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۰۵) دہلی میں چھ سو برس پرانی ایک جامع مسجد ہے جو محکمہ آثار قدیمہ کی نگرانی میں ہے، اس میں پنج وقتہ نماز ہوتی ہے جس کے لئے وقف بورڈ نے ایک امام مقرر کر رکھا ہے جو جموں کی پڑھا لکھا ہے لیکن عیدین کی امامت کے لئے وقف بورڈ ایک عالم اور متقی کو مقرر کرتا ہے کیا امام مذکور کی موجودگی میں بورڈ کو دوسرا امام مقرر کرنے کا اختیار ہے؟

امام مذکور اور اس کے مقتدیوں کا خیال ہے کہ وقف بورڈ کا یہ نصاب نہ طرز عمل ہے اس لئے انہوں نے ایک عید کے موقع پر اس حق کو حاصل کرنے کے لئے مختلف تدابیر اختیار کیں اس کے علاوہ یہ قدم بھی اٹھایا کہ جب امام عید مصلیٰ پر آیا تو ایک نوجوان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ہٹا دیا اور امام مذکور نے نماز پڑھائی، کیا

یہ سوال بہت طویل تھا احقر نے حرف مطلب اخذ کر کے مختصر طور پر لکھا ہے، اس کا پہلا جواب مولانا عبداللہ انصاری (مدین مدنیہ عالیہ فتحپوری، دہلی) نے تحریر فرمایا ہے پھر حضرت قدس سرہ نے ان الفاظ میں اس جواب کی تصدیق فرمائی ہے۔

(مرتب)

امام اور مقتدیوں کا فیصل جائز ہے اور کیا جو لوگ نماز میں شریک تھے ان کی نماز ہو گئی۔ بینوا توجروا۔

ہوالمسد

اس مسجد میں کہ جس میں پنج وقتہ نماز میں دو چار مقتدی ہوتے ہوں وقف بورڈ جمہور عیدین کے لئے امام مقرر کرنے کا حق رکھتا ہے کہ مشہور عالم متقی مقرر کر دے۔ اشباہ میں ہے:-

وان تنازعوا فی نصب الامام والمؤذن مع اهل المحلة ان كان اختار
اهل المحلة اولی من الذی اختارہ البانی فما اختارہ اهل المحلة اولی
وان كانا سواء فمنصب البانی اولی (انتہی)

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ مطلقاً وقف بورڈ کو امام و مؤذن مقرر کرنے کا حق ہے، اس حالت میں وہ نمازیوں کے ایک جاہل کے مقابل ایک متقی عالم کو مقرر کر سکتا ہے خصوصاً ایسی صورت میں کہ سوال کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فسادی ہی ہے جنہوں نے اس فساد کو مدد دی اور لوگوں کو نماز سے روکا اور امام کے موافق لوگوں کو دعوت دی وہ گنہ گار ہوئے ان پر توبہ لازم ہے اور امام عید سے معافی مانگنا مستحکم ہے اور ان کا اعتراض صحیح ہے جو امام کے مخالف ہیں اس کو یہ حق نہ تھا کہ امام عید کے مخالف نماز پڑھاتا۔

جب عیدین کے لئے امام مقرر ہے تو بلاوجہ ابے امام عید سے اجازت لینے کی ضرورت ہے، نہ سنی بورڈ سے اس کو سنی بورڈ کے جائز احکام کی پیروی کرنی لازم ہے ورنہ ایسے امام کو برطرف کر دینے کا بھی اس کو حق ہے جو نص قرآنی کے مخالف بنے۔

میرے نزدیک امام پنج وقتہ نے چونکہ امام عید کے خلاف قدم اٹھایا ہے اس لئے امام عیدین سے دریافت کرنا ضروری ہے اگر انہوں نے شر دیکھتے ہوئے اجازت دی تو نماز ہو گئی ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر عطار (امام)

مسجد جامع پنجپوری، دہلی

(۱۲ اپریل ۱۹۶۴ء)

(ذیقعدہ ۱۳۸۳ھ)

۱۰ پنج وقتہ امام اور ان کے مویدین نے جو مذاہب اختیار کی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ لوگوں کو متوقع فساد سے آگاہ کر کے یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ نماز دوسری جگہ پڑھیں اس طرح اپنے ہم نواؤں کو نماز عید کے وقت موجود رکھنا کہ امام عید کو ہٹانے میں آسانی ہو۔

(منبر)

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حضرت مفتی صاحب دام اللہ فیضہ وارشادہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ نے خانقاہ شریف بنائی اور اپنی حیات مبارکہ میں اپنے خلیفہ اجل حضرت شاہ ابوسعید کو اپنا جانشین اور خانقاہ شریف کا متولی بنایا اور آپ کو کئی اختیارات عنایت کئے۔ مثلاً ہجری سے خانقاہ شریف کی تولیت اور جانشینی آپ کی اولاد میں چلی آرہی ہے دہلی سنی مجلس اوقاف کے ناظر صاحب کا کہنا ہے کہ متولی وہی شخص ہو سکتا ہے جس کو اوقاف متولی بنائے یا حکومت اس کو متولی بنائے۔ جو صورت خانقاہ شریف کے متولی اور سجادہ نشین کی ہے اس کو ہم صرف منظم کی حیثیت دے سکتے ہیں، ناظر صاحب کا یہ قول از روئے قواعد شریعت مطہرہ کہاں تک درست ہے۔ نیز واضح رائے عالی ہو کہ یہ خانقاہ شریف عمومی وقف نہیں ہے بلکہ ایک خاص وقف ہے جس کا تعلق سلسلہ شریفیہ مجددیہ منظر سے ہے۔ بیادوار حکم اللہ۔

زید ابوالحسن فاروقی

خانقاہ حضرت شاہ غلام علی معروف

بہ درگاہ حضرت شاہ ابوالخیر۔ چٹلی قبر۔

(دہلی)

۱۳ ذیقعدہ ۱۳۷۹ھ، ۱۰ مئی ۱۹۶۰ء

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

جناب صاحب نے ارہ صاحب دامت برکاتہم

علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جواب کی ضرورت تو نہ تھی کہ جناب خود مجھ سے بہتر مسائل فقہیہ کا علم رکھتے ہیں لیکن حسب ارشاد مسئلہ مرقومہ کا جواب عرض کیا جاتا ہے وهو الملمہم بالصدق والصواب۔

الجواب

ناظر صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے وہ غالباً قانون کی کسی دفعہ کا منشاء ہوگا، ورنہ شرعاً تو ہر متولی کو یہ حق ہے کہ وہ مرض موت میں دوسرے کو متولی مقرر کر دے اور اگر اوقاف نے متولی کو تخصیص کے ساتھ اختیار دیا ہے جیسا کہ صورت مذکورہ میں ہے تب تو ایسا متولی حالت صحت میں بھی جس کو چاہے متولی کر سکتا ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے :-

امداد المتولی اقامۃ غیرہ مقامہ فی حیاتہ وصحتہ ان کان التفویض لہ

بالشرط متماصم والا لا یصح وان فی مرض موتہ صحیح۔ انتہی۔ وہ کتابتہ
العالمگیری۔

بلکہ خانقاہوں کی تولیت میں تو اس کی بھی ضرورت نہیں کہ واقف کئی اختیار بھی دے اس لئے کہ ایسے واقف
میں تو عرفا واقف کا صرف متولی کر دینا ہی کئی اختیار دینے کا حکم رکھتا ہے :-

لان المتعارف فیصرف المطلق الیہ ولانہ المعروف کاملشرط رکذاتی
عامۃ کتب الفقہ

جہاں چہ تمام دنیا میں ان خانقاہوں کی تولیت کا یہی حال ہے، اس کے خلاف کوئی ایک خانقاہ بھی نظر نہ آئیگی
یاں اگر واقف تولیت دینے کے ساتھ یہ شرط بھی لگا دے کہ تجھے دوسرے کو متولی بنانے کا حق نہ ہوگا
تو البتہ پھر اس کو وہ حالت صحت میں اس کا اختیار رہتا ہے نہ مرض موت میں کذا فی عامۃ کتب الفقہ اور اپنے کئے
ہوئے متولی کے لئے کئی اختیار دینے کے بعد تصریحاً یہ شرط بھی لگا دے کہ اسے کوئی حاکم معزول نہ کرے
لیکن اگر وہ خیانت کرے تو واقف کی شرط کا اور اس کے اختیارات دینے کا ہرگز اعتبار نہ کیا جائے گا اور
وہ معزول کر دیا جائے گا، لیکن دیکھا یہ جا رہا ہے کہ واقف تو واقف سابق متولی بھی کسی کو متولی نہیں کرتا اور
جس کا جی چاہتا ہے جبراً متولی بن بیٹھتا ہے اور خوب غبن کرتا ہے، پس ناظر صاحب کو ایسے واقف کی
طرف اپنی توجہ مبذول فرمانی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عسکری

مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۰)

(۱) کیا عام مسلمان یا امام یا متولی یا مؤذن یا نگران مسجد موقوفہ جائداد کو شرعی حق ہے کہ دیگر لوگوں کو رہائش
یا گودام یا کارخانہ قائم کرنے کے لئے مسجد یا ملحقہ جائداد کو دیں اور ان سے کرایہ وصول کریں یا کرائیں۔
(۲) کیا کسی مسجد کی عمارت کو ڈھا کر یا مسجد کے بقیہ حجرے کو یا مسجد کی خالی زمین کو فروخت کرنا جائز
ہے؟

(۳) کیا تمام مسلمانوں کو یا خاص لوگوں کو یہ حق ہے کہ مسجد کی بے حرمتی کرنے والوں پر یا موقوفہ جائداد
کے فروخت کرنے والوں پر یا منتظمین پر جو مسجد میں یا موقوفہ جائداد پر ہائز خرچ نہ کریں، عدالتی چارہ
جوئی کریں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) متولی یا کارکنان مسجد کو تو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ایسی جائداد کو جو کرایہ پر دینے کے لئے واقف

نے بنائی ہے، کرایہ پردے کر اس کی آمدنی مصالح مسجد پر خرچ کریں، کسی دوسرے کو یہ حق حاصل نہیں اور جو جائداد کسی قرض خاص کے لئے بنائی گئی ہے اس کو متولی بھی کرایہ پر نہیں دے سکتا نہ موقوفہ جائداد کی آمدنی برخلاف شرط واقف اپنے اوپر غیر مصالح مسجد خرچ کر سکتا ہے اور نہ وہ بلا کرایہ ہی کسی کو رہائش کے لئے دے سکتا ہے۔

(۲) مسجد یا موقوفہ جائداد کے کسی حصہ کو بھی فروخت کرنا حرام ہے، خواہ اس پر عمارت ہو یا نہ ہو ہر مسلمان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مساجد یا دوسرے اوقاف کے ساتھ کوئی غیر شرع امر دیکھے تو اسے روک سکتا ہے اور جو مسلمان اس پر قدرت رکھتے ہیں کہ وہ خود یا بذریعہ حکومت ایسے امور کو دور کر سکتے ہیں، ان پر تو واجب ہے کہ جس طرح بن سکے ایسے ناجائز امور کو روکیں، اگر ایسے لوگ باوجود قدرت کے لاپرواہی اختیار کریں گے تو خوف ہے کہ نہ صرف وہ کسی سختی میں مبتلا ہوں بلکہ وہ سختی پیش آئے جس کے لپیٹے سے عوام بھی محفوظ نہ رہ سکیں، کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا ہی فرمان ہے چنانچہ ارشاد فرمایا:-

ان الله لا يعذب العامة بعمل الخاصة حتى يروا المنكر بين ظهر انبيهم وهم
قادرون على ان ينكروه فلا ينكروا فاذا فعلوا ذلك عذب الله العامة
والخاصة - (انتہی)

اس مضمون کی بکثرت احادیث وارد ہیں پس مسلمانوں کو ایسی عید سے خوف کرنا چاہیے خصوصاً ان حضرات کو جن کے ذمہ ان کے مولانا نے دینی عبادت کے علاوہ ایک یہ فرض بھی متعین فرما دیا ہے کہ وہ مساجد و اوقاف کی نگہداشت کریں اور اس معاملے میں ہر خائن و غاصب کی اور ہر اس شخص کی جو برخلاف شرط واقف بے جا صرف کر رہا ہے سخت سے سخت گرفت کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عقیل (لام)

مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۰) مولانا عبدلکریم مرحوم نے شاہ جہاں پور محلہ خلیل شرقی، متصل ڈھیر گنج میں ایک مسجد تعمیر کرائی، اپنی زندگی میں وہی اس کے متولی رہے ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا اکرام صاحب مرحوم پیران کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا محمد کرامت اللہ مرحوم نے مسجد مذکور کے ساتھ مدرسہ تابع کرامت، خانقاہ اور حجروں وغیرہ کی تعمیر کرائی اور بالترتیب متولی رہے۔ مولانا کرامت اللہ کے انتقال کے بعد ان کی صاحبزادے امیر النساء مرحومہ پیران کی صاحبزادے امیرہ بی بی مرحومہ اور پیران کے انتقال کے بعد ان کی صاحبزادے امیرہ بی بی امیرہ مرحومہ، خانقاہ و مسجد مذکور کی متولیہ ہیں، مؤخر الذکر نے اپنے صاحبزادے حافظ سید اللہ کو متولی بنا دیا حافظ صاحب نے اپنی معزوفیات کی وجہ سے ایک دوسرے شخص حافظ زبیر احمد صاحب

کو اپنی طرف سے منتظم بنا دیا مگر جب نذیر احمد کا انتقال ہو گیا تو ایک نام نہاد شخص قمر الدین تولیت کا دعویدار ہو گیا۔ آیا یہ شخص تولیت کا حق رکھتا ہے یا یہ حق حافظ مسیح اللہ کو پہنچتا ہے۔ بینوا التوجن واد

الجواب

اس صورت میں حافظ مسیح اللہ ہی متولی ہیں، حافظ نذیر احمد تو ایک منتظم ہی کی حیثیت رکھتے تھے، منتظم صاحب مرحوم کا کوئی قریبی رشتہ دار بھی یہ حق نہیں رکھتا کہ وہ تولیت کا دعویٰ کرے، غالباً یہ معلوم ہوتا ہے کہ قمر الدین، نذیر احمد مرحوم کے کوئی عزیز ہیں جس کی وجہ سے وہ دعویٰ کر رہے ہیں لیکن شرعاً وہ تولیت کا استحقاق نہیں رکھتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر عیسیٰ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(۷ جولائی ۱۹۵۶ء)

(نمبر ۲۰۹)

الجواب

(۱) اگر یہ زمین قبرستان تھی تب تو اس کی بیع و شراء ہی ناجائز ہے ورنہ صرف محل قبور کو مشتری محفوظ کر دے باقی کو اپنے تصرف میں لاسکتا ہے۔ عالمگیری میں ہے :-

ويكف ان يدبني على القبرا ويقعد او ينام او يطأ عليه او يقضي حاجة
الانسان من بول او غائط۔

(۲) جس طرف قبور کا ہونا معلوم ہے بعد تفتیش اس کو محفوظ کر دیا جائے، پھر بھی معلوم نہ ہو تو اس کے ہر حصہ پر مکان وغیرہ بنایا جاسکتا ہے بشرطیکہ زمین قبرستان نہ ہو کہ وہ وقف ہوتا ہے۔

(۳) جب ثابت ہے کہ یہ قبرستان ہے تو اس کی بیع و شراء کیسے ہو سکتی ہے اور قبروں پر مکان وغیرہ کیسے بنایا جاسکتا ہے۔

(سوال نمبر ۲۱۰) ۱۹۴۷ء کے بعد دہلی کے قبرستان پر بعض ایسے خود غرض لوگوں کا قبضہ ہو گیا ہے جن کو قبرستان کی حرمت کا خیال نہیں، یہ لوگ قبرستان کی زمینوں کو فروخت کرتے ہیں اور کرایہ پر دیتے ہیں قبرستان پر عوام غلاطت کرتے ہیں، بعض جگہ پختہ رہائشی مکان بھی بن گئے ہیں، کیا تاہم قبرستان کا یہ فعل جائز ہے۔ جو لوگ ان افعال کے مرتکب ہوتے ہیں ان کے لئے شریعت میں کیا حکم ہے۔

الجواب

قبرستان کی زمین کا فروخت کرنا اس کو کرایہ پر دینا حرام ہے، جو لوگ ایسا کرتے ہیں نہایت درجہ کے گنہگار اور مجرم ہیں اور جو لوگ قبروں پر غلاطت کرتے ہیں اور اس میں رہائش رکھتے ہیں جوئے وغیرہ کھیلتے ہیں وہ بھی سخت گنہگار ہیں، جو لوگ اس کے انتظام پر قادر ہیں اور لاچار ہی کرتے ہیں وہ بھی گنہگار ہیں سو اس کے کیا کیا جاسکتا ہے کہ ایسے لوگوں سے مقاطعہ کیا جائے اور مسلمان اس کے تدارک کے لئے کوئی انجمن بنائیں اور اس کا تدارک کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عطار
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۱۸ مارچ ۱۹۵۶ء)

حضرت ابوالحسن زید صاحب نے ہی کے برگزیدہ عالم اور صوفی ہیں، جامعہ ازہر (مصر) کے فارغ ہیں، آپ نے عربی میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا تھا جس میں یہ ثابت کیا تھا کہ محض دائرہ صی رکھنا سنت ہو کہہ ہے، اس میں کسی قسم کی قید نہیں اور فقہاء نے جو قید رکھی ہے وہ فی الواقع صحیح نہیں، یہ رسالہ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کو مطالعہ کے لئے پیش کیا، آپ نے اس پر جو تبصرہ و تنقید فرمائی وہ ایک طویل مکتوب کی صورت میں ہے جو مصنف مدّوح کے نام ارسال فرمایا تھا۔ وھوھذا

(منہال)

مخدومی جناب صاحب ادہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ

اسلام علیکم وقلبی لیکم۔ فقیر نے جناب کا رسالہ دیکھا ماشاء اللہ بہت ہی بہتر ہے، جس قدر جناب نے اس میں کوشش فرمائی بلاشبہ قابل تحسین ہے لیکن افسوس بہت سے مقامات پر فقیر کو شبہات واقع ہو گئے، ابتداء میں ان شبہات کو مختصر طور پر تحریر بھی کیا لیکن جب دائرہ صی کی تحقیق نظر سے گزری تو خیال میں آیا کہ پھلی تحریر اس ہی حکم کے ثابت کرنے کے لئے بمنزلہ توطیہ تھی اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صرف اس ہی کے متعلق کچھ عرض کروں۔

جناب کو جو اس باب میں شبہ ہوا ہے اور علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کی فتح القدر کی عبارت سے ہوا ہے اس ہی نے فقہاء کرام کے تخطیہ پر جرات دلائی ہے جس کی جناب سے ہرگز توقع نہ تھی، یہ صرف جامعہ ازہر کی کرامت کا ظہور ہے؛ یا جامعہ ازہر کے نجوم فیضان کا ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے، ورنہ میرا تو ظن غالب یہی ہے کہ جناب کی ذات ستودہ صفات ایسے کردہ فعل سے بالکل بری ہے، مولیٰ تعالیٰ ان کے ایسے مکائد سے جناب کو بری ہی رکھے۔ غرض اب جو کچھ عرض کروں گا اس میں میرے مخاطب ہی لوگ ہوں گے، آپ کے رسالہ پر رد لکھنا مد نظر نہیں ہے۔

میرے مکرم مصریو! تم نے جو علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت فتح القدر سے استدلال کیا ہے اور اس میں وہی دون ذالک کے اشارہ کا مشارالیه غالب لحدیہ اور کل اللحدیہ کے مجموعہ کو گردان کر اپنے فعل کو سراہا اور تمام فقہاء کا تخطیہ کیا ہے میرے نزدیک بالکل غلط ہے۔ اصل یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے فرمایا تھا کہ صائم تطویل لحدیہ کی غرض سے تیل نہ لگائے جب کہ وہ قدر سنون ہو، اور قدر سنون قبضہ ہے اس لئے کہ قبضہ سے زیادہ بڑھانا کچھ ضروری نہیں ہاں اگر قدر قبضہ سے کم ہے تو لگا سکتا ہے کہ قدر قبضہ بڑھانا مسنون ہے۔ اس پر علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حاشیہ فتح القدر میں نہایت سے یہ عبارت نقل فرمائی ہے جو آپ کی استدلال ہے جس میں قبضہ سے دونوں طرفوں کا حکم بتلایا ہے۔ پہلے فرمایا کہ قبضہ سے زائد لحدیہ کا ثناء واجب ہے (لان فیہ تعریف نفسہ لمن یسخر بہ کذافی العینی) کیا فرماتے ہیں کہ قدر قبضہ ہونے کے باوجود پھر تطویل لحدیہ کی غرض سے دائرہ صی میں تیل لگانے کی ممانعت

کی یہ وجہ ہے۔ اس کے بعد جو اس قول پر اعتراض وارد ہوتا تھا کہ حضور نے تو مطلقاً اَعْفَانُ لِحِرِّہِ کا حکم فرمایا ہے پس قبضہ سے زائد کو بھی کیوں کر کاٹ سکتے ہیں؟۔ اس کا احادیث سے استدلال کرتے ہوئے جواب دیا ہے کہ احادیث میں اَعْفَانُ لِحِرِّہِ کے حکم کے ساتھ خالفوا المجوس بھی وارد ہے جو موقع تعلیل میں واقع ہوا ہے، اس لئے اَعْفَانُ لِحِرِّہِ محمول ہے اس پر کہ غالب لِحیہ یا تمام لِحیہ نہ لیا جائے۔ اس سے جمع بین الروایات حاصل ہو جاتا ہے۔ پھر اس جواب سے فارغ ہونے کے بعد جمہور علماء کا اتباع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ حکم تو قبضہ سے زائد کے لئے تھا، اب رہا دارِ طہی سے ایسی حالت میں لینا کہ وہ قبضہ سے بھی کم ہے اس کو تو کسی نے بھی مباح نہیں کہا۔ اس لئے صاحب ہدایہ نے قبضہ سے کم ہونے کی صورت میں تطویل لِحیہ کے لئے تیل لگانے کو جائز رکھا ہے۔ یہ تھا عبارت کا حاصل جس پر سوائے اول علماء کے جو مطلقاً دارِ طہی سے لینے کو منع کرتے ہیں، سوائے آپ لوگوں کے تمام علماء کا اتفاق ہے۔ اس میں خواہ علامہ ابن ہمام ہوں یا ان سے اگلے پچھلے علماء کسی نے بھی نہیں فرمایا کہ قبضہ سے کم کرنا جائز ہے خالفوا المجوس کے یہ معنی لینا نہایت درجہ مضحکہ خیز ہیں کہ ایک یا نصف جو بھی جس نے بال سر کا دھوئے وہ عامل بالحدیث ہو گیا۔ میرے بزرگو! اس کے ساتھ احادیث کے الفاظ اَعْفُوا، و قس و ا، اَوْقُوا، اَمْخُوا۔ پر بھی تو غور کیا ہوتا، کیا ان الفاظ جلیل المقدر کے معنی یہی ہیں۔ علامہ ابن ہمام نے تو صاف فرمادیا تھا کہ قبضہ سے کم لینا کسی نے مباح نہیں کیا لیکن آپ حضرات تمام فقہا کو بیوقوف بناتے ہوئے بولتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ حلق سے کم لینا کسی نے مباح نہیں کہا، اتنا تو سوچا ہوتا کہ حلق کے بعد لِحیہ کا کیا حصہ ہے گا جس کے لینے کو علامہ ابن ہمام یا صاحب ہدایہ مباح نہیں فرماتے۔ پھر آپ لوگ کہہ رہے ہیں کہ قبضہ سے کم لینا مستلزم اثبات کراہت تنزیہی کو بھی نہیں ہے چہ جائیکہ کراہت تحریمی یا حرام کو مستلزم ہو، سو اس پر عرض یہ ہے کہ اگر مباح نہ ہوتا ان اقسام کو مستلزم نہیں تو لا محالہ مستحب یا واجب فرض کو مستلزم ہوگا، اس لئے کہ تم لوگوں کے نزدیک احکام شرعیہ کی یہی سات قسمیں ہیں۔ فرض واجب مستحب اور حرام مکروہ تحریمی، حرام اور مباح۔ مباح کی نفی سے تمہارے نزدیک حرام و مکروہ تحریمی و مکروہ تنزیہی کی تو نفی ہو چکی لیکن اب لا محالہ مامورات کے اقسام میں سے کسی قسم کے اثبات کو مستلزم ہوگا۔ پس فرض ہو گیا واجب یا مستحب۔ اس لئے ان اقسام ہفت گانہ میں سے ایک کی نفی کر دی جائے گی تو اب ضروری ہے کہ وہ فرض ہو گیا واجب یا مستحب کہ منہیات کی تو پہلے ہی ہو چکی تو مہربانو! اگر اس کی بھی تصریح فرمادی ہوتی کہ حلق سے کم کے لینے کا حکم ہے (آیا فرض ہے یا واجب یا مستحب) تو اس الجھن سے بھی چھٹکارا ہو جاتا۔

کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ قبضہ سے زائد کا ثنا تو واجب کہا جاتا ہے حالانکہ وہ مفہوم احادیث اور حضور اکرم کے صریح مخالف ہے اور قبضہ سے کم کرنے کو برخلاف اپنے ائمہ کے اور عام فقہائے کرام کے کم از کم مباح کہا جائے یا مستحب۔

اس مسئلے میں مجھے کہنا تو بہت کچھ تھا لیکن صرف اپنی چند کلمات پر اکتفا کرتا ہوں اس لئے کہ مجھے اس ہی تحریر پر بہت کچھ شرمندگی ہے کہ آپ حضرات کی شان میں بعض نازیبا الفاظ صادر ہو گئے لیکن امید ہے مجھے معذور فرماتے ہوئے معاف فرمائیں گے، اس لئے کہ یہ سب اس اثر کی کار فرمائی ہے جس کو اس شے نے پیدا کیا ہے کہ تم لوگوں نے ایسے حضرات کی شان میں گستاخیاں کیں جن کی جوتیوں کے صدقے میں تمہیں امور دینیہ میں بولنا آیا۔ درنہ میں صرف اس قدر کہنے پر اکتفا کرتا کہ اعضوا للہی کا حکم مطلق نہیں بلکہ محل ہے جس کی نظیر مسجح اس ہے اس اجمال کو آثار صحابہ نے واضح کر دیا۔ اور معلوم ہو گیا کہ اس کی کم سے کم مقدار قبضہ ہے اس سے کم کرنا ناجائز۔ رہا قبضہ سے زائد کاٹنے کا وجوب اس علت کی وجہ سے ہے کہ حد اعتدال سے دائرہ ہی پر لوگ تسخیر کرتے ہیں اگر یہ بات نہ ہوتی اور آثار صحابہ نہ ہوتے تو یہ امر تو وجوب کے لئے تھا کہ ایسی کوئی دلیل نہیں پاتی جاتی کہ جس سے معلوم ہو کہ یہاں امر وجوب کے لئے نہیں ہے جس کا موید حضور علیہ السلام کا بلا ترک اس پر مواظبت فرمانا ہے اس ہی لئے فقہاء کرام اس کو واجب فرما رہے ہیں اور قبضہ سے کم کرنے کو حرام یعنی مکروہ تحریمی قرار ہے، اور یہ کوئی محل تعجب اعتراض نہیں کہ مکروہ تحریمی پر حرام کا اطلاق بکثرت کیا جاتا ہے پس اگر آثار صحابہ سے ہمیں یہ نہ معلوم ہوتا کہ لحدیہ کی کم از کم کس قدر مقدار ہونی چاہیے تو اس امر کے اطلاق کا مقتضا تو یہ تھا کہ دائرہ ہی خواہ کتنی بڑی کیوں نہ ہوتی اس میں سے کچھ بھی لینا جائز نہ ہوتا۔

کس قدر تعجب ہے کہ عوام کا لانا عام کے تسخیر کا تو اتنا لحاظ کہ حد اعتدال سے زائد کے کاٹنے کو بعض فقہاء واجب کہتے ہیں اور قبضہ سے کم کرنے والوں پر جو صالحین امت تسخیر و اعتراض کرتے ہیں ان کی بعض علماء پر راہ ہی نہیں کرتے، جب مجھ سے کسی عالم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ قبضہ سے دائرہ ہی کم رکھتا ہے تو مجھ کو بہت ہی شرم دامن گیر ہوتی ہے خصوصاً جب کہ میرے احباب میں سے وہ عالم ہوتا ہے بڑا فسوس اس پر ہوتا ہے کہ امور دینیہ پر عمل سے بڑی غفلت ہے خصوصاً سنت سننیہ سے، اس کے ترک پر اصرار کرتے ہیں اگر کچھ عرض کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ صغائر پر اصرار فسق نہیں ہے بلکہ قلت مبالات فی الدین فسق ہے، نہ معلوم ان حضرات نے قلت مبالات کس شے کا نام رکھا ہے؟ کسی صغیر پر اعلانیہ اصرار خود قلت مبالات پر دل ہے۔ نیز فرماتے ہیں بڑے بڑے اولیاء اللہ صغائر پر اصرار کرتے چلے آئے انہیں کوئی فسق نہیں کہتا۔ لیکن جب اس کی مثال طلب کی جاتی ہے تو خاموش۔ ان حضرات سے کسی صغیر پر اصرار ہوا بھی ہوگا تو اس پر محل کلام ہوگا۔ حلق لحدیہ کے صغیر ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے؟ اصرار تو اصرار مسئلہ لحدیہ میں صلحائے امت میں سے کسی ایک فرد کو بھی نہیں بتلایا جاسکتا جس نے حلق لحدیہ تو درکنار قبضہ سے کم بھی دائرہ ہی رکھی ہو۔ اس سے قبل فقیر کو بھی دائرہ ہی کے باب میں کچھ تردد تھا لیکن مولیٰ تعالیٰ صاحب مہالہ کو خیر دے اور ان کے درجات عالی فرمائے کہ مجھے اس تردد سے نجات دی

اور اب مجھے قبضہ تک اڑھی گئے جو بپ میں شک نہ رہا۔ فقط
اب مجھے اپنے محترم برادر کی خدمت میں بھی اتنا عرض کرنا ہے کہ اس عاجز کی سمجھ سے باہر ہے کہ بلا ارادہ
کوئی شخص اپنے دانت سے کاٹ کر ڈاڑھی کو ہر طرف سے چھوٹا کرے اور ممکن ہے کہ بتکلف ایسا کر ہی سکتا
ہو لیکن وہ شخص اپنے متعلقین کے بارے میں کیا خیال رکھتا ہے کیا وہ بھی اس ہی بیماری میں مبتلا ہیں؟
نیز اتنا اور عرض کر دوں کہ جس قدر چہرہ کی تزئین قبضہ سے زائد لچھیہ میں ہے اس قدر قبضہ سے کم میں نہیں لیکن
اس پر یقین جب ہو سکتا ہے جب کوئی اس کا تجربہ کرے۔ ورنہ عوام کو تخلیق لچھیہ میں تزئین معلوم ہوتی ہے
فقط والسلام رسالہ بھی حاضر ہے۔

منظر عسکری
محمد ظفر احمد

(۲۲ جولائی ۱۹۵۷ء)

(سوال نمبر ۲۱۲) بعض حضرات تصاویر کھنچوانا جائز فرماتے ہیں اور جواز تصویر میں مندرجہ ذیل لکھ
پیش کرتے ہیں :-

(۱) جیسا کہ حدیث پاک میں ہے من صوتی صوتاً فان اللہ یعذب بہ حتی ینفخ فیہ الروح
ولیس بناخ فیہا ابدان انتھی۔ مؤیدین تصاویر کا یہ کہنا ہے کہ صورت سے مراد وہ صورتیاں ہیں
جو مشرکین بناتے تھے اور ان کی پرستش کرتے تھے۔

(۲) جس طرح آئینہ پر شبیہ آتی ہے بالکل اسی طرح کیمرے کے شیشے سے گزر کر شبیہ ایک پلیٹ
پر آجاتی ہے، تصویر اسی شبیہ کا حکم رکھتی ہے۔

(۳) مؤیدین تصاویر مولانا ابوالکلام آزاد کا رسالہ پیش کرتے ہیں جو اس فتوے کے ساتھ منسلک کیا جا رہا ہے

(۴) ان لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے چوں کہ آج کل علمائے کرام بھی تصویریں کھنچواتے ہیں اس لئے ان کا فصل

ہمارے لئے حجت ہے۔

مندرجہ بالا دلائل صحیح ہیں یا نہیں، اگر نہیں تو تصویر کے سلسلے میں شریعت میں جو حکم ہو اس کو مدلل طور پر

تحریر فرمادیں۔

مستفتی

محمد ظفر احمد - کراچی

هوالموفق

(۱) یہ قیاس مع الفارق ہے کیوں کہ آئینہ میں صرف دیکھنے سے صورت نمایاں ہوتی ہے اور اس میں قائم نہیں

رہتی۔ مع ہذا انسانی صنعت کا بھی دخل نہیں برخلاف تصویر کے کہ وہ قائم بھی رہتی ہے اور اس میں اگر توڑ گلائی گئے

ذریعہ تصویر کشی کا عمل بھی کرنا پڑتا ہے اس لئے تصویر کا آئینہ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) یہ بھی غلط ہے صرف تصویر ہو یا مورتی دونوں منہیات میں داخل ہیں، اور دونوں اس حدیث کے حکم میں شامل۔ دوسری احادیث میں اس کی صاف تصریح ہے جس میں مورتی کا ہرگز دخل نہیں چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ سیدنا حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام اور سیدنا اسماعیل اور سیدنا متوکل علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصویریں کفار نے دیوار کعبہ پر منقش کر رکھی تھیں، جب مکہ معظمہ فتح ہوا تو حضور نے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیج کر وہ سب محو کرائیں جب کعبہ معظمہ میں خود داخل ہوئے تو بعض نشانات جو باقی رہ گئے تھے ان کو پانی منگوا کر خود بنفس نفیس دھویا اور بنائے والوں کو فرمایا قاتلہم اللہ یعنی اللہ تعالیٰ انہیں قتل کرے۔ اسی طرح بخاری اور مسلم شریف کی ایک حدیث ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے سر نشین پر ایک پردہ ڈالا جس میں تصویریں تھیں جب حضور تشریف لائے تو اس پردے کو بھاڑ ڈالا پھر حضرت عائشہ نے اس کے دو تکیے بنا دیئے۔ نیز ترمذی اور ابوداؤد شریف میں حضرت ابو ہریرہ سے ایک حدیث مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ سرکاراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبریل آئے اور کہا کہ میں شب گزشتہ آیا تھا لیکن مکان پر ایک کدو تھا جس میں تصویریں تھیں اور گھر میں دمنوع کتا تھا جس کی وجہ سے گھر میں داخل نہ ہوا۔ پس تصویروں کے سر کاٹنے کا حکم دیں تاکہ درخت کی صورت میں ہو جائیں اور پردہ کاٹ کر تکیے بنا لئے جائیں اور کتے کو نکالنے کا حکم دیں۔ انتہی۔ پس حضور نے ایسا ہی کیا۔ نیز بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک تکیہ خریدا جس میں تصویریں تھیں، حضرت نے اس کو ملاحظہ فرمایا تو وہ دروازہ پر کھڑے ہو گئے گھر میں داخل نہ ہوئے، میں نے حضور کے چہرہ انور پر ناخوشی کے آثار پائے (تو میں ڈری) میں نے عرض کیا کہ میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف توبہ کرتی ہوں (یہ تو ارشاد فرمائیں) میں نے کیا گناہ کیا ہے۔ فرمایا یہ تکیہ کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے اسے خریدا ہے اس لئے کہ آپ اس پر تکیہ لگائیں فرمایا :-

ان اصحابا لصواعق یوم القیامۃ ویقال لہما حیوا ما خلقتما قال

ان البیت الذی فیہ الصوۃ لا تدخلہ الملئکہ -

یعنی تحقیق تصویریں بنانے والے قیامت کے روز عذاب دئے جائیں گے اور ان سے کہا جائیگا

کہ جو تم نے بنایا ہے انہیں زندہ کرو۔ فرمایا کہ جس گھر میں تصویر ہو اس میں ملائکہ داخل نہیں ہوتے۔

ان احادیث پاک سے پیشبہ بھی نہیں ہوتا کہ ان سے مجسم بت سراہیں اور اس ہی عذاب کی اس میں بھی تہدید ہے جس کی حدیث سوال مذکورہ میں ہے۔

وہاں مولانا آقا کا مقالہ جو از تصویر ثابت نہیں کر سکتا۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ شارع کا فرض ہے کہ وہ میں طرح صحیحہ کو روکے اس ہی طرح مقدمات و وسائل کو بھی روکے کہ کسی نہ کسی وقت مفسد تک مفر

ہوں گی، پھر مفسد سے زیادہ مقدمات مفسد کے روکنے کی اہمیت کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلام سے پہلے جن شرائع کا ظہور ہوا ان سب نے اپنی تمام توجہ محض مفسد کے دفع و منخ میں مرکوز رکھی، اسلام کا ظہور ہوا تو ضروری ہوا کہ آئینہ کے لئے مفسد کا قطعاً سدباب کر دیا جائے اور ان تمام سوراخوں کو بند کر دیا جائے۔ جہاں جہاں سے شر و فساد کے ابھرنے کے لئے راہیں ملتی ہیں، اس کے بعد وہ اعمال بتلائے ہیں جن سے اول ممانعت کی گئی تھی اور پھر ان کی اجازت دی گئی یا اپنے فعل سے ان کو مباح قرار دے دیا لیکن کہیں یہ نہ بتلایا کہ تصویر کشی کو حرام فرمانے کے بعد کسی وقت اس کی اجازت بھی دی گئی ہے اگریشے حدیث سے ثابت نہ تھی تو کسی مجتہد کا حوالہ دیا ہوتا لیکن اس کے برخلاف وہ خود ہی تصویروں کو تعظیم و تکریم سے رکھنے کو لیتے ہوئے انی اللہ نالفا۔ کے حکم میں داخل کر کے حرام فرما رہے ہیں اور پھر دلائل سے اس کو نہایت مضبوط کر رہے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جو شخص تصویر کھنچوائے گا وہ اسے زمین پر ڈال کر روندنے کے لئے تو نہ چوائے گا بلکہ اس کو چوکھٹے میں لگوا کر مکان کی دیوار پر لگائے گا یا اسے پرنٹ کر اگر اپنے اعزہ اور اصحاب کو تحفہ بھیجے گا اسے صندوق وغیرہ میں احتیاط کے ساتھ رکھے گا، اور ان تمام صورتوں میں اس کی تعظیم ہے اور اس کی تعظیم ہی موجب حرمت ہے تو اس کی اباحت اور جواز کی کیا صورت ہے؟ یہ آئیے دیکھیں :-

لو كانت الصورة على وسادة ملقاة أو بساط مفروش لا يكره لانها
نداس وتوطا بخلاف ما اذا كانت الوسادة منصوبة او كانت على
السترة لانه تعظیم لها۔ انتہی۔

مولانا موصوف خود ہی فرماتے ہیں :-

”چوں کہ یہ ایک قومی و عام تر وسیلہ اصنام پرستی ثابت ہوا ہے اس لئے شرک بت پرستی کا سدباب ضروری تھا کہ اس کو بھی سختی کے ساتھ روک دیا جائے۔“

اب مسلمان غور کریں کہ جب شریعت مطہرہ نے بت پرستی کے اس دروازہ یعنی تصویر کشی اور تصویر رکھنے کو سختی کے ساتھ بند کر دیا ہے تو اب اس کا کھولنا کس کی قدرت میں ہے؟ اگر اس میں کچھ بھی گنجائش ہوتی تو مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کسی صورت میں اس کی اجازت دیتے لیکن مجتہدین اور چہرہ علماء اس کے قائل ہیں کہ یہ حرام (یعنی مکروہ تحریمی) ہے۔ تو باوجود اس کے مولینا موصوف کا چند ایسے نظائر پیش کر کے جس کی ممانعت کے بعد اجازت دی گئی ہے یہ کہنا کہ خیال ہوتا ہے کہ تصویر کا معاملہ بھی اسی سلسلے میں داخل ہو گا یہ مولینا کی خود اپنی رائے ہے جس میں مولانا نے اپنے خیالی فاسد کا ذکر کیا ہے جو اس کے جواز کو نہیں بتاتا۔

مولانا موصوف نے بعض فقہاء کی اس تعلیل کو رد کیا ہے کہ انہوں نے اس کی علت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اس میں خدا نے تعالیٰ کی صفت خالقیت کی نقل اتاری جاتی ہے لیکن ان بچاؤں کا کیا قصور ہے

خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اشد الناس عذاباً یوم القیامة الذین یضاهون بخلق اللہ، متفق علیہ۔ یعنی بروز قیامت عذاب میں سب سے زیادہ وہ لوگ سخت ہیں جو مشابہت کرتے ہیں اللہ کی پیدائش کے ساتھ۔ اس معنی میں کئی حدیثیں وارد ہیں تو یہ رد تو ان فقہا کا نہ ہوا بلکہ خود سرور کائنات سخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کا رد ہوا۔ (اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ)

تصویری روح کی ممانعت بھی محض اس ہی تعظیم کی وجہ سے ہے اگر اس کو اہانت کے ساتھ زمین پر پڑا رہنے دیا جائے بلا سر کی ہو یا ایسی چھوٹی ہو جس کی عبادت نہیں کی جاتی تو اس کے رہنے میں کراہت نہیں نہ مانع دخول ملائکہ ہے۔ ہدایہ میں ہے :-

لو كانت الصورة علی وسادة ملقاة أو بساط مفروش لا یکره لانها تدہن وتوطأ بخلاف ما اذا كانت الوسادة منصوبة او كانت علی السترة لانه تعظیم لها۔

اور شامی میں ہے :-

فعدم دخول الملائكة انما هو حیث كانت الصورة معظمة۔ انتہی پھر ظاہر ہے کہ تصویر تو ذی روح ہوتی نہیں نہ وہ کسی حال میں جملہ اعضاء مدار حیات کا استیعاب کرتی ہے۔ بلکہ پورا مجسم بت بھی اس سے عاری ہے، فقط فرق حکایت مفہم ناظر کا ہے اگر وہ یہ کہے کہ میں زندہ ذوالتصویر کو دیکھ رہا ہوں تو تصویر ذی روح کی ہے در نہ بے روح کی اور مردہ کے مجسم بت صحیح الاعضاء کی بھی حالت یہی ہے۔ تو فرق صرف ناظر کی سمجھ کا ہے۔ اگر مع پھرہ تصویر ہے تو وہ زندہ کی سمجھا ہے اور اگر بلا پھرہ کی ہے۔ گو بلا پھرہ پورے بدن کی ہو۔ تو وہ مردہ کی سمجھے گا۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث میں پھرے کے دور کرنے یا اس کے مٹا ڈالنے کا حکم آیا ہے کہ اب وہ زندہ کی صورت نہ سمجھی جائے گی۔ اس میں شک نہیں کہ کسی تصویر میں اگر چہ نیم قد یا سینہ تک بلکہ صرف پھرہ کی ہوں۔ نہ شجر وغیرہ کی مانند ہوتی ہیں، نہ صاحب تصویر کی مردگی کو ظاہر کرتی ہیں بلکہ یقیناً جیتے جاگتے کی اور اس کے حسن کی بہار کا نظارہ پیش کرتی ہیں، بیماری ہرگز بے سروا لے کو نہیں پوجتے۔ غرض اصلی تصویر محض پھرہ ہی ہے، اگر پھرہ نہیں تو تصویر نہیں ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے :-

اذا كان التمثال مقطوع الرأس فلیس بتمثال۔

مولانا موصوف نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ کونسی وجہ ہے کہ یہی فقہاء غیر حیوانات کی تصویروں کو ناجائز قرار نہیں دیتے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ غیر حیوانات کی اشکال کو کسی نے آدہ عبارت نہیں گردانا نیز حدیث بھی اس کو رد کرتی ہے قال ابن عباس فان كنت لا بد فالصنعة الشجر ومالہم روح فیلتقی متفق علیہ۔ یعنی حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اگر بنا نا ضروری ہے تو درختوں کی نقاشی کر اور اس کی جس میں

روح نہ ہو، غیر ذی روح شے کے بنانے کو نقاشی کہتے ہیں، مقصود یہ نہیں کہتے، احادیث میں غیر ذی روح شے کی نقشہ کشی کو نقاشی کہتے ہیں، تصویر کشی نہیں کہتے، جہاں اس پر مصوری کا اطلاق آیا ہے وہ بطریق مجاز ہے حدیث میں آیا کہ حضرت میمونہ فرماتی ہیں کہ ایک روز صبح حضور غمگین اٹھے اور فرمایا کہ جبرئیل نے شب کو طے کا وعدہ کیا تھا لیکن آئے نہیں، پھر خیال آیا کہ خمیرہ کے نیچے کتے کا بچہ پڑا ہے، اس کو نکالا اور جگہ پر پانی چھڑکا، پھر شام کو حضرت جبرئیل آئے تو حضرت نے فرمایا کہ تم نے کل شب طے کا وعدہ کیا تھا، جبرئیل نے عرض کیا کہ بیشک میں نے وعدہ کیا تھا لیکن لا تدخل بیتا فیہ کلب ولا صوۃ۔ یعنی ہم ایسے مکان میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو (رواہ مسلم)۔ اس تصویر سے وہی تصویر مراد ہے جو ذی روح ہو۔ مولانا موصوف نے جب اشیاء میں روح ثابت کی ہے تو وہ روح تو ان اصنام میں بھی ہے کہ یہ شئی من الامشیاء ہیں پھر ان کو اپنے اس قول میں کہ :-

”اگر ایسا نہیں ہے تو کیا ایک بجان صوت مستحق عبادت و پرستش ہو سکتی ہے؟“

بے جان کیوں کہا؟۔ معلوم ہوا کہ مولانا کو بھی اس کا یقین ہے کہ احادیث میں روح سے وہ روح مراد ہے جو بالکل حرکت اور کلام وغیرہ پر قادر ہے اور جس کو حیوان کہا جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہی فرماتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں :-

وهذا يختص بصورة الحيوان ولذا لک امر بقطع الرأس لتماثل لتغير كهيئة الشجر۔

یعنی یہ خاص ہے صرف حیوان کی صورت کے ساتھ، اس ہی لئے حکم فرمایا تصویروں کے سر کاٹنے کا تاکہ ان کا پخلا بدن، درخت کی صورت پر ہو جائے۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ اصل علت مشترک کا قطع کرنا ہے، لیکن ایک کام کے لئے کئی علتیں بھی ہوتی ہیں پس مخلوق کخلق سے بیشک یہ علت بھی ثابت ہوتی ہے جو فقہان نے بتلائی اور تعظیم تصویر بھی ایک قومی علت ہے اور الغدوم دخول ملائکہ بھی علت ہے اور صفت خالقیت کی نقل بھی علت ہے اور شاہ صاحب نے تو ارفاء و تزیین کو بھی علل میں شمار کیا اور علماء اعلیٰ کی نفرت کو بھی علت گردانا۔ چنانچہ اس عبارت کے بعد ہی یہ حدیث لائے :-

ان بیت اللذی فیہ الصورة لا تدخله الملائکة۔ انتہی۔

اور وہ حدیث بھی لائے جن کے مطالب میں مولانا نے موصوف فقہا کو دھوکہ میں سمجھتے ہیں۔ میرے نزدیک اصل اس میں علت تعظیم ہے جو تمام علل کی جامع ہے اور تصویر کے لئے تعظیم کو باللازم ہے، پس تصویر کشی ہرگز جائز نہیں۔ واریت حضرت کو ملاحظہ فرمائیں کہ وہ حاجی و ارباب علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے اشیاء کی تصویروں کے ساتھ کیسے کیسے کروہ افعال کیسے کرتے تھے میرے پاس پاکستان سے کئی مرتبہ فرمائشیں آئیں کہ اپنی تصویر کھنچو اگر ہمارے پاس مسجد ہے تو کھنچو، کئی ایسی تصویریں لائیں کہ ساتھ کروہ افعال کئے جائیں، فقیر اس فوٹو کی قید کی وجہ سے چودہ سال تک پاکستان

رہے گی، حالانکہ وہاں بچوں کی شادیاں ہوئیں، ایک احقر زادہ جمید عالم کا وہاں انتقال ہوا، وہ آخر وقت لوگوں سے کہتا رہا کہ کسی طرح مجھے اس کی شکل دکھلا دو اور لوگ مجھے لکھتے رہے لیکن میں نہ جاسکا، حکومت میں بلا پاسپورٹ کے درخواست کی گئی لیکن نام منظور ہوئی، ایک نو اسی اور بعض مخلصین کا انتقال ہوا لیکن اس ہی قید کی وجہ سے نہ جاسکا، اب ایک عالم پاکستان سے تشریف لائے اور انہوں نے یہ ترکیب نکالی کہ بعض احباب نے شادیوں میں بے علمی میں فوٹو لے لیا ہے اس لئے پاسپورٹ بن سکتا ہے تو مجبوراً اجازت دی گئی اور علماء بھی اس ہی صورت سے یا اور کسی صورت سے جاتے ہوں گے پس ان کا عقل قابل حجت نہ ہو سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عیوب
محمد عیوب

مسجد جامع فتحپوری، دہلی

۱۸ ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ / ۱۸ ستمبر ۱۹۶۲ء

(سوال نمبر ۲۱۳) مکان یا بیٹھک میں قد آدم تصاویر یا سینہ سے نصف بالائی حصہ جسم کی تصاویر لگانا شرعاً جائز ہیں یا نہیں۔ بینوا و توجروا۔

مستفتی

میر محمد لودھیانوی

۱۳ اکتوبر ۱۹۶۲ء

۱۔ حضرت قدس سرہ کے چھوٹے صاحب نے اد سے مولانا محمد منظور احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۹۴۵ء میں پاکستان تشریف لے آئے تھے۔ حیدرآباد میں مقیم تھے۔ کچھ عرصہ بعد وہ بیمار ہو گئے، بیماری شدت اختیار کرتی گئی حتیٰ کہ ۱۹۴۹ء میں حیدرآباد ہی میں ان کا وصال ہو گیا۔ حضرت علیہ الرحمہ کا یہاں صاحب نے ادہ مرحوم کی طرف اشارہ ہے۔

۲۔ حضرت قدس سرہ کی جواں سال نو اسی جو قاری سید حفیظ الرحمن صاحب دامت برکاتہم کی صاحب نے ادی تھیں اپنا کراچی میں انتقال کر گئیں، یہ سانحہ بھی ایک عظیم سانحہ تھا، یہاں اسی طرف اشارہ ہے۔

۳۔ حضرت علیہ الرحمہ کے فرزند نسبتی حضرت العلامہ مفتی محمد محمود صاحب دامت برکاتہم حیدرآباد (مغربی پاکستان) دہلی تشریف لے گئے تھے اور پاسپورٹ بنوانے کی یہ صورت نکالی جس کا حضرت نے ذکر فرمایا ہے۔ یہاں حضرت موصوف ہی کی طرف اشارہ ہے۔

الجواب

تصویر پوری ہو یا سینہ تک بہر حال اس کا اپنے پاس رکھنا یا مکان وغیرہ کی دیواروں پر لگانا ناجائز ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے متواتر احادیث میں فرمایا ہے کہ لا تدخل الملئکة بیتا فیہ کلب ولا صورة رحمت کے فرشتے اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتیا یا تصویر ہو۔ ہاں اگر تصویر کا سر نہ ہو تب تو کراہت مدفوع ہے کہ تصویر جاندار میں چہرہ ہی اصل ہے اور اگر چہرہ موجود ہو اور دوسرے اعضاء نہ ہوں تو جواز کا حکم نہ دیا جائے گا اس لئے کہ جاندار کی تصویر میں مقصود چہرہ ہوتا ہے، نہ دوسرے اعضاء، نیز صرف چہرہ کی بھی عبادت کی جاتی ہے اور فقہانے ان تصاویر پر جن کی عبادت کی جاتی ہے کراہت کا حکم فرمایا پس اس پر بھی کراہت کا حکم کیا جائے گا۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر اللہ عفرلہ

امام مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۱۴) ولایتی ادویات کا کاروبار اکثر اہل اسلام کے ہاتھ میں بھی ہے، یہ دو اہم ہندوستان میں مفردات و مرکبات دونوں طریق پر آ کر فروخت ہوتی ہیں، مرکبات جن میں خصوصاً ٹیکر اسپرٹ، میتھیلیٹڈ، الکوہل، کلوروفارم، بقیصیل و بتشریح ذیل شامل ہیں، ملاحظہ ہوں :-

۱۔ ٹیکر یعنی ادویات مرکبات و مفردات کو ہمراہ اسپرٹ خالص شامل کر کے اس کی اصلی حالت کو دیر پا قائم رکھا گیا ہے جو عرصہ تک خراب نہیں ہوتا مگر اسپرٹ خالص جس کی تشریح یہ ہے۔

اسپرٹ خالص خمر سے تیار کی جاتی ہے (جیسا کہ سرکہ بھی تیار کیا جاسکتا ہے) یعنی خمر کو بطریق عرق کلاب و کیوڑہ وغیرہ بھیکے میں مقطر کرنے سے تیار کیا جاتا ہے اور اس اسپرٹ خالص سے کل جس قدر شرابیں و سکی برانڈی وغیرہ منشیاتیں تیار ہوتی ہیں، لہذا ادویات ولایتی مرکبات میں رقیق ادویات کو حل کرنے اور دیر پا قائم رکھنا اس کا خاص جوہر ہے۔

ب۔ اسپرٹ میتھیلیٹڈ جو دراصل اسپرٹ خالص کو زہریلے مادہ ملائے سے ناکارہ کر دیا گیا ہے اور اندرونی استعمال میں نہیں لائی جاسکتی اور جو اکثر روغن چوبنی، آہنی وغیرہ میں کام آتی ہے۔ علاوہ ازیں طبی اصول پر ادویات کے ہمراہ شامل کر کے الٹ تیار ہوتی ہے جو مریض کو بحالت درد بیزینی طریق پر استعمال کرائی جاتی ہے۔

ج۔ الکوہل۔ جو خالص اسپرٹ کو کئی بار مقطر کرنے سے تیار ہوتی ہے اس میں خوشبوئیات ولایتی شامل کر کے ایڈی کلون کے نام سے فروخت کی جاتی ہے۔ ایڈی کلون اکثر امراض سرسام، زیادتی بخار، نیز بخیر طبع کی صورت میں مریض کے سر پر ڈالی جاتی ہے یا رومال میں تر کر کے دماغ پر رومال رکھ دیا جاتا ہے جس سے

مریض کی راحت اور نیند آجانے کا خیال ملحوظ ہے۔

۵۔ کلوروفارم۔ جو خالص اسپرٹ کو سہاگنہ اور چہار آتشہ کرنے کے بعد اور مقطر کئے جانے سے حاصل ہوتا ہے، عموماً عمل جراحی کے وقت ڈاکٹر صاحبان مریض کو احساس تکلیف جراحی سے محفوظ رکھنے کی خاطر مریض کو سونگھا کر ہوش کر دیتے ہیں۔

مندرجہ بالا ہر چہار ادویات میں خاص اور اصل جزو اسپرٹ خالص کا ہے جس کی تشریح نمبر ۱ میں کی جا چکی ہے کہ یہ کس طرح حاصل ہوتی ہے۔ گزاریں یہ ہے کہ حکومت ہند نے نئے اصول و قوانین درآمد کی رو سے اس پر محصول نہایت زیادہ کر دیا ہے اور اس بات کی ضرورت لاحق ہوئی کہ تھوک فروش ادویات ولایتی ان ادویات کو یہاں خود تیار کریں جس میں منافع کی خاص رعایت مقصود ہے، لہذا اس صورت میں مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں :-

- ۱۔ کیا ولایتی ادویات کا کاروبار جس میں اسپرٹ شامل ہو جائز ہے یا ناجائز؟
- ۲۔ کیا کوئی شخص ان ادویات مذکورہ بالا کو تیار کرنے کے لئے اسپرٹ خالص خرید سکتا ہے؟
- ۳۔ کیا اس کی روزی طیب ہے یا نہیں؟
- ۴۔ کیا کوئی شخص بحالت مرض شفا یابی کی خاطر ادویات ولایتی مذکورہ بالا ہر چہار قسم اندرونی یا بیرونی طریق پر استعمال کر سکتا ہے یا کر سکتا ہے؟

مستفتی

محمد اسمعیل - کوٹوالہ اسٹریٹ

نمبر ۷، کلکتہ

نوٹ :- مندرجہ بالا فتویٰ مطبوعہ ہے جو جمالی پریس۔ نبرا اذکر یا اسٹریٹ کلکتہ میں چھپا ہے۔ مگر حضرت کا جواب قلمی ہے۔

الجواب هو الموفق للصواب

خمر کا اطلاق مجازاً ہر ایک شراب پر کیا جانے لگا ہے لیکن کسی شراب کا نام اگر خمر رکھ دیا جائے تو وہ شراب خمر کا حکم پیدا کر لے گی، شراب کے اقسام بہت ہیں لیکن جو بالا جماع حرام ہے وہ خمر ہے خمر غامخ اس شیرۃ انکور خالص کا نام ہے جو جوش مار کر نشہ لے آیا ہو پس یہی وہ شراب ہے جو قطعاً حرام ہے اور اسی کی نجاست، نجاست فلیظ ہے، نہ اس کی بیج جائز ہے اور نہ اس سے کسی قسم کا انتفاع حتیٰ کہ دوا بھی استعمال نہیں کی جاسکتی قال فی التنبیہ :-

المخمر وهو الخمر من ماء العنب اذا غلی واشتد وقذف بالنزید وحرّم

قليلها وكثيرها لعينها وهي نجسة نجاسة مغلظة كالبول وحرم الانتفاع بها
ولا يجوز بيعها ولا يجوز بها التداوي - انتهى ملتقطا -

اس کے علاوہ دوسری شرابیں اگرچہ عرق انگور ہی سے تیار ہوئی ہوں مختلف حکم رکھتی ہیں، بعض جائز ہیں بعض ناجائز
مختلف فیہ - شیرہ انگور کو پکا کر اگر شراب بنائی جائے تو اگر شیرہ پک کر ثلث سے زائد رہے اور پھر جوش مار کر نشہ
لے آئے تو یہ حرام ہے، ایسی شراب کو باذق کہا جاتا ہے اور اگر جل کر نصف رہ جائے تو ایسی شراب بھی حرام
ہے اس کو منصف کہتے ہیں ہاں اگر خشک ہوتے ہوئے ثلث رہ جائے تو وہ حلال ہے ایسی شراب کو
مثلت یا طلا کہتے ہیں اور اگر پانی میں مویز بھگوئے جائیں اور وہ پانی جوش مار کر نشہ لے آئے تو یہ بھی
حرام ہے اس کو نقیح نہیب کہتے ہیں اور اگر چھواروں سے ایسی شراب تیار کی جائے تو وہ بھی حرام ہے
اس کو نسکر کہتے ہیں، یہ سب شرابیں سوائے مثلث کے اگرچہ عامہ علماء کے نزدیک حرام ہیں اور جس طرح
یہ کثیر مقدار میں حرام ہیں، قلیل مقدار بھی ان کی حرام ہے لیکن ان کا حکم خمر کے حکم سے کم ہے چنانچہ ان کی
حرمتہ کا منکر کافر نہیں کہا جاتا اور ان کی نجاست میں بھی اختلاف ہے، بعض روایات سے غلیظ ثابت ہوتی
ہیں بعض سے خفیہ پھر اگر ان کو تھوڑا جوش بھی دے لیا جائے تو بغرض صراح ان کا پینا حلال ہے اس مقدار
تک کہ جو نشہ نہ کرے چنانچہ عالم گیری میں ہے :-

اما ما هو حرام عند عامة العلماء فهو الباذق والمنصف ونقيح الزبيب

والتمر من غير طنج والسكر فانه يجرم شرب قليلها وكثيرها - انتهى

اور تیزیرا لا بھار میں ہے :-

وحرمتهادون حرمة الخمر فلا يكفر مستعملها - انتهى

اور در مختار میں ہے :-

نبذ التمر والزبيب ان طنج ادنى طنجه يجل شرابه وان اشتد واهذا

اذ اشرب منه بلا لهو وطرب فلو شرب للهو وطرب فقليله و

كثيره حرام - انتهى ما فيه -

رہی شرابیں جو شہاد اور اخیر اور گیہوں اور جو وغیرہ سے بنائی جاتی ہیں سوائے حکم یہ ہے کہ اگر کسی غرض صراح کے لئے

اس کا استعمال کیا جائے تو اس مقدار میں کہ جس میں وہ نشہ نہ لائے استعمال کی جاسکتی ہے اگرچہ اس کو جوش نہ

دیا گیا ہو چنانچہ ہدایہ و عالمگیری و در مختار وغیرہ میں ہے :-

واللفظ للدهم، نبذ العسل والتين والبر والشعير والذرة يجل صواب

طنج اوله بلا لهو وطرب - انتهى

ان اشربہ کی حالت بر مذہب شیخین ہے بلکہ امام محمد سے بھی اس روایت مذہب شیخین کے لئے صحیح روایت ہے

فی العالمگیریہ وفتح القدير وغيرهما۔ لیکن ان سے ایک ایت یہ بھی ہے کہ ان اشربہ کا استعمال بھی قلیل و کثیر سب حرام ہے اور چوں کہ قساق نے ان اشربہ کا استعمال کثرت سے شروع کر دیا تھا اور ان کا منشاء اس سے سکر حاصل کرنا تھا لہذا علماء نے امام محمد کے قول پر فتویٰ بھی دیا، چنانچہ در مختار میں ہے :-
 وحرمتها محمد اى لا شرية المتخذة من العسل والتين ونحوهما قاله المصنف
 مطلقا قلیلها وکثیرها وبه یفتی ذکرہ النزیلی وغیرہ۔ انتہی
 اور مینی وغیرہ میں فرمایا :-

الفتویٰ فی نہ ما نابقول محمد لغلبة الفساد۔ انتہی

پس اگرچہ اس میں اختلاف ہے لیکن جب مذہب شرعی اس کی حلت پر ہے اور امام محمد سے بھی اس روایت یہی ہے اور فتویٰ علماء کی علت لغلبة الفساد بھی یہی بتلاتی ہے کہ ان کو صرف اس فسق کا سدباب منظور ہے تو ایسی صورت میں اشد ضرورت کے لئے قتل ان اشربہ کا اس مقدار میں جو مسکر نہیں اگر بطور دعاء استعمال کیا جائے تو اس میں گنجائش نظر آتی ہے اور کوئی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا۔ یہ بحث تو اشربہ کی حلت و حرمت میں تھی اب رہا حکم بیع سو سوائے خمر کے ہر قسم کی شراب کی بیع جائز ہے چنانچہ در مختار اور رد المحتار و ہدایہ و فتح القدير و مینی و عالمگیری وغیرہ میں ہے :-

واللفظ للشامی و صحیح غیر الخمر اى عندہ خلافا لهما فی البیع والضمان

لکن الفتویٰ علی قولہ فی البیع۔ انتہی ما فیہ

اب جب اشربہ کی جملہ اقسام اور ان کے احکام معلوم ہو گئے تو اب اپنے سوالوں کے جواب لیجئے۔
 (۱) اگر اسپرٹ خمر سے تیار ہوتی ہے جیسا کہ سوال میں ظاہر کیا گیا ہے تو یہ مطلقاً حرام ہے اس کے کسی قسم کا امتناع جائز نہیں مگر بوقت اضطرار کہہ بنص الاما ضطر ما تم الیہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے پس اس کی بیع و شراء بھی جائز نہیں اور اس کا بذریعہ بھکے کے مقرر کرنا اس کی حرمت کو زائل نہیں کرتا۔ ہدایہ شریف میں ہے :-
 والتاسع ان الطبخ لا یوثر فیہا لانه للمنع من ثبوت الحرمة لا لرفعها بعد
 ثبوتها۔ انتہی

لیکن ہم نے جہاں تک ڈاکٹروں کی زبانی سنایا ہے معلوم ہوا کہ یہ اس شراب سے نہیں بنائی جاتی جس کو شرقا خمر کہا جاتا ہے بلکہ ایسی شراب کا جو ہر ہے جو گتے وغیرہ سے بنائی گئی ہے پس اگر یہ صحیح ہے تو اس کا استعمال بغرض صحیح (اس مقدار میں جو مسکر نہیں ہے) حرام نہیں اور اس کی بیع و شراء بھی جائز ہے یہی حکم اس تقدیر پر ہے جب کہ باذن یا منصف یا قبیح زہیب و تر سے بنائی گئی ہو اس لئے کہ اس میں بوش دے دیا گیا ہے لہذا عامہ علماء کے نزدیک اس کا قلیل مطلقاً حرام نہیں گما صرححت من قبل اور اگر اس میں شک ہے کہ یہ شراب سے بنائی گئی ہے یا نہیں یا یہ تو معلوم ہے کہ یہ شراب سے بنی ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ کونسی شراب سے بنی ہے تب بھی یہی حکم ہے لقولہ علیہ السلام :-

(سوال نمبر ۲۱۵) اسپرٹ کے لئے شریعت میں کیا حکم ہے؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

اس کا پینا تو حرام ہے لیکن دوسرے کاموں میں استعمال کرنا اگرچہ مختلف فیہ ہے لیکن عموم بلوئی کی وجہ سے اس کی خرید و فروخت میں اور دوسرے کاموں میں استعمال کی گنجائش ہے لیکن مقامات مقدسہ میں اس کا استعمال خالی از کراہت نہ ہوگا، چنانچہ درمختار میں ہے :-

وصحیح بیع غیر الخمر وقال لشمی لان الخلاف فیہا لا فی المباحة ایضا وعند محمد فیہما یظہر مما یاتی من قوله بحر متہ کل الا شربة ونجاستہا۔ فقط

محمد بن عبد العزیز
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

مال حرام

(سوال نمبر ۲۱۶) رنڈی کے مکتو مال کو کوئی شخص اپنے مکان کے کرایہ میں لے سکتا ہے یا نہیں اور جو شخص لیتا ہو اگر وہ کسی کی دعوت کرے تو اس کی دعوت کھانی چاہیے یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

اگر کسی اس شخص کو کرایہ اس مال سے ادا کرتی ہے جو اس نے ناجائز طریق سے حاصل کیا ہے تو مکاندار کو وہ مال کرایہ میں نہ لینا چاہیے کہ وہ ناپاک مال ہے اس کا اپنے صرف میں لانا حلال نہیں۔ لقولہ تعالیٰ :-
ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب
ولقولہ علیہ السلام :-

لا یجوز لمن الکلب لاحلوان الکاهن ولا مہر البخی۔ (سواہ ابوداؤد)
ہاں جو شخص خالص اس مال کو دعوت میں صرف کرتا ہے جو اس نے رنڈیوں کی ناپاک کمائی سے حاصل کیا ہے تو اس کی دعوت قبول نہ کرنی چاہیے۔ ہاں اگر رنڈیوں نے اس کو ناجائز کمائی سے کرایہ نہیں دیا یا یہ شخص ان کے کرایہ کے علاوہ دوسرے پاک مال کو دعوت میں صرف کر رہا ہے یا رنڈیوں کا دیا ہوا مال بھی مخلوط ہے مگر پاک مال اس سے نائد ہے تو ان صورتوں میں اس شخص کی دعوت قبول کرنے میں حرج نہیں، اشباہ والنظائر میں ہے :-
اذا کان غالب مال المہدی حلالا فلا بأس بقبولیہ، واکل

مالہ لم تبین انہ من حرام۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

سُود

(سوال نمبر ۲۱) میرے بھانجہ کو تعلیمی ضرورت کے لئے روپے چاہئیں، میری بہن اس کی یہ ضرورت پوری کرنے پر قادر نہیں، ڈاک خانہ میں میرا کچھ روپیہ لپور سود موجود ہے کیا یہ روپیہ بھانجہ کو دے سکتا ہوں، نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ ڈاک خانہ سے نکالنا ہی ضروری ہے یا اتنی رقم اپنے پاس سے دے دوں۔ بینوا تو ہوا۔

الجواب

یہ رقم اپنے بھانجہ کے تعلیمی خرچ کے لئے دے سکتے ہو اگر ڈاک خانہ سے نکال کر اپنے پاس سے نہیں دے سکتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۱)

(۱) زید بینک میں رقم جمع کرتا ہے اور دراصل رقم پر جو زائد رقم ملتی ہے اسے اپنے لئے حلال و جائز سمجھ کر اپنے تصرف میں لاتا ہے کیا یہ زائد رقم سود ہے اگر سو نہیں تو کس زمرے میں شامل کی جائیگی؟
(۲) زید کفار کو رقم قرض پر دیتا ہے اور اس المال سے زیادہ رقم وصول کرتا ہے اور اس زیادہ رقم کو سو نہیں کہتا اس کا کھانا اس لئے حلال بتاتا ہے کہ وہ کافر کا مال ہے، شرع میں ایسے مال کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب

مفتی صاحب امت برکاتہم کا جواب فقیر کی نظر سے گزرا، اس میں شک نہیں کہ امامنا امام عظیم اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور ان کا مذہب یہی ہے کہ مسلم اور حربی کے درمیان ربوا کا تحقق نہیں ہوتا (خلا فالابی یوسف و ائمة ثلاثہ، لقولہ علیہ السلام لا ربوا) الحدیث، اس حدیث سے صاحب ہدایہ نے امام صاحب کے مذہب سے اس سوال کا پہلا جواب حضرت مفتی مصطفیٰ رضا خان بریلوی کا ہے اس کے بعد حضرت نے جواب مرحمت فرمایا ہے جو پیش ناظرین ہے۔

کی تقویت پر استدلال کیا ہے اور یہ حدیث بیہقی کی ہے۔ ظاہر ہے کہ قطع نظر اس کے کہ یہ حدیث کس درجہ کی ہے اس میں شک نہیں کہ حدیث احادیث جو آیت کریمہ احل اللہ البیع و حرّم المریدوا۔ کا مقابلہ نہیں کر سکتی کہ یہ حرمت ربوہ پر دلیل قطعی ہے اور حرمت بھی علی الاطلاق۔ پس دلیل ظنی اس کے اطلاق کو کیسے اٹھا سکتی ہے؟ اور اس میں تعقید کیسے پیدا کر سکتی ہے لیکن جب اس کی علت پر نظر جاتی ہے تو امام صاحب کا مذہب قوی معلوم ہوتا ہے اور اس مسئلے کا باب ربوہ سے تعلق ہی نظر نہیں آتا اور وہ علت دار الحرب میں حربی کے مال کا غیر معصوم ہونا ہے جس کو مسلمان اس کی رضا سے بہر صورت لے سکتا ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔ تو اس میں اس صورت میں حقیقت میں اپنے مال کے عوض کچھ زیادتی لینا نہ ہونی بلکہ حربی کی رضا مندی سے اس کے اس زائد مال کو لینا ہو جو بالاتفاق جائز ہے اگرچہ اس کو سود کہا جائے العبرة للمعنی لا للفاظ ہاں اس صورت میں لینے والا اس کو سود سمجھ کر نہ لے کہ یہ ممنوع ہے بلکہ یہ سمجھ کر کہ حربی سے اس کی رضا مندی کے ساتھ اس کے مال مباح میں سے ایک حصہ لیا ہے لان شئاً لو احدثت تعین بالحل والحرمة باعتبار ما قصد له (اشباہ) وانما الاعمال بالنیات ولولا الاعتبارات لبطل الحکمہ۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ اس حدیث مذکور میں دار الحرب کی قید حترازی ہے اور عبارات فقہاء سے بھی یہی استفادہ ہے چنانچہ در مختار اور شامی میں ہے :-

(ولا بین حربی و مسلم مستامن) احتراز بالحربی عن الاصلی والذمی (مذہب)
ای فی دار الحرب فید بہ لانا، لو دخل دارنا بامان فباع منه مسلمہ ہما
بدہ ہمین لایجوز۔ انتہی۔

اور عبارت ہدایہ سے بھی یہی استفادہ ہے کہ وہ اس مسئلے میں سود کی نفی کی دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ دار الحرب میں حربی کا مال مباح ہوتا ہے تو بغیر عذر کے جس طرح چاہے لے سکتا ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے :-
ولنا قوله عليه لصلوة والسلام لاسرنا بامان المسلم والحربی فی دار الحرب لانهم مالهم مباح فی دارهم فبای طریق اخذہ المسلم اخذ
ماله مباح اذا لم یکن فیہ عذر۔ انتہی

غرض میرے نزدیک یہ صحیح ہے کہ حدیث میں یہ قید حترازی ہے اور فقہانے جو تعریف دار الحرب کی کی ہے وہ ہندوستان پر صادق نہیں آتی اس لئے یہاں حربی سے سود لینا جائز نہیں اور اگر قید اتفاقاً بھی مان لی جائے تب بھی قید حترازی کا احتمال تو یقینی ہے فاذا اجاء الاحتمال بطل الاستدلال پر آیت کریمہ کا حکم اپنے اطلاق پر باقی ہے اور مسلم کو حربی سے اس کا مال لینا نہ اس وجہ سے جائز ہے کہ اس سے سود لینا جائز ہے بلکہ اس وجہ سے کہ دار الحرب میں اس کا مال غیر معصوم ہے پس جب تک ہندوستان کا دار الحرب ہونا ثابت ہو حربی کے مال کا غیر معصوم ہونا ہندوستان کے سزا نہیں کہا جاسکتا پس اس سے ایسی زیادتی

سو ہوگی اور وہ حرام ہے اس کو لے کر اپنے صرف میں لانا حرام ہے ہاں اگر اس فرض سے لے کر غریب کو دے کر اس زیادتی کو اعانت کفر میں نہ صرف کیا جاسکے تو گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری دہلی

نوٹ :- سو دے کے صرف میں لانے کے بارے میں مختلف سوالات کئے گئے تھے جو سو دے کی کتاب میں درج نہیں، یہاں حضرت کے جوابات درج کر کے حاشیے میں ضروری تشریح کر دی گئی ہے۔
(نمبر ۲۱۹)

الجواب

زید اس روپیہ کو جو سو دے کے نام سے وصول کیا ہے ہر جائز کام میں صرف کر سکتا ہے بشرطیکہ نہ اس سے ثواب کی نیت کی جائے نہ اس میں کسی طرح کا..... مضمحل ہو پس غیر مسلم کو اپنا یا اپنا جائز حق سمجھ کر خریدنا یا نمبر ۹ کے مصارف میں خرچ کرنا یا عطا کر کے مصارف میں صرف کرنا بہتر نہیں کہ ان میں اپنا مفاد ہے ہاں ہاؤس ٹیکس یا جنگی یا جرمانہ وغیرہ ایسے مصارف میں صرف کر سکتا ہے جو ظلماً وصول کئے جاتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(۷ مئی ۱۹۵۸ء)

بیمب

دسوال نمبر ۲۲۰) کیا دوکان کے لئے آگ یا چوری کا بیمہ کرنا جائز ہے جب کہ دشمن نقصان پہنچانے کے پے ہو۔ بینوا و توجہ روا۔

سنتی
عبدالحق - سکر
(۱۹۵۸ء)

۱۔ اپنے اوپر کسی ناجائز الزام، دباؤ یا ظلم کا مقابلہ کرنے یا ثروتِ مذمانہ کے طور پر دیگر چھکارا حاصل کرنے کیلئے استعمال کرنا۔
۲۔ اپنی برادری کا لحاظ کرتے ہوئے بطور اسراف بے جا اس کو صرف کیا جائے۔
۳۔ اپنے قرض اٹارنے کے لئے اس کو استعمال کیا جائے۔

الجواب

بیمہ ایک طرح کا قمار ہے جو ناجائز ہے خواہ دوکان کا کیا جائے یا زندگی کا۔ فقط

محمد منظر عطار
مسجد جامع فتحپوری

(سوال نمبر ۲۲۱) کالا خضاب یا ایسا مرکب جس میں سیاہی سُرخ مائل ہو لگانا جائز ہے یا نہیں۔

مستفتی
خالہ حسن نظام آبادی
مستعلم مدرسہ عالیہ عربیہ مسجد فتحپوری - دہلی

الجواب

سیا خضاب ممنوع ہے، سُرخ مائل ہو تو اس میں مضائقہ نہیں۔ فقط

محمد منظر عطار
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۲۲) زید نے ایک بیوہ عورت ہندو سے شادی کی، ہندو اپنے ساتھ کئی بچے لائی جن میں ایک لڑکی بھی تھی، زید نے اس لڑکی کے ساتھ جماع کیا اور لڑکی کو حمل قرار پا گیا اور بچہ بھی ہو گیا۔ اندرون شرع زید کے لئے کیا سزا ہے اور کیا ہندو زید کے نکاح میں ہی یا نکاح منسوخ ہو گیا نیز اس کی لڑکی اور بچہ کے لئے کیا حکم ہے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

سزا تو حاکم مسلم کے ہاتھ ہے جس کا اجراء ہندوستان میں ممکن نہیں رہی یہ زید کی بیوی سوا اس پر حرام ہوگی، اس کو چاہئے طلاق دے کر طیبہ کر دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عطار
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۲۳) زید غارش کا مریض ہے بہت سے علاج کر چکا ہے مگر فائدہ نہیں ہوا، اب ایک شخص نے بتایا ہے کہ بیزک کا گوشت کھانے سے یہ مرض جاتا رہے گا، کیا وہ شرفاً کھا سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا و توجروا

مستفتی
فصح الدین دہلوی
۱۶ ربیع الاول ۱۳۸۳ھ

الجواب

جب تک حلال چیز علاج کے لئے میسر آئے اس وقت تک اس کا استعمال درست نہیں اس لئے حلال چیزیں بہت ہیں، کسی عاقل حکیم سے مشورہ لیں اگر مستحق حاذق حکیم کہہ دے کہ اس کے سوا کوئی علاج نہیں تو پھر اس کا استعمال کر سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عطار
مسجد جامع فتحپوری دہلی
۲۶ ربیع الاول ۱۳۸۳ھ

(سوال نمبر ۲۲۲) زید نے کسی آدمی کے کہنے سے کہ تمہارا مرض جاتا رہے گا کچھوا کھالیا، ایسی صورت میں زید کا ایمان رہا یا جاتا رہا، زید کا حقہ پانی بند کرنا درست ہے یا نہیں اور شرعاً زید کے لئے کیا حکم ہے اور کیا بطور علاج کچھوا کھانا جائز ہے۔ بینوا و توجروا۔

مستفتی
حاجی نور محمد

الجواب

کچھوا کھانا شرعاً جائز نہیں لیکن اس کے کھانے سے ایمان نہیں جاتا، نہ یہ ایسا گناہ ہے کہ اس کی سزا اس کے کھانے سے اٹے کا حقہ پانی بند کیا جائے خصوصاً جب کہ ازالہ مرض کے لئے کھایا، جن لوگوں نے زید کا حقہ پانی بند کیا ہے وہ گنہگار ہوئے ان پر تو سب اور زید کا حقہ پانی کھولنا لازم ہے، البتہ زید پر بھی تو یہ لازم ہے پس اس سے صرف توبہ کرا لینا کافی ہے۔ فقط

محمد منظر عطار
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۱۳۸۱ھ میں)

(سوال نمبر ۲۲۵)

(۱) فال کھولنا یا کھلوانا یا فال لینا شریعت میں جائز ہے یا ناجائز؟ ایسے احوال کا مطلب کیا ہے؟

اور اس کا نکاح منع ہو جاتا ہے؟

(۲) زید کے لئے ایک دوسرے شخص عمر نے فال کھلوانی جو زید کے علم میں بھی نہ تھی لیکن جب برادری والوں کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے زید کو خارج از اسلام سمجھ کر اس سے اور اس کے گھر والوں سے مقاطعہ کر لیا اور اس کی تشہیر بھی کرادی، آیا برادری والوں کا یہ فعل از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

نیک فال لینا تو عمدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی کام کے وقت کوئی اچھی بات سنے تو خوش ہو اور اس کام کو مبارک سمجھے اس میں اصلاً مضائقہ نہیں ہاں کسی فال کھولنے والے کے پاس جانا اور اس سے فال کھلوانا برا ہے اور گناہ۔ اس میں جو وعیدات وارد ہوئی ہیں اس سے مراد تشدید ہے، اس کا ترکیب فر نہیں ہوتا نہ نکاح ٹوٹتا ہے البتہ ایسا اعتقاد کہ اس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا ضرور سخت گناہ ہے۔ ایسے شخص سے صرف توبہ کرانا کافی ہے، اور جب کام کرنے والے کے عزیز نے فال کھلوانی ہے کہ کام کرنے والے کو اس کا علم بھی نہ ہوا تو ایسی صورت میں ان پر کیا گناہ؟ ان پر ایسا تشدد کہ ان کے تمام گھر والوں کو اسلام سے خارج کر کے ان سے مقاطعہ کرنا اور اس کی تشہیر کرنا سخت ظلم ہے جن لوگوں نے ان پر یہ ظلم کیا ہے ان کو ان سے معاف کرانا لازم ہے ورنہ سخت گنہگار ہوں گے اور قیامت میں ان کے اعمال صالحان کو دلائے جائیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عطار
مسجد جامع فتحپور دہلی

سائوال باب



سایات

۱۳۸۵

۱۳۸۵

۱۹ نومبر ۱۹۵۹ء کو لاہور سے مشتاق احمد نظامی مدیر ماہنامہ ہاسباں کا مکتوب۔ مولانا عبدالرشید صاحب
 مدرس مدرسہ نعمانیہ دہلی کے نام آیا تھا، اس میں مدیر صاحب نے کتاب "خلافت معاویہ و یزید" (از محمود عباسی) کے
 چند اقتباسات پیش کرتے ہوئے اس کے متعلق حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کی رائے اور مولانا نے موصوف
 اور مفتی محمد شرف احمد صاحب (نائب مفتی مسجد فتحپوری، دہلی) کی تصدیقات طلب کی تھیں۔ جب یہ خط حضرت علیہ
 الرحمہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے مندرجہ ذیل جواب مرحمت فرمایا:-

(نمبر ۲۲۶) جواب گرامی

مکرمی زید مجدکم

وعلیکم السلام ورحمۃ ربکم المنعم۔ کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کے جو واقعات آپ نے حضرت علی و حضرت حسین
 علیہما السلام کے متعلق تحریر فرمائے وہ اس کے مصنف نے غالباً بعض کتب سیر سے لکھے ہوں گے اور کتب
 سیر پر اگر آپ نظر ڈالیں گے تو اس واقعہ میں آپ کو منافع والی قوال ملیں گے اور سوائے پریشانی کے اور کچھ
 حاصل نہ ہوگا اس لئے میرے نزدیک ان کو نظر انداز ہی کرنا بہتر ہے کہ قرآن کریم اور حدیث مولیٰ العظیم ہیں
 اس فیصلے کے لئے کافی ہے۔

فمن عائشة (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) قالت خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم
 غداة وعلیہ مرط من حل من شعر اسود فجاء الحسن بن علی فادخلہ
 ثم جاء الحسین فادخل معہ ثم جاءت فاطمة فادخلها ثم جاء علی
 فادخلہ ثم قال انما یرید اللہ الخ۔ (۳ و ۱۰ مسلم)

ان ارشادات کو دیکھتے ہوئے ایسے پاک نفوس کی طرف جن کو اللہ تعالیٰ نے پاک کیا ہو ایسے ناپاک افعال کی
 نسبت ہی شخص کر سکتا ہے جس کو اس ہی تعالیٰ نے ناپاک کیا ہو پس میرے نزدیک مسلمانوں کے لئے یہ کتاب
 زہر قاتل ہے اور کسی ایسے مفسد کے ذہن فاسد کا نتیجہ ہے جس میں اس کا کوئی ذمیوی مفاد مضمر ہے جس کے
 نشے میں اس کو نہیں سوجھا کہ اس سے مسلمانوں میں اختلاف کی آگ کس درجہ شعلہ زن ہوگی اور جس کے
 نتیجے میں اختیار کو ان کے تباہ کرنے کے لئے سنہری موقع ہاتھ آئیگا۔ فقط وہو اعلم

محمد منظر عسکری

مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۲۶) زید اپنی ایک مطبوعہ کتاب "خلافت معاویہ و یزید" میں حسب ذیل عبارات تحریر کر کے حضرت
 امیر المؤمنین علی و حضرت سیدنا امام عالی مقام حضرت حسین کی اہانت کرتا ہے، ایسے شخص پر جو حضرات اہل بیت

اظهار پر سب شتم کرے اور یزید جیسے فاسق شخص کی حکومت کو حضرت امیرنا حسین کے مقابلہ میں متفق علیہ حکومت کرے اور حضرات اہل بیت کی تذلیل کرے اس کے متعلق شریعت کے کیا احکام ہیں کیا ایسے شخص کی اعانت کرنا اس کے مضامین تنازع کرنا جائز ہے؟ مؤلف کتاب کے چند نمونے پیش خدمت ہیں صفحہ ۲۹ و ۳۰ پر تحریر ہے :-

(۱) علم فضل تقویٰ پر ہیزگاری پابندی صوم صلوات کے ساتھ امیر یزید درجہ کریم النفس حلیم الطبع بیچدین تھے حکمرانی و فرماں روائی سے مطلب مقصد امیر یزید کے نزدیک خدمت خلق تھا اور اس خدمت خلق کا آئیڈیل اور مصلح نظر امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم کی عادلانہ و صالح حکومت و سیاست تھی۔

(۲) حسین کے متعلق شروع سے لے کر آج تک مسلمانوں کو جو کچھ یاد ہے وہ سب غلط ہے اور اس سلسلہ میں مسلسل جھوٹ بولا گیا ہے۔

(۳) امیر یزید متفق علیہ خلیفہ تھے وہ اس کے مجاز کیوں نہیں کہ اپنے خلاف خروج کرنے والوں کا مقابلہ کریں حضرت حسین کے خلاف تلوار کیوں نہیں اٹھائی جاسکتی جن کی دعوت محض یہ تھی کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسا اور حضرت علی کا فرزند ہونے کی حیثیت سے مستحق ہوں کہ مجھے خلیفہ بنایا جائے۔

(۴) مصنف نے اپنی کتاب میں حضرت عبدالقدوس زبیر کو ملحد لکھا ہے۔

(۵) مصنف مذکور نے یزیدی افواج کے سپہ سالار ابن سعد مروان کو تو صحابہ شمار کیا ہے مگر حضرت حسین کو صحابی تسلیم کرنے پر تیار نہیں چلاں چہ صفحہ ۷۶ پر لکھتا ہے کہ وہ (یعنی حضرت حسین) تابعی تھے صحابہ کے زمرہ میں شامل نہ تھے۔

(۶) مصنف مذکور حضرت حسین کو شہید کہنا بھی گوارا نہیں کرتا بلکہ اس کا دعویٰ ہے کہ حضرت حسین ارشادات نبویہ سے ناواقف تھے، وہ آپ کی شہادت کو جاہلیت کی موت قرار دیتا ہے اور آپ کے اعزاء کی جانوں کو ضائع ہونے سے تعبیر کرتا ہے ص ۲۶ و ۲۷

(۷) مصنف مذکور نے اپنی ۲۰۰ کے قریب صفحات کی کتاب میں کسی ایک جگہ بھی حضرت امیرنا حسین کو امام نہیں کہا ہے بلکہ ص ۳۲۹ پر تصریح کر دی ہے کہ یزید کے مقابلہ میں حضرت حسین کو امام نہیں کہا جاسکتا، اس کے بالمقابل یزید کا بات بات پر امیر المؤمنین اور حجتہ اللہ علیہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(۸) یہ مصنف اس کتاب کے ص ۵ پر لکھتا ہے حسین نے (یزید کے خلاف) اپنے خروج میں بڑی خطا و غلطی کی ہے جس سے امت پر افتراق و اختلاف کا وبال پڑا اور آج تک محبت و الفت کے ستون کو ٹھکانا لگا، یہ خروج طلب حکومت و خلافت کا ایک ایسا سیاسی مسئلہ تھا جو مقتضائے زمانے اور احکام شرع کے اعتبار سے جائز اور مناسب تھا نہ کہ مصنف لکھتا ہے کہ خلاف کا عموماً یہ شعار رہا ہے کہ وہ ناکام مدعیوں کی ناکامی پر جذبات سے مغلوب ہو جاتے ہیں یہی کیفیت اسلاف کی تھی جن کے متعلق ایرانی شدید تعصب نے اس تصویر میں خدوخال بھرے اور حسین کو بجائے ایک معمولی قسمت آرمائے کے جو ایک نوکری لغزش و خطا

ذیل اور قریب قریب غیر معقول جب جاہ کے کارن ہلاکت کی جانب تیز گام ہوئے، ولی اللہ کے روپ میں پیش کیا ہے
حسین اور ان کے مٹھی پھر متبعین نے انتہائی نا عاقبت اندیشی سے (یزیدی، فوجی دستہ کے سپاہیوں پر
جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے گھیرا ڈالے ہوئے تھے اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا ص ۲۱۱

ایسے شخص کے متعلق جسکی کتاب کے چند اقتباسات اوپر مذکور ہوئے علمائے دین کیا فیصلہ دیتے ہیں۔

• کیا حضرت مولانا علیؑ اور حضرت سیدنا امام حسینؑ کی تحقیر کرنا جائز ہے؟

• حضرت سیدنا مولانا علیؑ کے مناقب و فضائل کیا ہیں؟

• حضرت سیدنا امام حسینؑ کے مناقب کتب احادیث میں کیا درج ہیں؟

• کیا یزید حضرت امام حسینؑ سے افضل تھا؟

• کیا یزید کی بیعت صحیح تھی؟

• ایک ایسا شخص جو حضرت حسینؑ کو صحابیت کے درجہ میں شامل نہ کرے آپ کے نزدیک کیسا ہے؟

مستفتی

محمد اسماعیل خاں غافل، اکبر آبادی

الجواب

آج ہمگیہ رونا اور چیخا تھا کہ غیر مسلم اکابر اسلام کی اہانت کر رہے ہیں اور تاریخ اسلامیہ کو مسخ کئے دے
رہے تاکہ لوگوں کو اسلام سے برگشتہ اور متنفر کریں۔ لیکن اس سوال کو دیکھ کر تو حیرت ہی ہو گئی کہ جو کام غیر مسلم
میں نہ کر سکے اس کا بیڑا آج ایک مدعی اسلام نے اٹھایا ہے۔ بیسیوں غیر مسلموں کے بیانات اس واقعہ
کے متعلق دیکھے جنہوں نے حضرت امام عالی مقام کے اس فعل کو منظر تحسین دیکھا ہے، اور یزید پلید کو ظالم
ٹھہرایا ہے، لیکن حضرت امام عالی مقام کی توہین کرنے والا اور یزید عنید کا ثنا خواں دیکھا تو اس زید مدعی اسلام
کو ————— حالال کہ یہ دونوں امر موجب فسق ہیں، بلکہ اہل بیت کی اہانت تو موجب اذیت رسولؐ ہے اور
وہ موجب کفر۔ پس زید پر کید کے فاسق ہونے میں اصلاً کلام نہیں کتب تواریخ اور آثار صحابہؓ ملاحظہ
فرمادیں تو معلوم ہوگا کہ علم و عمل، زہد و تقویٰ، جود و سخا، شجاعت و قوت، اخلاق و مروت، صبر و شکر، عفت و حیا
وغیرہ اوصاف حسنہ میں سے کونسی صفت ایسی ہے جو اس بارگاہ کی کنیزوں میں نہ ہو۔ اسی لئے علماء فرماتے ہیں
کہ ان کے فضائل شریفہ حد حصر سے خارج ہیں، ذرا ذرا اسی بات پر کنیزوں کا آزاد کر دینا تو آپ کے لئے ایک
معمولی شے تھا۔ ان کی ایک ایک صفت سے جو واقعات ظہور پذیر ہوئے اگر وہ یکجا قلم بند کئے جائیں تو ایک
مضیم کتاب تیار ہو۔ میرا کیا زہرہ کہ ان کے کچھ فضائل بیان کر سکوں، جیلان کا مولیٰ خود ان کی اور ان کے

والدین اور ان کے برابر عالی وقار کی صفت ثنا فرمائے :-

انما یرید اللہ لیدھب عنکم الرجس اهل البیت ویطہرکم تطہیرا۔

اس میں اہل بیت سے مراد بالمعنی الاخص یہی حضرات مراد ہیں جس پر بکثرت احادیث وال ہیں، یونہی آیت کریمہ مبارکہ :-
 — فقل تعالوا ندع ابنا منا و ابناکم الایہ میں بھی یہی حضرات مراد لئے گئے ہیں، اور آیت کریمہ —
 قل لا اسئلكم علیہ اجزا الا المودة فی القربی میں بھی مسلمانوں سے اپنی ذوات عالیہ کی محبت مطلوب ہے
 اور مولیٰ علی کریم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے فضائل تو علماء نے اور بھی بکثرت آیات سے ثابت کئے ہیں، اور ان حضرات کی
 شان میں احادیث کا تو شمار ہی کون کر سکتا ہے، چند حدیثوں کا ذکر کروں، فرمایا کہ میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی
 ہیں۔ جب تک تم ان کو پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہوں گے ایک قرآن کریم ہے، دوسری، اہل بیت۔ یعنی جب
 تک احکام قرآنیہ کو بجالاتے اور اہل بیت سے محبت کرتے رہو گے گمراہ نہ ہو گے (ترمذی) اور فرمایا میں تمہیں اللہ
 کے عذاب سے ڈراتا ہوں میرے اہل بیت کے حقوق کے بارے میں قصور نہ کرنا، میرے اہل بیت کے حقوق میں
 قصور نہ کرنا۔ (ترمذی) اور فرمایا اشتد غضب اللہ علی من اذانی فی عترتی اور فرمایا ان سے محبت مجھ
 سے محبت ہے اور ان سے بغض مجھ سے بغض ہے اور علی الخصوص حضرت امام ہمام کی شان میں فرمایا کہ حسین
 (علیہ السلام) سے جو لڑے اس سے میں لڑنے والا ہوں (صواعق اللہ) یہ ہیں مختصر فضائل اہل بیت کے اور اگر کسی
 کو بالتفصیل دیکھنا ہو تو وہ کتب سیر مثل تاریخ الخلفاء، صواعق المحرقة ہی کو ملاحظہ کرے۔ لیکن یزید پلید کے
 فضائل میں نہ کوئی آیت یا حدیث یا کسی مستند کتاب کی تاریخی روایت ہے جس میں یزید خبیث کے ان فضائل کا
 ذکر ہے جو یزید پر ایک بیان کرتا ہے، ابھی تک تو جو یزید کے حامی نظر آئے ان کو بھی یہی کہتے سنا کہ یزید کیسا
 ہی فاسق فاجر ہے لیکن تھا تو خلیفہ وقت۔ اگرچہ یہ بھی غلط ہے۔ لیکن انہوں نے بھی اسے ایسے صفات
 جلیلہ کا حامل نہ بتایا۔ ہم نے تو بعض احادیث میں یزید مرید کے متعلق یہ پیشگوئی پائی ہے فرمایا کہ ہمیشہ میری امت
 انصاف پر قائم رہے گی یہاں تک کہ بنی امیہ میں ایک شخص جس کا نام یزید ہوگا وہ اس میں میں رخصت کرے گا
 اور وہ میری سنت کو بدلے گا (صواعق المحرقة) اور کتب سیر پر نظر جاتی ہے تو ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ
 وہ شراب خور، تارک نماز، اور زنا جیسے دوسرے منکرات کا رواج دینے والا تھا، چنانچہ عبد اللہ بن حنظلہ
 فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم یزید پر جب مقابلہ کے لئے اٹھے جب اس کے افعال خبیث کی وجہ سے ہم کو یہ خوف
 ہوا کہ اب آسمان سے پتھر برسیں گے (تاریخ الخلفاء و صواعق المحرقة) شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ حدیث و روای
 فرماتے ہیں :-

امتنع الحسن علیہ السلام من بیعتہ لانه کان فاسقا مد من الخیر الخلفاء

(مر الشہادین)

بلکہ خود اس کے لڑکے معاویہ ابن یزید رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یہ فرماتے ہوئے خلافت کو ٹھکرا دیا کہ میں ایسی خلافت

کو قبول کر سکتا ہوں جس کی بدولت میرے باپ یزید نے جو ناپاک تھا، سرکارِ اقدس کے نواسے سے منازعت کی اور
عزتِ رسول کو قتل کیا، اور شراب کو مباح کیا، اور خانہ کعبہ کو خراب کیا۔ میں ایسی خلافت کو قبول نہیں کر سکتا، پھر
دولتِ خانہ میں تشریف لے گئے اور پھر نہ نکلے یہاں تک کہ چالیس روز کے بعد انتقال فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاٰجِعُوْنَ
(صواعقِ المحرقہ) ایسے ہوتے ہیں جن کو کہ حق کہنے میں اپنے باپ کی بھی رعایت نہ کی، غرض ہمیں تو اس بد نصیب
کے یہ مناقب ملتے ہیں اور اس کے فسق میں کسی کا بھی اختلاف نظر نہیں آتا۔ ہاں اس کے کفر میں البتہ اختلاف
ہے۔ چنانچہ صواعقِ المحرقہ میں ہے :-

ان اهل السنة اختلفوا فی تکفیر یزید بن معاویہ فقالت طائفة انہ کافر (والیفا)
وبعد اتفاهم علی فسقہم اختلفوا فی جوانم لعنہ انتہی مملکتا۔

جو حضرات اسے کافر کہتے ہیں ان کے دلائل دیکھتے ہوئے تو ان ہی کا قول اجماع معلوم ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب اس نے
حرماتِ قطعیہ کو حلال کر دیا اور حضرت سید الشہداء اور آپ کے ساتھیوں کو ظلماً شہید کرایا۔ اور حضرت کے سر اقدس کے ساتھ
بے ادبی کے ساتھ پیش آیا۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کے بعد اس جرم پر کہ اہل حرمین شریفین نے اس کی بیعت سے انکار کیا
حرمین شریفین میں قتل عام کرایا جس میں سینکڑوں صحابہ اور قرآن شہید کئے گئے، بلکہ اس کے علاوہ بھی وہاں جو مظالم
اور شرمناک افعال شیعہ کر آئے وہ قابل بیان نہیں تو ایسی صورت میں اس کے کفر میں کیا شک ہے، لیکن بائیں ہمہ پھر بھی
برہانے شک محتاط علماء فرماتے ہیں کہ اس باب میں سکوت ہی بہتر ہے، اور اس کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے
ہیں۔ یہ ہے جس کی زید پر کید صفت متنا کرتا ہے۔ اس کے مظالم کی داستان اگر دیکھنی ہو تو کتب سیر، صواعقِ محرقہ وغیرہ
لاحظہ کریں، جس سے آپ کو اس پلیدی کی پرہیزگاری اور صوم و صلوة کی پابندی اور کریم النفس کا ڈھونگ بخوبی ہو یا ہو جا
ئیگا، اور حضرت امام ہمام علیہ السلام کے فضائلِ جلید کی بھی سیر ہو جائے گی جس کو یہ بد نصیب زید کہتا ہے کہ حسین کے متعلق
شروع سے آج تک مسلمانوں کو جو کچھ یاد ہے وہ سب غلط اور مسلسل جھوٹ بولا گیا ہے، اس بد بخت نے نہ صرف
مورخین کو بلکہ احادیث صحیحہ کو جھوٹا کہا ہے (معاذ اللہ) تعجب ہے کہ حکومتِ پاکستان ایسے مفسدین کی طرف کچھ
بھی التفات نہیں کرتی۔ خلیفہ برحق امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ جو خلفائے راشدین میں شمار کئے گئے
ہیں، ان کی مجلس شریف میں کسی نے زید کو امیر المؤمنین کہا یا تھا تو امیر المؤمنین نے اس کو صرف اتنی بات پر پسینا
تازیانے لگوائے تھے کہ تو ایسے ناپاک کو امیر المؤمنین کہتا ہے (صواعق)، اور اس نے تو نہ صرف اس ناپاک کو امیر
المؤمنین کہا بلکہ اس کو امام ہمام سے افضل کہا۔ اور حضرت کی شہادت کو جاہلیت کی موت بتلایا۔ اور حضرت امیر
المؤمنین ابن زبیر جیسے جلیل القدر صحابی کو ملحد کہا، جن کی شان یہ ہے کہ ان کے جسم میں سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے
اطہر کی آمیزش تھی، اور ان کی عبادت کا یہ حال تھا کہ ایک شب صبح تک قیام میں صرف فرماتے تھے، اور دوسری
شب رکوع میں اور تیسری شب سجد میں۔ اپنی زندگی کے ایام کو اسی طرح تقسیم کر رکھا تھا (تاریخ الخلفاء)
یہ ہیں اس ناپاک کے ان ذواتِ عالیہ پر ناپاک حملے۔ پھر اس نے ان کو اپنی ہی ذات کے ساتھ مخصوص نہ

رکھا بلکہ اس کی طرف عام مسلمانوں کو دعوت دیتا ہے، تو اس کا جرم تو نہایت ہی عظیم ہے، اس لئے سخت سزا کا مستحق ہے اور اس کی یہ تصنیف جلا دینے کے قابل ہے کہ ان اقوال کے علاوہ اور بھی بہت اقوال لٹو و باطل اور موجب توہین امام ہمام ہیں۔ کہتا ہے کہ حضرت کا صحابہ میں شمار نہیں حالانکہ وہ صحابی ہونے کے علاوہ جگر گوشہ رسول تھے، اور بعض ایسے جزوی فضائل سے متاثر رہے جو کسی بڑے سے بڑے صحابی کو بھی حاصل نہ تھے۔ کتب احادیث میں چند احادیث مرفوعہ کی روایت بھی ان سے پائی جاتی ہے تو ان کی صحابیت کا انکار نہ کرے گا مگر پاگل۔ رہا ابن سعید صاحب حدیث تو ان کے ایمان کے ہی لائے پڑے ہوئے ہیں۔ جب ان کے ایمان کی طرف سے اطمینان ہو تو ان کی صحابیت پر غور کیا جائے، بعض علماء کو ان کے ایمان ہی میں کلام ہے۔ کہتا ہے کہ یزید متفق علیہ خلیفہ تھا، اس کی خلافت کی حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے حضرت امیر معاویہؓ کو ایک وقت مقررہ تک کے لئے بعض شرائط پر خلافت عطا فرمائی تھی، جن میں ایک شرط یہ تھی کہ ان کو یہ حق نہ ہو گا کہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ بنائیں، اور ان کے بعد مسلمان مختار ہوں گے جس کو چاہیں خلیفہ بنائیں، اور بعض روایات میں یوں آیا ہے کہ یہ شرط تھی کہ ان کے بعد پھر خلافت ہماری ہوگی، تو اس صورت میں تو حضرت معاویہ کا یزید کو خلیفہ بنانا ہی صحیح نہیں ہوا کہ اذافات المشرط فات المشرط۔ نیز اہل حل و عقد اور عام اہل حریم نے بھی اس کی خلافت کو نہ مانا۔ چنانچہ کتاب الامامہ والسیاستہ میں حضرت ابو محمد عبد اللہ بغدادی جو دوسری یا تیسری صدی کے ایک بڑے فاضل ثقہ گذرے ہیں فرماتے ہیں کہ:-

حضرت معاویہ نے جب بیعت یزید حاصل کرنے کا فرمان مروان عامل مدینہ کو لکھا تو اس نے جواب دیا کہ آپ کی قوم یزید کی بیعت سے انکار کرتی ہے، تو اس کو معزول کر کے سعید بن العاص کو مقرر کیا اور ان کو لکھا کہ بزرگان امت کو تو نہ چھیڑو، باقی لوگوں سے سختی کے ساتھ بیعت یزید حاصل کرو اور انصاف و ہما جریں اور ان کی اولاد میں سے کسی کو نہ چھوڑو۔ تو انہوں نے بھی جو کچھ سختی کرنی تھی کی لیکن کچھ نہیں بنا۔ تو ناچار انہوں نے بھی حضرت معاویہ کو لکھ دیا کہ لم یبا یعنی احد وانما الناس تبع لہنولاء النفس فلو با یعوک با یعث الناس جمیعاً ولم یتخلف عنک احد، یعنی لوگ تو بزرگوں کے تابع ہیں، اگر یہ بیعت کر لیں تو پھر تو ایک ہی بیعت سے انکار نہ کرے گا، آخر خود حضرت معاویہ مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے اور بہت کچھ ترکیبیں کیں کہ اکابر امت سے یزید کی بیعت حاصل کریں۔ لیکن ناکام رہے۔ (انتہی خلاصتہ)

ان حالات میں یہ قول کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ یزید متفق علیہ خلیفہ تھا، بلکہ بعض روایات میں تو یہ بھی آیا ہے کہ امیر معاویہ آخر وقت یزید کے ولیعہد بنانے پر نادم ہوئے اور اپنی اس تجویز کو واپس لے لیا اور یہ ظاہر یہ روایت بھی صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کہ ان کی شان کی موافقت کرتی ہے، تو اس صورت میں تو اختلاف کی حقیقت تو درکنار اس کی صورت بھی باطل ہو گئی، اور یزید کی مستقبلانہ حکومت گئی۔ یہی وجہ تھی کہ امیر المومنین حضرت عمر بن عبد العزیز

رضی اللہ عنہ نے یزید کو امیر المؤمنین کہنے والے کو سزا دی۔

اور یزید کا یہ قول بھی محض باطل کہ حضرت حسینؑ نے اس دعویٰ کی بنا پر یزید پر خروج کیا کہ سرکارِ اقدس کا نواسہ اور حضرت علیؑ کا فرزند ہوں حضرت امام ہمام ہرگز لشکر لے کر اس کے مقابلہ کو نہ نکلے۔ وہ تو جب شامیوں نے یزید کو خلافت کا گڈا بنا کر بٹھایا تب بھی خاموش ہی بیٹھے ہوئے تھے لیکن جب آپ کے قتل کی تبیریں کی جانے لگیں تب آپ بنظر تحفظ مکہ معظمہ تشریف لے گئے، اور جب وہاں بھی اندیشہ دیکھا اور کو فیوں کے پے در پے ایچی اور خطوط آئے اور آپ نے یہ ملاحظہ فرمایا کہ حالت موجودہ میں مجھے ان کی درخواست کا رد کرنا جائز نہیں تو مجبوراً آپ نے بذریعہ امام مسلم ان کی بیعت لینا قبول کی جس کا انکار اہل عقد میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں۔ ہاں یہ ثابت ہے کہ انہوں نے کو فہ جانے سے ضرور منع کیا تھا، لیکن آپ نے فرمایا کہ اصلی بات یہ ہے کہ میں نے اپنے والد ماجد سے سنا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ مکہ میں ایک مینڈھا ہو گا جس کی وجہ سے کعبہ کی حرمت حلال ہو جائے گی (یعنی ایک شخص ہو گا جو مینڈھے کی طرح ذبح ہو گا اور کعبہ کی بے حرمتی ہو گی) ایسا نہ ہو کہ وہ مینڈھا میں ہی ہوں اور میری وجہ سے کعبہ کی بے حرمتی ہو، غرض جب آپ کی طلب پر یزید تعاضفے ہوئے تو آپ نے اہل مکہ کو شدید آہ و زاری میں چھوڑ کر اپنے اقارب اور بعض احباب کے ہمراہ کو فہ کا قصد کیا تھا، پھر جب آپ محصور کر لئے گئے تب بھی آپ نے ہرگز جہال کا قصد نہیں فرمایا، بلکہ فرمایا کہ یا مجھے واپس جانے دو یا یزید کے پاس لے چلو۔ اور اگر تم مجھے دنیا میں دیکھنا ہی نہیں چاہتے تو مجھے ترکستان وغیرہ کی طرف جانے دو۔ تاکہ کفار سے جہاد کر کے ان کے ہاتھوں قتل ہو جاؤں اور تمہاری مراد بر آئے، تم خود کیوں اس گناہ عظیم کے مرتکب ہوتے ہو، لیکن انہوں نے ایک نہ سنی اور پھر جو کچھ مظالم نہ کرنا تھے کئے۔ اور سب سے اول ابن سعد نے آپ کی طرف تیر پھینکا۔ اور مفرج کو گواہ کر کے کہا کہ تمہیں گواہی دینی ہو گی کہ سب سے پہلے امام کی طرف ابن سعد نے تیر چلایا تھا، اب اس واقعہ کو کون ایسا بے وقوف ہے جو اسے یزید کے کہہ دے کہ وہ امام کا یزید پر خروج کہے گا اور یوں بکے گا، کہ آپ نے یزیدی فوج پر چاکھ قاتلانہ حملہ کیا، اور آپ کی موت معاذ اللہ جاہلیت کی موت تھی۔ فلعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ آپ یقیناً نہ صرف شہید بلکہ سید الشہداء ہیں، جن کی شہادت کی خبر ان کے مولیٰ تعالیٰ نے بذریعہ جبریل امین وغیرہ ملائکہ متعدد بار دی، نیز وحی کی کہ میں نے عیسیٰ (علیہ السلام) کے عوض ستر ہزار قتل کئے اور تمہارے نواسے کے عوض ستر ہزار اور ستر ہزار قتل کروں گا، چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہوا اور حضرت امام الشہداء کے مخالفین نہایت ذلت کے ساتھ قتل کئے گئے، اور سرکارِ اقدس نے فرمایا کہ تم میں جو شخص اس وقت ہاں موجود ہو وہ اس کی مدد کرے۔ اور حضرت امام کے مخالفین کے حق میں فرمایا کہ وہ لوگ میری شفاعت سے محروم ہوئے اس کے علاوہ شہادت کے روز سرکارِ اقدس کا صحابہ کے خوابوں میں آکر بحال پریشان اس واقعہ کی خبر دینا آسمان کا رونا، اور خون کا برسنا، تین روز تک اندھیرا رہنا۔ بیت المقدس میں جس پتھر کو اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے تازہ خون دیکھنا، جنات کا نوحہ کرنا اور مرثیے پڑھنا، سر اقدس سے واقعات عجیبہ کا ظہور ہونا، وغیرہ وغیرہ۔ کیا ایسے

اسوہیں جن کا کسی باغی کے قتل پر ظہور ہوا کرتا ہے۔

الحاصل زید اپنے ان اقوال و اہیہ، کا ذبیہ، مردودہ کی وجہ سے اشد درجہ کافاسق ہے جس کا فسق حد کفر کو پہنچ چکا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات کے مکتوب ۵۴ میں فرماتے ہیں :-
”یزید بدلت از اصحاب نیست در بند سختی او کرا سخن است۔ کارے کہ آں بد بخت کردہ پیچ کافر فرنگ نکند، بعضے کہ از علماء اہل سنت در سخن او توقف کردہ اند نہ آں کہ از وسے راضی اند بلکہ رعایت احتمال تو بہ کردہ اند۔“

زید پر بھی لازم ہے کہ تو بہ بلکہ احتیاطاً تجدید اسلام کرے۔ اگر باز نہ آئے تو مسلمانوں کو اس سے قطع تعلق کرنا لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

محمد منظر اللہ غفر اللہ لہ

(دہلی)

۱۹۵۹ء میں محمد اسماعیل خان عاقل اکبر آبادی مدیر ماہنامہ ”اذان“ (کراچی) کی طرف سے ایک فتویٰ بابت کتاب ”خلافت معاویہ زید“ حضرت مولانا صبر جلالی علیہ الرحمہ (سرپرست ماہنامہ ”اذان“) نے ارسال فرمایا تھا جس کا جواب حضرت نے مرحمت فرمادیا تھا جو اوپر نقل کیا گیا اور جو اذان کے نومبر ۱۹۵۹ء کے شمارے میں شائع بھی ہو گیا تھا۔ یہ جواب مسائل نے کتاب مذکور سے جو اقتباسات پیش کئے تھے اس کو پیش نظر رکھ کر دیا گیا تھا۔ مگر جب اصل کتاب حضرت علیہ الرحمہ کے مطالعہ میں آئی تو حضرت مولانا صبر جلالی صاحب مہذج کو مندرجہ ذیل مفصل و مدلل جواب ارسال فرمایا :-

(نمبر ۲۲۸) جواب گرامی

مکرمی جناب مولانا محمد ناصر صاحب امت برکاتہم

السلام علیکم وعلیٰ من لیکم۔ اس سے قبل آپ کے سوالات کے جوابات میں شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق فتویٰ ارسال کر چکا ہوں، اس کے بعد اتفاق سے مجھے ایک بزرگ نے عاریتہ عیاسی کی کتاب ”خلافت معاویہ زید“ مطالعہ کے لئے بھیجی (غالباً اس ہی کتاب کے مصنف کے متعلق جناب نے استفسارات فرمائے تھے، چنانچہ میں نے اس کے چند صفحے دیکھے جس کے دیکھنے سے قلب پر نہایت درجہ کدورت اور وحشت محسوس ہوئی اس لئے واپس کر دیا، میرے نزدیک اس کے مصنف نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ یقیناً ایسا ہے کہ مسلمانوں کو حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام سے بدظن کرنے اور سنی شیعہ قضیہ کو پھر برا بیچنے کرنے والا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ اس کے ادلہ کا علی وجہ التفصیل کہا حقہ رد کیا جائے لیکن فقیر علیل ہے، خلا کرے کہ یہ کتاب تمام پاکستان میں ضبط کر لی جائے ورنہ جس طرح بن پڑے گا اس کے رد میں حتی الامکان کوشش تو کی جائے گی آج علالت میں کچھ افاقہ معلوم ہوتا ہے اس لئے مختصراً چند کلمے عرض کرتا ہوں۔

میں نے یہاں تک لکھا ہے اس کے مصنف نے اپنے دعویٰ کے اثبات میں تاریخ ابن کثیر (بدایہ نہایہ) کی زیادہ تر عبارتیں پیش کی ہیں جس میں سخت دھوکہ دہی سے کام لیا ہے، اگر اس کی ہر عبارت کے متعلق اجمالاً بھی کلام کیا جائے تو کلام بہت طویل ہو جاتا ہے اس لئے میں علامہ ابن کثیر کی صرف ایک ہی عبارت پیش کرتا ہوں جس سے ناظرین کو علامہ موصوف کا عندیہ معلوم ہو جائے گا اور وہ سمجھ سکیں گے کہ ایسا شخص اپنی تصنیف میں یزید کو کس طرح محاسن جلیلہ کا حامل اور متقی کہہ سکتا ہے۔ فقال :-

قد اخطأ یزید خطأ فاحشا في قوله لمسلم بن عقبة ان يبيع المدينة
ثلاثة ايام وهذا خطأ كبير فاحش مع ما انضم الى ذلك من قتل خلق من
الصحابة وابنائهم وقد تقدم انه قتل الحسين واصحابه علي يد عبد الله
بن زياد وقد وقع في هذه الثلاثة ايام مفسد العظيمة في المدينة
النبوية مالا يحمد ولا يوصف مالا يعلمه الا الله عز وجل وقد اسما
بامر سال مسلم بن عقبة تو طيل سلطانه وملكه ودام ايامه من غير
منازع فعاقبه الله بنقيض قصده وحال بينه وبين ما يشتهي فقصمه
الله قاصدا لاجبارنا واخذنا اخذنا عن يزمقدم (انتهى، ص- ۲۲۶)

(ترجمہ) یعنی فرماتے ہیں کہ یہ تو پہلے بتلایا جا چکا ہے کہ یزید نے امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب کو ابن
زیاد کے ہاتھوں شہید کرایا اس کے علاوہ اس سے یہ اور بھی نہایت ہی بڑی اور ذلیل تر خطا سرزد
ہوئی کہ اس نے مسلم بن عقبة کے لئے مدینہ کو تین روز تک مباح کر دیا کہ ان ایام میں جو کچھ تم سے
مظالم کئے جائیں اس میں کمی نہ کرنا، چنانچہ (تابعین کا تو ذکر ہی کیا ہے جلیل القدر) صحابہ اور
ان کی اولاد میں سے ایک مخلوق قتل کی گئی اور مدینہ نبویہ میں ان مفسد عظیمہ کا ارتکاب کیا گیا
جن کی حد نہیں اور جو بیان نہیں کئے جاسکتے اللہ تعالیٰ ہی ان کو خوب جانتا ہے، مسلم بن عقبة
کو بھیج کر یہ مظالم کرائے سے اس کا قصد بلا نزاع اپنی سلطنت و پادشاہت کی بختگی تھی، آخر
اللہ نے اس کے مقصد کے برخلاف ہواخذہ فرمایا اور اس کے مقصد اور اس کے درمیان اس
فہار کا حکم آڑے آگیا، پس سرکشوں کے ہلاک کرنے والے قادر مطلق نے اسے ہلاک کر دیا
اور ایسی گرفت فرمائی جس طرح ایک نے بدست صاحب قدرت کی گرفت ہوتی ہے۔

(مضمون عبارت ختم ہوا)

اب ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ اس عبارت میں جو کچھ ابن کثیر فرما رہے ہیں کیا امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین
اور اتقی المتقین کے حالات اس ہی طرح بیان کئے جاتے ہیں اور اگر کہا جائے کہ بعض مقامات میں ابن کثیر
نے اس کے محاسن بھی بیان کئے ہیں تو اس سے اس پر کیسے استدلال کیا جاسکتا ہے کہ ان کے نزدیک

وہ خلیفۃ المسلمین اور متقی تھا۔۔۔۔۔ فاسق تو فاسق اشد درجہ کے کافر کے بھی بکثرت محاسن بیان کئے جاتے ہیں یہاں تک کہ شیطان کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ وہ بڑا عابد تھا، معلم الملکوت تھا، تو اس کی اس صفت بیان کرنے والے پر یہ کیسے الزام لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اسے مومن غلط سمجھتا ہے جب کہ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ وہ خدا کی نافرمانی کر کے واندہ درگاہ ہو گیا۔ یہی حال یزید کا ہے کہ ممکن ہے کہ کسی وقت میں پسندیدہ اخلاق رکھتا ہو اور امارت کے نشہ نے اسے خراب کیا ہو یا حالت امارت میں بھی کچھ اچھے اخلاق رکھتا ہو اور ان قبائح عظیمہ نے سب پر پانی پھیر دیا ہو۔ بہر حال اب تو وہ یہ شان رکھتا ہے کہ محدث ابن جوزی، حضرت امام احمد بن حنبل، ابو یعلیٰ جیسے حضرات اس پر لعنت کے جواز کے قائل ہو گئے بلکہ محدث ابن جوزی نے اس شخص کے رد میں ایک مستقل رسالہ لکھا جو یزید کی مذمت کرنے کو منع کرتا ہے، جس کا نام :-

”الرد علی المتعصب العنید المانع عن ذم یزید“

رکھا (نمبر اس) — شرح عقائد نسفی میں کہا :-

الحق ان مرضاء یزید بقتل الحسین (صلی اللہ علیہ وسلم) واستبشامہ
بذالك واهانة اهل النبی صلی اللہ علیہ وسلم مما تواتر معناه وان كان
تفاصيله آحادا فلو ان انتوقف في شأنه بل فتوقف في ايمانه لعنة اللہ
عليه وعلى انصاره واعوانه۔ انتہی۔

لیکن جیسا میں پہلے بتلا چکا ہوں احتیاط اس میں ہے کہ اس پر لعنت نہ کرنی چاہیے، اکثر علماء کا یہی مسلک ہے، ہاں کسی محب اہل بیت سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کو برا بھی نہ کہے، فرض کیجئے یزید اعلیٰ درجہ کا متقی پر ہیز گار ہی سہی لیکن اس کے برا کہنے میں اس قدر نقصان کا خوف نہیں جس قدر سرکار عالی تبار فداہ نفسی و ابی و امی حضرت امام عالی مقام کی طرف سے مسلمان کے قلب میں ادنیٰ درجہ میل آنا بھی باعث نقصان ہے، کوئی تعجب نہیں کہ مسلمان ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔

عباسی نے یہ بھی کہا ہے کہ یزید با اتفاق المسلمین خلیفہ تھا اور جس نے اس کی مخالفت کی وہ باغی تھا، اور یہ سراسر غلط ہے، شامیوں نے برضاء و رغبت بیعت کی ہو تو ممکن ہے کہ وہ اپنی بہبودی اس ہی میں دیکھتے ہوں و ذرا ابائی ترین شریفین اور عراقی اور مصریوں میں سے بہت کم ایسے ہوں گے جنہوں نے برضاء و رغبت بیعت کی ہوگی، کسی نے دھوکہ میں آ کر بیعت کی اور کسی نے جان کے خوف سے اور بعض اکابر نے بعراحت انکار کر دیا اور حضرت صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا کہ آپ قیصر و کسریٰ کے طریق پر اپنے لڑکے کے لئے بیعت لے رہے ہیں؟ یعنی مسلمانوں کا اتفاق اس کی بیعت پر ہرگز نہیں ہے۔ نہ کسی خلیفہ نے اپنے کسی لڑکے کو اپنا ولی عہد بنایا حالانکہ ان کے صاحب نے اوسے آپ کے لڑکے سے بدرجہا افضل و اولیٰ تھے، ہم ہرگز اس کی خلافت پر بیعت نہ کریں گے۔ غرض یہ اپنے مقام پر ثابت ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت اور ان کی اولاد اس کی اطاعت سے

باہر تھی اور جو اس دھوکہ میں کہ اکابرین صحابہ نے بیعت کر لی ہے اور جو جان کے خوف سے بیعت ہو گئے تھے، ان پر جب اس دھوکہ کا انکشاف ہوا اور خوف گیا تو انہوں نے بھی بیعت تھوڑی اور یہ ان کے لئے جائز تھا، بلکہ بعض ان لوگوں نے جنہوں نے برضائے و رغبت بیعت کی تھی، جب اس کی شراب ثوری اور ترک نماز اور حرام باتوں کے حلال کر دینے کا حال دیکھا تو انہوں نے بھی بیعت توڑ دی کہ ان کے نزدیک فاسق کی بیعت جائز نہ تھی۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اس کی خلافت پر مسلمانوں کا اتفاق تھا اور اس کا مخالف باغی تھا۔ کیا اب مسلمان کے قلب خدا کا خوف بالکل جاتا رہا کہ ایک فاسق و فاجر کے مقابل ایک جماعت صحابہ بلکہ اکابرین صحابہ بلکہ جگر گوشہ مصطفیٰ علی صاحبہ التحیۃ والثناء کو فاسق و باغی ٹھہراتا ہے، جو ان کی ایذا کا باعث ہے؟ اور حدیث شریف میں آیا ہے جس نے ان کو ایذا دی بلاشبہ اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھ کو ایذا دیا اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی عنقریب اللہ تعالیٰ اس کی گرفت فرمائے گا۔“

معہذا یہ میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ حق تھا کہ بر خلاف عہد، یزید کو خلیفہ کرتے، ان کو ان کی زندگی تک خلافت سپرد کی گئی تھی ان کے بعد پھر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ مستقل خلیفہ تھے، گویا کہ اپنی زندگی کے زمانے میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے نائب تھے چنانچہ صواعق محرقہ میں ہے

ولذا ناب معاویۃ عنہ

پس نائب کو کیا حق کہ وہ اپنا کسی کو قائم مقام کرے، حضرت امام نہ رہے تھے تو مسلمان مختار تھے، خلافت کے لئے جس کو چاہتے انتخاب کرتے، اور اس سلسلے میں عباسی کا یہ کہنا حضرت امام حسن علیہ السلام نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے دیکھ کر صلح کی تھی، یہ بالکل غلط ہے ان کے ساتھ تو اتنا بڑا جبراً لشکر تھا جس سے خوف کھا کر حضرت امیر نے پیغام صلح بھیجا اور حضرت امام کی وہ شرائط جو نہ منظور کی جاسکتی تھیں طوعاً و کرہاً سب منظور کیں ورنہ حضرت امام کا شرائط پیش کرنا کیا معنی رکھتا تھا؟۔ چنانچہ صحیح بخاری کتاب الصلح میں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ کے مقابلے میں پہاڑوں کی مانند لشکر لے کر گئے تھے اس کو دیکھتے ہوئے حضرت عمر بن العاص نے حضرت معاویہ سے کہا کہ میں ایسا لشکر دیکھ رہا ہوں کہ وہ جب تک اپنے حریفوں کو قتل نہ کر لیں گے پیٹھ نہ پھیریں گے انہوں نے کہا اگر ان کے لشکر نے ہمارے لشکر کو قتل کر دیا۔۔۔ تو میرے پاس رعایا کا انتظام کرنے والا اور لشکریوں کی عورتوں اور ان کے بالوں کا انتظام کرنے والا کون رہ جائے گا؟ (جب یہ خوف دامن گیر ہوا، تو حضرت معاویہ نے بنی عبد شمس کے دو آدمیوں یعنی عبد الرحمن بن سمرہ اور عبد اللہ بن عامر کو حضرت امام کی خدمت میں صلح کی بات چیت کرنے کو بھیجا، جب وہ حضرت امام کی خدمت میں پہنچے اور صلح کے لئے عرض کیا تو حضور نے فرمایا کہ ہم بنی عبد المطلب ہیں (یعنی کسی سے ذبے والے نہیں پھر، یہ تو سوچو کہ

دجنگ کی طیاری میں، ہم کس قدر مال خرچ کر چکے ہیں اور ہر لشکر ہے کہ جنگ کے لئے جہین ہے، دونوں نے عرض کیا کہ معاویہ کی توجہ کی خدمت میں یہی درخواست ہے۔ آخر حضرت امام نے کچھ شرائط پیش کیں پس جو شرط بھی پیش کی انہوں نے منظور کی یعنی ناچار مسلمانوں میں خوں ریزی کے خوف سے، حضرت امام نے حضرت معاویہ سے صلح کر لی۔

(انتہی)

اسی مضمون کی بخاری شریف کتاب الفتن میں حضرت سفیان بن عیینہ سے اور بھی ایک روایت ہے بلکہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سادہ کاغذ حضرت امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر کر دیا کہ جو چاہیں شرائط تحریر فرمائیں مجھے سب منظور ہیں، اب ناظرین ملاحظہ فرمادیں کہ کیا دے ہوئے انسان کی یہی شان ہوتی ہے کہ اس کی طرف سے خواہ کسی ہی سخت سے سخت شرائط پیش کی جائیں غالب انسان بلا جھپک سب تسلیم کئے چلا جاتا ہے اور کیا ایسی صحیح قوی حدیثوں کے مقابل کسی کی ایسی روایت پیش کی جاسکتی ہے جو ان احادیث کی تردید کرے اور یہ کہا جاسکے کہ حضرت امام نے خوف زدہ ہو کر ہتھیار ڈال دیئے اور خلافت امیر معاویہ کو سپرد کر کے دست بڑا ہو گئے حالانکہ حالت یہ تھی کہ اس مصالحت سے آپ کے لشکریوں کو سخت رنج پہنچا اور بعض بیوقوف کہہ اٹھے "یا عامر المسلمامین" حضور نے تو ہم سب کو شرمندہ اور ذلیل کر دیا۔ لیکن آپ نے اس کی بھی کچھ پروا نہ کی اور یہ دیکھتے ہوئے کہ یہ وہ شخص ہے جس نے میرے والد ماجد سے مقابلہ کیا اور ان کے ساتھ چال بازی سے پیش آیا پھر آج میرے مقابلہ میں کھڑا ہے اور میرے پنجہ میں آچکا ہے لیکن جب وہ ندامت اور لجاجت سے پیش آیا تو آپ نے فوراً اسے دامن حمایت میں ڈھانپ لیا اور سرکار اقدس کی پیشین گوئی یہ میرا بچہ دو بڑے گروہ میں صلح کر اٹھے گا، ہو ہو پوری ہو گئی۔ امیر معاویہ اور ان کے لشکریوں کا کیا ذکر دنیا اس جرأت و شجاعت کی داد دیتی ہے کہ بڑے بڑے دلیر اور قوت والے دیکھے لیکن اس امام کی شجاعت کے مقابلے میں تو کوئی نظیر ہی نہیں ملتی ماں البتہ ان کے نانا جان کو ضرور دیکھا کہ جب فتح مکہ کرتے ہیں تو اپنے جانی دشمنوں کو صدائے غم دیتے ہیں کہ لا تشریب علیکم الیوم۔ سبحان اللہ سبحان اللہ! کیوں نہ ہو کہ مظہر الہی ہیں۔ اس جہان و رحیم کے منظر جو فرماتا ہے سبقت رحمتی علی غضبی۔ غرض صحیح یہی ہے کہ امام علیہ السلام نے اپنی تمام شرائط سنوا کر امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات تک امارت ان کے سپرد کی تھی جس میں ایک اہم شرط یہ بھی تھی :-

لیس لمعاویۃ بن ابی سفیان ان یعہد الی احد من بعدہ عہدا بل یکون الامر من بعدہ مشورۃ بین المسلمین۔

یعنی معاویہ کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اپنے بعد کسی کے لئے اس امر امارت کی وصیت کریں بلکہ ان کے بعد مسلمانوں کے مشورے اور اتفاق سے طے پائے گا۔

اس صورت میں امیر معاویہ، یزید کو خلافت سپرد کرنے کا حق نہ رکھتے تھے ان کی یہ غلطی بھی ایسی ہی تھی جیسی حضرت

علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے مقابلے میں ان سے سرزد ہوئی بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ بھی باوجودیکہ حضرت امام کے نائب ہوئے لیکن پھر بھی خلیفہ نہ تھے کہ خلافت اشدہ کا زمانہ ختم ہو چکا تھا۔ لقولہ علیہ السلام :-

الخلافۃ بعد ثلاثون سنۃ ثم یصیر ملکاً عضواً (رواہ الترمذی و

ابوداؤد)

فمعاویۃ ومن بعدہ لا یكون خلفاء بل ملوکاً وامراء۔ (شرح عقائد)

ہاں مجازاً ان کو خلیفہ کہا جاسکتا ہے اور وہ بھی اس وقت تک جب تک وہ شرائط کی پابندی کے ساتھ نیابت کرتے رہے لیکن جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد رنگ بدلا تو ان کی اور ان کے بعد کے امراء کی حیثیت خالص بادشاہوں کی سی ہو گئی خصوصاً اس وقت سے جبکہ انہوں نے ایک نااہل کو اپنا خلیفہ کیا جس نے اپنا قبضہ جہاں ہی حضرت امام کی جس قدر شرائط تھیں سب ہی کو تو پا مال کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امت میں اختلاف رونما ہو گیا اور اس کی مجموعی قوت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، پس ہر ملک والے کو اختیار حاصل ہو گیا کہ وہ جس کو چاہے اپنا بادشاہ تسلیم کرے اور جس سے چاہے قطع تعلق کرے کہ اب خلافت کا تو خاتمہ ہی ہو چکا تھا گو یہ حالت مسلمانوں کے زوال کا باعث ہوئی اور اس کی وجہ سے جو فسادات ظہور میں آئے ان کا بیان متعذر ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس کا بانی کون تھا؟ اس کے بانی تھے حضرت معاویہ اور اسے حضرت امام کے سر تعویذ پنا جاتا ہے، سرکارِ اقدس کا ارشاد تھا اذکس کمر اللہ فی اہل بیت یعنی میں تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں میرے اہل بیت کے حقوق میں قصور نہ کرنا۔ اسے مکرر سہ کر بطور مبالغہ کے فرمایا جس پر بعض بے وقوف آج جو عمل کر رہے ہیں وہ کتاب خلافت معاویہؓ یزیدؓ سے ظاہر ہے گویا اب اس کے یہ معنی لئے جارہے ہیں کہ میں تمہیں اس لئے ڈراتا ہوں کہ کہیں میرے اہل بیت کی محبت اور ان کی پیروی نہ کر بیٹھنا! - سرکارِ اقدس کا ارشاد تھا :-

لن ینصرفا حتی یرد اعلیٰ الحوض فانظر واکیف تخلفونی فیہما۔

یعنی قرآن کریم اور اہل بیت ہرگز آپس میں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض پر مجھے ملیں گے۔

یعنی اہل بیت کا ہمیشہ وہی عمل رہے گا جو قرآن کریم کا ارشاد ہوگا، تو ذرا غور کرتے رہنا کہ ان دونوں کے معاملے میں میرے کیسے خلیفہ رہتے ہو؟ لیکن آج اس کی تکذیب کی جانے لگی ہے اور کہا جانے لگا ہے کہ حضرت امام کا عمل تو قرآن کریم کی آیت کریمہ لا تفسد فی الارض بعد اصلاحہا کے خلاف تھا۔ ارشاد نبویؐ تھا :-

الآن مثل اہل بیت فیکم مثل سفینۃ نوح من رکبھا نجا ومن تخلف عنها هلك۔

یعنی مسلمانو! یاد رکھو کہ میرے اہل بیت کی مثال نوح کی کشتی کی مانند ہے کہ جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو سوار نہ ہوا ہلاک ہوا۔

یعنی اسی طرح میرے اہل بیت کے ساتھ جس نے محبت کی اور انہیں اپنا قائد بنایا اس نے نجات پائی اور جس نے ان سے منہ پھیرا ہلاک ہوا، لیکن آج بجائے اہل بیت کے یزید کو اس حدیث کا مصداق بتلایا جاتا ہے اور افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ حضرت امام نے یزید کی پیروی نہ کر کے اپنے ساتھیوں کو (معاذ اللہ) ہلاک کیا گویا اس پر افسوس ہے کہ یہ کشتی بھی کیوں نہ بھنور میں پڑ گئی تاکہ امت محمدیہ کے لئے کوئی سہارا ہی نہ رہتا و لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ نہ معلوم اہل بیت علی الخصوص حضرت امام حسین علیہ السلام سے بعض الناس کو کیوں پرغاش ہے اور حضرت نے ان کا کیا بگاڑا ہے۔

پہلے حضرت امام عالی مقام کے لئے ایصالِ ثواب پر حملہ کیا گیا کہ ان کی فاتحہ کا شربت پیشاب کا حکم رکھتا ہے لیکن جب دیکھا کہ اس کا عام مسلمانوں پر کچھ اثر نہ ہوا تو یہ خیال میں آیا کہ جب تک مسلمانوں کے قلوب میں امام عالی مقام کی محبت جلوہ فگن ہے اس سے مسلمان باز نہ آئیں گے لہذا وہ حال چلنی چاہیے کہ یہ محبت ہی ان کے قلوب سے جائے اور بجائے اس کے یزید کے شیفتہ ہوں اور حضرت امام کے رویہ سے تنفر کرنے لگیں گویا ان کے قلوب میں امت محمدیہ کا بڑا درد ہے۔ خیال کرتے ہیں کہ یہ معاذا اللہ ایک فاسق دحسین علیہ السلام کی شناختی اور ایک مرد متقی (یزید پلید) کی مذمت کر کے گنہ گار ہو رہے ہیں ان کو اس سے بچایا جائے مگر نہیں جانتے کہ اپنا گھر دوزخ میں بنا رہے ہیں لقولہ علیہ السلام :-

والذی نفسی بیدیہ لا یبغضنا اهل البیت احدا الا دخلہ النار۔

یعنی خدا کی قسم ہم اہل بیت سے جو شخص بغض رکھے گا اسے اللہ تعالیٰ ضرور دوزخ میں داخل کرے گا۔

میں اپنے موضوع سے ہٹ گیا بتلانا مجھے یہ تھا کہ جو حالات یزید کو امیر بنانے سے پیش آئے وہ ہرگز ہرگز ایسے نہ تھے کہ یزید کی امارت کی مخالفت کو خروج ممنوع سے تعبیر کیا جاسکے، خروج ممنوع ہے جو ناجائز ایسے امام برحق پر کیا جائے جس کی امامت پر مسلمانوں کا اتفاق ہو چکا ہو (قطع نظر ایک طامع کے) اور یزید کے لئے یہ بات نصیبت تھی تو زیادہ اس کی شرح و درختار میں ہے :-

(البغات شرعا، ہدای الخار جوں علی الامام الحق بغیر حق فلو بحق فلیسوا

ببغوة۔ انتہی

درختار میں ہے :-

ان المسلمین اذا جتمعوا علی امام و صارت امنین فخرج علیہ طاقتہ

من المؤمنین فان فعلوا ذالک لظلم ظلمهم فلیسوا من اهل البغی انتہی

اور یہ ثابت ہے کہ یزید کی امارت پر مسلمانوں کا اجماع نہ تھا پس جن مسلمانوں نے اس کی امارت تسلیم ہی نہ کی تھی

اور یہ دیکھتے ہوئے کہ اگر اس کو تسلیم کر لیا گیا تو دین میں خرابی واقع ہو جائیگی، وہ جب اس کی رعایا میں داخل ہی نہ ہوئے تھے تو ان کے اہل فعل کو کہ انہوں نے اس سے کنارہ کر لیا کیسے خروج ممنوع قرار دیا جاسکتا ہے لہذا یہ خروج ایسا ہی تھا جیسے کوئی شخص کسی مفید سے علیحدگی اختیار کر لے جو شر تھا اس پر لازم ہے۔

غرض عباسی کا اسے خروج ممنوع قرار دینا ہرگز صحیح نہیں، مجھے ان پر اس قدر افسوس و تعجب نہیں کہ کسی دنیوی مفاد نے انہیں اس پر غور کرنے کا موقع نہ دیا اور افراد انسانیہ سے دنیا کی طرح میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے سخت تعجب تو عوام پر ہے کہ اتنا نہیں خیال کرتے کہ کیا لاکھوں اکابرین امت معاذ اللہ اندھے ہو گئے تھے جن میں بیسیوں محدثین بھی داخل ہیں، تیرہ سو سال تک کسی کو بھی وہ تحقیق میسر آئی جس پر چودھویں صدی کا ایک علامہ کامیاب ہو گیا اور اس نے پوری امت کو جھوٹا ثابت کر دکھایا نہیں بلکہ سرکار اقدس کی صحیح حدیثوں کو موضوع ثابت کر دیا، ایسے مواقع پر حدیث لا تجتمع امتی علی الضلالة بہت پیش کی جاتی ہے اور اس کو اصول میں داخل کر رکھا تھا لیکن علامہ عباسی کی تحقیق سے آج کھلا کہ معاذ اللہ یہ بھی موضوع ہی ہے، شرم! شرم! شرم!

میری اس تحریر میں میری عادت کے خلاف بعض نامناسب الفاظ ضرور آئے ہوں گے لیکن ناظرین مجھے معذور رکھیں کہ ایسا ہی کوئی بردبار کیوں نہ ہو لیکن جب اس کے جاں نواز محبوب کو کوئی پھیرتا ہے تو وہ بھی چیخ اٹھتا ہے مولیٰ تعالیٰ علامہ عباسی کی اس کتاب کے زہری اثر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ واللہ المستعان علیہ التکلان۔ فقط

محمد منظر عطار
مسجد جامع فتحپوری، دہلی
(۶ دسمبر ۱۹۵۹ء)

نوٹ:- تناویٰ نمبر ۲۲۸ و ۲۲۹ محمد اسماعیل خاں عامل اکبر آبادی
کی تالیف تردید زیدیت، مطبوعہ کراچی سن ۱۹۶۰ء
میں شایع ہو چکے ہیں (ص-۶۰-۶۱-۹۱-۱۰۶)

(سوال نمبر ۲۲۹) زید کہتا ہے کہ منافق کی شریعت میں کوئی حد مقرر نہیں ہے لیکن بکر کہتا ہے کہ ضرور کوئی حد مقرر ہوگی۔ بینوا و توجروا،

الجواب

زید صحیح کہتا ہے کوئی حد مقرر نہیں۔ فقط وہو اعلم

محمد منظر عطار
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۳)

- (۱) جمعیتہ العلماء ہند دہلی کے عقائد کیسے ہیں؟
- (۲) جمعیتہ العلماء ہند دہلی میں شرکت کرنا، جا بجا شہر شہر اس کی شاخیں قائم کرنا اور اس کو مضبوط بنانا از روئے شرع گناہ تو نہیں؟
- (۳) جمعیتہ مذکورہ میں کوئی سنتی عالم شریک ہوا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟
- (۴) سنتی علماء کرام کی بھی کیا کوئی جماعت قائم ہے اگر ہے تو اس کا کیا نام ہے اور اس نے کیا کارنامے انجام دیئے، اس میں مسلمانوں کا شریک ہونا کیسا ہے؟
- (۵) جمعیتہ العلماء کے کسی عالم کو جلسہ عید میلاد النبی میں دعوت دینا اور تقریر کے لئے بلانا کیسا ہے؟
- جواب باصواب مدلل تحریر فرما کر منوں فرمائیں۔ بینوا و توجروا۔

مستفتی

پیر سادہ تید محمد اصغر علی سنی حنفی قادری
سگ درگاہ جیلانی - قاضی شہر و خادم شرع
جاوڈ (مدھیہ بھارت)

الجواب

جمعیتہ العلماء ہند دہلی میں اکثر دیوبندی حضرات ہیں اور انہیں کی طرف یہ جمعیت منسوب ہے اور عام طور پر سب ہی اس سے واقف ہیں کہ ان کے بعض خیالات اہل سنت کے مسلک کے مخالف ہیں ہاں سنا جاتا ہے کہ ایک صاحب علمائے اہل سنت سے بھی اس میں شریک ہیں، عام طور پر علماء اہل سنت کا اس جمعیتہ کی شرکت سے احتراز کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے آثار حکیم علیہ التحمیتہ والتسلیم نے ان کو اس سے ممانعت فرمائی ہے :-

فقال عليه السلام مثل المجلس لصالح وجليس لسوء كمثل صاحب لسانك و

كبير الحداد لا يعد ملك من صاحب لسانك اما ان تشر براء وتجد ربحه و

كبير الحداد يخرق بنفسك او ثوبك او تجد منه ما يحا خبيثة - (جامع المغیر)

بلکہ خود مولیٰ اہل و علیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان والفقوا

الله ان الله شديد العقاب۔

یہی وجہ ہے کہ حکماء فرماتے ہیں

کہ از صاحب ناچس احتراز کنید

نخست موعظت پیر مجلس این سخن است

بلکہ جو جہلت انسانی کا اقتضا بھی یہی ہے کہ الجنس انسانی جنسہ میل ۔

دوسری جماعت اہل سنت کی رضا مصطفیٰ ہے جو بریلی میں قائم ہے۔ ان جماعتوں کے علاوہ اور بھی طرفین کی چھوٹی موٹی جماعتیں ہیں لیکن چوں کہ فقیر دونوں جماعتوں کی شرکت سے محروم ہے اس لئے یہ تو نہیں بتلا سکتا کہ ان دونوں نے مسلمانوں کے سیاسی کام کیا کئے۔ جمعیتہ العلماء، تو سیاست سے علیحدہ ہو چکی ہے وہ تو اس میں کر بھی کیا سکتی ہے ہاں دینی مسائل میں ان کے بعض ایسے کام معلوم ہوئے جو ان کو نہ کرنے چاہیئے تھے پس جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، اس کا حاصل یہی ہے کہ ایک سنی کو تو کسی سنی جماعت میں شریک نہ کرنا چاہیئے اگر اس میں کچھ خامی یا کمزوری محسوس کرے تو اس کے دور کرنے کی کوشش کرے۔

عید میلاد النبی کا مسئلہ بھی چوں کہ خاص اہل سنت کا ہے اور جمعیتہ کی اکثریت اسے ناجائز کہتی ہے تو ایسے فرد کو جو اسے ناجائز کہتا ہے اس جلسہ مبارک میں شرکت کے لئے کیسے تکلیف دی جاسکتی ہے وہ کسی مصلحت سے یا آپ کی مروّت سے قبول بھی کر لے گا تو گو آپ کو اس کا احساس نہ ہو، کوئی نہ کوئی مسند ضرور وقوع میں آئے گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی میں جو جلسہ سوہ کی مہفرت مذکور ہے وہ لابدی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عقیقہ (لام)

مسجد جامع فتحپوری دہلی

۱۶ ربیع الاول ۱۳۷۶ھ / ۲۱ اکتوبر ۱۹۶۵ء

(سوال نمبر ۲۳۱)

- (۱) کیا کسی پبلک سہی جماعت کے منتخب صدر کی حیثیت شرعی "امیر المؤمنین" کی ہوتی ہے؟
- (۲) کیا اس قسم کی جماعت کے قائم کردہ بیت المال کی حیثیت خلافت حقہ کے بیت المال کی ہوتی ہے؟
- (۳) کیا اس قسم کے بیت المال کے سربراہ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وصول شدہ رقم زکوٰۃ و فطرہ کو حیلہ تملیک کے ذریعہ شخصی ملکیت بنا دے اور اس کے نتیجے میں جس طرح چاہے تصرف کرے؟
- (۴) کیا اس قسم کے بیت المال میں دی گئی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے؟

مستفتی

رضا احمد صدیقی، دہلی

۱۔ اس فتویٰ کا پہلا جواب مولانا عبدالحق صاحب مدرسہ امینیہ دہلی نے تحریر فرمایا ہے (یکم ذیقعد ۱۳۷۶ھ)

اس پر تصدیق حضرت نے فرمائی ہے جو پیش ناظرین ہے۔

الجواب

نہ ایسی جماعت دکا صحت امیر المؤمنین کا حکم رکھتا ہے نہ اس کا نام نہاد بیت المال خلافت حقہ کے بیت المال کی حیثیت رکھتا ہے البتہ یہ جماعت مزکی کی جانب سے وکیل کی حیثیت ضرور رکھتی ہے پس اگر اس کا اطمینان ہو کہ وہ ادائے زکوٰۃ کے شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے بلا تاخیر صرف زکوٰۃ ہی میں خرچ کرے گی اور اس کو اپنے بیت المال میں جمع نہ رکھے گی نہ غیر مصرف میں خرچ کرے گی تو اس کو اس امر میں وکیل بنانے میں مضائقہ نہیں ورنہ ناجائز ہے اور بہتر یہی ہے کہ کسی کو وکیل بھی جب بنائے جبلا سے تو کوئی اچھا مصرف نظر نہ آئے ورنہ خود ہی مصرف کرے۔

حیلہ تملیک کا اگر یہ منشاء ہو کہ مستحق زکوٰۃ مال زکوٰۃ پر قبضہ پا کر پھر واپس کر دے تو یہ تو محض بیکار ہے اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، نہ ایسا کرنے والے کو وکیل بنانا جائز، ہاں اگر کوئی ایسا مصرف پیش آجائے جس میں خرچ کرنا واجب ہے لیکن وہ مصرف زکوٰۃ نہ ہو، نہ اس پر کوئی خرچ کرنے والا تو مزکی زکات کسی غریب کو دے کر اسے مشوہہ دے کہ اس میں خرچ کر دے یا اس میں سے کوئی معقول رقم خرچ کر دے اور باوجودیکہ اس پر اس کے مشوہہ پر عمل کرنا واجب نہیں اپنی خوشی سے اس میں صرف کر دے تو جائز ہے۔ اس صورت میں مزکی کی زکوٰۃ بھی ادا ہو جائیگی اور خرچ کرنے والے کو ثواب بھی ملے گا۔ کذا فی کتب الفقہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر علیہ السلام
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۳۲)

(۱) تبلیغی جماعت نے نماز کے فوراً ہی بعد جب کہ بعض لوگ مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے ہیں تقریر شروع کر دیتے ہیں، کیا یہ فعل جائز ہے۔

(۲) تبلیغی جماعت نے کہتے ہیں کہ ان تحریک، تحریک صلوات ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

(۳) اس جماعت کے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور ان کی تقریر سننا کیسا ہے؟

(۴) ان کو کسی مسجد یا خانقاہ کی کمیٹی کا ممبر بنانا کیسا ہے؟ بدینوا و توجہ وا۔

مستفتی

محمد یوسف نور محمد

مقیم حال ۹۶- مورلینڈ روڈ، ممبئی ۴۰

یکم برہمنہ ۱۳۸۵ھ / ۱۶ اکتوبر ۱۹۶۶ء

الجواب

اول تو نماز پڑھنے والوں کے پاس تقریر کرنا حرام ہے دوسرے نمازیوں کو نماز کی تبلیغ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے نماز کی تبلیغ ایسے مجسوموں میں کرنی چاہیے جس میں بے نماز ہی ہوں، تیسرے حقیقت میں نماز کی تبلیغ ہی مطمح نظر نہیں ہے اپنے اون مسائل کا پردہ ہے جو اہل سنت کے خلاف (ہیں اور ان) مسائل سے (ان کا) ذہن مملو ہے، چنانچہ قائد اول مولوی الیاس صاحب اپنی دعوت کے صفحہ ۶ میں فرماتے ہیں کہ:-

”میاں ظہیر الحسن میرا مدعا کوئی پایا نہیں، لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تحریک صلوٰۃ ہے میں قسم کہتا ہوں کہ تحریک صلوٰۃ نہیں ہے۔ ایک روز بڑی حسرت سے فرمایا کہ میاں ظہیر الحسن ایک نئی قوم پیدا کرنی ہے“

اس کلام میں بصراحت فرمایا کہ اس سے منشاء کچھ اور ہے اور وہ اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ اپنے مسائل کی ترویج ہو جو اہل سنت کے خلاف کہتے ہیں جن کا ذکر لکڑکتا بولوں میں موجود ہے۔

اس جماعت میں مختلف اقسام کے لوگ موجود ہیں جو شخص اہل سنت کے خلاف بیان کرتا ہو اس کی تقریر سننا نہ چاہیے کہ ظاہر میں نماز کی تبلیغ کرتے ہیں۔ موقعہ پاتے ہیں تو خلاف مسائل کا ذکر چھیڑ دیتے ہیں تو ان کی تقریر سننا ممنوع ہے، نہ ان کی اقتداء جائز ہے نہ ایسے کو کیٹی کارکن بنانا جائز۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر عظیمی

مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۳۳) اہل صنود کی مسئلہ کتب مذہبیہ سے یہ ثابت ہے کہ اشیاء خوردنی مثلاً مٹھائی، شربت پانی وغیرہ پلچر (مسلمان) کے پرچھاویں سے اہل صنود کے نزدیک ناپاک درجنس ہو جاتی ہیں اس پر چھاویں سے محفوظ رکھنے اور ناپاک چیز کو پاک کرنے کے لئے ان اشیاء پر گٹھووتر "یعنی گائے کے پیشاب کے پھینٹے ڈالے جاتے ہیں، پرچھاویں سے محفوظ رکھنے اور ناپاک کو پاک کرنے کے لئے اہل صنود کے ہاں سوائے گٹھووتر کے کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ اگر کوئی ہندو کسی مسلمان کے ہاتھ چھوا ہو یا مسلمان کے گھر کا پکا ہوا کھانا کھالے تو وہ شخص اس وقت تک کبھی "شدھ" یعنی پاک نہیں ہو سکتا جب تک "سچ گٹھو" یعنی گائے کی پانچ چیزیں ملا کر نہ پی لے یعنی گوبر، پیشاب، گھی، دودھ، دھئی۔ مشاہدے سے یہ ثابت ہو گیا کہ صبح کو جب اہل صنود دوکانیں کھولتے ہیں یا خوشبو اسے اشیاء خوردنی فروخت کرنے کے لئے لے کر گھر سے نکلتے ہیں یا برہمن پر پھاؤ پر پانی پلانے کے لئے بیٹھتا ہے تو لازمی ہوتا ہے کہ پہلے ہر چیز پر اور پانی کے ٹنکوں میں گٹھووتر کے پھینٹے ڈال دے تاکہ پلچر (مسلمان) کا پرچھاواں پر کرنا پاک نہ ہو جائے۔ ایسی شکل میں

ہندؤں کے ہاتھ کا کھانا، ان کی دوکانوں سے مٹھائی وغیرہ خریدنا یا ان کے پھاؤ سے پانی پینا مسلمانوں کے لئے حرام ہے یا نہیں۔ بیسوا و توجہ ۱۔

الجواب هو الموفق للصواب

اس باب میں لوگوں کا مختلف بیان ہے کہ ان اشیاء خوردنی میں جو ساختہ اہل صنود میں اور اہل اسلام کے ہاتھ وہ فردخت کرتے ہیں۔ اہل صنود گائے کا پیشاب لاتے ہیں یا نہیں۔ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دوکاندار ایسا کرتا ہے لیکن اکثر سے یہ بھی سنا گیا ہے کہ عام ہندؤں کا روزمرہ کا یہ عمل نہیں پس ایسی صورت میں عام طور پر تو اشیاء بلحاظ اپنی اصل کے پاک ہیں لان الخبرین تساقطاً بحکم التعارض فتعتبر الاباحۃ الاصلیۃ۔ ہاں اگر کسی خاص مٹھائی وغیرہ کے متعلق کوئی ایک مسلمان عادل بھی اس قسم کی خبر دے یا کسی دوسری وجہ سے یہ بات ظن غالب ثابت ہو جائے کہ اس دوکاندار نے اس میں نجاست ملائی ہے تو اس کا استعمال حرام ہوگا۔ عالمگیری میں ہے :-

خبر الواحد یقیل فی الدیانات کالحل الحرمۃ والطہارۃ والنجاسۃ اذا

کان مسلماً عادلاً۔ انتہی

پس اگرچہ ان اشیاء کے ظاہر و حلال ہونے میں تو شک نہیں لیکن سہذا صورت موجودہ میں ان اشیاء میں نجاست کا وقوع کا شک ضرور واقع ہو گیا ہے لہذا جب مسلمان سوداگروں کے یہاں یہ اشیاء دستیاب ہو سکتی ہیں یا کم سے کم وہ اپنے ہاتھ میں اس تجارت کو لے سکتے ہیں تو اہل صنود سے اشیاء مشتبه کا خریدنا اور ان کا استعمال دونوں کراہت سے خالی نہیں :-

لا بأس بان یکون بین المسلم والذمی معاملۃ اذا کان ممالا بد منه۔ کذا فی لساجیہ دا قول وما نحن فیہ مما لیس منه، وقال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ویکرہ الاکل والشرب فی اوائی المشرکین قبل الغسل (انتہی ما فی لہندیہ)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد مظہر اللہ غفرلہ

امام مسجد جامع پنجویں دہلی

(سوال نمبر ۲۳) زید اہل صنود میں سے ہے وہ سائل بن کر مسلمانوں کے پاس آتا ہے اور وہ دولت مند بھی ہے کیا اس کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ بیسوا و توجہ ۱۔

(مستفتی، فضل احمد۔ کراچی)

الجواب

دولت مند عربی کو بلا کسی عوض کے مال دینا نہ چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

منظر عسکریہ
مسجد جامع فتحپوری، دہلی
(۱۳۷۱ھ)

(سوال نمبر ۲۳۵)

- (۱) اسلامی اعتبار سے گائے کی قربانی شریعت نرا میں کیا حیثیت رکھتی ہے؟
 (۲) اگر حکومت اپنی طاقت سے گائے کی قربانی پر پابندی لگائے تو مسلمانوں پر کیا فرض عائد ہوتا ہے؟
 (۳) کیا مسلمان اسلامی اخلاقی اعتبار سے دیگر اقوام کی خوشنودی کے لئے گائے کی قربانی ترک کر سکتے ہیں اگر نہیں تو جو مسلمان اس فعل کے مرتکب ہوئے ہیں یا آئندہ ہوں ان کے لئے شریعت میں کیا حکم ہے؟
 (مستفتی)

فضل احمد - دہلی

الجواب

- (۱) گائے کی قربانی دین الہی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے لقولہ تعالیٰ :-
 والبدن جعلناھا لکم من شعائر اللہ لکم فیہا خیر۔
 یعنی اونٹ اور گائے کی قربانی کو تمہارے لئے دین الہی کی نشانیوں
 میں سے ایک نشانی بنایا ہے جس میں تمہارے لئے بھلائی ہے۔

درختار میں ہے :-

بدنۃ ھی الابل والبقر سمیت بہا الضحما متھا۔

بدنہ اور گائے ہے ان کے ڈیل دار ہونے کے سبب ان کا یہ نام ہوا۔

- (۲) ایسی صورت میں مسلمانوں پر واجب ہوگا کہ ہر ممکن کوشش سے اس اسلامی نشان کی محافظت کریں،
 کہ اس سے لاپرواہی عقاب الہی کا موجب اور عقاب الہی کا خوف اس کی محافظت کا سبب ہے چنانچہ ارشاد ہے :-

ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب

جو شخص اللہ کے دین کی محترم نشانیوں کی محافظت کرے گا تو یہ محافظت

کرنا دلوں کے خوف کا مقتضی ہے۔

(۳۱) اس کا جواب تو بہت ظاہر ہے کہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ دین الہی کی نشانیوں کو مٹانا اور اس کی بجائے کفری نشان قائم کرنا کس طرح غضب الہی کا موجب ہوگا، جس طرح گائے کا ذبیحہ اسلامی نشان ہے یہی اس کا بند کرنا کفری نشان ہے پس اس کی بندش کا اقدام تو بڑی شے ہے، اس کی جانب قلب کا میلان بھی عذاب نار کا موجب ہے۔ یہ خیال کہ اس سے ہمیں حکومت مند کی حمایت و خوشنودی میسر آجائے گی محض ایک شیطانی دھوکہ ہے، ایسی حالت میں حمایت درکنار ان لوگوں کا کوئی رفیق بھی نہیں ہو سکتا لقولہ تعالیٰ :-

وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَمَا تَمْسِكُمُ النَّاسُ وَمَالُكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ
أَوْلِيَاءٍ لَمَّا تَنْصُرُونَ .

اس مقام پر حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب کے اقعہ پر غور کیجئے کہ جب یہ یہودیت سے تائب ہو کر مشرف باسلام ہوئے تو انہیں خیال آیا کہ اونٹ کا گوشت مندرجہ مسمومی میں حرام ہے اور اسلام میں محض مباح تو کیا حرج ہے کہ ہم اونٹ کا گوشت نہ کھائیں اس پر نہایت عتاب نیز اندازیں ممانعت فرمائی گئی چنانچہ ارشاد ہوا :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ
إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ - الآية

یعنی ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو (اور ایسے خیالات میں پڑ کر) شیطان کے قدم بقدم نہ چلو، یقیناً وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے، پھر اس کے بعد بھی کہ تمہیں واضح دلائل پہنچ چکیں اگر لغزش کرنے لگو تو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہے (اس کے عذاب کا کوئی روکنے والا نہیں) حکمت والا ہے (کہ بمقتضائے حکمت جب اس قدر چاہے سزا دیتا ہے)

اس اقعہ میں اور متنازع فیہ اقعہ میں اصلاً فرق نہیں، جس طرح عبداللہ بن سلام نے اونٹ کے گوشت کو مباح سمجھا اور غلطی یہ کی کہ شعرا اسلام نہ سمجھتے ہوئے ترک کا ارادہ کر لیا وہی قصد یہاں ہے، پس جس طرح وہ مورد عتاب ہوئے جو لوگ اس کو ترک کریں گے وہ بھی یقیناً مورد عتاب ہوں گے، بلکہ مستحق عذاب کہ یہاں اس سے بڑی ایک شے اور بھی موجود ہے اور وہ صنود کے عقائد باطلہ کی ترویج ہے جو اللہ معاصی ہے اور عصیان میں کسی کا بھی حکم کیوں نہ ہو اس کی پیروی موجب استحقاق عذاب ہے کہ ان الحکمہ اللہ علم تو صرف اللہ ہی کا ہے اور تمام مخلوق اس ہی کی محکوم۔ مشرکین مکہ نے بعض جانوروں کو اپنی طرف سے حرام کیا ہوا تھا اللہ تعالیٰ ان کی اس تحریم کی بھی تردید فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے :-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلالًا طَيِّبًا الآية

یعنی لوگوں جو چیزیں زمین میں حلال و پاکیزہ موجود ہیں ان سے کھاؤ (اور ان کی تحریم کا ارتکاب کر کے) شیطان کی پیروی نہ کرو، یقیناً وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے (کہ ایسے اہیات خیالات

سے تم کو ہر طرح کا نقصان دے رہا ہے، وہ تمہیں ان ہی باتوں کی تعلیم کرے گا جو (میرے نزدیک) بری اور بے حیالی کی ہیں اور یہ (کرے گا) کہ اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ جس کی تم سندی نہیں رکھتے (جیسے گائے کی حرمت کہ منجانباً تمہارے پاس اس کی کوئی سند نہیں)۔

اس آیت کریمہ میں جس طرح مشرکین مکہ کو حکم ہے کہ تم حلال جانوروں کو حرام ٹھہرا کر شیطان کی پیروی نہ کرو اور اللہ پر بہتان نہ باندھو یونہی ہندوؤں کو بھی حکم ہے کہ گائے کے باب میں ایسا معاملہ نہ کرو پس جب خود صنود کو یہ حکم ہے تو مسلمانوں کے لئے کب جائز ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے عمل سے ان کے اس عقیدے کو قوت پہنچائیں اور شیطان کے اتباع اور خدا پر بہتان بندی میں ان کا ساتھ دیں مانا کہ مسلمان اس کو حرام جان کر ترک کرینگے لیکن اس ترک میں قرآنی حکم کے خلاف غیر قرآنی حکم کی تقویت تو ہے اور سن چکے کہ آسمانی کتاب کے حکم منسوخ پر بھی عمل حرام کر دیا گیا ہے تو پھر کسی انسانی حکم اس کے آگے کیا حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام کے واقعہ پر پھر غور کی نظر ڈالیے کہ باوجودیکہ اونٹ کی حرمت ایک آسمانی کتاب میں موجود تھی لیکن چون کہ اس کی حرمت منسوخ ہو چکی تھی اس لئے یہ اصحاب اسلامی حکم سے اس کو حلال ہی سمجھتے تھے، غلطی یہ ہو گئی کہ اس کو شعرا اسلام نہ سمجھا اور ترک کا ارادہ کر لیا جس کو تہدیداً شیطان کا اتباع قرار دیا گیا اور اپنے غضب کا اظہار فرمایا گیا۔ اونٹ کچھ یہود کے معبودوں سے نہ تھا پس یہاں عتاب تو صرف اس پر ہے کہ حکم منسوخ پر عمل کا کیوں ارادہ کیا گیا اور گائے کا تو معاملہ ہی جدا گانہ ہے کہ اس کی حلت تعلیم توحید اور ایک شرک جلی کے ابطال پر ہے تو اب مسلمان خود ہی غور کرے کہ اس کا ترک کیا معنی رکھتا ہے ہی کہ اس میں توحید کا ابطال اور شرک کا اعلان ہے۔

یہ حکم تو صرف مطلقاً ذبیحہ گاؤ کے ترک کا ہے لیکن اس پر قربانی کا ترک حکم میں اس سے بھی اشد ہے کہ وہ عبادت الہی ہے پس اس کے ترک میں ایک مخصوص عبادت کا ترک ہے تو مسلمان کو یہ پوچھتے ہوئے شرم نہیں آتی کہ اس کو میں ترک کر سکتا ہوں یا نہیں؟ — یقیناً اپنی خوشی سے جو اس کو ترک کریں گے یا اس میں اعانت کریں گے وہ سخت گنہگار ہوں گے۔

اور یہ خیال کہ محض صنود کی خوشی حاصل کرنے کے لئے اس کی قربانی کا ترک مقصود ہے اور کسی کو خوشی حاصل کرنا تو کوئی جرم نہیں تو اول تو حق تعالیٰ کی ناراضگی کے مقابلہ میں کسی کی رضا کی طلب خود ہی حرام ہے دوسرے وہ محض اتنی بات سے کہ اپنے بیچہ گاؤ کو ترک کر دیں پوری طرح خوش بھی نہیں ہو سکتے کہ حقیقت میں ان کو صرف گائے کی قربانی کا ترک مطلوب نہیں بلکہ ایک بہت بڑی مہتمم بالشان قربانی مطلوب ہے یعنی ایمان کی قربانی لفظاً تعالیٰ ودوالو تکفرون۔ یعنی ان کی خوشی تو اس میں ہے کہ تم کس طرح کافر ہو جاؤ چنانچہ آج مسلمان اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں تو کیا مسلمان اس کو برداشت کر کے جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنا سکتے ہیں؟ —

میرے دوستو! امور دنیوی میں آپ کو ان سے مدارا سے کوئی نہیں روکتا، کیجئے اور ضرور کیجئے لیکن ایسی مدارا جس سے کوئی شعار اسلامی چھوٹے اور امور مذہبی پامال ہوں ہرگز جائز نہیں آپ کو ان کی خوشی اس ہی لئے تو درکار ہے کہ اتفاق میسر آجائے جس کی آج سخت ضرورت ہے لیکن کیا وہ یوں حاصل ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں کہ یہ شے تو اور اختلاف کی بنیاد مضبوط کرنے والی ہے۔ اتفاق حاصل کرنے کی تو صرف ایک ہی صورت ہے اور یہ کہ جس طرح تم ان کے مسلمات میں کوئی مداخلت نہیں کرتے اسی طرح ان کو بھی چاہیے کہ اسلامی احکام کے بجالانے میں ہم سے کچھ تعرض نہ کریں۔ ان کو بتلائیے کہ فروعیات ایک طرف ہے اصول پر نظر ڈالیں کہ مشرک کیسی بدترین شے ہے جس میں معبود برحق کے مقابلہ کا اعلان ہے لیکن جب مشرکین ہمساہ ہو جاتے ہیں تو کیا کوئی مسلمان ان سے تعرض کرتا ہے؟ کہ اپنے بت خمانے توڑو، مشرک چھوڑو، ہم سے معبود برحق کا مقابلہ نہیں دیکھا جاسکتا؟ پس جب مسلمانوں کی طرف سے اس قدر وہ آزاد ہیں تو ان کیلئے کیا گنجائش کہ ہم سے مطالبہ کریں کہ گائے کی قربانی ترک کرو حالانکہ اس ہی کے نام پر قربانی کی جاتی ہے جس کو وہ بھی معبود جانتے ہیں اور خود ان کے اکابر سے بھی یہ فعل ثابت ہے جو اپنے مقام پر بدلائل واضح ہو چکا ہے۔

الحاصل مسلمانوں کو ہرگز جائز نہیں کہ وہ اپنی رضا سے گائے کی قربانی ترک کریں بلکہ صنود کو سمجھائیں کہ وہ اس کے ترک پر اصرار کر کے ایک نیا فتنہ نہ کھڑا کریں کہ یہ ہمارے مذہب میں مداخلت ہے جو قانوناً ہی ممنوع ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عظیم
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(نوٹ) حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے جن اکابر کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس فتوے میں ان کا کہیں ذکر نہیں فرمایا اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم محلاً اس پر روشنی ڈالیں۔
قارئین کرام کے لئے شاید یہ امر باعث حیرت و استعجاب ہو کہ صنود کے ویدوں، پرائوں اور شاستروں میں کوئی رشی ایسا نظر نہیں آتا جس نے گوشت اور بالخصوص گائے کا گوشت نہ کھا یا ہو، صنود میں گوشت سے نفرت اور گائے کی مذہبی اہمیت بدھوں اور جینیوں کے اثرات کے تحت پیدا ہو گئی ہے۔ بعض انصاف پسند ہندوؤں نے قربانی کی اس رسم قدیم کو برطالیان کیا ہے چنانچہ سن ۱۹۰۹ء میں تو کمان تلک نے برودہ کانفرنس میں کہا تھا :-

دو ہزار سال پیشتر ہندو اپنے مذہبی اصول کے ماتحت جانوروں کی قربانی کیا کرتے تھے، ان کے خون سے ندیاں سرخ ہوتی تھیں۔ (اخبار کیسری مورخہ ۱۳ دسمبر ۱۹۰۹ء)

اسی طرح سن ۱۹۲۷ء میں ڈاکٹر موہنجے (کانپور) نے گائے کی قربانی کے حق میں ایک تحریک چلائی تھی اور ہندوؤں کو

تعمیر کی تھی کہ قربانی ان کا مذہبی شعارہ ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کے طفیل برسوں ان کے ہاتھ میں اقتدار رہا۔
مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گائے کی قربانی کے سلسلے میں ہندوؤں کی مذہبی کتابوں سے چند اقوال پیش کر دیے
جائیں تاکہ محققین کی تشنگی باقی نہ رہے اور حقائق واضح ہو جائیں۔

(۱) سری کرشن جی نے یاگ (قربانی) کا وقت آپہنچنے کی وجہ سے جانور قربان کئے، ان میں ایک

گائے بھی تھی۔ (بھاگوت گیتا، دسواں اسکند باب - ۵۸)

(۲) سینادیوی نے بن باس جاتے وقت گنگا ماتا سے منت کی تھی کہ اسے گنگا مائی اگر میں

بن باس سے صحیح سلامت واپس آؤں گی تو تیرے کنارے سے پر ایک ہزار گائے قربان

کروں گی اور ستیادیوی بفضل خدا صحیح سلامت آئیں اور ایک ہزار گائیوں کی قربانی کی۔

(والملک پوران، اجودھیا کھنڈ، شلوک ۲-۵)

(۳) ایصال ثواب کے لئے گائے کا گوشت کھلوانا بہترین طریقہ ہے۔

اپستنب، گرتھ سوتر - ۱، ص - ۵، باب - ۱۷

(۴) ایصال ثواب کے لئے اگر برہمنوں کو گائے کا گوشت کھلایا جائے تو باپ دادا ایک سال تک نجات

پاتے ہیں۔ (ایضا، ص، ۷، باب - ۱۷ و ۱۸)

(۵) ایصال ثواب کی دعوت میں اگر کوئی برہمن گوشت سے نفرت کرے تو اس جانور کے جسم پر جس قدر

بال ہیں اتنے دن وہ دوزخ میں رہتا ہے۔

(کورام پوران سوتر - ۴۰، ادھیائے - ۱۷)

(۶) منوجی نے ایک مرتبہ نرباندی پر کثرت سے جانوروں کی قربانی کی ان میں پانچ لاکھ گائیں بھی

تھیں، اس ضیافت کو پانچ کروڑ انسانوں نے کھایا۔

(برہمادی ورت پوران)

تجربہ ہے کہ ان حقائق کے باوجود متحدہ ہندوستان میں شہنشاہ اکبر کے عہد میں گائے کی قربانی قانوناً برہمن

قرار دے دی گئی تھی۔ چنانچہ دور اکبری کے مورخ عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں اور درشاہ بہانی

کے مورخ محسن فانی نے ہندوستان مذاہب میں اس کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ منقسم ہندوستان میں گائے کی

قربانی کے خلاف ملک گیر مہم کے باوجود اس مطالبہ کو قانوناً تسلیم نہیں کیا گیا۔

(مرتب)

(سوال نمبر ۲۳۶) آج کل جب کہ دنیا نے کفر پوری طاقت کے ساتھ مسلمانوں کو کھل دینے پر آمادہ ہے

مسلمانوں کو اپنی جائزہ حفاظت کے لئے ہندوستان کے ایک خاص فرقہ کی طرح ہر حالت میں تلوار اپنے ساتھ

کریو آرڈر جاری کر کے مسلمانوں کے مذہب میں تو مداخلت کی جائے اور ان کو محلہ کی مسجد میں نماز کے لئے جانے سے روکا جائے حالانکہ اس میں امن عامہ کے خلل کا ادنیٰ ادنیٰ اندیشہ بھی نہیں اور غیر کو مذہب کے نام پر وہ آلات دے دئے جائیں جس سے سارا انتظام ہی درہم برہم ہو جائے نہ اس کی تحقیق کی ضرورت سمجھی جائے کہ یہ شے ان کے مذہب میں لازم بھی ہے یا نہیں؟ نہ ان سے پوچھا جائے کہ پہلے تیرے پاس کرپان معنی اب نیا حکم تلوار کا کہاں سے آیا؟ اور پھر وہ بھی ننکی تلوار کا، پس حکومت کو چاہیے کہ ان امور پر غور کرے۔ فقط واللہ اعلم

محمد عظیم
سجده مع فقہوی دہلی

دہلی کے ایک مشہور سیاسی کارکن سیٹھ احمد مین پاکستانی نے اس فتویٰ کو تقسیم ہند سے قبل بصورت اشتہار چھپوا کر شائع کیا تھا سیٹھ صاحب مرحوم نے حضرت علیہ الرحمہ سے سیاسی معاملات میں بکثرت فتوے لئے تھے، افسوس یہ سارا علمی اثاثہ سیٹھ صاحب کے کراچی میں اتھال کوٹنے کے بعد معدوم ہو گیا۔ (مرتب)

(سوال نمبر ۲۳) ہندوستان میں جہاں ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل ہے جب مساجد کے سامنے غیر مسلم زور سے باجہ وغیرہ بجاتے ہیں تو مسلمان مزاحم ہوتے ہیں کیا ایسے ماحول میں اس قسم کی مزاحمت مسلمانوں کے لئے ضروری ہے۔ بیاد و توجہ وا۔

الجواب

یہ تو غلط ہے کہ ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل ہے، مسلمانوں کے حقوق سے یہ بات اشد درجہ ضروری ہے کہ اپنی عبادت نہایت اطمینان سے ادا کریں اور کوئی امر ایسا پیش نہ ہو جو ان کے خیالات کو پریشان کرے، قرآن کریم میں بہت سی ایسی آیات اردہیں جو اس امر میں سخت تاکید کرتی ہیں حتیٰ کہ نماز کے وقت کسی کو قرآن کریم بھی با آواز پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے اور مفسدین کو اس سے روکا ہے چنانچہ ارشاد ہے:-

ان الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ

اور

ماکان صلواتہم عند البیت الامکاء و تصدیہ

اور

وقال الذین کفروا لا تسمعوا لهذا القرآن والغوا

فبہ لعلکم تغلبون۔

پس اس صورت میں مسلمانوں کو اپنے اس حق کے حاصل کرنے کی حکومت سے کوشش کرنی چاہیے غیر مسلموں کو اتنی جرات ہو گئی ہے کہ مسجدوں کے سامنے دیر تک کھڑے ہو کر باجا بہت زور سے بجاتے رہتے ہیں۔

محرم الحرام ۱۴۲۸ھ

سید جامع فقہی کا ادبی

(سوال نمبر ۲۳۸) ایک شخص مسلمان جو پہلے انجمن اسلام کا ممبر تھا اب کانگریس میں شامل ہو کر نعرہ ہائے مندرجہ ذیل لگایا کرتا ہے ”مہاتما گاندھی کی جے“ بھارت ماتا کی جے، ”بند سے ماترم وغیرہ۔ آیا ایسے شخص سے میل بول رکھنا اور اس کے پیچھے ناز پڑھنا اور سوشل تعلقات رکھنا درست ہیں یا نہیں۔ بدینوا و توجروا

مستفتی

احمد رضا خاں۔

ایس۔ پی۔ ڈبلیو۔ آئی ریٹائرڈ

ہوالموفق

گاندھی کو مہاتما کہنا اور اس کی فتح کے نعرہ لگانا شرعاً ناجائز و حرام ہے کہ مہاتما کے معنی ہیں روح اعظم اور روح کا اطلاق قرآن پاک میں جان پر بھی آیا ہے اور وحی پر بھی اور حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کو بھی یہ لقب عطا ہوا ہے اور حضرت جبرئیل علی نبینا وعلیہ السلام کو بھی۔ پس ان معانی و القاب پر نظر کرتے ہوئے اس کے یہ معانی ہوں گے کہ تمام جانوں میں بڑی جان یا حق تبارک تعالیٰ کی وحیوں میں بڑی وحی یا حضرت عیسیٰ و حضرت جبرئیل علی نبینا وعلیہم السلام سے بلند مرتبہ۔ اب مسلمان خود ہی غور کر لیں کہ جس لفظ کے یہ معانی ہوں اس کو ایسے شخص کے لئے (جس کو مخصوص قطعہ میں دلیل سے دلیل بتایا گیا ہو) کیوں کر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس ہی طرح کفار کی شان میں ارشاد ہوا :-

ان یثقفوکم یقولوا لکم اعداء ویبسطوا الیکم ایدیم والسنتھم

بالسوء و دوا لوتکفرون۔

یعنی اگر کفار تم پر قابو پالیں گے تو تمہارے دشمن ہو جائیں گے اور تم پر دست درازی اور زباں ندوی

کریں گے اور وہ چاہتے ہیں کہ (ان کی مانند کسی طرح) تم بھی کافر ہو جاؤ۔

چنانچہ برابر اس کا مشاہدہ کیا جا رہا ہے کہ جب کبھی بھی ان کو قوت میسر آئی مسلمانوں کا تباہ کرنا ان کا پہلا فرض رہا۔ اس ہی تحریک میں ملاحظہ کر لیجئے کہ باوجودیکہ ابھی کامیابی کی جھلک بھی نہیں دکھلائی دی ہے

۱۔ اس فتویٰ کا پہلا جواب معنی تھو کفایت اللہ مرحوم نے تحریر فرمایا ہے۔ ان کے نزدیک اس قسم کے نعرے لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں، حضرت نے اس کی تردید فرمائی جو پیش ناظرین ہے۔

لیکن ابھی سے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ گاندھی کی جگہ کے مقابل اللہ اکبر کے نعرے نہ لگاؤ، وہ زمانہ گزر گیا جس میں ہم خاموشی کے ساتھ یہ نعرے سنتے رہے اب ایسا نہیں لگا سکتے۔۔۔ دو روز ہوئے کہ جمعیتہ افاغیہ چوموں (ریاست جے پور) کا ایک خط موصول ہوا جس میں انہوں نے کلمہ کھٹیاں بنانے کی استدعا کی ہے اور تحریر کیا ہے کہ :-

”یہاں کے مشرکین عام طور پر تقارہ کی چوٹ کہتے ہیں کہ مسلمان اب تو کلمہ ہمارے روبرو نہیں پڑھ سکتے وہ دن دور ہوئے جب یہ ایسے نادان اور بوردے تھے کہ اس کلمے کے سننے کی تاب لا سکتے تھے اب ان کو سمجھا آگئی یہ کلمہ تو ہندو یوتاؤں کی شان میں گستاخی ہے اس کو پکارنا ہے تو مکہ، مدینہ چلے جاؤ ہمارے ویس میں اس کا کیا کام؟“ (انتہی بلفظ)

اب شاید یہ کہا جائے کہ یہ تمام صنود کے اقوال نہیں ان کا کیا اعتبار تو پھر ذمہ دار کا قول لیجئے۔ رسالہ شدھی سماچار مورخہ ۱۵ جون ۱۹۳۲ء میں ”بھارت شدھی سبھا“ (دہلی) کے جنرل سکریٹری نے ”شدھی اور سوراج“ کے عنوان سے جو مضمون لکھا ہے اس کا ترجمہ بعض اخبارات نے چھاپا ہے جس کے چند الفاظ یہ ہیں :-

”ہمیں تو جہاں حصول سواجیہ کے میدان میں لڑانی کرنا منظور ہے وہاں ہم ان دھوکہ دے کر قتل کرنے والوں اور پڑوسی لیٹروں سے بھی اپنے گھر کی حفاظت کریں گے جو سر ڈال کر چھپ کر ہمارے گھر میں نقب لگانے کی تاک میں بیٹھے ہیں۔“

غرض اس حالت کو دیکھتے ہوئے اس تحریک کی فتح یا بی (کہ وہی گاندھی کی فتح ہے) کے لئے نعرے لگانا اپنی بربادی پر نعرے لگانے کے معنی میں ہو گا اور یہ یقیناً حرام ہے۔ ”بھارت ماتا کی جے“ اور ”بندے ماترم“ کے معنی اگر صرف مادرہند کے فتح ہی کے ہیں تب بھی چوں کہ یہ مشرکین کے خاص قومی نعرے ہیں اور ان کے شعائر سے ہیں اس لئے مسلمانوں کو ان نعروں میں بھی شرکت کرنا شرعاً جائز نہیں لہذا فی التثبیہ بالکفار، وهو ممنوع فقط

محمد منظر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری، دہلی
(سنہ ۱۹۳۲ء)

(سوال نمبر ۲۳۹)

(۱) آج کل تو صنود آزادی حاصل کرنے میں بڑی سرگرم نظر آتی ہے اور اس نے فیصلہ کر لیا ہے کہ حکومت کی قانون شکنی کر کے اس کو مجبور کیا جائے تاکہ وہ ہم کو آزاد تسلیم کر لے۔ اگر اس مقابلہ میں حکومت کی جانب سے نقصان بڑاشت کرنے پڑیں تو ان کو بھی بلا ملاحظت بڑاشت کیا جائے یہاں تک کہ ان کی گولیاں اپنے سینے پر لی جائیں، لیکن قدم پیچھے نہ ہٹے۔ پس اس صورت میں صنود کے ساتھ مسلمانوں کی شرکت جائز ہے یا نہیں اور اس امر میں جمعیتہ العلماء کا یہ فیصلہ کہ مسلمانوں کو شریک ہونا چاہیے حق بجانب ہے یا اس سے غلطی ہوئی؟

- (۲) اگر اس مقابلہ میں کوئی مسلمان گولی لگنے کی وجہ سے مرجائے تو وہ شہید ہوگا یا نہیں؟
- (۳) محض اس لئے کھد پھینا کہ صنود اپنے ارادوں میں کامیاب ہوں اور شرک کا بول بالا رہے اور اس کو اپنے لئے بمنزلہ فرض کے سمجھنا اور جو لوگ کھدر نہ پہنتے ہوں ان کو بہ نظر سخارت دیکھنا یہاں تک کہ اس کی وجہ سے ان کی نمازوں میں قصور بتلانا یہ سب امور جائز ہیں یا نہیں؟
- (۴) مشرک قانون نمک کے توڑنے کا حکم دیتا ہے اس پر کسی مسلمان کا یہ کہنا کہ چوں کہ اُس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی ہے لہذا اُس کے حکم کی تعمیل فرض ہے، پس یہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟ - بیّنوا بالادلة.

الجواب

- (۱) مسلمانوں کا آزاد ہونا اس امر کا مقتضی ہے کہ احکام کفر یا کلم نابود ہو جاویں۔ اور اہل اسلام کو غلبہ حاصل ہو جائے جو مطلوب شارع ہے اور ہندوؤں کی آزادی یہ ہے کہ مسلمانوں کو نسبت کر دیں اور کسی مسلم کو یہ قوت نہ رہے کہ وہ شرک اور کفر کی برائی بھی کر سکے اس سے ظاہر ہے کہ دونوں آزادیوں میں تضاد ہے، ایک ملک میں دونوں آزادیوں کا اجتماع محالاتِ تعلیہ سے ہے۔
- پس صورت مذکور میں اگر آزادی ہو سکتی ہے تو ان دونوں قوموں میں صرف ایک قوم آزاد ہو سکتی ہے اور ایسی صورت میں غیر آزاد قوم یقیناً آزاد قوم سے مغلوب ہے گی، اس حقیقت کو دیکھتے ہوئے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ صنود مسلمانوں کی آزادی چاہتے ہیں، ہرگز نہیں، اخبارین حضرات پر اچھی طرح روشن ہے کہ صنود کا اصلی منشاء اپنی بھی کامل آزادی نہیں بلکہ صرف یہ ہے کہ گورنمنٹ کے سایہ میں ہم کو وہ قوت میسر آجائے جس سے مسلمانوں کی مالی قوت تو برباد کر ہی چکے ہیں، دینی قوت بھی مٹا ڈالیں کہ آج اس کی کوشش کی جاتی ہے تو گورنمنٹ آڑے آتی ہے، جب ہم خود مختار ہو جاویں گے تو اپنے تیس ممبروں میں مسلمانوں کے دس ممبروں کو جذب کر لینا کونسی بڑی بات ہوگی، کہ اول تو وہ ممبر خود بھی ایسے ہونگے جو ہماری آواز پر لبیک کہنے والے ہوں گے، لہذا اگر کسی انہوں نے کسمسا ناچا یا بھی تو پھر کثرتِ رائے کے بھاری پہاڑ سے بچ کر ان کے لئے بھاگنے کی راہ بھی کہاں ہوگی۔ غرض پھر جس طرح نچائیں گے ان کو ناچنا پڑے گا۔ کیا ساردا ایکٹ کے مسئلہ سے تجربہ نہ ہو چکا جو ہندو مسلم ممبروں کی کمیٹی نے پاس کر دیا وہ آج اٹل ہے، اس کے منسوخ کرانے میں کیا کوئی دقیقہ اٹھا رکھا گیا، لیکن باایں ہمہ آج تک اس کو جنبش نہیں ہوئی اور گورنمنٹ کی جانب سے یہ جواب دے دیا جاتا ہے کہ ہم کیا کریں، یہ سب تہہ نہایتوں کی روشنی دماغ کا نتیجہ ہے۔

پھر ہم نے تو احتیاطاً تمہارے بعض مستند علماء سے بھی دریافت کر لیا تھا لیکن جب ہم کو ان سے بھی

اجازت مل جائے تو پھر ہمارا کیا قصور۔ دوسرا جواب دیا جاتا ہے کہ جب کسی ملک میں مختلف مذاہب موجود ہوں اور کوئی اصلاحی اسکیم جاری کی جاوے تو اس وقت اصلاح معاشرت عام ہوتی ہے، کسی خاص قوم کا اس میں استثنیٰ نہیں کیا جاسکتا۔ اسی قسم کے اور بھی جواب سنے جاتے ہیں۔ جن کا صاف مطلب یہ ہے کہ اب چیختے چلاتے رہو جو ہونا تھا ہو چکا، غرض یہی قصہ آئے دن اُس وقت ہوگا، جب یہ دنیا کے ولداؤہ منصب حکومت پر فائز ہوں گے، اور زہر کفر، عمل اسلام کی سجون تیار کر کے اسی کے ساتھ قوم کا علاج شروع کریں گے۔ مسلمانوں! ہوش میں آؤ۔ اپنے ہاتھوں اپنے کو برباد نہ کرو اس مسئلے میں جمعیت علماء ہویا کوئی دوسری جماعت جو بھی تم کو شرکت مشرکین کی رائے دے وہ سخت غلطی میں ہے۔ ایک نہیں دو نہیں بیسیوں آیات میں اس کی حرمت ظاہر و باہر ہے۔ تیرا صرف دو آیتوں پر اکتفا کرتا ہوں، ارشاد ہوتا ہے

یا ایہا الذین آمنوا لاتتخذوا البطانة الایة

”مسلمانوں غیروں کو اپنا بھیدی نہ بناؤ۔ وہ تمہاری خرابی میں کمی نہ کریں گے انہیں تمہارا تکلیف میں پڑنا اچھا معلوم ہوتا ہے، ان کی زبانوں سے دشمنی ظاہر ہو رہی ہے، اور جو امور ان کے سینوں میں پوشیدہ ہیں وہ اور بھی زیادہ سخت ہیں۔ اگر تم کو عقل ہے تو ہم نے کھلی کھلی نشانیاں بیاں کر دیں“

دوسرے مقام پر ارشاد ہے :-

یا ایہا الذین آمنوا تطیعوا الذین کفروا الایة

یعنی مسلمانو! اگر تم نے کافروں کا کہنا مان لیا تو یاد رکھنا وہ تم کو الٹا پھیریں گے (اور تمہاری کھلی پستی کا نظارہ پھر تم کو دکھلا دیں گے) پھر تم نقصان میں جا پڑو گے (یہ تمہاری کیا مدد کریں گے تم اپنے پاؤں پر کھڑے تو ہو، اللہ تمہاری مدد کرے گا، اور اس کی مدد سب سے بہتر ہے ہم عنقریب تمہارا رعب کافروں کے دلوں میں ڈالے دیتے ہیں۔) (اہتی ترجمہ)

بعض مسلمانوں کو جو بات صنود کی ہمراہی پر ابھار رہی ہے یہ ہے کہ اب یہ ان کے ذہن نشیں ہو چکا ہے کہ جس روش پر اس قوم کی اس وقت جدوجہد ہے اگر کچھ زمانہ یونہی رہی تو ضرور بازی لے جائیں گے۔ پھر ہمیں سوائے افسوس کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ اور جب انہوں نے حقوق حاصل کرنے کی گورنمنٹ اور نینزدوسری سلطنتوں کی نگاہ میں معزز ہو جاویں گے، اور ہم ذلت کی نگاہوں سے دیکھے جائیں گے سو اس کا جواب یہ ہے کہ اقل تو جن حقوق کا مطالبہ ہے وہ خالص صنود کے حقوق نہیں ہیں، بلکہ مشترکہ تمام ہندوستانوں کیلئے ہیں، تو اگر حاصل ہو بھی گئے تو مسلمان محروم نہ رہیں گے۔ پھر خواہ مخواہ ان کا اس بری صورت کے ساتھ دخل انداز ہونا کیا معنی خصوصاً جب کہ صنود بھی کہتے ہیں کہ ہمیں مسلمانوں کی شرکت کی حاجت نہیں اور اگر کہتے ہیں کہ ہمارے حقوق تو برائے نام ہیں اصل میں وہ حقوق زیادہ تر انہیں کے حق میں مفید ہوں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ پھر ان کے حاصل کرنے کے لئے آپ کیوں کوشاں ہیں، آپ کو چاہیے کہ

گورنمنٹ کی خدمت میں ایسے حقوق پیش کریں جو آپ کے لئے مفید ہوں مگر قانونی حدود میں رہتے ہوئے اور تہذیب کے ساتھ تاکہ بلا کسی نقصان کے آپ کو حقیقی کامیابی میسر آجائے کیوں کہ یہ ممکن نہیں کہ درخواست کنندگان میں سے گورنمنٹ ایسے اشخاص کو محروم رکھے جو اس کے قواعد کے ساتھ درخواست کرتے ہیں اور ان کو کامیاب بنا دے جو اس کے ساتھ برسرِ مہیکاری رہا عزت کا سوال۔ ان کے ساتھ تو شرکت ممنوع ہے لقولہ تعالیٰ :-

ایبتغون عندہم العزۃ فان العزۃ للہ جمیعا۔

یعنی کیا تم ان کی شرکت میں عزت ڈھونڈ رہے ہو۔ عزت تو تمام کی تمام محض اللہ ہی کیلئے ہے۔ پس عزت اگر ہے تو صرف اس میں کہ حاکم حقیقی کے حکم کے آگے کسی کے حکم کی پروا نہ کی جاوے اور تمام مسلمان اتفاق کے ساتھ اس پر مضبوطی کے ساتھ عامل ہو جاویں، پھر پوچھیں سکتا کہ کامیابی ہمارے قدم نہ چوم لے اگر یہی تفریق اور بددینی رہی تو ذلت کی شکایت بے جا ہے کہ اس کا ارشاد ہو چکا :-

واطیعوا اللہ واطیعوا لرسول ولا تنازعوا فتشلو او تذهب سبککم۔

یعنی اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی فرماں برداری کرو اور آپس میں نزاع نہ ڈالو ورنہ تم کہ بہت اور

سست پڑ جاؤ گے۔ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

سچ فرمایا باری تعالیٰ جل جلالہ نے آخر نہ دیکھا آج سے دس سال پہلے (۱۳۳۹ھ) اگرچہ حالت بہت تباہ ہو چکی تھی مگر ہر بھی کیسی ہوا بندی ہوئی تھی لیکن جب تم نے اس کے حکم کی مخالفت کی اور صنود سے دوستی گانٹھی اور جو کچھ اسلام کے خلاف کرنا تھا وہ کیا جس کے بیان کے لئے دفاتر بھی گنجائش نہیں رکھتے یہاں تک کہ مخالفین کو سارے گھر کے بھید سے دئے اور ان کی دلی مراد پوری کر دی، کہ آپس میں اچھی طرح سے مخالفت پیدا کر لی اور آج وہ حالت ہو گئی کہ وہ تم کو کسی شمار میں نہیں لاتے لیکن تمہاری شراب محبت کا خراب بھی نہیں اترا اسی کوشش میں لگ رہے ہو کہ کسی طرح ہی سہی یہ اسلامی شان بھی ہندوستان سے مٹ جاوے۔ صنود کے روزمرہ کے سلوک پھر ہے ہو لیکن آنکھیں ایسی پٹم ہو گئی ہیں کہ کچھ سوچتا ہی نہیں۔ مسلمانوں! خدارا خواب غفلت سے بیدار ہو اور بہت جلدان وسائل سے کام لو جن سے آپس کا اتفاق نصیب ہوتا کہ اجتماعی قوت سے آنے والی مشکلات کی مداخلت کر لو کہ آج ایک قوت کے کرشموں کا رونا رو رہے ہو کل دوسری قوت کے مظالم کا سامنا پڑنا ہے لیکن تمہاری ہر کوشش اور ہر نقل و حرکت۔ محض اعلا بکلمۃ اللہ کے لئے اور پابندی دین کے ساتھ ہو ورنہ کامیابی کی امید رکھنا اس مسئلے میں نصوص صریحہ قطعیہ کی مخالفت کی جا رہی ہے لہذا ہر مسلمان پڑا جب سے کہ جس جلسہ میں اس کے سامنے اس نام نہاد جنگ آزادی میں شرکت کا مسئلہ پیش ہو وہ صاف بلند آواز سے کہہ دے کہ ہم شرکت سے ہرگز راضی نہیں اس میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں۔ ورنہ یاد رکھیں کہ قیامت میں اس سے سخت باز پرس ہوگی۔

بعض لوگ شرکت مشرکین پر یہ بیان کر کے اُبھار رہے ہیں کہ غیر مسلم قوم جب مسلمانوں کے ملک پر قبضہ کرے تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ اپنے ملک کو اس سے آزاد کرانے میں سہارا دے کہ مسئلہ تو یوں ہی ہے مگر اول تو یہ ہر مسلمان پر فرض نہیں بلکہ ان مسلمانوں پر فرض ہے کہ جو آزاد کرانے کی طاقت رکھتے ہوں، ہندوستان کے مسلمان اس پر ہرگز قہر نہیں کھتے۔ دوسرے جو آزادی شارع کو مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ خالص مسلمانوں کی قوت و شوکت کے حصول کی امید ہو اور یہاں ایسی آزادی کی ہرگز امید نہیں بلکہ اور نقصان کا اندیشہ ہے۔ عالم گیری میں دشمن کا مقابلہ کی اہمیت کے شرائط کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا :-

والثانی ان یرجو المشوكة والقوة لادھل الاسلام باجتھادہ او باجتھاد من
یعتقد فی اجتھادہ ورا یہ وان کان ارجو القوة والشوكة للمسلمین فی القتال
فانہ لا یحل لہ القتال لما فیہ من القاء لفسد فی التھلکة -

دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ہم اس حکومت کی وجہ سے طرح طرح کے نقصانات کے شکار ہو رہے ہیں۔ سو اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرما دیا کہ :-

اسمعوا واطیعوا فانما علیہم ما حملوا وعلیکم ما حملتم۔

تم تو سنے جاؤ، اطاعت کرتے رہو کہ جو حقوق حکام پر ڈالے گئے ہیں وہ ان پر لازم ہیں اور جو تم پر ڈالے گئے ہیں تم پر لازم ہیں۔“

یہ جو کچھ عرض کیا گیا نفس شرکت کے متعلق تھا کہ اس وقت کی شرکت کا کیا حکم ہے لیکن اس کے علاوہ اس راہ کے دوسرے اور بھی صد ہا منہیات کا ارتکاب کیا جاتا ہے جن کی وجہ سے یہ شرکت اشد حرام کا حکم پیدا کر لیتی ہے چون کہ ان تمام کا ذکر موجب طوالت تھا دوسرے ان کے متعلق سوال میں استفسار بھی نہیں تھا اس لئے ان کو ترک کیا گیا۔

(۲) اس مقابلے میں اگر قوم کی جانب سے ایسا تشدد و وقوع میں آئے جس میں پولیس یا فوج کے افراد میں سے بعض کے تلف ہو جانے کا خوف ہو اور ایسی صورت میں حکومت کی جانب سے گولی چلا دی جاوے اور کوئی مسلمان گولی کے صدمہ سے مر جاوے تو شہید کہلائے گا اور اس کے تلف ہونے کا سبب ایسے وقت ”ظلم“ ٹہرے گا اور ظلماً مارا جانا شہادت ہے لیکن ایسے وقت میں بھی اگر کسی مسلمان کا اس پر گمان غالب ہو جاوے کہ اگرچہ میرا کوئی ایسا سنگین گناہ نہیں ہے لیکن حکومت اس پر بھی گولی چلا دے گی تو ایسی صورت میں اس پر فرض ہو گا کہ وہ اس مقام سے ہٹ جاوے اگر نہ ہٹے گا اور مارا جائے تو شہید نہ کہلائے گا۔ اگر قوم کی جانب سے ہی ایسے تشدد کی ابتدا کی گئی جس میں گورنمنٹی ملازمین سے بعض افراد مارے گئے یا ان کے مارے جانے کا قوی اندیشہ تھا کہ وہ آلات جارحہ کے استعمال کا ارتکاب کر رہے تھے اور ایسی صورت میں مجمع کے منتشر کرنے کے لئے گولی چلائی گئی اور اس میں کوئی مسلمان بھی مارا گیا تو اس کو بھی شہید کہلا جائے گا کہ اس موقع پر وہ یقیناً جانتا ہے کہ گولی چلنا لابدی ہے پس ایسے وقت اس کا ٹھہر جانا اپنے اوپر موت کا پیش کرنا ہے، جو حرام ہے، پھر جن صورتوں میں شہادت کا حکم

نہیں کیا گیا اگر وہ جاننا تھا کہ شرعاً مجھے یہاں ٹھہرنا ممنوع ہے تب تو وہ خود ہی کا ترکب ٹھہرے گا ورنہ امید ہے کہ ماخوذ نہ ہو۔ حکومت کے خلاف جن امور پر اصرار کیا جاتا ہے وہ تو کروہات سے بھی نہیں علماء نے حفاظتِ جان کے لئے بعض مجرمات کے ارتکاب کو بھی فرض فرمایا ہے۔ عالم گیری میں ہے :-

السلطان اذا اخذ رجلاً وقال لاقتلتك اولتشر بن هذا الخمر كان
في غالب رأيه انه لو لم يتناول يقتل فان لم يتناول حتى قتل كان اثماً
في ظاهر الرواية عن اصحابه وذكر شيخ الاسلام انه اثم ماخوذ بدمه الا ان
يكون جاهلاً بالاباحة حالة الضرورة اذا كان عالماً بالاباحة كان
ماخوذاً كذا قال محمد رحمه الله تعالى -

(۳) کھڈر کا استعمال فی نفسہ مباح ہے لیکن اس نیت سے پہننا جو سوال میں مذکور ہے ممنوع ہے کہ مباح
اشیاء کا استعمال اچھی نیت سے مستحسن ہے اور بُری نیت سے مکروہ۔
(۴) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی نیت سے نہ قانون نمک کے توڑنے کا حکم دیا گیا نہ یہ
ارشاد مبارک کا مقصود ہے کہ اگر کوئی حکومت نمک پر محصول لے تو اس کی مخالفت کر کے ایسے قانون کو
توڑ دیا جاوے غرض بہر حال مذکور محض کذب ہے۔ فقط

محمد منظر اللہ عفرلہ

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(نوٹ) یہ فتویٰ تقریباً ۱۹۳۰ء/۱۳۴۹ھ میں لکھا گیا تھا۔ سید رئیس احمد جعفری نے اپنی کتاب "اوراق گم گشتہ"
کے صفحات ۳۲۶ تا ۳۳۱ پر اس فتوے کو نقل کیا تھا، ہم نے یہ فتویٰ وہیں سے نقل کیا ہے۔
(مرتب)

فتاویٰ منظمی

جلد دوم

سخن ہائے گفتنی

۱۰

پروفیسر محمد مسعود احمد

اس سے قبل کہ ہم حصہ دوم کے پہلے باب کا آغاز کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تہیذا کچھ عرض کریں۔ حضرت مجیب علیہ الرحمہ سے مسلک دیوبند سے متعلق بعض علماء کے بارے میں چند فتوے لٹے گئے تھے جو پہلے باب میں شامل کر دئے گئے ہیں۔ جس زمانے میں یہ فتوے لٹے گئے ان حضرات کے اقوال عوام و خواص میں مشہور تھے، اس لئے سوالات میں ان کا ذکر کرنا تحصیل حاصل سمجھا گیا اور جوابات میں بھی ان کا ذکر نہیں صرف ان پر حکم لگایا گیا ہے، لیکن اب حالات قدرے مختلف ہیں، سوالات و جوابات میں ابہام محسوس ہوتا ہے اس لئے مناسب سمجھا کہ بعض اہم اقوال نقل کر دیئے جائیں۔ ہم ان علماء کی بعض کتابوں سے صرف وہی اقتباسات پیش کریں گے جن سے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی کسبِ شان اور تنقیص کا پہلو نکلتا ہے اور جن کی تائید یا تاویل ان علماء نے کی ہے جن کے متعلق سوالات میں استفسار کیا ہے، طبقاتی کشمکش، تعصب و تنگدلی اور مناظرہ و مجادلہ کے ذوق و شوق سے بالا تر ہو کر، کم مائیگی اور تہی دامانی کے شدید احساس کے ساتھ ہم چند آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ پیش کریں گے جن سے ان اقوال کی تردید ہوتی ہے۔ حاشا و کلا اس سے کسی کی دل آزاری یا تحقیر و تنقیص مقصود نہیں ہے۔

فقیر شہر کی تحقیر، کیا مجال مری

مگر یہ بات کہ میں ڈھونڈتا ہوں دل کی کشاد

یہ محض اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ حضرت مجیب علیہ الرحمہ نے ان اقوال پر (جو سوائے مذکورہ نہیں) صرف احکام لگائے ہیں ان کے متعلق دلائل و براہین بیان نہیں فرمائے کیوں کہ جواب میں وہی کچھ ہوتا ہے جو سوال میں پوچھا

جاتا ہے اس لئے اس قسم کے جوابات میں ابہام کو دور کرنے کے لئے ضروری تشریح کی گئی تاکہ قارئین کرام کسی الجھن میں مبتلا نہ رہیں۔

حیات طیّہ کا یہ المیہ ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ قدس کو مناظرہ و مجادلہ کے لئے موضوعِ سخن بنالیا گیا اور اظہارِ خیال اور اسلوبِ بیان کے وہ وہ پیرائے اختیار کئے گئے جو نہ قرآنِ کریم میں دیکھے گئے اور نہ احادیث میں پائے گئے۔ صحابہ کرام اور سلفِ صالحین محبت کے پتلے تھے انہوں نے محبت کے طفیل سب کچھ پایا، ہماری فطری جبلتوں کے رشتہ نشین و محبت کو برباد کر دیا اور افسوس ہم کو احساسِ ناکث رہا۔

وائے نادانی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ نیاں جاتا رہا

پاکے ہند میں مسلکِ یوبند کے علماء نے چون کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی حمایت و تائید کی یہاں سے ہم ان کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

شیخ نجدی ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوئے، ۱۱۴۳ھ میں مدینہ منورہ کو خیرباد کہہ کر مشرقی علاقے میں چلے گئے اور اپنی تحریک کا آغاز کیا، ۱۲۰۶ھ میں تقریباً ۹۲ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

شیخ مذکور کے بعض اقوال سید احمد بن زینی وعلان مکی نے اپنی تالیف "الدر السنیہ" (۱۲۹۸ھ) میں نقل کئے ہیں ہم اسی کتاب سے چند اقتباسات نقل کریں گے۔

①

شیخ نجدی خطبہ جمعہ میں کہا کرتے تھے :-

من تو تسل بالنبی فقد كفر۔ (الدر السنیہ، مطبوعہ منظر عام پریس، پشاور)

جس نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنایا اس نے کفر کیا۔

اقول

وسیلہ کے سلسلے میں اگر اس آیت کریمہ کو بغور مطالعہ کیا جائے تو مسئلہ سمجھ میں آجاتا ہے :-

ومن الاعراب من یؤمن باللہ والیوم الآخر ویخذ ما ینفق قریت عند

اللہ وصلوات الرسول الا انہا قریۃ لہم سید جلمہ اللہ فی رحمتہ

ان اللہ غفور رحیم (توبہ - ۹۹)

اور بعض اہل دیہات ایسے بھی ہیں جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ سے قرب

کرتے ہیں اس کو عند اللہ قرب حاصل ہونے کا ذریعہ اور رسول کی دعا کا ذریعہ بناتے ہیں ان کو بھی

کہ ان کا خرچ کرنا ان کے لئے موجب قربت ہے، ضروران کو اللہ اپنی رحمت میں داخل کریں گے،
اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے اور رحمت والے ہیں۔

ذات اقدس جناب منالہ آب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لئے وسیلہ مغفرت و نجات سمجھنا تو اور بات ہے یہاں تو
یہ فرمایا جا رہا ہے کہ جو یہاں انفاق زر کو اللہ سے نزدیکی و قرب اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا طلبی کا
وسیلہ بناتے ہیں ان کو قرب رحمت سے نوازا جائے گا۔

(۲)

مسجد نبوی کے میناروں پر مؤذنین کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھنا شیخ نجدی پر سخت
گراں تھا، چنانچہ اسی جرم وفا کی پاداش میں ایک نابینا مؤذن کو شہید کیا گیا، شیخ دحلان اس واقعہ کو اس
طرح نقل فرماتے ہیں:-

وكان ينهى عن الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم ويتأذى من سماعها و
ينهى عن الاتيان بها ليلدة الجمعة وعن الجهر بها على المنائر ويؤذى من يفعل
ذلك ويعاقبه اشد العقاب حتى انه قتل رجلا اعنى كان مؤذنا صالحا ذا
صوت حسن نهاه عن الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم، فامر بقتله فقتل
ثم قال ان الربابة في بيت الخاطنة يعنى الزانية اقل اثامها ينادى بالصلاة
على النبي صلى الله عليه وسلم في المنائر. (ص- ۴۵ و ۴۶)

(ترجمہ) (شیخ نجدی) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھنے سے روکتے تھے اور اس کو گنہگار
تکلیف دیتے تھے۔ اور شب جمعہ کو روضہ انور پر عافری سے منع کرتے تھے، مسجد نبوی کے
میناروں پر باواز بلند درود و سلام پڑھنے سے بھی روکتے تھے جو ایسا کرتا تھا اس کو تکلیف ہی نہیں
سخت سے سخت سزا دیتے تھے۔ چنانچہ مسجد نبوی میں ایک نابینا مؤذن تھا جس کی بڑی سر بل آواز
تھی اس کو مینارہ مسجد پر درود و سلام پڑھنے سے روکا، جب نہ مانا تو اس کے قتل کا حکم دے
دیا چنانچہ اس کو قتل کر دیا گیا۔ پھر شیخ نجدی نے کہا کہ زانیہ کے گھر سے ساز کی آواز سننا اتنا
بڑا گناہ نہیں جتنا مسجد نبوی کے میناروں سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کی آواز
سننا گناہ ہے۔ (معاذ اللہ)

اقول

شیخ نجدی کا یہ عمل خدا جاننے کن جذبات کے تحت تھا، جو نہایت تعجب خیز اور افسوس ناک ہے۔ آں
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھنے کی جس آیت میں بلا تعدی نشست و برخواست اور مکان مقام تلقین
کی گئی ہے وہ ہر عالم عامی جانتا ہے:-

ان الله، وملئكته يصلون على النبي يا ايها الذين امنوا صلوا عليه وسلموا
تسليماً. (احزاب-۳۳)

بیشک اللہ اور فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر اور ایمان والوں تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام
بھیجا کرو۔

آیت مذکورہ کے بعد ہی یہ آیت آتی ہے :-

ان الذين يؤذون الله، ورسوله لعنهما الله، في الدنيا والاخرة واعد لهم
عذاباً مهيناً. (احزاب-۳۴)

بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ دنیا و آخرت میں ان پر لعنت کرتا ہے اور
ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

آیت اوٹی میں حق جل مجدہ نے سرکارِ دو عالم پر درود و سلام پڑھنے کی تلقین فرمائی، سیاق و سباق سے آیت ثانی کے
معنی واضح ہیں کہ جس نے درود و سلام پڑھنے میں بخل سے کام لیا تو یہ بات اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی
ایذا دہی کا باعث ہے، اور اس کی سزا یہ ہے کہ دنیا و آخرت میں اس پر اللہ کی لعنت ہو اور انجام کار وہ خوار کرنے
والے عذاب میں مبتلا کیا جائے۔

جس پیکرِ قدسی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کو جل مجدہ مومنین کے لئے وجہِ راحت و سکون فرمائے "صل علیہم
ان صلوتک مسکن لہم" اس ذاتِ ستودہ صفات پر درود و سلام نہ بھیجنا حد درجہ تنگ دل ہے۔

(۳)

شیخ بخاری، آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف ایچی سمجھتے تھے جس کا کام یہ ہے کہ بادشاہ کا پیغام قوم تک پہنچا
دے اور بس۔ چنانچہ شیخ دحلان فرماتے ہیں :-

فمنها ان يقول انه طامش وهو في لغت اهل المشرق بمعنى الشخص المرسل
من قوم الى اخرين فمراده انه صلى الله عليه وسلم حامل كتيب غاية امره
كالطامش الذي يرسله الامير او غيره في امر الاناس ليبلغهم ايات
ثم ينصرف - (ص-۴۷)

انہیں کے اقوال میں ایک یہ قول ہے کہ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایچی ہیں، اہل مشرق کی لغت میں
طامش کے معنی اس شخص مرسل کہے ہیں جو ایک قوم کی طرف سے دوسری قوم کے پاس بھیجا جاتا ہے۔ شیخ
بخاری کی اس سے مراد یہ ہے کہ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حامل کتاب اللہ میں یعنی ان کی ادائے فرض
کی فائیت ہی ہے جو ایک ایچی کی ہوتی ہے جس کو بادشاہ وغیرہ ایک قوم کے پاس پیغام رسائی کے لئے
بھیجتے ہیں پھر اس کا کام ختم ہو جاتا ہے۔

اقول

شیخ بخدی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو طارش (ایلیچی) کہہ کر جو بات بلکی کی ہے وہ ایک صاحب ایمان سے متوقع نہیں ہو سکتی، جب قرآن پاک میں دوبار رسالت کے آداب کی فہرست نظر سے گزرتی ہے (جس کو آگے چل کر مناسب مقام پر ہم بیان کریں گے) تو آنکھیں کھل جاتی ہیں یہ آداب ہرگز ایک ایلیچی کے لئے نہیں ہو سکتے، یہ تو نائب سلطان ہی کو زیبہ سیتے ہیں۔

قرآن پاک کی متعدد آیات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حق جل مجدہ کی تابعداری اور نافرمانی کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری اور نافرمانی اپنا ایک الگ مقام رکھتی ہے، اسی لئے احسانات الہیہ کے ساتھ احسانات نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ایک علیحدہ حیثیت ہے۔ یہ آیات ملاحظہ ہوں :-

وما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله امرا ان يكون لهدر
الخير من امرهم من يعصى الله ورسوله فقد ضلّ ضلالمبيناه واذ تقول
للذي انعم الله عليه وانعمت عليه الاية۔ (احزاب - ۳۶)

اور کام نہیں کسی ایمان دار مرد کا اور نہ ایمان دار عورت کا جب کہ مقرر کر دے اللہ اور اس کا رسول کوئی کام کہ ان کو رہے اختیار اپنے کام کا اور جس نے نافرمانی کی اللہ کی اور اس کے رسول کی سو وہ راہ بھولا صریح چوک کر۔ اور جب تو کہنے لگا اس شخص کو جس پر اللہ نے احسان کیا اور تو نے احسان کیا الخ۔

قرآن پاک کی اکثر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت درحقیقت مولیٰ تعالیٰ کی اطاعت ہے، پھر یہ اطاعت برائے اطاعت الہیہ ہی مقصود نہیں بلکہ فی نفسہ بھی مقصود ہے اسی لئے اطاعت الہی اور اطاعت رسول کی جزا الگ الگ ہے :-

ومن يقنت منكن لله ورسوله وتعمل صالحا نؤتها اجرها مرتين۔

(احزاب - ۳۱)

اور جو کوئی تم میں اطاعت کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور عمل کرے اچھے دیویں ہم اس کو اس کا ثواب دوبار۔

اس آیت میں لفظ "مرتين" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انفرادی شان کی غمازی کرتا ہے، دوہری اطاعت کا صلہ بھی دوہرا ہی ہونا چاہیے، اگر سرکار والا تبار صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت صرف ایلیچی کی ہوتی تو پھر اطاعت کیسی اور جزا کیسی؟

قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی میکانکی پیروی کا داعی نہیں کہ وہ محض ناپائیدار وناستحکم ہوتی ہے بلکہ تو شارع علیہ السلام سے محبت و عشق پیدا کرانا چاہتا ہے، ایسی محبت جو کائنات سے بے نیاز کر دے۔

ع حیات کیا ہے، خیال و فکر کی مجزوبی

ایسی بے نیازی جس طرح محبت الہی بے نیاز کر دیا کرتی ہے عقل ان کا ان آباؤ کلمہ آیتاؤ کلمہ اللہ، محبت کے طفیل جو جذبہ اتباع پیدا ہو سکتا ہے وہ بغیر محبت محض ظارشی سمجھ لینے سے نہیں پیدا ہو سکتا۔ یہاں طرف سے ماننے سے کام نہیں بنتا، چاہنا بھی ضروری ہے، اور چاہت ہی پر قسموں کے فیصلے ہوا کرتے ہیں۔ علامہ محمد عبدالباقی رحمۃ اللہ علیہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں :-

من لم یروایۃ الرسول علیہ السلام فی جمیع احوالہ ولم یرفضہ فی
ملکہ لایذوق حلاوۃ سنتہ۔ (تصحیح العقائد، ص-۳۲)

جو ہر حال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا والی اور اپنے آپ کو حضور کی ملک سمجھے وہ سنت نبویہ کی
حلاوت سے اصلاً خبردار نہ ہوگا۔

یہاں جملہ معترضہ کے طور پر ایک بات عرض کرنا چلوں کہ شیخ نجدی اور ان کے متبعین کی کتابوں کے مطالعہ سے اس میں شک نہیں حتیٰ جل و علا کی وحدانیت و عظمت کا شدید احساس ہوتا ہے مگر اسی کے ساتھ ساتھ قاری کے ذہن پر آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، انبیاء علیہم السلام اور سلف صالحین کی بے بسی و بیکسی کا جو نقش مرسم ہوتا ہے وہ روح قرآن کے یکسر منافی ہے، قرآن عظیم کو پڑھ کر ایک طرف حق تعالیٰ کا نقش کبریائی دلوں پر ابھرتا ہے تو دوسری طرف سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت و رسالت اور مجبوتیت و عظمت کا سکہ دل پر بیٹھتا ہے۔

ایک سرستی و حیرت ہے سراپا تاریک

ایک سرستی و حیرت ہے تمام آگاہی

ہمارے خیال میں مسئلہ رسالت پر اگر دانش برہانی سے غور و فکر کیا گیا تو نتائج اتنے ہی شگرتاںک ہو سکتے ہیں جو ایس کے انداز فکر نے پیدا کئے اور جس کا ذکر شرح و بسط کے ساتھ قرآن کریم میں موجود ہے۔ اللہ کے آگے بھگنا کچھ اتنا مشکل نہیں محبت کا اندازہ تو اسی وقت ہوتا ہے جب محبوب جھتی اپنے محبوبوں کے آگے جھکنے کا حکم دیتا ہے یہ امتحان بڑا کھٹن ہے، یہاں شخصی "انا" کو سخت صدمہ پہنچتا ہے، اسی "انا" کو "فنا" کرنا مقصود قرآن ہے

ع ح کی جڑ سے فنا تو نے تو ہم تیرے ہیں

فی الحقیقت مسئلہ رسالت پر غور کرنے کے لئے دانش برہانی نہیں بلکہ دانش نورانی کی ضرورت ہے جو ان کی حیرت اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال تعلق و محبت کے بعد پیدا ہوتی ہے، غلاب کہا ہے :-

اک دانش نورانی، اک دانش برہانی ہے دانش برہانی حیرت کی قراقرص

اک شرع مسلمانی، اک جذب مسلمانی

یہی عشق و محبت قرآنی اصطلاح میں جان ایمان ہے

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمان
نہ ہو تو مرد مسلمان بھی کافر و زندیق

(۴)

شیخ نجدی کے دل میں جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف اتنا احترام تھا جتنا کسی قوم کے دل میں اس کے بادشاہ کے بھیجے ہوئے الٰہی کا ہوتا ہے تو ان کو یہاں تک کہنے کی جرأت ہوئی کہ معاذ اللہ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مر گئے ان کی ذات بیکار محض ہے اور ان سے بہتر تو ایک لکڑی ہے جس سے سانپ تو مارا جا سکتا ہے۔
چنانچہ شیخ و حلمان فرماتے ہیں :-

وكان يقول عصاى فذا خير من محمد (العياذ باللہ) لانها ينتفع بها
في قتل الحية ونحوها ومحمد قد مات ولم يبق فيه نفع اصلا وانما هو
طاش و قد مضى - (ص - ۴۷)

شیخ نجدی کہا کرتے تھے کہ میرا یہ عصا محمد سے بہتر ہے (معاذ اللہ) اس لئے کہ اس سے سانپ کو مارنے کا کام لیا جا سکتا ہے اور اسی قسم کے دوسرے کام بھی، اور محمد تو مر گئے اور ان میں مطلقاً کوئی نفع نہ رہا۔ وہ تو ایک لکڑی تھے، چلے گئے۔ (معاذ اللہ، معاذ اللہ)

اقول

مولانا اسماعیل نے تقویۃ الایمان میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جہادِ ظہر کو ”مٹی میں ملنے“ سے جو تعبیر کیا ہے تو وہ خیال بھی اسی قول سے مستنبط معلوم ہوتا ہے اگرچہ بظاہر انہوں نے اس قول کو ایک حدیث پاک سے مستنبط کیا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انتفاعیت و افادیت میں اپنے عصا کو بہتر سمجھنا اور آں حضرت کے پیکر قدسی کو بیکار محض کہنا بڑی جرأت ہے جو ایمان کی مقتضی نہیں۔
نبی کی بات تو نبی کے ساتھ ہے عام مومنین کے لئے بھی قرآن کریم میں حیاتِ طیبہ کی بشارت موجود ہے۔
چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

من عمل صالحا من ذكرا او انثى وهو مؤمن فلنخيبنه حيوۃ طيبة، ولنجزينه
اجره بما حسن ما كانوا يعملون۔ (نحل - ۹۷)

جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو
بالطف زندگی دیں گے۔

یہ بڑی لطف زندگی ہے تعالیٰ اقدس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق و محبت ہی کا نتیجہ ہے، اسی طرح شہداء کے لئے جو حیاتِ باقیہ کا وعدہ فرمایا گیا وہ بھی اسی محبت کے طفیل ہے، موٹی سی بات ہے جس کی محبت کے طفیل زندگی مل رہی ہے وہ کیسے محروم زندگی رہ سکتا ہے۔ آیت کریمہ ولا تقولوا لمن يقتل فی سبیل اللہ الایہ کے تحت

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی تفسیر بیان القرآن میں فرماتے ہیں :-
 اور یہی حیات ہے جس میں انبیاء، شہداء سے بھی زیادہ امتیاز و قوت رکھتے ہیں کہ باوجود سلامتی جسم
 کے بعض احکام میں بھی وہ مثل زندہ کے ہیں۔ مثلاً بعد موت ظاہری کے ان کے ازدواج کا نکاح کسی
 سے درست نہیں ہوتا، ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا، اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ
 بعض اولیاء صالحین بھی اس فضیلت میں شہداء کے شریک ہیں۔

(حاشیہ قرآن کریم، مطبوعہ قرآن مجل، کراچی، ص - ۳۵)

پس جب انبیاء علیہم السلام کے اجساد اطہار کا یہ حال ہے تو ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو سید الانبیاء اور خاتم النبیین ہیں
 ان کے جسد اطہار کی کیا کیفیت ہوگی، وہ جان پاک جس کے لئے قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔
 لعمرک انہم لعی سکر تہم یعمہون (ہجر - ۷۲)
 قسم ہے تیری جان کی وہ اپنی مستی میں مدہوش ہیں۔

اس لئے یہ کہنا کیسی بے باکی ہے :-

و محمد قد مات ولم یبق فیہ نفع اصلاً۔ (نعوذ باللہ)

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی ایک تالیف "کتاب التوحید" کے نام سے مشہور ہے اس میں بعض کلمات ایسے
 ملتے ہیں جن میں ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب رضا طلبی کو ہٹم و عدوان سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۵)

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بعض صحابہ منافقین و مشرکین کی ایذا رسانیوں سے پریشان ہو کر دربار رسالت میں
 فریاد لے کر آئے تو جناب رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے تو اضعاف فرمایا کہ فریاد تو اللہ سے ہونی چاہیے مجھ سے نہیں
 ظہرائی کی یہ حدیث پیش کر کے صاحب کتاب التوحید نکات بیان فرماتے ہیں، اور جو تھا نکتہ یہ نکالتے ہیں :-
 الرابعة ان اصلہ الناس لو یفعلہ امرضاء لخیرو صا من الظالمین۔

(کتاب التوحید، مطبوعہ لاہور، ص - ۵۳)

جو تھی بات یہ معلوم ہوئی کہ غیر اللہ کی رضا جوئی کے لئے اگر مصلح ترین انسان بھی ایسی غلطی کرے تو وہ بھی
 گنہگاروں میں سے ہو جاتا ہے۔

اقول

شاید شیخ نجدی کی نظر سے یہ آیت نہیں گزری اور گزری بھی ہو تو وہ بات پیدائش ہو سکتی ہو مطلوب تصور قرآن

ترے ضمیر پر جب تک نہ ہو نزول کتاب
 گرہ کشا ہے نہ رازی صاحب کشاف

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے :-

يَخْلُقُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيَرْضَوْكُمْ وَاللَّهُ وَسْوَ لَهٗ اِحْق ان يَرْضَوْا ان كانوا مومنين

(توبہ-۶۲)

قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تمہارے آگے تاکہ تم کو راضی کریں اور اللہ کو اور اس کے رسول کو بہت ضرور ہے راضی کرنا اگر وہ ایمان رکھتے ہیں۔

حق جل مجدہ نے اپنے خاص طرز عمل سے اپنے بندوں کو بتایا کہ تکمیل ایمان کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کس قدر ضروری ہے، تویں قبلہ کا مشہور واقعہ طلبی رضا کا ایک کرشمہ تو ہے، ایک رخ کیا پھیرا، سارے عالم کے رخ پھیرنے۔

اسے نہ ہے شانِ عبدیت تری تو بدھ ہے ادھر خدائی ہے

ارشاد ہوتا ہے :-

قد نرأى تقلب وجهك في السماء فلنولينك قبلة ترضاها فول وجهك شطر المسجد الحرام وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره (بقرہ-۱۲۴)

ہم آپ کے منہ کا یہ بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں اس لئے ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں گے جس کے لئے آپ کی مرضی ہے، پھر اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف کیا کیجئے اور تم سب لوگ جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہروں کو اسی کی طرف کیا کرو۔

سورۃ ضحیٰ میں تو صاف صاف ارشاد ہوتا ہے :-

ولسوف يعطيك ربك فترضى (ضحیٰ-۵)

اور عنقریب آپ کا پروردگار دے گا کہ آپ راضی ہو جائیئے

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا گیا :-

لعلك ترضى (طہ-۱۳۰)

شاید آپ راضی ہو جائیں۔

جس ذات اقدس کی رضا و خوشنودی حق تعالیٰ کو منظور و مطلوب ہو، اس کی رضا جوئی تو عین بندگی ہے۔
 نہ معلوم شیخ نجدی نے صحابہ جیسے محمود و مقبول بندوں کو گنہ گاروں اور ظالموں میں کیسے شمار کر لیا۔

(۶)

ابوداؤد شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا :-

فات تسليمكم ليلغني اين كنتم

کیوں کہ تم جہاں بھی ہو گے تمہارے بھیجے ہوئے درود مجھ کو پہنچ جائیں گے۔

اس حدیث پاک سے شیخ نجدی یہ نکتہ نکالتے ہیں :-

بان صلوة الرجل وسلامه عليه يبلغه وان بعد فلا حاجة الي ما يتوهمه
من اراد القرب - (ص - ۸۲ و ۸۳)

یوں کہ ہر جگہ سے صلوة و سلام حضور کو پہنچ جاتا ہے اس واسطے خیال قریب ہم محض ہے -

اقول

استدلال استنباط کی اگر یہی صورت ہے تو پھر تقریباً الہی کا خیال بھی عبث محض ہے کیوں کہ اس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں — ہمارے خیال میں اس حدیث شریف میں بہجوروں کے لئے خوشخبری، دلاسا اور تشفی ہے کہ وہ جہاں بھی ہوں گے ہم ان کے قریب ہوں گے - خود صحابہ کرام حاضر ہوتے اور بڑے رقت انگیز مناظر دیکھنے میں آتے، عہد فاروقی میں حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ دیار شام سے جس الہانہ انداز سے مرقدا نور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے ہیں اس کیفیت کو پڑھ کر تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑتے ہیں، ابن عساکر ابوداؤد سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

واني قبر النبي صلى الله عليه وسلم فجعل يبكي عنده ويبرغ وجهه عليه

فاقل الحسن والحسين رضي الله عنهما فجعل يضمهما ويقبلهما الخ

(تصحیح العقائد - ص - ۱۱۹)

روضہ اقدس پر حاضر ہوئے، قبر شریف کے پاس پہنچ کر (بے اختیارانہ) روئے اور اپنا چہرہ قبر شریف سے ملنے لگے، اتنے میں حضرت امام حسن و حسین (علیہما السلام)، تشریف لے آئے، پس حضرت بلال ان دونوں کو لپٹانے اور چومنے لگے -

ایک عاشق دل نگار اپنے محبوب کے مرقدا نور پر اسی طرح حاضر ہوا کرتا ہے اور اس کے محبوبوں کو اسی طرح لپٹاتا اور چومتا ہے، یہ محبت کی بات ہے اہل محبت ہی سمجھ سکتے ہیں - محبت نا آشنا ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتا کہ مرقدا حانی بلوغ کو نہیں پہنچا -

علامہ ابن حجر مکی آیتہ کریمہ ولو انهما اذ ظاموا الاية سے استدلال کرتے ہوئے جو امر المنظم میں فرماتے ہیں :-

هذا الاية دالة على ترغيب المسلمين للسفر والمشى والحضور في خلة
سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم للاستغفار من الله تعالى وايضا دالة على
الحضور والمشي بعد الانتقال للاستغفار لانه صلى الله عليه وسلم حجب جسده
وروحه بهيئة التي كان قبل وفاته ولم يبدل منه شيء -

یہ آیت مسلمانوں کو طلب استغفار کے لئے حضور کی خدمت میں حاضری کی رغبت پر دلالت کرتی ہے نیز

حنو کی دعائے شریفیہ کے حصول کے لئے بعد وفات حاضری پر دلالت کرتی ہے کیوں کہ بلاشبہ حنو پاک صلی اللہ علیہ وسلم بدن و روح کے ساتھ اس ہیئت پر حیات ہیں جیسے قبل وفات تھے اور آپ میں کچھ تغیر بھی نہیں ہوا۔

اوپر جس حدیث پاک سے شیخ نجدی نے دربار رسالت میں عدم حاضری پر استدلال کیا ہے وہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بعد وفات پر شاہ عادل ہے، اور جب حیات مستحق ہو گئی تو پھر یہاں ان تمام نصوص قطعیہ کا اطلاق کیا جائے گا جس میں دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں مؤدبانہ حاضری کی تحریریں و تشویق کی گئی ہے۔

(۷)

بخاری شریف اور مسلم شریف میں بعض ایسی احادیث ہیں جن میں حنو اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال عشق و محبت کو تکمیل ایمان کے لئے لازمی قرار دیا گیا ہے، کتاب التوحید میں یہ احادیث نقل کی گئی ہیں، مگر نکتہ رس طبیعت نے اپنا گل کھلایا ہے، محبت کی بات تھی محبت پر ختم ہو جاتی لیکن ایسا نہ ہوا، یہ نکتہ نکالا :-
ان من اتخذنا داتا مساوی محبتہ محبة اللہ، فهو شرک الا کبر۔
جو محبت میں کسی کو اللہ کا شریک بنا تا ہوا اور اللہ کے برابر اس سے محبت رکھتا ہو وہ اپنے اس فعل کے ذریعہ شرک اکبر کرتا ہے۔

اقول

حدیث پاک میں محبت کے ذکر کے سوا اور کچھ نہ تھا، نہ معلوم شیخ نجدی نے شرک اکبر کا نکتہ کہاں سے نکالا، اس قسم کی باتوں سے شخصیت کی گہرائی میں اترا جا سکتا ہے اور ایک خاص قسم کی نفسیاتی کیفیت کا پورا پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔

یہ تسلیم کہ اللہ کے برابر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہو تو شرک اکبر میں مبتلا ہے، مگر محبت کا یہ سبق خود حق جل مجدہ پڑھائے تو پھر کیا کیا جائے۔ ارشاد ہوتا ہے :-

قل ان کان اباؤکم و ابناءؤکم و اخوانؤکم و انما و اجکم و عشیرتکم و اموالکم
اقترفتمواھا و تجارۃ تخشون کسادھا و مسکن ترضونھا احب لیکم
من اللہ و رسوله و جہاد فی سبیلہ فتر بصوا حتی یاتی اللہ بامرہ و
اللہ لایہدی القوم الفسقین ۛ (توبہ - ۲۴)

آپ کہہ دیجئے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا
کنہ اور وہ مال جو تم نے کما ہے اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو، اور وہ گھر
جن کو تم پسند کرتے ہو، تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے
زیادہ پیار ہے، تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے اور اللہ بے حکمی کرنے والے

لوگوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

آیت مذکورہ میں حق جل مجدہ نے اپنی ذات اور ذات اقدس جناب رسالت مآب سے محبت و عشق کی جو تعلیم دی ہے، اس میں درجہ بندی نہیں فرمائی، بلکہ جو اس بے نیازانہ اور خود فراموشانہ محبت کے لئے تیار نہ ہو اس سے فرمایا جاتا ہے کہ تو عذابِ الہی کا انتظار کر کہ تو حکمِ عدلی کرنے والوں میں سے ہے جن کی لوحِ تقدیر سے حرفِ ہدایت مٹا دیا گیا ہے۔

(۸)

ابن ماجہ کی ایک روایت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم عالم ارفنگی میں آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارکہ میں اکثر فرمایا کرتے تھے جو اللہ چاہے اور جو محمد چاہیں ایک روز آن حضرت نے مصلحتِ وقت کے تحت تو اضعا ایسا کہنے سے منع فرمایا۔ شیخ نجدی اس حدیث پاک سے استدلال کرتے ہوئے قصیدہ بروہ کے مصنف بوسیری علیہ الرحمہ کے مدحیہ اشعار پر سخت گرفت کرتے ہوئے کہتے ہیں :-

قوله صلى الله عليه وسلم اجعلتنى ذلًا فكيف بمن قال "مالي الوديه

سواك" والبيتين بعدة - (ص - ۱۳۳)

حضور کا ارشاد کہ کیا تم نے مجھ کو اللہ کا مشیل بنا دیا ہے۔ تو اس کا کیا حال ہوگا کہ جس نے کہا ہے حضور کے علاوہ میری کوئی جائے پناہ نہیں اور اس کے بعد کے دو شعر بھی ایسے ہی ہیں۔

شیخ نجدی کا اشارہ علامہ بوسیری علیہ الرحمہ کے اس شعر کی طرف ہے ۵

يا اكرم الخلق مالى من الوديه
سواك عند حلول لحادث العمم

اقول

جب شاعر "یا اكرم الخلق" کہہ کر خطاب کر رہا ہے تو پھر شرک کا کونسا شائبہ ہو گیا؟ ذات اقدس جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو مومنین کے لئے جائے پناہ تو حق تعالیٰ نے بنایا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

ولو انهما ذلما وانفسهم جاؤك فاستغفر الله واستغفر لهم الرسول

لو جدد الله قوا باس حيماء

اگر وہ لوگ جس وقت اپنا نقصان کر بیٹھے تھے اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کو بخشواتے تو البتہ اللہ کو پاتے معاف کرنے والا مہربان۔

یہ آن حضرت کے الفاظ مبارکہ نہیں بلکہ شیخ نجدی نے شدت جذبات میں اس کے مفہوم کو اپنے لفظوں میں بیان کیا ہے۔

امور دنیا سے قطع نظر امور عقبیٰ کو دیکھئے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ قیامت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم صیبتِ نوحہ امتیوں کے باعث پناہ ہوں گے، یہ وہ وقت ہو گا جب کسی نبی کے دشمن میں پناہ نہ ملے گی ہاں حضور کے دشمن رحمت میں ضرور پناہ ملے گی اور آپ اپنے امتیوں کی بخشش کے لئے دربار الہی میں حاضر ہونگے اور مقام محمود پر فائز ہوں گے، ترمذی شریف اور دوسری کتب حدیث میں یہ طویل حدیث موجود ہے، پس اگر علامہ ابو میری نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدح میں فرمایا کہ صالی الوذیہ سواک اخرجتہ تو یہ تو قرآن و حدیث کے عین مطابق اور منشاء ربانی کے عین موافق ہے، خود صحابہ کرام سے اس قسم اقوال و اشعار منقول ہیں، چنانچہ پر عزوہ خیر کے موقع پر حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے یہ جزیہ اشعار میں ایک شعر یہ بھی تھا ۵

فاغفر فداء لك ما ابقينا

وابقين مسكينة علينا

تو حضور بخشدیجئے، جو گناہ ہمارے رہ گئے ہیں، ہم حضور

پر قربان، اور ہم پر مسکینہ اتاریئے۔

وثبت الاقدام ان لا قبينا

ونحن عن فضلك ما استغينا

جب ہم دشمن سے مقابلہ کریں تو ہمیں ثابت قدم رکھیں ہم

حضور کے فضل سے بے نیاز نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محسن و مشفق عم محترم حضرت ابوطالب حضور کی شانِ اقدس میں فرماتے ہیں :-

تلوذبه الهلاك من آل هاشم

فهم عندنا في نعمة و فواضل

بنی ہاشم تباہی کے وقت ان کی پناہ میں آتے ہیں، ان

کے پاس نعمت و فضل میں بسر کرتے ہیں۔

(تفصیح العقائد، ص - ۶۱)

اس باب میں جن علما نے دیوبند کے معتقدات کے بارے فتوے لیے گئے ہیں وہ سب ان اقوال کے مؤیدین میں تھے، کسی نے تردید نہیں کی، بلکہ تاویلات سے کام لیا ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی جیسا بھر عالم بھی شیخ نجدی کے ان واضح اقوال کے باوجود ایک سوال کے جواب میں تحریر کرتا ہے :-

محمد بن عبد الوہاب کے معتقدوں کو وہابی کہتے ہیں، ان کے عقائد عمدہ تھے، اور مذہب ان کا جسلی تھا

البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی مگر وہ ادران کے معتدیوں اچھے ہیں، مگر ہاں جو خود سے بڑھ گئے ان

میں فساد آگیا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، مطبوعہ کراچی، ص-۲۳۵)

شیخ نجدی کے جو اقوال اور پیش کئے گئے ان سے قارئین کرام کو اندازہ ہوگا کہ شیخ نجدی اور ان کے متبعین میں سے بڑھ جانے والوں کے زمرے میں شامل تھے، اس سے زیادہ اور کیا ستم ظریفی ہوگی کہ شیخ نجدی کے نزدیک ان کے اور ان کے پیروؤں کے علاوہ سب مشرک تھے اور ان کا قتل باعث حصول جنت، چنانچہ علامہ رحمان فرماتے ہیں :-

وكان يقول لهما في ادعوكما الى الدين وجميع ما هو تحت السبع الطباق
مشرک علی الاطلاق، ومن قتل مشرکاً فله الجنة۔ (ص-۴۸)

پاک ہند میں شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کی تعلیمات سے اہل دیوبند نہ صرف مستفیع بلکہ متاثر بھی ہیں اسی لئے بالعموم لفظ دیوبندی اور وہابی کو مرادفات کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، ہم ان حضرات کی کتابوں سے بھی چند اقوال پیش کرتے ہیں جو پاک ہند میں اس تحریک کے پیشرو ہیں، سب سے پہلے ہم مولانا سید احمد، مولانا اسماعیل مرحوم کی کتاب "صراط مستقیم اور تقویۃ الایمان" سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں :-

(۹)

دانشمند لوگ یہ نہ سمجھیں کہ قرآن میں سے غریب مسائل کے استخراج کا فکر نماز کی تکمیل ہے بلکہ یہ اس کا ناقص کرنا ہے اور اہل مکاشفات یہ خیال نہ کریں کہ نماز میں شیخ کے تصویب اور و اح و فرشتوں کی طاقات کی طرف توجہ کرنا بھی اسی نماز کا حاصل کرنا ہے جو مومنوں کے لئے معراج ہے، نہیں ہرگز نہیں، نماز میں یہ توجہ بھی شرک کی ایک شاخ ہے خواہ وہ خفی ہو یا اضحیٰ۔

(صراط مستقیم، مطبوعہ لاہور، ص-۱۹۹، ۲۰۰)

اقول

مولانا نے اپنی اس تحریر میں حضرت امام ابو حنیفہ اور شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمہما اللہ جیسے برگزیدہ علماء و صوفیہ کو شرک خفی کا مرتکب گردانا ہے، یہ وہ حضرات ہیں جن کی عظمت و شوکت حضرات اہل سنت و اجماعت میں مسلم ہے۔

مفتی حجاز علامہ اشیح شہاب الدین احمد بن حجر ابی تمی المکی (م- ۹۴۳ھ) اپنی تالیف الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان (مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ھ) کی پندرہویں فصل میں حضرت

مولانا اسماعیل اہل مکاشفات کے متعلق ایک جگہ بڑے غضب سے فرماتے ہیں گویا کہ انجام بچشم خود ملاحظہ فرما رہے ہیں :-
"کشف استخارے الی سب اعرف میں داخل ہیں۔"

(تقویۃ الایمان، مطبوعہ کراچی، ص-۵۲)

امام عظیم علیہ الرحمہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :-

وكان اذا اشكلت عليه مسألة قال لا صحابه ما هذا الا لذنوب أحدثته
فيستغفر الله، وما بها قام فتوضأ وصلّى ما كعتين وليستغفر فتفرج له المسئلة
جب آپ کو کسی مسئلے میں مشکل پیش ہوتی تو اپنے رفقاء سے فرماتے کہ یہ اشکال میرے کردہ گناہ کی وجہ
سے ہے پس اللہ تعالیٰ سے طلب استغفار فرماتے اور بسا اوقات کھڑے ہوتے، وضو فرماتے، دو گانہ
ادا کرتے، توبہ استغفار فرماتے تو وہ مسئلہ حل ہو جاتا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نام ان کے مریدین خواجہ محمد شرف اور حاجی محمد فرکینی علیہما الرحمہ نے ایک مکتوب
ارسال کیا جس کا مفہوم حضرت مجددؒ کے الفاظ میں یہ ہے :-

خواجہ محمد شرف در زنی نسبت ابطلہ انوشہ بودند کہ بعد سے استیلا یافتہ است کہ در صلوات آں را
مسجود خودی دانند و می بیند و اگر فرضاً نفی کند و منتفی نمی گردد۔
اس مکتوب کے جواب میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں :-

محب اطوارا ! این دولت متمنائے طلبا بست از ہزاراں مگر یکے را بدہند، صاحب میں معاملہ
مستعد تمام المناست است نخل کہ باندک صحبت مقتدا جمیع کمالات اور اجذب نماید۔ رابطہ را چرانفی
کنند کہ او مسجود الیہ است نہ مسجودہ، چرامحاریب مساجد را نفی نہ کنند؟۔ ظہور این قسم دولت،
سعادت مندان را میسر است تا در جمیع احوال صاحب ابطلہ را متوسط خود دانند و در جمیع اوقات متوجہ
او باشند نہ در رنگ جماعہ بے دولت کہ خود را مستغنی دانند و قبلہ توجہ را از شیخ خود منحرف سازند و
معاملہ خود را بر ہم زنند۔

(مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۳، مطبوعہ دہلی، ص - ۴۵ و ۴۶)

(توجہ) محب اطوار ! یہ دولت (تصور شیخ کی یہ کیفیت) وہ شے ہے جس کی طالبان صادق آرزو رکھتے
ہیں، یہ کیفیت ہزاروں میں سے کسی ایک کو نصیب ہوتی ہے (اس کیفیت) کا حامل فیض معرفت کے
لئے مستعد اور شیخ مقتدا کے ساتھ پوری مناسبت رکھتا ہے ایسے شخص کے متعلق یہ احتمال ہے کہ
صرف چند روزہ صحبت سے اپنے شیخ مقتدا کے کمالات اپنے اندر جذب کر لے۔ نسبت ابطلہ
(تصویر شیخ) کی نفی نہیں کرنی چاہیے کیوں کہ وہ تو مسجود الیہ جس کی طرف سجدہ کیا جائے، ہے نہ
کہ مسجودہ (جس کو سجدہ کیا جائے) (اگر یہی بات ہے تو پھر) مسجدوں کی محرابوں کی نفی کیوں نہیں
کرتے؟ (حالات کہ ان کی طرف بھی سجدہ کیا جاتا ہے)۔ ایسی دولت کا ظہور سعادت مند کو میسر
آتا ہے تاکہ تمام حالات میں صاحب ابطلہ (شیخ مقتدا کو) اور تمام اوقات اسی (شیخ مقتدا)

کی جانب متوجہ ہیں۔ ان بد نصیبوں کی طرح نہیں بنیں جو اپنے آپ کو بے نیاز جانتے ہیں اور اپنی توجہ کا قبلہ اپنے شیخ سے پھیر لیتے ہیں اور اپنے معاملہ طریقت کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔
قارئین کرام نے ملاحظہ فرمایا کہ جس بات کو مولانا سید احمدؒ شکر خفی سے تعبیر کر رہے ہیں، حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نزدیک یہ کیفیت ہزاروں میں سے کسی ایک کو میسر آتی ہے، جو مقبول و محمود ہے مردود نہیں۔ بلکہ ان کے نزدیک اس کیفیت روحانی سے روگردانی کرنے والا بے نصیب اور معاملہ طریقت کو برباد کرنے والا ہے۔

(۱۰)

صراط مستقیم میں ایک جگہ لکھا ہے :-

زنا کے سو سے سے اپنی بیوی کی جماعت کا خیال بہتر ہے، اور شیخ یا اس جیسے بزرگوں کی طرف خواہ جناب سالت آج ہی ہوں اپنی ہمت لگا دینا اپنے بے بی اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے زیادہ بُرا ہے۔ (صراط مستقیم، ص-۲۰۱)

اقول

اس تحریر میں پھر حضرت امام غزالی اور حضرت مجدد الف ثانی جیسے بزرگوں پر طنز کیا گیا ہے، حضرت مجدد کا قول تو اوپر نقل کیا جا چکا ہے، حضرت امام غزالی، احیاء العلوم میں فرماتے ہیں :-
واحضرنی قلبك النبی صلی اللہ علیہ وسلم و شخصہ الکریم و قل سلام علیک ایہا النبی و رحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

التحیات میں پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی صورت پاک کو دل میں حاضر کرو اور پھر کہو السلام علیک ایہا النبی و رحمتہ اللہ وبرکاتہ شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام ڈمیر اقیام بھی حجاب میرا سجدہ بھی حجاب

(۱۱)

مولانا اسماعیلؒ نے تقویۃ الایمان میں بعض مقامات پر کئی حضرات انبیاء علیہم السلام اور حضرات اہل اللہ کو حق جل مجدہ کے سامنے چوڑے چارے سے تعبیر کیا ہے، کہیں ان حضرات کو شیطان، بھوت و پریٹ کی صف میں کھڑا کر دیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں :-

ہمارا جب خالق اللہ ہے تو ہم کو چاہیے کہ ہر کاموں میں اسی کو پکاریں اور کسی سے ہم کو کیا کام جیسے جو ایک بادشاہ کا غلام ہو وہ اپنے کام کا علاقہ دوسرے بادشاہ سے بھی نہیں رکھتا کسی چوڑے چھار کا تو کیا ذکر ہے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں :-

اگر ان میں سے کوئی بات غیر اللہ میں ثابت کی جائے تو شرک ہے کہ اس کو خدا سے چھوٹا ہی سمجھا

جائے اور خدا کی مخلوق اور اس کا بندہ ہی مانا جائے، پھر اس معاملے میں نبی، ولی، جن، شیطان، بیہوت، پریت اور پری وغیرہ سب برابر ہیں۔ (تقویۃ الایمان، ص-۱۴)

(۱۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے سلسلے میں مولینا اسمعیل تقویۃ الایمان میں ایک جگہ لکھتے ہیں :-
اللہ پاک نے آپ ہی سے فرمایا کہ لوگوں کے سامنے اپنا حال بیان فرماؤں کہ مجھے نہ تو کچھ قدرت حاصل ہے اور نہ ہی غیب ہے اہ ہوں، میری قدرت کا یہاں سے اندازہ لگاؤ کہ میں اپنی جان تک کے لئے نفع و نقصان کا مالک نہیں دوسروں کو تو کیا بھلائی برائی پہنچا سکوں گا، اگر میں غیب ہے ان ہوتا تو کام سے پہلے انجام معلوم کر لیا کرتا۔ (تقویۃ الایمان، ص-۲۹)

اقول

قرآن کریم میں بعض آیات وہ ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفعت شان کا ذکر کیا گیا ہے اور بعض آیات وہ ہیں جن میں حق جل مجدہ نے تو اضعاً کچھ باتیں کہلوائی ہیں، اگر اس قسم کی آیات کو تو اضع پر محمول نہ کیا جائے تو رفعت شان الی آیات کو تفاخر پر محمول کیا جائے گا ورنہ تضاد لازم آتا ہے۔ اور ایک ہی شخصیت میں دو متضاد کیفیات کا اجتماع قرین عقل نہیں۔ اس لئے ان دونوں قسم کی آیات میں فرق کرنا ضروری ہے جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے بصیرت قلبی سے نوازا ہے انہوں نے اس فرق کو محسوس کیا ہے۔ چنانچہ آیہ کریمہ

قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب الا یہ (انعام)

آپ کہہ بیٹھے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خزانہ خدا ہیں اور میں غیب جانتا ہوں انج کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب تفسیر خازن تحریر فرماتے ہیں :-

وانما نفی عن نفسہ الشرفیہ ہذہ الاشیاء تو اضعاً اللہ تعالیٰ واعترافاً بالعبودیۃ۔ (تصحیح العقائد، ص-۴۲)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اشیاء کی اپنی ذات میں موجود ہونے کی صرف اس لئے نفی فرمائی کہ آپ کو بارگاہ خداوندی میں تو اضع مقصود تھی اور اپنی بندگی کا اقرار و اعتراف۔

اس قسم کی آیات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بے بسی و بے اختیاری (معاذ اللہ) پر استدلال کرنے کے بجائے یہ معلوم کرنا چاہیے کہ حصول درجات و مراتب عالیہ کے بعد تو اضع و انکساری کتنی ضروری ہے اور اسلامی تہذیب میں اس کی انفرادی اور اجتماعی کیا اہمیت ہے، حق جل مجدہ معلم رسالت مآب ہے سنقر تک فلا تنسوا۔ پس جو بات تو اضعاً سکھائی گئی ہے اس کو حقیقت پر محمول کر لینا مفاہیم و معانی قرآنی کے ساتھ خیانت ہے۔

مولانا اسماعیل تقویٰ الایمان میں ایک جگہ لکھتے ہیں :-

سب کاموں کے مختار کا نام اللہ ہے اور جس کا نام محمد یا علی ہے اس کو کسی بات کا اختیار نہیں۔ (ص ۱۳۳)

اقول

مولانا اسماعیل نے جس پیر قدسی صلی اللہ علیہ وسلم کو بے اختیار و مجبور بتایا ہے حق تعالیٰ اس کو صاحب اختیار قرار دیا ہے اور ان کے مقامات کا اس طرح ذکر فرماتا ہے :-

لا یملکون الشفاعة الا من اتخذ عند الرحمن عهدا۔ (مریم - ۸۷)

نہیں اختیار رکھتے نوگ شفاعت کا مگر جس نے لے لیا ہے رحمن سے وعدہ۔

یہ وعدہ لینے والا کون ہے وہی جس کے فرق اقدی پر تاج شفاعت رکھا گیا ہے :-

عسنى ان یبعثک مراتبک مقاما محمودا۔ (بنی اسرائیل - ۷۹)

قریب سے کہ کھڑا کر دے تجھ کو تیرا رب مقام محمود میں۔

بخاری شریف وغیرہ میں یہ احادیث مذکور ہیں جن میں آل حضرت نے رب تبارک تعالیٰ سے شفاعت کا وعدہ لیا ہے ، یہ اختیار نہیں تو اور کیا ہے ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے محامد و محاسن تو ایک روایت کے مطابق خود حق جل مجدہ نے سورہ دہر (۸۱-۱۲۲) میں بیان فرمائے ہیں، عقبنی میں ان حضرات کو جن ترقیات سے نوازا جائے گا اور جن بندگیوں سے سرفراز کیا جائے گا اس کا عجیب بل آویز نقشہ کھینچا ہے، کہیں ارشاد ہوتا ہے

ولقہم نضرة و سوراہ

(اللہ تعالیٰ، ان کو تازگی اور خوشی عطا فرمائے گا۔

تو کہیں ارشاد ہوتا ہے :-

وسقہم بہم شرا با طہوراہ

اور ان کا ربلن کو پاکیزہ شراب پلائے گا۔

پھر ان کی رحمت و اختیارات کا ذکر اس طرح کیا جاتا ہے :-

اذا ساءت لہم ایت نعیمہا و ملکاً کبیراہ

(اے مخاطب، اگر تو اس جگہ کو دیکھے تو تجھے بڑی نعمت اور بڑی

سلطنت دکھائے دے۔۔

ان حضرات کے متعلق مولانا نے اپنے خیالات کا جس انداز سے اظہار فرمایا ہے وہ حق جل مجدہ ہی کے شان و شوکت

ہیں، کسی انسان کو زیب نہیں دیا کہ وہ اس بیڑی سے ان حضرات کا نام لے اور حق تعالیٰ نے تو نہایت دل آویزی کے ساتھ ان حضرات کی معصومیت اور رفعتِ شان کا ذکر فرمایا ہے، جس سے ان کی عظمت کا احساس ہوتا ہے۔

(۱۴)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب صحابہ کرام نے زمین بوس ہونے کی اجازت چاہی تو آپ نے تو اضعاف فرمایا اپنے بھائی کا احترام کیا کرو۔ یعنی میں تمہارا بھائی ہی ہوں، یہ اخوت و محبت کی بات تھی، کسی طرح اس استدلال صحیح نہیں مگر مولانا اسماعیل نصوص قطعہ کی موجودگی میں حدیث مذکور سے یہ عجیب و غریب نتیجہ نکالتے ہیں :-

معلوم ہوا کہ جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں، خواہ انبیاء ہوں یا اولیاء ہوں وہ سب کے سب اللہ کے بے بس بندے ہیں اور ہمارے بھائی ہیں مگر حق تعالیٰ نے انہیں بڑائی بخشی تو ہمارے بڑے بھائی کی طرح ہوئے۔ (تقویۃ الایمان، ص ۶۰)

اقول

مولانا اسماعیل نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑے بھائی کا رتبہ دیا ہے مگر قرآن کریم تو باپ کہنے کی بھی ممانعت فرما رہا ہے چہ جائے کہ بھائی کہنا! ارشاد ہوتا ہے :-

ما کان محمد اباً احد من رجالکم ولکن رسول اللہ ونہاتم النبیین۔
نبی تم میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، وہ تو اللہ کے رسول ہیں اور (رسول کیسے) خاتم النبیین۔

بلکہ یہاں تک فرمایا :-

النبی اولی بالمؤمنین من انفسہم وانما واجہ اممہا تہمد۔ (احزاب - ۶)

نبی مؤمنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور آپ کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔

اوتیٰ اقرب کے معنی میں بھی آتا ہے، اس معنی کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس آیت کی تلاوت کی جائے و سخن اقرب الیہ من جبل الوردین تو آیت مذکورہ میں ایک عجیب روشنی نظر آتی ہے۔

آیت ثانی کی رو سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات مؤمنین کی مائیں ہو سکتی ہیں مگر نبی باپ نہیں ہو سکتا حالانکہ یہاں تو قیاس چاہتا تھا کہ نبی کو باپ ہی ہونا چاہیے مگر قرآن حکیم نے اس عقلی استدلال کو مطلقاً رد کر دیا اور صاف صاف اعلان کر دیا کہ نبی تو رسول اللہ اور خاتم النبیین ہے، ذوات مؤمنین سے

اس کی قربِ نزدیکی کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ ہاں ان کی بیویاں تمہاری مائیں ہیں مگر دیکھنا ان کو عام ماؤں کی طرح نہ سمجھ لینا :-

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لَسْتَ مِنَ النِّسَاءِ اِنَّ النِّسَاءَ اِنَّ النِّسَاءَ اِنَّ النِّسَاءَ (احزاب - ۳۲)

اسے نبی کی عورت تو تم نہیں ہو جیسے ہر کوئی عورتیں اگر تم ڈر رکھو۔

(۱۵)

تقویۃ الایمان میں ایک جگہ مولانا اسماعیل تحریر کرتے ہیں :-
بشر رسول بن کر بھی بشر ہی رہتا ہے ————— نبی بن کر بشر میں خدائی شان نہیں آجاتی —
بشر کو بشریت ہی کے مقام پر رکھو (ص - ۶۲)

اقول

حق تعالیٰ نے اسی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام بشریت سے مقام رسالت پر فائز کیا اور پھر خاتم النبیین کے مقام رفیع پر سرفراز فرمایا، اس سرفرازی و سربلندی کو دیکھتے ہوئے ایک اہل ایمان کو تو یہ کہنا چاہیے کہ رسول بشر ہوتے ہوئے بھی رسول ہی رہتا ہے، رسول بن کر وہ صفات الہیہ سے متصف ہوتا ہے، رسول کو رسول ہی کے مقام پر رکھو۔ مشرکین یوں نے بشر کو بشریت ہی کے مقام پر رکھا۔ اس لئے وہ ایمان جیسی متاع گراں بہا سے محروم رہے، قرآن حکیم میں شہادتیں موجود ہیں مگر جن حضرات نے حقیقت محمدیہ اور مقام رسالت کی عظمتوں کو سمجھ لیا اور دیکھ لیا وہ دولت ایمان سے سرفراز ہوئے، پس عظمت انبیاء کا احساس جزو ایمان ہے، اسی لئے قرآن کریم نے متعدد مقامات پر، ابتداء سے لے کر انتہا تک، عظمت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار بار بیان کیا ہے تاکہ نقش عظمت دل پر ترسم ہو جائے۔

مولانا اسماعیل کے مذکورہ بالا اقوال کی وجہ سے اہل سنت و الجماعت کا ایک بڑا طبقہ بد دل ہو گیا، لیکن بعض علماء نے ان اقوال کی پر زور تائید کی اس لئے جانب مخالف کی بددلی میں اضافہ ہوتا چلا گیا، ورنہ چاہیے تو یہ تھا کہ جن اقوال سے شان رسالت مآب میں ذرا بھی تنقیص کا پہلو نکلتا ہو اس کو قلم زد کر دیا جاتا یہ خود صاحب کتاب کی دنیا و ماقبت کے لئے بہتر ہوتا، افتراق و بیچینی نہیں بھیتی اور بددلی ختم ہو کر وحدت کا سماں سامنے آتا مگر ایسا نہیں کیا گیا دور از کار تاویلات سے کام لیا گیا، مثلاً ہم مولانا گنگوہیؒ کے دو فتوے نقل کرتے ہیں :-
(۱) سائل نے مولانا اسماعیل کے اس قول کے بارے میں استفسار کیا :-

یہ یقین جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہوا چھوٹا وہ خدا کی شان کے آگے چہارے سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔

مولانا گنگوہی جو اب فرماتے ہیں :-

اس عبارت سے مراد حق تعالیٰ کی بے نہایت بڑائی ظاہر کرنا ہے۔

(ب) مولانا اسماعیل کے اس قول کے بارے میں استفسار کیا گیا جو انہوں نے ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے اپنے دل سے کہے تھے :-

”یعنی میں بھی ایک دن سر کر مٹی میں ملنے والا ہوں تو کیا سجدہ کے لائق ہوں۔“
مولانا گنگوہی فرماتے ہیں :-

مٹی میں ملنے کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ مٹی ہو کر مٹی زمین کے ساتھ خلط ہو جائے — دوسرے مٹی سے طاقی اور متصل ہو جانا یعنی مٹی سے مل جانا تو یہاں مراد دوسرے معنی ہیں۔

(فتاویٰ رشیدیہ، ص-۸۴)

اس قسم کی تاویلات سے شدید رد عمل پیدا ہوا اور بعض علماء نے کفر کے فتوے بھی دئے، چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ میں اس سوال کے جواب میں کہ مولانا اسماعیل کو کافر کہنے والوں کے ساتھ کیا برتاؤ رکھا جائے، مولانا گنگوہی فرماتے ہیں :-
مولانا محمد اسماعیل صاحب کو جو لوگ کافر کہتے ہیں بتا دیں کہتے ہیں اگرچہ وہ تاویل ان کی غلط ہے لہذا ان لوگوں کو کافر کہنا اور معاملہ کفار کا سامنا کرنا چاہیے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص-۸۴)
مولانا گنگوہی نے تاویل کا ذکر فرمایا حالانکہ خود مولانا اسماعیل نے تاویل کی مطلق گنجائش نہیں چھوڑی۔

(۱۶)

ابتداء میں اقم مولینا کے اقوال کو ان کی فطری سخت گیری اور ماحول کے شدید رد عمل کا نتیجہ سمجھتا تھا اور یہ خیال کرتا تھا کہ اگر مولینا کو ان کی زندگی میں اس طرف متوجہ کیا جاتا تو شاید وہ رجوع کر لیتے اور اپنے اقوال کی سمیت کو ختم کر دیتے لیکن ملا بغدادی کے نام مولینا کے مطبوعہ خط کو دیکھ کر سخت تعجب اور افسوس ہوا، ملا بغدادی نے تقویۃ الایمان (مراد الاشراف) کے انداز بیان کی تلخی کو محسوس کرتے ہوئے مولینا کو لکھا تھا :-

ان تساوی الاصنام وجميع الناس والانبیاء فی باب المخلوقیة وعدم الاختیار وان کان حقاذا اخلا فی العقیدة لکنہ نوع من سوء الادب۔

(تقویۃ الایمان، ص-۲۷۰)

خدا کی مخلوق ہونے اور بے اختیار ہونے میں بتوں اور عوام کو انبیاء کے برابر کر دینا اگرچہ حق ہے اور عقائد میں داخل ہے مگر ایک قسم کی بے ادبی اور گستاخی ہے۔

مولانا اسماعیل مذکورہ بالا قول نقل کرتے ہوئے ملا بغدادی کو لکھتے ہیں :-

والعجب کل العجب من جنابکم انکم اقربتم ان لهذا الامر حق داخل فی العقیدة ثم قلتم انه سوء الادب — اذا کان ثابتاً من البراہین داخل

فی لعقیدة کیف يتصور انه سوء الادب وکلامکم لشیرائی اجتماع الضدین مجھے آپ پر سخت تعجب ہے کہ آپ یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ میری بات معقول ہے اور عقیدے میں

بھی داخل ہے پھر آپ اس کو بے ادبی پر محمول کرتے ہیں، ذرا غور تو فرمائیے کہ جب یہ بات مدلل و معقول ہے اور عقیدے میں بھی داخل ہے تو پھر بے ادبی کے کیا معنی ہوئے؟۔ آپ کے کلام میں اجتماع ضدین لازم آتا ہے۔

اقول

مولانا کی اس تحریر سے یقین ہو جاتا ہے کہ جو کچھ انہوں نے تحریر کیا اس کی صداقت و معقولیت پر ان کو پورا پورا یقین و اصرار تھا۔ حقیقت آداب دلائل منطقیہ سے بالاتر ہے، انبیاء علیہم السلام کا مقام تو بہت ہی ارفع و اعلیٰ ہے اگر مولینا کے متذکرہ بالا اقوال کی روشنی میں ان سے کہا جاتا کہ آپ اپنے مرشد و پیشوا کے حضور بھری مجلس میں تو فرمادیں :-

”توح حق تعالیٰ کے سامنے اتنا ہی بکس و مجبو ہے جتنا شیطان، جن، بھوت، پری، دیو اور اسے

تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے سامنے چوڑے اور چہار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔“

ہمارا خیال ہے کہ مولینا کو ہرگز یہ جرأت نہ ہوتی کہ وہ اس قسم کے ناشائستہ اور نازیبا الفاظ اپنے کرم و محرم پیشوا کے سامنے فرماتے، پس حضرات انبیاء علیہم السلام اور خصوصاً سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس قسم کے الفاظ استعمال کرنا کتنی بڑی جرأت ہے۔

قرآن کریم نے تو بتوں کی تنقیص کی ممانعت فرمائی ہے، حالانکہ عقلا وہ مستحق تنقیص ہیں، اسی طرح کسی شخص کی ایسی بُرائی جو نفسِ لامر میں اس کے اندر پائی جاتی ہو، اس کو پس پردہ بیان کرنے کو غیبت کہا ہے اور اس کے قائل کے لئے ارشاد ہوا :-

ایجب ان یا کل لحما خید مية فکر ہتموہ ۔

کیا تم پسند کرو گے کہ مردہ بھائی کی لاش کھا لو، ہرگز پسند نہ کرو گے۔

اس کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ نفسِ لامر میں جب عیوب موجود ہیں تو پھر ان کے بیان میں کیا مضائقہ ہے لیکن آداب معاشرت اور آدابِ بین کا تقاضا یہ ہے کہ کسی کی تنقیص شان ہوتی ہو تو نفسِ لامر سے معائب کو بھی بیان نہ کیا جائے۔ جب عامۃ الناس کے لئے قرآن حکیم یہ آداب سکھاتا ہے تو پھر قارئینِ کرام انازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کیا کچھ آداب بتائے ہوں گے۔ ع

حرف پریشاں نہ کہہ اہل نظر کے حضور

یہاں تفہیم مدعا کے لئے قرآن کریم سے دربار رسالت کے چند آداب کا ذکر کیا جاتا ہے، جن سے معلوم

ہوگا کہ ہم کو اس دربار میں کتنا مؤدب رہنا ہے، یہ دربار ہے جہاں ذرا سی آواز اونچی کرنے سے صحابہ جیسے جلیل القدر ہستیوں کے اعمال صالحہ اکارت ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

(۱)

دوبار رسالت میں جب کسی صحابی کے کوئی بات ذہن نشین نہ ہوتی تو وہ سرکار کو دوبارہ متوجہ کرنے کے لئے "ہم اعنا" (ہماری رعایت فرمائیں) کہتے، مگر اس لفظ کے دوسرے معنی (ہمارے چڑا ہے) سے چوں کہ تقیص شان کا پہلو نکلتا تھا اور شری لوگوں نے ان معنی میں استعمال بھی کیا اس لئے یہ آیت نازل ہوئی :-
 یا ایہا الذین آمنوا لا تقولوا "اعنا" و قولوا "انظرنا" واسمعوا۔ (بقرہ-۱۰۴)
 اے ایمان والو تم نہ کہو "ہم اعنا" اور کہو "انظرنا" (ہماری طرف نظر کر فرمائیے) اور (جو کچھ آپ فرمائیں سراپا گوش بنے) سنتے رہو۔

حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے ابتدائی دور میں بکریاں چرائیں تھیں اس لئے "راعنا" کہنا عقلاً صحیح تھا، مگر اس دربار میں تو عقل و ہوش کو قربان کرنا ہے۔

(ب)

دوبار رسالت میں یہ بھی اجازت نہیں کہ کوئی صحابی نبی محترم کے آواز پر اپنی آواز بلند تو کرے اس بے ادبی پر — جو شاید اہل عقل کے نزدیک معقول ہو — تمام اعمال صالحہ ضائع ہو جانے کی وعید نازل ہوئی :-

یا ایہا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجہروا
 له بالقول کجہر بعضکم لبعض ان تحبوا اعمالکم وانتم لا تشعرون
 ان الذین یغضون اصواتهم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن
 اللہ قلوبہم للتقویٰ ولہم مغفرۃ واجر عظیم ان الذین ینادونک
 من وراء الحجرات اکثرہم لا یعقلون۔ (حجرات-۴۰، ۴۱، ۴۲)

اے ایمان والو بلند نہ کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر اور اس سے نہ بولو ترخ کر جیسے پہنتے ہو ایک دوسرے پر، کہیں اکارت نہ ہو جائیں تمہارے کام اور تم کو خبر بھی نہ ہو، جو لوگ دبی آواز سے بولتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہی ہیں جن کے دلوں کو جانچ لیا ہے اللہ نے ادب کے واسطے۔ ان کے لئے معافی اور ثواب عظیم، جو لوگ پکارتے ہیں تجھ کو ریوار کے پیچھے سے وہ اکثر عقل نہیں رکھتے۔

اپنی آواز سے بولنا عقلاً کچھ اتنا برا نہیں کہ اس کی وجہ سے تمام اعمال اکارت کر دئے جائیں، مگر دوبار رسالت میں یہ اتنا ہی برا ہے، اسی لئے جو با ادب ہیں اور دبی آواز سے بولتے ہیں ان کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ ان کی عقلوں کو جانچ لیا ہے بلکہ فرمایا کہ "دلوں کو جانچ لیا ہے" کہ ادب کا تعلق عقل سے نہیں دل سے ہے۔

(ج)

یہ تو تھے دربار رسالت میں بولنے کے آداب قرآن کریم نے اس مجلس اقدس سے اٹھنے کے آداب بھی بتائے ہیں اور صرف اس ایک حکم کی نافرمانی کرنے والوں کو فتنہ عظیم اور عذاب الیم کی وعید سنائی ہے، ارشاد ہوتا ہے :-

انما المؤمنون الذين امنوا بالله ورسوله واذا كانوا مع علي اجمع
لم يذهبوا حتى يستاذنوه وان الذين يستاذنونك اولئك الذين
يؤمنون بالله ورسوله فاستاذنونك لبض شأنهم فاذن لمن شئت
منهم واستغفر لهم الله ان الله غفور رحيم (نور- ۶۲)

ایمان والے وہ ہیں جو یقین لائے ہیں اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جب ہوتے ہیں اس کے ساتھ کسی جمع ہونے کے کام میں، تو چلے نہیں جاتے جب تک اس سے اجازت نہ لے لیں جو لوگ تجھ سے اجازت لیتے ہیں وہی ہیں جو مانتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو، پھر جب اجازت مانگیں تجھ سے اپنے کسی کام کے لئے تو اجازت دے جس کو ان میں سے تو چاہے، ان کے واسطے بخشش کی دعا کر، بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس سے اگلی آیت شریفہ میں ارشاد ہوتا ہے :-

لا تجعلوا دعاء الرسول بينكم كدعاء بعضكم بعضا قد يعلم الله الذين
يتسللون منكم لو اذاع فليخذلوا الذين يخالفون عن امره ان تصيبهم
فتنة او يعذبهم عذاب اليم (نور- ۶۳)

تم لوگ رسول کے بلانے کو ایسا مت سمجھو جیسا تم میں ایک دوسرے کو بلا لیتا ہے، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جانتا ہے جو اسٹہ میں ہو کر تم میں سے کھسک جاتے ہیں، جو لوگ اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہیے کہ ان پر کوئی آفت آئے یا ان پر کوئی دردناک عذاب نازل ہو جائے۔

(د)

ان آیات میں صحابہ کرام علیہم الرضوان سے خطاب ہے، اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب ان کے لئے ادب آموزی کے اتنے سخت احکام ہیں تو ہمارے لئے کیا کچھ نہ ہوں گے، قرآن حکیم میں اس قسم کی بیشمار آیات ہیں کس کس کو بیان کیا جائے۔ ایک آیت میں صحابہ کرام کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدے پر حاضر ہونے، کھانے، اور کھانے کے بعد اٹھ کر چلے آنے کے آداب اس طرح بیان فرمائے ہیں :-

اسے ایمان دلو! نبی کے گھروں میں مت جایا کرو مگر جس وقت کھانے کے لئے تم کو اجازت دیجائے
ایسے طور پر کہ اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو لیکن جب تم کو بلا لیا جائے تب جایا کرو، پھر جب کھانا
کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو، اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو، اس بات سے نبی کو ناگوار
ہوتی ہے اور وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ صاف بات کہنے میں لحاظ نہیں کرتا۔

(احزاب - ۵۲)

ادب تہذیب و محبت و عشق کی ان فضاؤں میں مولانا اسماعیل کے کلمات کو دہرایا جائے تو کتنے تلخ معلوم ہوتے ہیں۔
”یہ یقین جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہوا چھوٹا وہ خدا کی شان
کے آگے چار سے بھی زیادہ ذلیل ہے“

بشر رسول بن کر بھی بشر ہی رہتا ہے۔۔۔۔۔ بنی بن کر بشر
میں خدائی شان نہیں آجاتی۔۔۔۔۔ بشر کو بشریت ہی کے مقام
پر رکھو۔
(دیگرہ وغیرہ)

(۱۷)

عرض کیا جا چکا ہے کہ علمائے دیوبند نے شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی اور مولانا محمد اسماعیل دیوبندی وغیرہ کے اقوال
و معتقدات کی تائید کی ہے بلکہ بعض علماء کی تصانیف میں ان کے اثرات بھی صاف صاف نظر آتے ہیں، مثلاً صاحب
براہین قاطعہ ایک جگہ لکھتے ہیں :-

شیطان اور ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس
فاسد سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت نص
سے ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعت علم کی کوئی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے
ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ (مولانا خلیل احمد: براہین قاطعہ، ص ۵۱، معدقہ مولانا گنگوہی)

اقول

ابلیس اور ملک الموت کے علم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے برتر جاننا محض اس لئے کہ معارف
قرآنیہ کے ادراک میں بصیرت قلبی نے ساتھ نہ دیا، حد درجہ کی کوتاہ بینی ہے، اسرار و معارف قرآنیہ کو جس انداز
سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا ہے، کون سمجھ سکتا ہے؟ ہم کو قرآن حکیم میں وہی کچھ نظر آتا ہے جو نگاہوں
کے سامنے ہے، جو ماوراء ہے نظر نہیں آتا۔ اسی کی طرف قرآن کریم اس طرح اشارہ فرماتا ہے :-

ما فرطنا فی الكتاب من شیء۔ (انعام)
ہم نے قرآن میں کچھ نہیں چھوڑا (سب کچھ لکھ دیا ہے)

اس آیت کریمہ کے تحت صاحب تفسیر عرائس البیان فرماتے ہیں :-

الی ما اخرنا فی الكتاب ذکر احد من الخلق لکن لا یبصر ذکرنا فی الكتاب الا
الموئیدین بانوار معرفتہ۔

ہم نے قرآن میں کسی ایک کا یہی مخلوق میں ذکر باقی نہ رکھا سب کچھ بیان کر دیا لیکن اس ذکر کو صاحبان
باطن جن کو نور معرفت حاصل ہو وہی معلوم کرتے ہیں۔

اسی طرح آیت کریمہ و علمت ما لم تکن تعلم و کان فضل اللہ علیک عظیما کے تحت صاحب تفسیر
مدارک تحریر فرماتے ہیں :-

من امور الدنیا والشرایع او من خفیات الامور و ضمائر القلوب۔

یعنی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم امور شریعت ہونے کے علاوہ تمام پوشیدہ امور کا عالم

اور دلوں کے بھیدوں کا واقف بنا دیا۔ (تصحیح العقائد، ص-۲۱۱)

جملہ آیات و احادیث سے قطع نظر صرف اس ایک آیت پر غور فرمائیں :-

” انا اعطینک الکوثر ”

یہ آیت کریمہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جمیع اقسام کی وسعتوں پر شاہد عادل ہے۔ جس میں وسعت علم و حکمت

بھی شامل ہے جو درحقیقت خیر کثیر ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے :-

ومن یؤتی الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا۔

جس کو حکمت عطا کی گئی بلاشبہ اس کو خیر کثیر عطا کی گئی۔

لفظ ”کوثر“ کے لغوی معنی بہت زیادہ کے ہیں جس میں ہر قسم کی کثرت شامل ہے، یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہے کہ لفظ

کثیر اپنے معنی کے اعتبار سے اضافی ہے۔ جو شے ایک مسکین کے لئے کثیر ہے، وہ ایک متوسط کے

لئے نہیں، جو ایک متوسط الحال کے لئے کثیر ہے وہ ایک امیر و کبیر کے لئے نہیں اور جو ایک امیر و کبیر کے لئے

کثیر ہے وہ اس سے بالاتر ہستی کے لئے نہیں (علیٰ ہذا القیاس) کثرت کے حقیقی معنی و مفہوم کا تعین قائل کے

مقام و مرتبہ کو دیکھ کر کیا جاتا ہے اسی پر قیاس کر کے اندازہ لگائیں کہ جس شے کو خود حق جل مجدہ کثیر نہیں بلکہ

”کوثر“ (بہت زیادہ) فرمائے اس کی عطا کی وسعت کا کیا ٹھکانہ ہوگا! کسی کی عقل اس عطا کے ”کوثر“ کا احاطہ

نہیں کر سکتی۔ علم الہی کی وسعت کا اندازہ اس آیت کریمہ سے ہوتا ہے :-

وان یوما عند ربک کالف سنة مما تعدون۔

یعنی علم الہی میں ایک دن ہمارے ہزار سال یا ۳۵ لاکھ ۶۵ ہزار دنوں کے برابر ہے، اس نسبت کو پیش نظر

رکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے عبد کامل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا اعطاء عقل

سے باہر ہے۔ اور اس کا مقابلہ کوئی مخلوق نہیں کر سکتی کہ ہر مخلوق عطا کے ”کوثر“ سے محروم ہے۔

(۱۸)

صاحب حفظ الایمان آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے سلسلے میں فرماتے ہیں :-
پھر یہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے
کہ اس غیب سے مراد بعض غیبیے یا کل۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ایسا
علم غیب کو زید و عمر بلکہ صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے اور اگر تمام
علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس کا بطلان دلیل عقلی و نقلی سے ثابت ہے۔

(سولینا اشرف علی تھانوی، حفظ الایمان، ص ۷۷، ۸)

اقول

آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو بچوں، پانگلوں، حیوانوں اور زندوں کے مسائل قرار دینا کس درجہ
بیباکی و گستاخی ہے، عرض کیا جا چکا ہے کہ جب عقل بے مایہ کو اپنا پیشوا و امام بنایا جائے گا تو وہ یہی گل کھلائیگی
— خود حق جل مجدہ نے قرآن کریم کی متعدد آیات میں آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امور غیبیہ سے مشرف
کرنے اور علم غیب سے سرفراز فرمانے کا ذکر کیا ہے، آن حضرت کے علم غیب کے متعلق جب بھی گفتگو کی جائیگی
تو گو بنظا ہر روئے سخن انسانوں کی طرف ہو لیکن حقیقتاً پروردگار عالم کی طرف متصور ہوگا اور یہ جرأت معلم
الملکوت کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں اور ہم نے اس کا انجام دیکھا جو دیکھا — قرآن کریم میں سرکارِ دو عالم صلی
اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے متعلق بجز آیات موجود ہیں جن میں سے چند یہ ہیں :-

(ا) مَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ لَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ -

(آل عمران، ص - ۱۷۹)

اور اللہ نہیں ہے کہ تم کو خبر دے غیب کی لیکن اللہ چھانت لیتا ہے اپنے رسولوں میں جس کو چاہے۔
(ب) عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ

فَانه يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمَنْ خَلْفَهُمْ صِدْقًا (جن، ص - ۲۶، ۲۷)
غیب کا جاننے والا وہی ہے سو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، ہاں مگر اپنے کسی برگزیدہ
پیغمبر کو تو اس (پیغمبر) کے آگے اور پیچھے محافظ (فرشتے) بھیجتا ہے۔

(ج) وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ (تکویر، ص - ۲۳)

اور یہ غیب کی بات بتانے میں نخیل نہیں۔

(د) تِلْكَ اَنْبَاءُ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا لِيْكَ - (ہود، ص - ۴۹)

یہ باتیں منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں کہ ہم بھیجتے ہیں تیری طرف۔

(هـ) وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا

علیٰ ہواۃ و نزلنا علیک الكتاب تبیاناً لکل شیء و ہدی و رحمة
و بشری للمسلمین • (محل - ۸۹)

اور جس دن ہم ہر ہر امت میں سے ایک ایک گواہ جو انہیں میں کا ہوگا ان کے مقابلے میں قائم کریں گے
اور ان لوگوں کے مقابلے میں آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے۔ اور ہم نے آپ پر یہ قرآن اتارا ہے،
جو کہ تمام باتوں کا بیان کرنے والا ہے اور مسلمانوں کے اسطے بڑی ہدایت اور بڑی رحمت
اور خوش خبر سنانے والا ہے۔

آیت مذکور میں تمام امتوں پر آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنانا محل فکر ہے، گو اہی کے لئے علم الیقین ہی نہیں
بلکہ عین الیقین ہونا بھی شرط ہے اور یہاں تو حق الیقین کی بات ہے اور یہ اسی وقت متصور ہو سکتا ہے جب تسلیم کیا
جائے کہ ہر ہر امت کا عمل حضور کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ آیت کے دوسرے حصے میں قرآن کریم
کے لئے فرمایا تبیاناً لکل شیء، (تمام باتوں کا بیان کرنے والا)، پس جس سینہ مبارک پر یہ کتاب مقدس اتاری
اس کو کیا کچھ علم نہ ہوگا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے ذکر میں تو یہ فرمایا و علم آدم الاسماء کلہا اذ ہم نے
آدم کو تمام نام سکھا دیے، اور یہاں کل شیء فرمایا جس میں کل اسماء بھی شامل ہیں، اس سے حضور کی علم کی وسعت
کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، حضور کے صحابی حضرت مالک بن عوف نے آپ کی شان اقدس میں خوب فرمایا ہے

اوفیٰ و اعطیٰ للجزیل لم یجد
ومتی تشاء یخبرک عتہا فی غد
سب سے زیادہ وفا کرنے والا اور سب سے فزول تر سائل
کو عطا کرنے والا اور تو چاہے تو آئندہ کی خبر دینے
والا۔

(پروفیسر) محمد سعید احمد
کوئٹہ (مغربی پاکستان)
۲۸ مارچ ۱۹۶۹ء بروز جمعہ الحرام ۱۳۸۹ھ

پہلا باب



معتقدات

حاضر و ناظر

سوال نمبر ۲۲۰، ۱۱، حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناظر بمعنی لغوی کہنا جائز ہے یا نہیں اگر جائز نہیں تو معنی لغوی ناظر جاننے والے کا شرع میں کیا حکم ہے۔

مستفتی

محمد حسن جان - دہلی

ہوالموفق

لفظ "ناظر" کو اس کے حقیقی معنی میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے استعمال کرنا بلاشبہ جائز ہے تمام اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور حیات میں اور روضہ شریف کے حاضرین کے حال کو ملاحظہ فرماتے اور ان کے سلام و معروضات کو سنتے ہیں چنانچہ تو اہب اور اس کی شرح زرقانی میں ہے میلانم الامم الادب و الخشوع والتواضع غاضل لبصر کما کان یفعل بین ید ید فی حیاتہ (اذھوجی) و یتحضر علیہ بوقوفہ بین ید ید علیہ الصلوٰۃ والسلام و جماعہ لسلامہ کما ہو فی حیاتہ۔ انتھی۔ اور شیخ محقق مدارج میں فرماتے ہیں :-

حیات انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین متفق علیہ است میان علمائے ملت و پنج کس اختلاف نیست در ان۔

بلکہ اس لفظ سے یہ معنی مراد رکھنے بھی جائز ہیں کہ حضور بواسطہ ملائکہ تمام امت کے حالات و اعمال پر نگرانی میں چنانچہ مدارج شریف میں ہے :-

وزاء بر حال صحیح از عبد اللہ بن مسعودی آرد کہ فرمود مرخدارا فرشتگان اند سیاح در زمین کہ می رسانند اعمال شمارا، از انچہ بہتر است کہ شکر می گویم مرخدارا براں، و انچہ بدی بمنیم استغفار می کنم شمارا، انتھی۔

نیز محدث ولہوی نے رسالہ سلوک "اقرب السبل بالتوجه الی سید المرسل" سے نقل فرمایا ہے :-

اس سوال کے جواب میں مفتی محمد کفایت اللہ مرحوم نے تحریر فرمایا تھا کہ "ناظر کو اپنے معنی میں حضور کے لئے استعمال کرنا صحیح سمجھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز کو دیکھتے ہیں غلط اور ناجائز ہے۔"۔ یہاں حضرت قبلہ قدس سرہ نے اس خیال کا رد فرمایا ہے۔

باچندیں اختلافات و کثرت مذاہب کو در علمائے امت است یک کس اور میں مسئلہ خلافت نیست کہ
 آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بحقیقت حیات بے غائبہ مجاز و توہم تاویل و ائم و باقی است و بر
 اعمال امت حاضر و ناظر و مطالبان حقیقت را و متوجہان اس حضرت را معنیض و مرتبی۔ انتہی
 ہاں اگر اس معنی کے اعتبار سے حضور پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنفس نفیس بلا
 کسی واسطہ کے اپنی امت کے ہر فرد کی حرکات و سکنات کو ملاحظہ فرماتے ہیں تو اس میں علماء کا اختلاف ہے
 احتیاط اس ہی میں ہے کہ ایسے معنی مراد نہ رکھے جائیں، لیکن اگر کوئی حضور کا عاشق اس معنی کی بھی تصریح کر کے
 حضور کے لئے اس لفظ کا استعمال کرے تو کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ اس امر کو ناجائز بتلا کر کہنے والے کو
 گنہگار قرار دے کہ بہت سے علماء اس طرف گئے ہیں پس اس شخص کو گنہگار بتلانا حقیقت میں ان حضرات حضور
 اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو گنہگار بتلانا ہے۔

بعض احادیث میں ارشاد ہوا کہ جب مسلمان اپنے گھر میں جائے تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سلام
 بھیجے، علامہ علی قاری شرح شفا میں اس کی یوں دلیل بیان فرماتے ہیں :-

ای لان محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر فی بیوت اہل الاسلام۔

مدارج شریف میں ہے :-

تواند بود کہ ویرا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم در قبر از تعریف و نفوذ حالتے بود کہ از سموات و ارض
 و جہاں حجاب مرتفع شدہ باشد بے تجاوز و انتعال زیرا کہ امور آخرت و احوال برزخ طبر و دنیا
 قیاس نتواں کرد۔ انتہی

نیز حضرت شیخ محقق قدس سرہ مجمع البرکات میں فرماتے ہیں :-

وے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بر احوال و اعمال امت مطلع است و بر مقربان و خاصان درگاہ
 خود و معنیض و حاضر و ناظر است۔ انتہی۔

نقطہ و اللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر اللہ عفریہ

امام مسجد فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۴۱) مندرجہ ذیل تین عبارات اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے اہل سنت و الجماعت کے
 عقیدے کے مطابق ہیں یا نہیں۔ ہر ایک کا جواب مع حوالہ کتب شرعیہ کے مرحمت فرمائیں۔

عزلی اللہ اعلم

عزلی اللہ اعلم

عزلی اللہ اعلم

عبارات مسئلہ

(۱) ہاں یہاں لباس ضرور بشریت ہے لیکن خوب یاد رہے اور ہر عاقل و منصف جانتا ہے کہ لباس لابس کی حقیقت نہیں۔ لباس اور ہے اور لابس اور ہے۔ لباس کو ہی لابس کی حقیقت بتانے والا خبیث اور شریر النفس دین سے جاہل ہے۔“

(۲) ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بشری لباس میں ضرور تشریف لائے لیکن آپ کی حقیقت ہرگز ہرگز بشریت نہیں، آپ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے منظر اکمل اور اس کے محبوب اجل ہیں۔“

(۳) ”ہاں اس موقع پر یہ مسئلہ خوب یاد رکھئے کہ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہنا جائز نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفیہ ہیں اور قرآن عظیم اور کسی متواتر حدیث کریم میں حاضر و ناظر اللہ تعالیٰ کے لئے وارد بھی نہیں ہوا، نیز یہ دونوں لفظ حاضر و ناظر اپنے ظاہری معنی کے لحاظ سے اللہ عزوجل کے لئے معاذ اللہ نقصان و عیب پر مشتمل ہیں تو اللہ تعالیٰ کے لئے ان کا بولنا الحاد فی اسماء اللہ تعالیٰ ہے جو حکم قرآن مجید ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ تو شہید و بصیر ہے اور اس کا پیارا حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) حاضر و ناظر ہے یہی عقیدہ رکھنا چاہئے۔“

الجواب

سرکار اقدس کی حقیقت تو نور ہے لیکن حضور انور چوں کہ بشری جنس میں مبعوث ہوئے ہیں اس لئے حضور پر بشر کا اطلاق تو ضرور آتا ہے۔ قل انما انا بشر مثلكم جس پر دلیل قطعی ہے۔ پس اس کو لباس سے تعبیر کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ ورنہ پھر کسی بشر کو بشر نہ کہیں گے۔ ہاں اسے بے ادب لوگوں کی زبان بند کرنے کے لئے جو حضور کو کہتے ہیں کہ ہم ہی جیسے بشر ہیں اور اس کے ساتھ اور کچھ خرافات بکتے ہیں — لعل بخشاں کی ناقص مثال دی جاسکتی ہے کہ باوجودیکہ وہ پتھر کی جنس سے ہے لیکن اسے پتھر نہیں کہتے اور اس میں اس کی اہانت سمجھی جاتی ہے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ کی شان اقدس میں کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ بشر ہیں۔

اللہ جل مجدہ کی شان میں حاضر و ناظر کہنا جائز ہے کہ حضور بمعنی علم ہے اور ناظر بمعنی رویت چنانچہ شامی میں ہے :-

فان المحضو بمعنی العلم ما یكون من نجوى ثلثة آلا هو را بعہم و

التاظر بمعنی الرویۃ۔ الم یعلم بان اللہ یرى۔

اور حضور اقدس کو بھی بایں معنی حاضر و ناظر کہا جاسکتا ہے کہ باذن اللہ احوال امت کا علم رکھتے ہیں اور اعمال امت پر حاضر و ناظر ہیں۔ چنانچہ مجمع البرکات میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں :-

وے علیہ السلام پر احوال و اعمال امت مطلع است بہر مقربان و خاصان در گاہ خود میں و حاضر و ناظر است۔

اس مسئلے میں تفصیل کی ضرورت تھی لیکن میں علالت کی وجہ سے مجبور ہوں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عسکری

مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۲۲)

- (۱) کیا اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہنے والا کافر ہے؟
- (۲) کیا ذات الہی پر شے کا اطلاق کیا جاسکتا ہے اگر کوئی کرے تو اس پر توبہ اور تجدید نکاح لازم ہے یا نہیں؟
- (۳) خدا کی ذات باوجود کج ثابت ہے یا موجود ہے؟

الجواب

(۱) درختار جلد سوم میں ہے یا حاضر یا ناظر لیس بکفر اور شامی میں اس کے ماتحت ہے فان الحضور بمعنی العلم مشائخ ما یكون من نجوی ثلاثة الا وهوس ابعہم۔ والناظر بمعنی الریة المریعہ بان اللہ یری فالمعنی با عالم من یری (ص ۲۲۵)۔ پس مولیٰ تعالیٰ کی نسبت جو شخص حاضر و ناظر کہے گا، وہ ہرگز کافر نہ ہوگا۔

(۲) مولیٰ تعالیٰ کی جناب میں شے کے اطلاق میں علماء کا اختلاف ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اس کا اطلاق نہ کرنا چاہیے لیکن اگر کوئی کرے تو وہ بھی کافر نہ ہوگا بدلیل قولہ تعالیٰ قل ای شیئ اکبر شہادۃ۔ قل اللہ وکل شیئ ہالک الا وجہہ الامنہ المستثنی داخل فی المستثنی منہ فثبت ان یکون شیئاً۔ پس اس پر توبہ اور تجدید نکاح لازم نہیں۔

(۳) بفضلہ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ کان اللہ ولم یکن معہ شیئاً یعنی ابتداء میں صرف اللہ تعالیٰ تھا، اور اس کے سوا کچھ نہ تھا، پس حقیقت میں وجود تو اسی کا ہے دوسری مخلوق کا اعتباری ہے اور اس کے وجود کا نکل ہے۔ حقیقت میں اس کا کوئی وجود نہیں، ان کے حقائق تو عدم محض ہیں و جو وہی کی ظلال نے ان میں منعکس ہو کر ان کو مرتین کیا ہے۔ آیتہ کریمہ وَمَا اصابک من حسنة فمن الله وَمَا اصابک من سيئة فمن نفسك اس مضمون کی شاہد ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عسکری

مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۴۳) مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر اور ہر جگہ موجود ماننے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

۱) کیا یہ عقیدہ شریعت حقہ کے نزدیک صحیح ہے؟

۲) کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر نہ جاننے والا خارج از اسلام ہے؟

۳) کیا ایسے عقیدے کے منکر کو کسی قسم کی جانی و مالی تکلیف پہنچانی کسی مسلمان کے لئے جائز ہے؟

ازراہ کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں مندرجہ بالا سوالات کے جوابات مرحمت فرما کر مسنون فرمائیں۔

۱۱ جون ۱۹۶۴ء

الجواب هو الموفق للصواب

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت قرآن کریم میں "شاهد" کا اطلاق آیا ہے اور شاہد کہتے ہیں گواہ کو جو اپنی آنکھوں سے دیکھی شے کی گواہی دیتا ہے تو حضور چوں کہ روحانی قوت سے مخلوقات پر نظر رکھتے ہیں اس لئے بعض اہل سنت نے آپ کو حاضر و ناظر کہا ہے اس لئے کہ حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام مخلوقات میں شامی ہے اس وجہ سے حکم کرتے ہیں کہ مصلیٰ کو اس معنی سے غافل نہ ہونا چاہیے۔ بہر حال حضور کو علم کی وجہ سے حاضر کہا گیا ہے یا سریان حقیقت محمدیہ کی وجہ سے، لیکن عوام اس معنی سے غافل ہیں اور حاضر و ناظر سے سمجھتے ہیں کہ حضور بنفس نفس حاضر ہیں اس لئے حاضر و ناظر کہنے کی ان کو اجازت نہیں دی جاسکتی۔ پس جو حضرات حضور کو بنفس نفس موجود مانتے ہیں وہ غلطی پر ہیں اور جو علم کی بنا پر حضور کو حاضر مانتے ہیں نہ بنفس نفس وہ حق پر ہیں، دونوں جانب تاویل ہو سکتی ہے لہذا کسی کو خارج از اسلام کہنا یا جانی مالی تکلیف پہنچانا جائز نہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم

فقیر سخت غلیل ہے جس کی وجہ سے مختصر جواب دیا گیا۔ لکھا بھی نہیں جاتا۔

محمد منظر عابدی
مسجد جامع فتحپوری دہلی

درود شریف

(سوال نمبر ۲۴۴) درود شریف پڑھنا درست ہے یا نہیں، زید اس کو ناجائز اور بدعت بتلاتا ہے، وہ یہ بھی کہتا ہے کہ چند اشخاص جمع ہو کر بصوتِ حلقہ بیٹھ کر درود شریف کا ورد کریں تو یہ بھی ناجائز ہے، اس سلسلے میں شرع شریف کا جو حکم ہو اس کی وضاحت فرمائیں۔ بدینوا و توجروا۔

(سوال نمبر ۲۲۶) قرآن پاک چھٹے پارے میں جو یہ آیت ہے یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ و
ابتغوا الیہ الوسیلۃ، کیا اس آیت سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگان دین کا وسیلہ حاصل کرنا ثابت
ہے یا نہیں۔ بدینوا و توجروا۔

الجواب

صالحین سے توسل پکڑنا اگرچہ جائز ہے لیکن اس آیت کریمہ سے استدلال صحیح نہیں کہ یہاں اکثر مفسرین
کے نزدیک وسیلہ سے مراد عبادات ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مستطیر علیہ السلام
جامع فقہی دہلی

علمائے دیوبند

(سوال نمبر ۲۲۷) مولوی اسماعیل دہلوی، مولانا محمد قاسم نانوتوی (بانی مدرسہ دیوبند)، مولوی اشرف علی
مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی خلیل احمد انبیسٹوی وغیرہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں
جو گستاخانہ عبارتیں لکھی ہیں ان کی وجہ سے ان پر کفر کا حکم لگایا جائے یا نہیں؟

مستفتی

محمد ایوب الرحمن خطیب جامع مسجد سبزی منڈی
خانیوال مغربی پاکستان

الجواب

اس میں شک نہیں کہ ان لوگوں سے جو بعض اقوال صادر ہوئے ہیں وہ یقیناً کفر ہیں لیکن اب جب کہ یہ لوگ انتقال
کر گئے اور یہ معلوم نہیں کہ توبہ کی یا نہ کی اور ان کی عاقبت کیسی ہوئی ہے اس لئے میرے نزدیک ان کے حق میں سکوت
بہتر ہے، البتہ جو شخص ان عبارتوں کا قائل ہو یقیناً کافر ہے۔ فقط

مستطیر علیہ السلام

جامع فقہی دہلی

(سوال نمبر ۲۲۸) جو حضرات علماء دیوبند کی ایسی تقریرات کی تلافی میں ہیں کہ ان میں جو کلمات اللہ اکرم صلی
اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی مترشح ہوتی ہے اور یہ کہتے ہیں کہ علماء دیوبند ان عبارتوں کے غلط سننے

و مفہوم لیتے ہیں تو ایسے حضرات کے لئے کیا حکم ہے۔ بینوا و توجہ ۱۹۔

مستفتی

محمد ایوب الرحمن خطیب جامع مسجد سبزی منڈی

خانپور (مغربی پاکستان)

۲۹ جولائی ۱۹۵۷ء

الجواب

جو عبارتیں مابہ النزاع ہیں وہ خالص اردو کی عام فہم ہیں، پس ان کے معنی کے سمجھنے میں نہ کسی دیوبندی کا اعتبار ہے اور نہ بریلوی کے فہم کا، بلا کسی رو رعایت کے عام ہندوستانی جو ان عبارات کے معنی بتلائیں اس ہی کا اعتبار ہے، پھر اس پر شریعت مطہرہ کا جو حکم ہے اس پر عمل لازم۔ البتہ اگر کوئی شخص ایسے مقام کا ہے جس میں رہنے والوں کی سمجھ ہی اونڈھی ہوتی ہے جیسے ہندوستان میں بھونگر یا شکار پور وغیرہ۔ یا ہے تو وہ شخص خطہ حکماء کا لیکن قسام ازل نے اسے سمجھ ہی ایسی عطا فرمائی ہے کہ اس کے سمجھ ہی میں کسی عبارت کے ایسے ظاہری معنی نہیں آتے جو موجب کفر ہیں بلکہ ایسے معنی سمجھ میں آتے ہیں جو موجب کفر نہیں تو ایسے شخص کی دیانتہ تکفیر نہیں کی جاسکتی کہ وہ ایسے معنی کا قائل نہیں جو موجب تکفیر ہیں لیکن اگر وہ ان عبارات کے قائلین کی رعایت سے ایسے معنی بیان کرتا ہے حالانکہ اس کا قلب گواہی دیتا ہے کہ ان کے معنی وہی ہیں جو ظاہر کلام سے مفہوم ہوتے ہیں تو ایسے شخص کی تکفیر نہ کرنا اس کے لئے کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عطار (لام)

مسجد جامع فتحپوری دہلی

۱۲ اگست ۱۹۵۷ء

(سوال نمبر ۲۳۹) دیوبندی حضرات کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے اور کیا ان سب کو کافر کہا جائے یا بعض کو؟ اور ان سے رشتہ رکھنا شادی بیاہ کرنا کیسا ہے؟ کتاب "مالا بدینہ" میں ترجمہ باب "لکفر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب نے لکھا ہے کہ میں اہل قبلہ کو کافر نہیں جانتا اور جو ان کو کافر جانے میں اس کو کافر جانتا ہوں" اندرہا کہ ان سوالات کے جوابات بالتفصیل تحریر فرما کر مسنون فرمائیں۔ بینوا و توجہ ۱۹۔

السائل

حسین بخش، ساکن کانگر کمپوٹہ۔

۹ رزی الحج ۱۳۷۹ھ

الجواب هو الموفق للصواب

یہ تو صحیح ہے کہ کبھی اہل قبلہ کو کافر کہنا جائز نہیں، لیکن اہل قبلہ سے حقیقتاً وہ لوگ مراد ہیں جو نہ کوئی عقیدہ کفریہ رکھتے ہوں نہ ان سے کوئی ایسا قول یا فعل سرزد ہوا ہو جو موجب کفر ہو گو وہ مرتکب کبائر ہوں پر خلاف خوارج کے کہ وہ مرتکب کبائر کو بھی کافر کہتے ہیں، یہ ہرگز مراد نہیں کہ جو قبلہ کی جانب منہ کر کے نماز پڑھتا ہے وہ اہل قبلہ ہے اگرچہ وہ بت کو پوجتا ہو۔ اللہ ورسول (جل وعلیٰ وعلیٰ اللہ علیہ وسلم) کی شان میں گستاخیاں کرتا ہو اور ضروریات دینی میں سے کسی امر کا منکر ہو کہ ایسا شخص بالاجماع کافر ہے جو نفس قطعی سے ثابت ہے چنانچہ مولیٰ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

”يُحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا الْكُفْرَ وَكُفْرًا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ
نیز فرماتا ہے :-

ليس المبران تولوا وجوهكم قبل المشرق والمغرب الاية
اور ردالمحتار میں ہے :-

لا خلاف في كفر الخالف في ضروريات الاسلام -

الحاصل جب یہ معلوم ہو گیا اگرچہ صورتاً کوئی اہل قبلہ ہو لیکن اگر اس سے کوئی کفر سرزد ہو گا تو وہ کافر ہو جائے گا، اور یہ بھی ثابت ہوا کہ جو ایسے شخص کے متعلق بالیقین یہ جانتے ہوئے کہ اس سے ایسا کفر صادر ہوا ہے جس کی کوئی صحیح تاویل نہیں ہو سکتی پھر بھی اسے مسلمان سمجھے گا تو وہ بھی کافر ہو جائے گا۔ لقول تعالیٰ :-

ومن يتولى لهم منكم فانه منهم

تو ایسی صورت میں نہ کسی دیوبندی کی تخصیص کی جاسکتی ہے نہ کسی بریلوی کی نہ کسی دہانوی کی ہو سکتی ہے نہ کسی سنی کی اور یہ حکم نہ کسی نجدی کے ساتھ خاص ہے نہ کسی مکی مدنی کے ساتھ جس سے بھی ضروریات دینی میں سے کسی شے کا خلاف وقوع میں آئے گا اسی پر کفر کا حکم کیا جائے گا، خواہ کوئی بھی کیوں نہ ہو۔ پس کسی مقام سے نسبت رکھنے والے کو عام طور پر کیسے کافر کہا جاسکتا ہے؟ ہاں اگر اس نسبت سے ایسے شخص کے علاوہ نسبت مراد ہے جو کافر ہو چکا ہے اور جس وجہ سے کافر ہوا ہے وہ وجہ اس سے نسبت رکھنے والے میں موجود ہو تو پھر عام طور پر اس پر نسبت والے کو کافر کہا جائے گا۔ جیسے قادیانی کو وہ باوجود کہ صورتاً اہل قبلہ تھا لیکن ادعائے نبوت اور اہانت انبیاء کی وجہ سے کافر ہوا تھا اور اس کے ہر معتقد میں بھی یہ امر موجود ہے کہ وہ اس کو ان امور میں سچا جانتا ہے یا کم از کم یہ جانتے ہوئے کہ اس سے یہ امور صادر ہوئے اس کو مسلمان اور اپنا پیشوا جانتا ہے پس اگر دیوبندی میں بھی کوئی ایسا ہو جو کسی ایسے شخص جس کے متعلق اسے یقیناً معلوم ہو کہ اس سے کفر سرزد ہوا ہے اور اس کا خاتمہ بھی اسی کفر پر ہوا ہے اسے مسلمان جانتا اور اپنا پیشوا

مانتا ہو تو اس کی تو اس کے پیچھے تو نماز جائز نہ ہوگی (پہلوی مطلق اس کی اصلاح فرمائے) ورنہ سرج نہیں، البتہ
ہوں کہ ان لوگوں میں سے اکثر ایسے کے معتقد ہیں جن سے کلمات کفریہ سرزد ہوئے اور یہ معلوم نہیں کہ ان کو اس کا
علم ہے یا نہیں اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ ان میں سے کسی کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اور پڑھ لی ہو تو
ان کی جائے تاکہ فرض وقت کی ادائیگی میں شبہ نہ رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مسجد جامع فتحپوری دہلی

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۵۰) مولوی اسماعیل دہلوی، مولوی محمد قاسم علی نانوتوی (بانی مدرسہ دیوبند)، مولوی اشرف علی
مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی خلیل احمد انیسٹھوی وغیرہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں جو
گستاخانہ عبارتیں لکھی ہیں ان عبارتوں کی وجہ سے ان کو کافر کہا جائے یا نہیں۔

مستفتی

محمد ایوب الرحمن

خطیب جامع مسجد سبزی منڈی

خانوال ضلع ملتان

الجواب

اس میں شک نہیں ان لوگوں سے جو بعض اقوال صادر ہونے ہیں وہ یقیناً کفر ہیں لیکن اب جب کہ یہ لوگ
انتقال کر گئے اور یہ معلوم نہیں کہ توبہ کی یا نہ کی اور ان کی عاقبت کیسی ہوئی اس لئے میرے نزدیک ان کے حق
میں سکوت بہتر ہے البتہ جو شخص ان عبارتوں کا قائل ہو یقیناً کافر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مسجد جامع فتحپوری دہلی

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۵۱) علمائے دیوبند نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں جو گستاخانہ عبارات
لکھی ہیں ان کے مطلق دیوبندی حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ عبارتیں تو ٹھیک ہیں لیکن علمائے بریلوی جو اس کا
مطلب سمجھتے ہیں وہ نہیں۔ اس قسم کے حضرات جو ان عبارات کی تاویلات کرتے ہیں ان پر کفر عائد ہوتا ہے

(مستفتی) محمد ایوب الرحمن نقشبندی، مجتہدی

خطیب جامع مسجد سبزی منڈی، خانوال ضلع ملتان

۲۹ جولائی ۱۹۵۷ء

الجواب

جو عبارتیں مابہ النزع ہیں وہ خالص اردو کی عام فہم ہیں پس ان کے معنی کے سمجھنے میں کسی دیکھ باندی کا اعتبار ہے نہ بریلوی کے فہم کا۔ بلا کسی رو رعایت کے عام ہندوستانی جوان عبارت کے معنی بتلا نہیں لیں ہی کا اعتبار ہے پھر اس پر جو شریعت منظرہ کا حکم ہے اس پر عمل لازم۔ البتہ اگر کوئی شخص ایسے عقلم کا ہے جس میں رہنے والوں کی سمجھ ہی اوندی ہوتی ہے جیسے بھونکر یا شکار پور وغیرہ یا ہے تو وہ شخص خطا حکما کا لیکن قسام ازل نے اسے سمجھ ہی ایسی عطا فرمائی ہے کہ اس کے سمجھ ہی میں کسی عبارت کے ایسے ظاہری معنی نہیں آتے جو موجب کفر ہیں بلکہ ایسے معنی سمجھ میں آتے ہیں جو موجب کفر نہیں تو ایسے شخص کی دیانتہ تکفیر نہیں کی جا سکتی کہ وہ ایسے معنی کا قائل نہیں جو موجب تکفیر ہیں لیکن اگر وہ ان عبارات کے قائلین کی رعایت سے ایسے معنی بیان کرتا ہے حالانکہ اس کا قلب گواہی دیتا ہے کہ ان کے معنی وہی ہیں جو ظاہر کلام سے مفہوم ہوتے ہیں تو ایسے شخص کی تکفیر نہ کرنا اس کے لئے کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔ فایا واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ نمبر ۲۵۲

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۵۲) اگر سے کی شاہی مسجد جامع کے مفتی، مولانا مولوی سلطان حسن صاحب سے حسب ذیل فتویٰ لیا گیا تھا:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ ہندوستان میں سنی حضیوں کی دو جماعتیں ہیں، ایک دیوبندی کے نام سے مشہور ہے دوسری خود کو بریلوی کہتی ہے، ان میں کونسی جماعت حق پر ہے جس میں ہم کو شریک ہونا چاہیے۔ یہ حضرات ایک دوسرے کو کافر و مشرک تحریر فرماتے ہیں۔ فقط

مستفتی

حکیم سید حکمت علی، سید پور ضلع بدایوں

مسئلہ نمبر بالا سوال کا مفتی صاحب توصوف نے یہ جواب مرحمت فرمایا تھا:-

مسئلہ مذکورہ میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان میں کسی کے ساتھ وابستہ نہ ہو۔ بریلوی حضرات اولیام کرام کی عظمت اور انبیاء سے وابستگی ضرور سمجھتے ہیں اور اپنے تمام کام انہیں انبیاء اولیاء سے پورے کرا لیتے ہیں۔ دیوبندی حضرات کہ ان سے کوئی شریک نہیں۔ وہ براہ راست تمام کام اللہ ہی سے وابستہ کرتے ہیں۔ سنی خلقی کو تو اللہ کی بھی ضرورت اور رسول کی بھی ضرورت ہے نہ تو وہ مشرک ہے اور نشان انبیاء و اولیاء میں گستاخ ہے، بس بہ طریقہ ہے درمیانی۔ ایک دوسرے

گوہرا کتنا سخت گناہ ہے۔ مجھ کو اپنی ہی برائیوں سے فرصت نہیں۔ میں کس کو اچھایا برا کہوں۔
 سلطان حسن
 جامع مسجد آگرہ۔

مغنی صاحب کو حقوق کا جواب صحیح ہے یا نہیں۔ بینوا و توجہ ۱۔

ہوالموفق

اس جواب میں مغنی صاحب سے لغزش ہوئی کہ دونوں گروہوں پر چوٹ کی۔ اگر بریلوی ایسے ہیں کہ وہ اپنے تمام کام اولیاء سے کراتے ہیں اور مولیٰ تعالیٰ بل اسمہ کو خالق افعال نہیں جانتے اس لئے اس تعالیٰ سے اپنی قضائے عبادت میں سرکار نہیں رکھتے تو بیشک اس گروہ میں داخل ہونا جائز ہے۔ اور ان پر یہ محض اتہام ہے تو ان کو مہتمم کرنے والا سخت گناہ گار ہے اور دیوبندیوں کے متعلق یہ کہنا کہ وہ اولیاء و انبیاء سے سرکار نہیں رکھتے اس کا حکم ہی ایسا ہی ہے۔ اور آخر میں سنی حنفی کی تعریف میں جو بتلایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ بریلوی مشرک ہے اور دیوبندی کافر کہ انہوں نے مولیٰ تعالیٰ سے سرکار نہ رکھا اور انہوں نے اولیاء انبیاء کی شان رفیع میں گستاخی کی۔ پس قائل نے اپنے قول کے خلاف دونوں ہی کو اس قدر برا کہا جس کے بعد بُرائی کا درجہ ہی نہیں رہتا۔ — دیوبندی اور بریلوی فرقے صرف ہندوستان ہی میں تقریباً سو سال کے اندر پیدا ہوئے ہیں پس میرے نزدیک ایک ہی بہتر راہ یہ ہے کہ دونوں ہی کو نظر انداز کرتے ہوئے دیکھنا چاہیے کہ جس مسئلے میں ان دو گروہوں کا اختلاف ہے اس میں جہتواہل اسلام کیا خیال رکھتے ہیں۔ اس کے موافق جس کا قول ہو اسے اختیار کرنا چاہیے کہ وہی گروہ اس مسئلے میں حق پر ہے اور جو مسئلہ ایسا ہو جس کو اہل اسلام ممنوعات میں داخل کرتے یا کفر رکھتے ہوں وہ جس کا عقیدہ ہو اس سے سخت احتراز لازم ہے اور اس کا معلوم کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ اپنے زمانے کی اسلامی دنیا پر نظر ڈال کر دیکھ سکتے ہیں کہ جہتواہل اسلام اس مسئلے میں کیا خیال رکھتے ہیں کہ سرکار عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہی طریقہ بتلایا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا ہے۔

المسلمون حسن فہو عند اللہ حسن

یا حضرت مجدد صاحب سرہندی، حضرت شاہ عبدالحق صاحب ہلوی، حضرت شاہ عبدعزیز صاحب ہلوی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی کتابوں پر نظر ڈالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عسکری
 جامع فہمپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۵۳) ایک غیر مسلم داخل اسلام ہونا چاہتا ہے مگر پہلے ایک سوال کا جواب چاہتا ہے کہ یہ علماء بریلی دیوبند کے نزدیک شیعہ، قادیانی، احمدی، اہل قرآن، اہل حدیث، خاکسار، احرار، مورودی وغیرہ فرقے بالاتفاق کافر ہیں۔ علمائے بریلی کے نزدیک جس پر آٹھ سو علمائے عرب عجم کا متفقہ فتویٰ ہے کافر ہی نہیں بلکہ جو ان کو کافر نہ جانے وہ بھی کافر ہے۔ اور علمائے دیوبند کے نزدیک علمائے بریلی بدعتی، مشرک اور کافر ہیں نیز خانہ کعبہ جو تمام دنیا کے مسلمانوں کا مرکز ہے ہاں کا امام ایسا کفر ہے کہ جو اس کے پیچھے نماز پڑھتا ہے وہ بھی کافر ہو جاتا ہے۔ اس لئے وہ غیر مسلم یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ دنیا میں کونسا فرقہ مسلمان ہے جس میں داخل ہو کر مسلمان بنوں، کیوں کہ بموجب فتویٰ علمائے احناف اس دنیا میں تو کوئی مسلمان ہے نہیں اور اسلامی جرائد دنیا میں ساٹھ کروڑ مسلمان لکھتے ہیں تو وہ مسلمان کس سرزمین یا جزیرہ میں آباد ہیں ان کا پتہ بھی تحریر فرمائیے گا۔

بینوا و تو جدوا

صوفی عبدالصمد حسینی صابری، صوفی منزل،
چند پورہ، مالاکوٹھ، بلند شہر

الجواب

اول تو یہ غلط ہے کہ مذکورہ فرقوں میں سے ہر فرقہ کافر ہے جس کے بیان کے لئے تفصیل کی ضرورت ہے نہ کسی کے کافر کہنے سے مسلمان کافر ہوتا ہے۔ کافر تو صرف وہ ہے جس سے کوئی ایسا قول یا فعل کفر کا سرزد ہو، جس کی کوئی صحیح تاویل نہیں ہو سکتی ہو یا نصوص قطعہ کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو، یا وہ یقین کے ساتھ جانتے ہوئے کہ اس سے کوئی قول یا فعل کفر کا سرزد ہوا، مسلمان سمجھتا ہو اولاً اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ان تمام فرقوں کا ہر فرد کافر ہے تو بھی یہ کیسے سمجھ بیٹھا کہ مسلمان صرف انہیں فرقوں میں محصور ہیں، اسے خالص مسلمان ہونا چاہئے جسے اہل سنت اطاعت کہا جاتا ہے جس کا مسکن نہ کوئی خاص سرزمین ہے نہ کوئی جزیرہ۔ تمام دنیا میں پھیلے پڑے ہیں۔ اور جو ان مذکورہ فرقوں سے جدا گونہ زائد ہیں پھر اسے کون کہتا ہے کہ مسلمان ہو کر تو ایسا قول یا فعل کیجیو جس سے تو ان میں سے کسی گروہ میں داخل ہو جائے۔ اسے یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اہل سنت کسی کو کافر نہیں کہہ سکتے بجز ان کے جن کا ذکر ہوا اور یہ اس نے کس نابکار کتاب سے سنا جو بیت اللہ کے امام کے متعلق کہتا ہے، جو محض جھوٹ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۱۳ فروری ۱۹۶۶ء)

دوسرا باب



آداب

1000

1000

آداب القاب

(سوال نمبر ۲۵) خداوند کریم کی مخلوقات میں خواہ اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ، نبی ہوں یا غوث، ان کے واسطے
ملک الاملاک، شہنشاہ دو جہان، سر امر دو جہان، مالک کون و مکان، کے القاب
استعمال کرنا شریعت مجہری میں کیسے ہیں اور جو شخص یہ القاب استعمال کرے اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی، فقط
بینوا و توجہوا۔

الجواب

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ان اللہ فضل محمد اصلی اللہ تعالیٰ
علیہ سلیم علی الانبیاء و علی اهل السماء (سواد الدارمی، کذا فی مشکوٰۃ)۔ یعنی بیشک اللہ
تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء و ملائکہ سے افضل کیا — امام ازی تحت آیتہ کریمہ و ما
ارسلناک الا رحمة للعالمین فرماتے ہیں لما کان رحمة للعالمین لزمان یکون
افضل من کل العالمین۔ یعنی حضور تمام عالم کے لئے رحمت ہیں تو واجب ہوا کہ تمام ماسوا اللہ سے افضل
ہوں، بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے انا اکرم الاولین والاخرین علی اللہ ولا فخر
(سواد الترمذی) یعنی میں تمام مخلوق اولین و آخرین سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزیز و جلیل ہوں
اور اس پر فخر نہیں۔ اور فرمایا انا ستیلا للعالمین (سواد البیہقی) میں تمام عالم کا سرار ہوں۔ بحمد اللہ
ان نصوص نے ثابت فرمادیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، سر امر دو جہان ہیں۔ پس اگر کوئی شخص حضور کی شان
میں ایسے کلمے کہہ دے تو اصلاً حرج نہیں، رہے دوسرے کلمات سوا احتیاط تو یہی ہے کہ حضور کی
شان میں بھی ان کا استعمال نہ کیا جاوے کہ محاورات عرب و عجم میں ان کا استعمال سوائے مالک حقیقی جل
جد کے اور کسی کے لئے نہیں کیا جاتا لیکن بائیں ہمہ اگر کوئی مسلمان حضور کے لئے ان کلمات کا
استعمال کرے تو بجا بھی نہ ہوگا کہ یہ تو کیوں کر گمان کیا جاسکتا ہے کہ اس کی مراد ان کلمات سے
مالک حقیقی ہے۔ رہی مجازی فلک ہو حضور کے لئے ثابت ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز (رحمۃ اللہ علیہ) تحفہ
اشاعرہ میں لکھتے ہیں کہ تورات کے سفر ہارم میں ہے قال اللہ تعالیٰ لا براہیم ان ہاجر تلد
ویکون من ولدہا من یدہ حقوق الجمیع و ید الجمیع مبسوطة الیہ بالخشوع۔
اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا بیشک ہاجرہ کی اولاد ہوگی اور اس کے بچوں میں وہ ہوگا جس کا
ہاتھ سپرد بالا ہے اور سب کے ہاتھ اس کی طرف پھیلے ہیں عاجزی کے ساتھ۔ اسی تحفہ میں زبور سے منقول ہے

الامم یخون تحتك كتاب حق جاء الله به من اليمن والتقدیس من جبل فاران
وامتدادت الارض من تحمید احمد و تقدیس لیسہ و ملك الارض و مراقب الامم —
(اے احمد، سب امتیں تیرے قدموں میں گریں گی، سچی کتاب لایا اللہ تعالیٰ برکتِ پاکی کے ساتھ مکہ کے پہاڑ
سے بھر گئی زمین احمد کی حمد سے اور اس کی پاکی بیان کرنے سے احمد مالک ہوا ساری زمین اور تمام
امتوں کی گردنوں کا — زرقانی شرح مواہب میں ہے من لم یرو لایة الرسول علیہ
صیح احوالہ و برنفسہ فی ملکہ لایذوق حلاوة سنة (کذا فی الدین و المعنی)
جو شخص ہر حال میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا والی اور اپنے آپ کو حضور کی ملک جانے وہ سنت نبی صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حلاوت نہ پائے گا — غرض حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے تو ان کلمات
کے استعمال کرنے میں گنجائش ہے کسی دوسرے کے لئے نہیں کہے جاسکتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(مسوات قدیم)

حررہ محمد مظہر اللہ غفرلہ

امام مسجد فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۵۵) بعض اصحاب کسی بڑے آدمی یا اپنے بزرگ کو حضور یا سرکار تعالیٰ یا حضرت کہہ کر
پکارتے ہیں اس کہنے سے کوئی گنت تو سبزد نہیں ہوتا۔

ایک ساکن

فضل احمد

الجواب

ہاں اس میں بھی کچھ حرج نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
جامع فتحپوری، دہلی

آدابِ قیام

(سوال نمبر ۲۵۶) عمر و کہتا ہے کہ نماز اور ذکر و خدائے عزوجل اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانوں
کے علاوہ حالتِ قنود میں بیٹھنا منع ہے۔ زید کہتا ہے کہ اگر کسی بزرگ یا عالم کے پاس بیٹھ جائے تو کھڑے
بیٹھ جائے تو کیا قباحت ہے۔ بینو اب التفضیل توجیہ و ابوالحسن الجرجانی

الجواب

زید صحیح کہتا ہے اور عمرو کا قول محض تکلم ہے، ذکر خدا اور رسول (صلی و علی و علیہ وسلم) کی مجلس میں جب اس قعود کو جائز جانتا ہے تو پھر دینی بزرگوں کے حضور میں ناجائز کہنے کے لئے کیا دلیل رکھتا ہے؟ عبارت سوال میں اہمال ہے، غالباً سائل کا منشاء اس قعود سے نماز کے قعدہ کی ہیئت قعود ہوگی۔ اس ہی بنا پر یہ جواب دیا گیا ہے۔ فقط

محمد منظر اللہ غفرلہ
امام مسجد پنجتوری دہلی

آداب قدم شریف

(سوال نمبر ۲۵)

- (۱) پتھروں پر قدم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانات ہونے کی کیا اصلیت ہے؟
- (۲) صحیح قدم رسول ہونے کی کیا شناخت ہے؟
- (۳) ایسے پتھروں کو بوسہ دینا یا ان کے آگے سر جھکانا کہاں تک جائز ہے؟
- (۴) دنیا میں ایسے کتنے قدم رسول ہیں؟
- (۵) کیا ہر پتھر جس پر قدم کے نشانات پائے جاتے ہیں بغیر کسی تصدیق کے قدم رسول مان لیا جائے؟

مستفتی
رضا محمد حضرتی۔ ناظم نگران کمیٹی
جامع مسجد گوالیار، ۲۴ نومبر ۱۹۵۸ء

الجواب

(۱) اس مسئلے میں اس وقت کوئی حدیث یا اثر تو مستحضر نہیں البتہ بعض علماء نے اس کو ثابت مانا ہے اور اس مسئلے پر بعض نے رسائل بھی تحریر فرمائے ہیں۔ ہواہب شریف میں ہے:-

القسم الرابع فيما اختص صلى الله عليه وسلم من الفضائل ومنها انه صلى الله عليه وسلم كان اذا مشى على الصخر تهاوت قدماه فيه كما هو مشهور

قدینا و حدیثاً۔

(۲) صاحب باطن کو اس مقام پر انوار کا مشاہدہ ہونا۔

(۳) شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے ایک فتوے میں تحریر فرماتے ہیں "تبرک بانوار صالحین شعائروہین است قدینا و حدیثاً، از کتاب سنت ثابت است، انکار آل و کلام آل غیر از الحاد و زندقہ چہ تو ال گفت۔"

(۴) اس کا اللہ ہی کو علم ہے، وہی میں جو قدم شریف ہے جس کے جواریں حضرت خواجہ خواجگان حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قیام کو پسند فرمایا، وہ زیادہ مشہور ہے جس کی زیارت کے لئے بکثرت علماء و فضلاء اپنی حاضری کو باعث سعادت خیال فرماتے رہے۔

(۵) یہ امر قابل استغناء نہیں، جس شخص کو سرکار قدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت ہے وہ ہر اس شے کی تعظیم کرے گا جو حضور سے نسبت رکھتی ہوگی، اور مولیٰ تعالیٰ اس کی نیت صالح پر اجر عطا فرمائے گا۔ محب کیا جانے تحقیق کو وہ تو صرف اپنے محبوب کی طرف نسبت دیکھتا ہے اور جب اس کو تحقیقاً معلوم ہو جائے تو پھر وہ اس کو تبرک کیوں سمجھنے لگا مثلاً کسی نے اس کے سامنے پتھر پر گھڑا ہو تو ایسے پتھر کو حضور سے کیوں نسبت دینے لگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عطار
مسجد جامع فقہوری، دہلی
۲۶ نومبر ۱۹۵۸ء

آدابِ زواجِ مطہرات

(سوال نمبر ۲۵۸) حدائق بخشش حصہ سوم صفحہ ۳۶، ۳۷، ۳۸ پر حضرت سید ام المومنین عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مدحت میں جو قصیدہ چھپا ہے اس کی تہدید میں سات اشعار ان گیارہ کافروں سے لکھے گئے ہیں جن کا ذکر بخاری شریف، ترمذی شریف، مسلم شریف، نسائی شریف وغیرہ کتب حدیث کی حدیث صحیح مرفوع متصل میں ہے۔ یہ اشعار ناقلاً یا کاتباً غلطی سے بے موقع چھپ گئے ہیں اس بے ترتیبی کو آرٹ بنا کر ان اشعار کو معاذ اللہ حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں بتا کر مولوی محبوب علی خاں کو جو اس حصہ دیوان کے شارح کنندہ ہیں حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تعظیم کا مرتکب ٹھہرایا جا رہا ہے۔ مولوی محبوب علی خاں کو جب اس غلطی پر اطلاع ہوئی تو انہوں نے

ان غلطی سے کئی بار زبانی اور تحریری طور پر صریح توبہ کی جہاں چہ ۱۰ جولائی ۱۹۵۵ء کو ان کا توبہ نامہ بھی شائع ہو گیا، اس پر یہ اعلان بھی شائع کر دیا کہ فقیر نے اس ورق کو صحیح ترتیب کے ساتھ چھپوایا ہے جس میں سات شعروں کو بالکل ہی نکال دیا ہے جن صاحب کے پاس صدائق بخشش، حصہ سوم ہو وہ ہر بانی فرما کر صفحات ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰ اور ۴۱ نکال کر فقیر کے پاس بھیج دیں اور یہ صحیح چھپا ہوا واپس لے لیں۔ اس توبہ اور اعلان کے بعد مسلمانان اہل سنت کو ان کا توبہ نامہ قبول کر لینا اور ان پر طعن و تشنیع سے پرہیز کرنا چاہیے یا نہیں اور ان کی اقتداء میں مستفی مسلمانوں کی نماز شرعاً جائز ہے یا نہیں فقط بینوا و توجروا۔

مستفی

مصلیان جامع مسجد مدین پورہ

بہشتی نمبر ۸

ہوالموفق

اس واقعہ کے متعلق فقیر کے پاس اس سے قبل بھی دو یا تین مرتبہ سوال آچکے ہیں جس میں کسی خاص شخص کے متعلق سوال نہ تھا، انداز سوال سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ سوال فریق مخالف کی جانب سے ہے، ایک مرتبہ چند اشعار کا ذکر کرتے ہوئے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی توہین کے متعلق سوال تھا جس کا جواب جیسا ہونا چاہیے تھا، دیا گیا پھر اس کی توبہ کے متعلق سوال آیا جس میں بعض شکوک کا بھی ذکر تھا، ہر چند اس سے یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ کسی بظہر بے شک کے متعلق سوال ہے لیکن توبہ کی جس نوعیت کا ذکر تھا وہ وہ تھی کہ توبہ کی تکمیل میں کوئی دقیقہ بھی باقی نہ چھوڑا تھا، اس لئے یہ خیال کرتے ہوئے کہ ہمیں اس کی بد مذہبی سے کیا علاقہ اس خاص گناہ سے تو وہ بری ہو چکا، لہذا اس کا جواب ایسا ہی دیا گیا اور جو اس پر شکوک پیش کئے گئے تھے ان کو بھی کما حقہ رفع کیا گیا تھا لیکن اس سوال سے چوں کہ حقیقت واقعہ پر پوری روشنی پڑتی ہے اور وہ اوراق بھی جس کے بعض اشعار پر اعتراض کیا جا رہا ہے، نیز جس مسودے سے یہ اشعار نقل کئے گئے ہیں، اس کی حقیقت بھی میرے سامنے موجود ہے اس لئے اب میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ مولانا محبوب علی خاں سلمیہ ہرگز ہرگز امام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی توہین کے مرتکب نہیں ہوئے، ان کی غلطی صرف اس قدر ہے کہ جب مسودہ ایسا تھا کہ اس کے اشعار کو بغیر کسی عالم کے دوسرا ترتیب دے سکتا تھا تو انہوں نے ایک جاہل ناقل پر کیوں اعتماد کیا، ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی اگر ان کو سرسری نظر سے بھی دیکھے تو ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ ان اشعار کو اس مقام سے کچھ بھی تعلق ہے بلکہ میرے نزدیک تو ان کا تعلق ادنیٰ مشرکہ عورتوں سے ہی نہیں معلوم ہوتا جن کا ذکر حدیث میں آیا ہے بلکہ مجھ کو مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار ہی نہیں معلوم ہوتے خواجہ نے اس میں کسی کی اور کیا سازش ہے، میرے ساتھ بھی کئی مرتبہ ایسی چالیں چلی گئیں ہیں۔ لیکن

بایں ہمہ جب مولانا نے موصوف اس مہموی بے احتیاطی پر اپنی غلطی مان کر اس شان سے توبہ کر چکے ہیں جو
 ترکب توہین کے لائق ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان ان کی توبہ کا اعتبار نہ کریں اور ان کے ساتھ طعن و تشنیع
 سے پیش آئیں اور ان کو روحانی ایذا دے کر خود مجرم بنیں لقولہ علیہ السلام مسابو المسلم فسوق
 (یعنی مسلمانوں کو ایذا دینا فاسق کا کام ہے) نہایت تعجب ہے کہ مسلمان ایسے صریح امور کو جو موجب برائت
 ہیں کیسے نظر انداز کر رہے ہیں حالانکہ محض ایک ادنیٰ شبہ سے حد و تک ساقط ہو جاتے ہیں، کیا اس کو
 قذف محضہ گروانا گیا ہے؟ اور اجرانے حد کا مطالبہ ہے؟۔ تو اول اس واقعہ کی حقیقت قذف نہیں بلکہ ہو
 شرعاً المرعی بالترنا کذا فی کتب الفقہ مع ہذا اس کے لئے بھی بہت سے شرائط ہیں جن کا یہاں اجراء ہی
 نہیں پایا جاتا، پھر وہ بھی شرعاً ایک مقررہ سزا ہے اس سے قاذف گناہ سے پاک نہیں ہوتا، گناہ سے پاک کرنے والی
 تو صرف توبہ ہے اور وہ ہمہ شرائط یہاں موجود ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے و لیس حد مطہر عندنا بل
 المطہر التوبہ۔ قاذفین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر نظر ڈالتے، حضرت عسکان بن ثابت اور مسطح بن
 اثاثہ اور جسدہ بن جھش رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے علاوہ کئی صحابہ اس جرم عظیم کے مرتکب ہوئے تھے لیکن ان میں سے
 کسی کے متعلق بھی یہ روایت نظر سے نہ گزری کہ ان پر حد جاری کی گئی ہو یا بلحاظ حق عہد انہوں نے حضرت صدیقہ
 رضی اللہ عنہا سے معافی طلب کی ہو، غالب یہی ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب صدیقہ رضی
 اللہ تعالیٰ عنہا نے معاف فرمادیا ہو اور اس کی توبہ ہی اس معافی کا سبب بن گئی ہو تو اب کونسا اشکال
 باقی رہ گیا جس کی وجہ سے یہ کہا جائے کہ اس مہموی غلطی کو جو شرعاً قابل گرفت بھی نہیں، ان کی ذات کریمہ معاف
 نہ فرمائے گی اور فرض کیجئے کہ وہ معاف فرمائیں گی تب بھی مسلمانوں کو اس سے کیا علاقہ کہ یہ معاملہ ایک خطا کا
 بچہ کا اور اس کی مشفقہ ماں کا ہے، جس پر کروڑوں ماؤں کے اشفاق سبے پایاں نثار پھر یہ معاملہ توجیہ امت کا
 ہے۔ دنیوی احکام تو صرف توبہ پر ختم ہو جاتے ہیں۔

صحیح توبہ پر یہ ایک اعتراض کیا جاتا ہے (جس کا پہلے سوال میں ذکر تھا) کہ مولانا نے اس غلطی پر
 واقف ہونے کے فوراً بعد ہی توبہ نہ کی اس لئے قبول نہیں۔ اور کیا تعجب ہے کہ اس پر آیت کریمہ ثم
 یتوبون من قریب سے استدلال کیا جاتا ہو تو یاد رہے کہ استدلال محض باطل ہے۔ مفسرین
 نے اس آیت کریمہ میں لفظ "من" کو تبعیضیہ فرمایا ہے اور لفظ "قریب" سے معصیت اور موت کا درمیانی
 وقت مراد لیا ہے تو معنی یہ ہوئے کہ اس درمیانی زمانے کے جس جزء میں بھی بندہ توبہ کر گیا زمانہ قریب
 ہی میں توبہ کرنے والا ہوگا، چنانچہ تفسیر سراج المنیر میں ہے:-

معنی من فی قولہ تعالیٰ من قریب تبعیض ای یتوبون بعض زمان
 قریب کا نہ مسمی ما بین وجود المعصیت و بین حضور الموت نہ ما فی
 قریباً لان اوقاة الحیوة قریب لقولہ تعالیٰ قل متاع الدنیا قلیل فی

ای جزؤ من اجزاء هذا الزمان فهو ثابت من قریب والا فهو ثابت من بعید۔ انتہی مافیہ۔

علاوہ اس کے اس معنی پر بکثرت شواہد ہیں۔ صحیحین کی حدیث ہے ان العبد اذا اعترف ثم تاب تاب اللہ علیہ یعنی بند جب بھی اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہے اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا ہے۔ اور ترمذی شریف کی حدیث میں ہے ان اللہ یقبل التوبۃ العبد ما لم یغیر غیر۔ بلکہ خود قرآن کریم میں اس کے بہت سے شواہد موجود ہیں۔ غرض ہرگز اس دھوکے میں نہ پڑیں کہ توبہ کا وقت نکل چکا ہے، اب توبہ قبول نہ ہوگی اور اس کا نفع کریں کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ مولیٰ تعالیٰ ان کو ناجی کر دے اور تم کو ناری چناں چہ حدیث میں ہے کہ حضور نے بنی اسرائیل کے دو شخصوں کا ذکر فرمایا جو آپس میں دوست تھے، ایک عابد تھا دوسرا گنہگار۔ عابد ہمیشہ اس کو گناہوں پر متنبہ کرتا کہ باز آ۔ ایک مرتبہ کہہ اٹھا کہ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ تجھ کو نہ بخشے گا۔ جب دونوں نے انتقال کیا تو گنہگار کو ارشاد ہوا کہ میری رحمت سے تو جنت میں داخل ہو اور عابد سے کہا کہ کیا تو یہ طاقت رکھتا ہے کہ میرے بندہ کو میری رحمت سے محروم کر دے، عرض کیا کہ نہیں یا الہی۔ حکم ہوا فرشتوں کو کہ لیجاؤ اس کو جہنم میں (مشکوٰۃ) اعاذنا اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس سے محفوظ رکھے کہ وہ مولانا موصوف کی مخالفت کر کے اپنی عاقبت خراب کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۵۹) زید (مولوی محبوب علی خاں برادر خورد مولوی حشمت علی خاں) جو عالم دین، ایک مسجد کا امام اور مفتی ہے۔ آج سے تقریباً ۳۳ سال قبل ایک مجموعہ نظم ترتیب سے کر دارلق بخشش حصہ سوم چھپواتا ہے اور اس کو بہت احتیاط سے ایک خاص حلقہ میں فروخت کرتا ہے، اس مجموعے کے متعلق اس کا کہنا ہے کہ یہ کلام فاضل بریلوی مولینا احمد رضا خاں صاحب مرحوم کا ہے اس میں ایک قصیدہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی منقبت میں بھی ہے، جس میں مندرجہ ذیل اشعار بھی ہیں :-

تنگ و چست ان کا لباس اور وہ جو بن کا ابھار
مسکلی جاتی ہے قباسر سے کمر تک لے کر
یہ پھٹا پڑتا ہے تو بن میرے دل کی صورت
کہ ہوئے جاتے ہیں جامہ سے سینہ دبر
خوف ہے کہ کشتی ابرو نہ بنے طوفانی
کہ چلا آتا ہے حسن اہلہ کی صورت بڑھ کر

لیکن فاضل بریلوی کے صاحبزادہ مولینا مصطفیٰ رضا خاں صاحب اور مدرسہ منظر الاسلام، بہاری پور، بریلی کے مفتی مولینا ثناء اللہ صاحب اعظمی فرماتے ہیں کہ یہ اشعار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نہیں ہیں۔ ان اشعار میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت بھی اور اہانت بھی ہے اور یہ

دونوں باتیں پہلے مصرعے میں موجود ہیں جو اینا در رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سبب ہے۔ جب یہ مجموعہ کلام ایک کافی عرصہ کے بعد اہل سنت و الجماعت کے بعض حضرات تک پہنچا تو انہوں نے نہایت خاموشی کے ساتھ زید کو توجہ دلائی، زید نے اس پر دھیان نہ دیا بلکہ یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ قصیدہ مبارکہ شرعی حیویتی سے پاک ہے۔ اور کبھی یہ کہہ کر کہ یہ اشعار گیارہ کافر مشرک دہنوں کے متعلق ہیں۔ ام ذرعمہ اور گیارہ دہنوں پہیلیوں کے واقعہ پر مشتمل ہیں حالانکہ قابل اعتراض اشعار کے پہلے مصرعے میں ان سے ہے جو تعظیمی ہے اور دوسرے مصرعے میں "قبا" ہے۔ اگر گیارہ کافر مشرک دہنوں کے متعلق یہ اشعار تھے تو قبائش ہونا چاہیے تھا لیکن یہ بات بھی ان کی سمجھ میں نہ آئی تو اخبارات کے ذریعہ زید کو توجہ دلائی گئی تو زید نے تمام تاویلات کے دروازے اپنے اوپر بند دیکھ کر توبہ و ندامت کا اظہار اس اعلان کے ساتھ کیا :-

"خدا تعالیٰ بخشش حصہ سوم میں حضرت سیدنا ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے قصیدہ مدحیہ میں چند شعر جن کا مضمون قابل اعتراض اور حضرت ام المومنین کے لئے مقام مدح کے سراسر منافی ہے فقیر کے تساہل و تغافل کی وجہ سے شائع ہو گئے۔ اس اعلان میں اس بات کا بھی اظہار کیا گیا ہے کہ اس قابل مواخذہ شرعیہ ترتیب شعری کو حضور سیدنا ام المومنین حضرت محمد بنی ملت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی کی طرف نسبت کرنے سے بھی فقیر اپنی انابت و براءت کرتا ہے۔ اور اسی اعلان میں یہ بات بھی موجود ہے کہ فقیر کی توبہ پر مطلع ہونے کے بعد بھی اگر کوئی فرد یا جماعت زبان طعن دراز کرے تو یہ اس کی نری فساد انگیزی اور خالص شرپسندی کا ثبوت ہوگا۔ اور اپنی توبہ کے لئے التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ کو ہمارا بنایا ہے (یہ حدیث کس پایہ کی ہے اور اس سے استدلال کہاں تک صحیح ہے، یہ علماء امت ہی بتا سکتے ہیں)۔ لیکن مسلمانوں نے اس معذرت نامہ کو نا کافی سمجھا اور زید سے امامت سے علیحدگی اور کتاب کے فضاخ کرنے کا مطالبہ کیا لیکن زید نے عملاً ان دونوں باتوں سے انکار کر دیا اور زید کو اور زید کے برادر محترم اور ان کے چند رفقاء کو توبہ کی قبولیت پر یقین ہے نیز یہ کہ ان کی امامت جائز امامت ہے۔"

مندرجہ بالا امور کی روشنی میں سوال یہ ہے کہ

- (۱) ایسا شخص جس نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی ہو، اہانت کی ہو، اس طرح ایذا رسول اکرم کا مجرم بنا ہو، ایک عرصہ تک اس کی اشاعت بھی کرتا رہا ہو اور توجہ دلائی والوں سے عجیب عجیب نداد میں تاویلوں سے بھی کام لیتا رہا ہو، اور پھر مجبور ہو کر اقرار بھی کر لیا ہو تو کیا اس کی توبہ کتاب اللہ، احادیث نبویہ، اقوال صحابہ و اجماع امت کی روشنی میں قابل قبول ہے اور وہ شرعاً کسی سزا کا مستحق نہیں ہے اور کیا اس کے تمام گناہ معاف ہو گئے؟
- (۲) اور کیا مسلمان ایسے شخص کو امام بنا سکتے ہیں؟

(۳) جو اس کی توبہ کو قبول نہ کرے اس کو فسادی اور شرانگیز قرار دیا جاسکتا ہے ؟
 (۴) مسلمان کہلانے والوں میں وہ کون لوگ ہیں جو دنیا اور آخرت میں لعنت کے سزاوار اور آخرت میں عذاب نار کے مستحق ہیں۔ کیا ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان رفیع میں گستاخی کرنے والے بھی اس وعید میں آتے ہیں یا نہیں ؟
 امید ہے کہ اس مسئلے پر قرآن پاک احادیث نبویہ اور فقہ کے پورے دلائل شرعیہ کے ساتھ جواب مرحمت فرما کر عذرا اللہ ماجور ہوں گے، دوسرے علماء کی تصدیقات شکرگزاری کا سبب ہوگا۔

الاستفتی

محمد یونس خالدی

۱۵ اکتوبر ۱۹۵۵ء

الجواب

مجھی میاں محمد یونس انرجاکم اللہ تعالیٰ اس ظلمات الغوایتہ والصلال
 بعد ما ہوا المسنون واضح رائے شریف ہو کہ آپ کا سوال چوں کہ حقیقت واقعہ کے خلاف ہے اور میرے
 لئے جائز نہیں کہ میں اصل واقعہ کو نظر انداز کرتے ہوئے جواب تحریر کروں، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ
 میں پہلے آپ کی توجہ اصل واقعہ کی طرف مبذول کراؤں تاکہ آپ کو سوالات کے مطابق جوابات کے نہ ہونے
 کا دھوکہ نہ ہو۔ سوالات دیکھنے سے سخت افسوس ہوا کہ آپ نے بھی بعض معاندین کے مخالفت کا اثر قبول
 کر لیا جو ایک اہل علم سے بہت بعید ہے۔ میرے عزیز آپ کا یہ بیان :-
 "زید آج سے ۳۳ سال قبل ایک مجموعہ نظم ترتیب سے کرنام حقائق بخشش حصہ سوم چھپواتا ہے
 اور اس کو بہت احتیاط سے ایک خاص حلقے میں فروخت کرتا ہے۔"
 واقعہ کے بالکل خلاف ہے۔ اتفاق سے مجھے حقائق بخشش حصہ سوم دستیاب ہو گیا، جس کے دیکھنے سے
 معلوم ہوا کہ آپ کے بیان کے برخلاف زید نے اس کی اشاعت اعلان میں بہت کوشش کی ہے چنانچہ
 اس کی اشاعت کے لئے صرف ایک مقام پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ پٹیالہ، لکھنؤ، لاہور، پٹیالہ، بھیت، بمبئی، ماہرہ
 شریف، چھ مقام اس کی اشاعت کے لئے تجویز کیئے۔ گویا اپنے خیال میں ہندوستان کا کوئی گوشہ بھی چھوڑا
 ایسے زبردست اعلان کو دیکھتے ہوئے ایسا کون عقلمند ہے کہ زید کے متعلق یوں کہے کہ وہ اس کو بہت
 احتیاط سے ایک خاص حلقے میں فروخت کرتا ہے۔ اس بیان سے غالباً آپ اس الزام سے اپنی اور عموماً
 اہل سنت کی بریت ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ۳۳ سال تک آپ کیوں خاموش رہے اور آج یکایک
 کس شخص نے آپ کو اس کی مخالفت پر ابھارا۔ تو میرے عزیز! ان اشعار واپہیہ کی نقل جس نوعیت پر

وقوع میں آئی ہے اگر اس کا لحاظ نہ کیا جائے اور اس ہی پر جرم کر لیا جائے کہ یہ اشعار جناب صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان اقدس میں کہے گئے ہیں تو اس الزام سے ان ہزار ہا اہل سنت کی بریت کی کوئی صورت نظر نہیں آتی جنہوں نے ان ۳۳ سال یہ جانتے ہوئے کہ قائل نے یہ اشعار جناب صدیقہ کی شان میں کہے ہیں باوجود قدرت کے اس منکر کے میٹھے کی کوشش نہ کی۔ عزیز من! ۳۳ سال تو بہت ہوتے ہیں ۳۳ منٹ بھی اگر کوئی باوجود قدرت کے اس کا انسداد نہ کرے اور قائل کی موافقت کرے تو اس کے گناہ میں وہ بھی شریک ٹھہرتا ہے یہی وجہ ہے کہ مسلمان ایسے منکر کو دیکھتے ہی چلا اٹھتا ہے اور اس سے ضبط کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس ۳۳ سال کے طویل عرصہ میں کسی ایک مسلمان نے بھی اس کے خلاف آواز نہ اٹھائی، اس کی وجہ سوائے اس کے کیا ہو سکتی ہے کہ کسی نے ان اشعار کو جناب صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں سمجھا ہی نہیں، اس لئے کہ اول تو ان اشعار کا مضمون ہی ایسا ہے کہ حضرت سیدتنا سے اس کو کوئی دور کی نسبت ہی نہیں معلوم ہوتی، دوسرے نہ اس سے قبل کے اشعار کا ان سے کچھ تعلق معلوم ہوتا ہے، نہ ان کے بعد کے اشعار کا، ایک معمولی اردو خواں بھی جب اوپر سے پڑھتا ہوا آتا ہے اور اس مقام تک پہنچتا ہے تو چونک اٹھتا ہے کہ یہ بد رنگ اشعار کس مقام کے اور کس شاعر کے بیچ میں آ پڑے، کہ نہ ان کو سیاق و سباق ہی سے کچھ تعلق ہے نہ آگے پیچھے کے انداز کلام سے کچھ مناسبت تیسرے ان اشعار پر حلی قلم سے جو لفظ علیہ لکھا ہے وہ تو ایسا ہدایت آب سنتری ہے جو بیابانگ دھل بتلا رہا ہے کہ یہاں سے بچ کر نکلتا، ہمارا مقصود چار اشعار کے بعد شروع ہو گا، غرض یہ وہ وجوہ ہیں جن کی وجہ سے ۳۳ سال امن و امان سے گزر گئے، اور اس درمیان میں شیطان کو بھی نہ سو بھی کہ کسی مسلمان کے خواب ہی میں آ کر یہ بہت دے جاتا کہ یہ اشعار ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں کہے گئے ہیں، مسلمان بالکل اس مظہر تھے کہ یہ اشعار کسی اور مقام کے ہیں غلطی سے یہاں لکھے گئے ہیں، زید کا بیان کہ یہ اشعار گیارہ کافرہ مشرکہ دہنوں کے متعلق ہے ہو سکتا ہے کہ صحیح ہو اور مصرعہ اولیٰ کی ضمیر ان ہی کی جانب ارجح ہو اور دوسرے مصرعہ میں قبا کا مضاف الیہ محذوف ہو جو قرینہ کے لئے وقت اکثر محذوف ہوتا ہے، خصوصاً اشعار میں تو تقدیر کلام یوں ہوگی کہ ہر ایک کی قبا کا یہ حال تھا، لیکن فقیر کو اس میں بھی تاثر ہے کہ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ اشعار ان کے حق میں ہی کہے ہوں کہ ان کی شان کے خلاف معلوم ہوتے ہیں، اور ہو سکتا ہے کہ فاضل موصوف کی جلیلی طبیعت سے ان عورتوں کے حق میں یہ کلام صادر ہوا ہو لیکن وہ ان کو طبع نہ کرانا چاہتے ہوں اور اکثر ایسا ہوتا ہے تو دوسرے کو کیا حق ہے کہ ان کی مرضی کے خلاف ان کو شائع کرانے میرے نزدیک زید سے یہ غلطی اس شوق میں صادر ہوئی ہے کہ کسی طرح فاضل موصوف کا یہ کلام بھی مسلمانوں تک پہنچ جائے، دوسری غلطی یہ کہی جاسکتی ہے کہ پریس والا کتنا ہی محتاط ہوتا لیکن ایک ذمہ دار کلام کی کتابت و طباعت اور اس کی کاپی و پروف کی تصحیح کے سلسلہ میں بد مذہب پر اعتماد نہ کرنا تھا پس یہ اگرچہ

غلطی تو ہے مگر ایسی جو شرعاً قابل گرفت ہو نہیں لفظ علیہ السلام اللہ تعالیٰ وضع عن
اصحی الخطاء والنسیا۔ ہاں اس غلطی پر واقف ہونے کے بعد جو اس کی اصلاح میں تساہل اور غفلت برتی گئی
ہے یہ البتہ قابل اعتراض ہے اور یہی وہ شے ہے جس پر زید نام ہوا، اور ماہنامہ پاسبان کے ایڈیٹر کے
تنبیہ کرنے پر فوراً وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تبارک کے تعالیٰ کے حضور میں معافی کے خواستگار
ہوئے اس مسئلہ کے متعلق میں نے مولینا محبوب علی صاحب کا وہ بیان دیکھا ہے جو ماہنامہ سنٹی لکچر بابت
ذوالحجہ ۱۳۷۲ھ میں شائع ہوا ہے، اس میں وہ ماہنامہ پاسبان کے ایڈیٹر کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر
کرتے ہیں کہ آج ۹ ذیقعدہ ۱۳۷۲ھ کو بمبئی کے ہفتہ وار اخبار میں آپ کی تحریر حقائق بخشش حصہ سوم کے
متعلق دیکھی، جو اب پہلے فقیر فقیر اپنی غلطی اور تساہل کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تبارک کے حضور
میں اس خطا اور غلطی کی معافی چاہتا اور استغفار کرتا ہے، خدا تعالیٰ معافی بخشے آمین، اس کے بعد اس
غلطی کے واقع ہونے کی وجہ بتلائی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قصیدہ مدحیہ سیدتنا حضرت ام المومنین
رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور سات اشعار قصیدہ ام زرعہ اے مصنفہ حضرت علامہ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پرانی
قلمی بوسیدہ بیاض سے نہایت احتیاط کے ساتھ نقل کئے لیکن ام زرعہ والہ قصیدہ جوں کہ پورا دستیاب
نہ ہوا تھا، ان سات شعروں کے تین حصہ کر کے ہر حصہ پر لفظ علیہ علیہ علی قلم سے لکھ دیا تھا، کہ ہر حصہ
کا مضمون علیہ تھا، جب حقائق بخشش حصہ سوم کی طباعت کا ارادہ کیا تو بعض مجبور یوں کی وجہ سے اپنے
مقام پر اس کا بندوبست نہ کر سکا، ناچار ————— ناہمہ اسٹیم پریس اے سے معاملہ کرنا پڑا، (اس مقام
پر انہوں نے تفصیل کے ساتھ اپنی مجبور یوں کا بیان کیا ہے) پریس اے نے یہ شرط کی کہ اس کی کتابت
بھی یہیں ہوگی، ناچار یہ شرط بھی منظور کی، اور اس کے سپرد کر دیا اتفاق سے کتابت و مالک پریس
دونوں بد مذہب تھے، ان لوگوں سے قصداً یا سہواً یہ تقدیم و تاخیر اور تبدیل و تغیر ظہور میں آئی بہت
زور کے بعد جب میں اس کتاب کی غلطیوں پر واقف ہوا تو خیال ہوا کہ طباعت دوم میں اس کی اصلاح
ہو جاوے گی، لیکن حافظ ولی خان نے بغیر مجھے اطلاع دئے پھر چھپو ادیا۔ غرض اس میں جو تساہل مجھ
سے ہوا ہے اسہی اپنی غفلت اور غلطی کی خدا تعالیٰ کے حضور میں معافی چاہتا ہوں وہ غفور رحیم مجھے معاف فرمائے،
(ماہنامہ سنٹی لکچر)۔ اس کے علاوہ مولینا موصوف کا وہ اعلان بھی دیکھا جس میں انہوں نے کہا ہے کہ حقائق بخشش
حصہ سوم صفحہ ۳۷۸، ۳۷۹ میں بے ترتیبی سے اشعار شائع ہو گئے تھے، اس غلطی سے بار بار اپنی توبہ فقیر شائع کر چکا ہے
خدا و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ وسلم فقیر کی توبہ قبول فرمائیں آمین ثم آمین۔ اور سنی مسلمان بھائی
خدا اور رسول کے لئے معاف فرمائیں جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم۔“

”فقیر نے اس ورق کو صحیح ترتیب کے ساتھ چھپو ادیا ہے اور سات شعروں کو بالکل نکال دیا ہے (جو ام زرعہ
والے قصیدہ کے تھے) جن صاحبوں کے پاس حقائق بخشش حصہ سوم ہو وہ مہربانی فرم کر ص ۳۷۸ اور ص ۳۷۹ والا

ورق نکال کر فقیر کو بھیج دیں اور یہ صحیح چھپا ہوا ورق فقیر سے منگا کر کتاب میں لگا لیں، اور جو صاحب کتاب واپس کرنا چاہتے ہیں وہ کتاب فقیر کے پاس پہنچا کر فقیر سے قیمت واپس لے لیں۔ والسلام علی الہی الاسلام۔
میرے نزدیک یہ اعلان ان کا اس غلطی پر توبہ کے حق میں شرفا کافی و معافی ہے، جو ان سے تساہل و غفلت کی وجہ سے صادر ہوئی، پس اس کے بعد ان کا یہ کہنا صحیح ہے کہ فقیر کی توبہ پر مطلع ہونے کے بعد بھی اگر کوئی فرد یا جماعت زبان لعن دراز کرے تو یہ اس کی نری فساد انگیزی اور خالص شر پسندی کا ثبوت ہوگا، اور اس پر ان کا حدیث پاک التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ سے اپنی بریت پر استدلال کرنا بھی صحیح ہے، یہ حدیث ابن ماجہ کی صحیح ہے، بہ کثرت علماء نے اس حدیث سے اس پر استدلال فرمایا ہے کہ توبہ سینات کو میٹنے والی ہے، پھر اس باب میں ایک ہی حدیث نہیں بکثرت اعادیت اور وہیں چنانچہ حضرت سیدنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے صحیحین میں مروی ہے کہ حضور نے فرمایا :-

ان العبد اذا اعترف ثم تاب تاب الله عليه (متفق علیہ)

بلکہ نصوص قطعیہ سے یہ مسئلہ ثابت ہے کہ بندہ جب توبہ کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور اس کے گناہ کو میٹ دیتا ہے، چنانچہ ارشاد ہے :-

وهو الذي يقبل التوبة عن عبادة ويعفو عن السيئات.

اس ہی لئے بعض علماء نے توبہ کا ایک کن یہ بھی گردانا ہے کہ تائب اس کا بھی اعتقاد کرے کہ توبہ معصیت کو میٹ دیتی ہے چنانچہ شرح عقائد کی شرح منبر اس میں ہے :-

التوبة هي الندم على المعصية والعزم على عدم العود اليها و زاد بعضهم

الاعتقاد بانها تمحو المعصية فهي ثلاثة ارکان - انتہی ما فیہ ص ۳۶۲ -

پس زید کا اور اس کے ہم خیال مسلمانوں کا ان کی توبہ کی قبولیت پر اطمینان کرنا بیجا نہیں ہے، ان کے ذمہ توبہ کے ساتھ ایک یہ شے بھی واجب تھی کہ وہ قابل اعتراض شے کو تلف کر دیتے، سو انہوں نے ایسا کر دیا، بعض مسلمانوں کا یہ مطالبہ کہ وہ امامت سے علیحدہ ہوں اور پوری کتاب ضائع کریں، اس کے لئے ان کے پاس کیا دلیل ہے، کیا کسی عالم نے امام کی توبہ کے قبول ہونے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ جب تک وہ امامت سے علیحدہ نہ ہو اور اپنے مال محترم کو ضائع کر کے ایک فعل حرام کا مرتکب نہ ہو، اس وقت تک اس کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی، توبہ تو کوئی جاہل بھی نہیں کہہ سکتا، چہ جائیکہ عالم۔ اس لئے کہ جاہل سے جاہل بھی یہ جانتا ہے کہ توبہ وہ شے ہے کہ اس غلطی کا اس کے سامنے کیا ذکر وہ تو شرک و کفر جیسی معصیت کو بھی نیست و نابود کر کے گناہوں سے پاک و صاف کر دیتی ہے ایسی غلطیاں تو بعض نیکیوں کی وجہ سے بلا توبہ ہی معاف کر دی جاتی ہیں، بلکہ کبائر سے بچا ہی ان کی معافی کے لئے کافی ہے لہذا لفظ تعالیٰ :-

ان تجتنبوا کبائر ما تنہون عنہ نکفر عنکم سیئاتکم وندخلکم مدخلکم بما

تو ایسے کریم کے کرم پر (جس کو معافی کے لئے توبہ کی ضرورت نہیں) یہ حکم لگانا کہ وہ توبہ بھی قبول نہ فرمائیگا میرے نزدیک تو نہایت ہی درجہ سنگین جرم ہے، جس کی سزا نہایت درجہ سخت ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کا واقعہ ذکر فرمایا کہ اس نے کہا کہ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ فلان شخص کو نہ بخشے گا، (جو غالباً فاسق ہو گا تو) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھ پر کون شخص قسم کھاتا ہے کہ میں فلان کو نہ بخشوں گا، میں نے فلان کو بخش دیا اور (اسے قسم کھانے والے) تیرے عمل ناپید کر دیئے اور کہا قال علیہ لست لہ ما واء مسلمہ۔ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں :-

دریں حدیث زہراست ہر کسے را کہ شخصے را حکم کند بعدم مغفرت اگرچہ فاسق و بدکار باشد، شاید کہ مولیٰ تعالیٰ اور بخشد و این را بگیرد سے

نا امید مکن از سابقہ روز ازل توجہ دانی کہ پس پردہ خوب است یا زشت

بلکہ ایک دوسرے واقعہ میں اسہی کا ذکر فرمایا ہے کہ اس عجب اور خود بینی نے عابد زہاد کو ناری کر دیا، اور فاسق فاجر کو ناجی۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں دو شخص آپس میں دوست تھے، ایک عبادت میں کوشش کرنے والا اور دوسرا (عامی میں منہمک لیکن اعتراف کرتا ہوا) کہتا کہ میں گنہگار ہوں، عابد اس سے کہتا کہ تو باز آجا ان افعال سے کہ جن میں تو مشغول ہے، تو وہ کہتا کہ تو مجھے میرے پروردگار کے ساتھ چھوڑ دے، (یعنی میرے اس کے ساتھ معاملہ میں تو دخل نہ دے کہ اس کے کرم سے مجھے بہت کچھ امید ہے) یہاں تک کہ عابد نے اسے ایک ایسے گناہ کا مرتکب ہوتے پایا جس کو وہ بہت بڑا جانتا تھا، تو اس نے پھر اس سے کہا کہ باز آ، اس نے جواب میں کہا کہ مجھے میرے پروردگار کے ساتھ چھوڑ دے کیا تو مجھ پر داروغہ اور موکل بنا کر بھیجا گیا ہے، اس پر عابد نے کہا کہ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ تجھے کبھی نہیں بخشے گا، اور تجھے جنت میں داخل نہ فرمائے گا پس اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی جانب فرشتہ بھیجا جس نے دونوں کی روحوں قبض کر لیں، بارگاہ خداوندی میں دونوں کی حاضری ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اس گنہگار سے ارشاد فرمایا کہ تو میری رحمت سے جنت میں داخل ہو، اور دوسرے سے فرمایا کہ ارے تو یہ طاقت رکھتا تھا کہ میری رحمت کو میرے بندہ پر حرام کر دے عرض کیا نہیں اسے پروردگار! میں طاقت نہیں رکھتا، پس اللہ تعالیٰ کا (ملائکہ کو) ارشاد ہوا کہ لے جاؤ دونوں کی طرف ”وواہ احمد کذا فی المشکوٰۃ“

جو مسلمان زید کی توبہ پر اطمینان نہیں رکھتے اور کہتے ہیں کہ اس کی توبہ قبول ہو ہی نہیں سکتی وہ ان حدیثوں کے مضمون پر غور کریں اور ان عابدوں کے حال سے عبرت حاصل کریں جنہوں نے فاسقوں پر اس کریم کے کرم سے غرور کر لیا کہ اپنی عاقبت خراب کر لی، پس یہ لوگ ایک غیر مجرم پر ایسا ناپاک حکم

لگا کر کس فلاح کی امید کھ سکتے ہیں۔ میں جہاں تک غور کرتا ہوں مجھے کوئی ایسی وجہ نظر نہیں آتی جو کسی عاقل اور منصف کے لئے زید پر کسی طرح کے طعن کا باعث ہو سکے، سوائے اس کے کیا کہا جاسکتا ہے کہ غالباً کسی نزاع حادث کی وجہ سے ذاتی عناد یا تغایر مذہبی نے ان اشعار کی آڑ لیتے ہوئے مقابلہ کے لئے طیار کڑیا ہے۔ اور اس میں ایسی وارفتگی ہو گئی کہ اس کی بھی خبر نہ رہی کہ زید سے عناد مولیٰ تعالیٰ سے عناد کی طرف منجر ہو رہا ہے، وہ تعالیٰ فرمائے کہ میں تائب کی توبہ قبول فرماتا ہوں اور اس کے مقابلہ میں یہ کہیں کہ زید کی توبہ قبول کر ہی نہیں سکتا، پھر یہاں تک بڑھے کہ ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈال دی، دنیا میں کسی کا یہ مذہب تھا کہ جرم کے بعد ہی اگر توبہ کی جائے تو قبول ہوتی ہے ورنہ نہیں، معتزلہ بھی اگرچہ جوہ علی الفور کے قائل ہیں، لیکن یہ ان کا بھی مذہب نہیں کہ اب آگے اس کی توبہ قبول ہو ہی نہیں سکتی، مذہب ان کا بھی یہی ہے کہ اگرچہ تاخیر کی وجہ سے ایک نئے گناہ کا مرتکب ہو گا، لیکن موت سے پہلے جب بھی توبہ کرے گا اس کی توبہ قبول ہوگی، جن لوگوں پر سرکارِ اقدس کی جناب میں توبہ کی وجہ سے علماء نے کفر کے فتوے دیئے، ان سے بھی ان علماء کا مطالبہ صرف توبہ ہی کا رہا، اور یا اس کا کہ خدا کے لئے اپنی کتابوں سے یہ عبارتیں نکال دو، اس کے سوائے ان پر جرمانہ مالی ڈالا گیا، نہ کسی حد کا حکم لگایا گیا، نہ کسی منصب کے چھوڑنے پر مجبور کیا گیا، نہ پوری کتابوں کے تلف کرنے کو کہا گیا، بڑا تعجب یہ ہے کہ مسلمان کہلانے والے ایسے بھی لوگ موجود ہیں جو صراحتاً امام المؤمنین رضی اللہ عنہما کے قاذف میں بجز چند صحابہ کے تمام صحابہ کو کافر کہتے ہیں، خصوصاً حضرات شیخین کی جناب میں سب شتم تو ان کے ایمان کا جزو اعظم ہے، لیکن ان سے باوجود ایسے شدید کفریات صادر ہونے کے پھر بھی اہل سنت کا ان سے توبہ کے علاوہ کوئی مطالبہ نہیں، آج اگر توبہ کر لیں تو صحیح معنی میں وہ پختہ مسلمان ہونے جاتے ہیں، اسی طرح جو لوگ مرتد ہو گئے ہیں ان کے لئے بھی اسلام کا آغوش پھیلا ہوا ہے، جس وقت بھی وہ توبہ کر کے تجدید اسلام کر لیں گے، اسلام میں داخل ہو جائیں گے، اگرچہ پوری عمر ارتداد اور کفر کی اشاعت میں گزری ہو، لیکن اگر موت سے قبل توبہ کر لیں گے تو پھر پختہ مسلمان ہیں۔ غرض ۳۳ سال تک اگر بالفرض زید سے اس قصیدہ کی اصلاح میں قساہی ہوا اور غفلت رہی تو تب بھی یہ شے اس کی توبہ کی تکمیل میں کسی طرح کا نقصان نہیں کر سکتی، نہ اس عرصہ تک مسلمانوں کی ان اشعار پر خاموشی ان کو ملزم گردان سکتی ہے کہ ثابت کیا جا چکا کہ یہ اشعار حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں کوئی سمجھی نہیں سکتا، بشرطیکہ نظر انصاف رکھتا ہو۔

دوسرا مقصد آپ کا اس قول سے کہ وہ اس کو بہت احتیاط سے ایک خاص حلقہ میں فروخت کرتا ہے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ زید سنی نہیں ہے، وہ امام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان میں اس گستاخی کی قصداً اشاعت کر رہا ہے، مگر انہی لوگوں میں جو ان کی شان میں ایسی گستاخی کو پسند کرتے ہیں تو اول تو یہی صحیح نہیں کہ کسی خاص حلقہ میں اس کی اشاعت کی گئی ہے جیسا کہ عرض کیا جا چکا، دوسرے اس کی

تفسیر میں حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مدحت میں ایسے اشعار بھی ہیں جن پر نظر کرنا ان کو ایسا پسند جیسے چمگا در کو آفتاب کا دیکھنا اس میں حضرات شیخین کی منقبتیں بھی ہیں اھان پر نظر کرنا تو ان کے لئے ایسا ہے جیسے موت کے فرشتہ کو ملاحظہ کیا، تو اگر زید ایسا ہوتا تو خود ہی کیوں اس کو طبع کر اگر شائع کرتا اور جس خاص حلقہ کی طرف اشارہ ہے، اس میں اگر وہ خصوصیت سے شائع کرتا تو وہ تو اس کی جان کو آجاتے فرض یہ خیال بھی آپ کا کچھ معقولیت نہیں کہتا۔ میرے نزدیک اصل چیز یہ ہے کہ اس کتاب (حدائق بخشش حصہ سوم) میں جہاں بزرگوں کی منقبتیں ہیں وہاں بعض کی مذمتیں بھی ہیں، پس جن لوگوں کی مذمتیں ہیں ان سے تعلق رکھنے والوں کے لئے اس کتاب کا وجود کھٹکا ہے، وہ صنّیہ ہستی کے اوپر اس کا وجود دیکھنا ہی نہیں چاہتے، یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ یہ اشعار اس دیوان سے نکال دیئے گئے، لیکن کہا جاتا ہے کہ اس پر ہمیں اطمینان نہیں، پوری کتاب تلف کی جائے، اس کا مطلب یہ نہیں تو اور کیا ہے کہ ہمارا مقصد ان اشعار کا نکلوانا نہیں ہے، بلکہ ہمارا مقصد تو کچھ اور ہے جس کو ہم زبان سے ادا نہیں کر سکتے، اس مقصد پر ہم جی بھی کامیاب ہوں گے جب پوری کتاب تلف کی جائے گی، اسی طرح خود زید سے بھی محض ان اشعار کی وجہ سے مخالفت نہیں ہے ورنہ ان اشعار کے نکال دینے سے یہ مخالفت ختم ہو جاتی بلکہ جن لوگوں کی یہ لوگ مذمت سنی نہیں چاہتے، غالب یہ ہے کہ زید سے ان کی شان میں کچھ گستاخی صادر ہوتی رہی ہوگی، اگر یہ حقیقت ہے تو معترنین کو صفائی سے اس کا اظہار کرنا چاہیے، مجھے امید ہے کہ اس صورت میں کوئی معتد بہ فائدہ حاصل ہو سکے گا، آپ جو کچھ میں نے عرض کیا اس کی روشنی میں اپنے سوالات کا جواب ملاحظہ فرمائیں

(۱) جب یہ ثابت کیا جا چکا کہ یہ شخص یعنی زید حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگانے اور ان کی اہانت کرنے سے بری ہے، اور اس نے جو اپنی بریت کے وجوہ پیش کئے ہیں، اس کے صدق پر تجربات شاہد ہیں تو اب اس کی طرف اہانت کی نسبت محض اس پر تہمت ہے، حقیقت میں اہانت کرنے والا وہ شخص جو زید کی طرف نسبت کرتے ہوئے حضرت عائشہ کی شان میں یہ اشعار کہہ رہا ہے، اس لئے کہ کسی کی اہانت کرنے کا ایک یہی طریقہ ہے اور بڑا خوبصورت کہ اپنے کو اس کا خیر خواہ اور غم خوار ظاہر کرتے ہوئے اور دوسرے شخص پر تہمت لگاتے ہوئے یوں کہتا ہے کہ فلان شخص آپ کو ایسی ایسی فحش گالیاں دیتا ہے، اس طریقہ سے وہ گالیاں دے کر اپنا دل بھی ٹھنڈا کر لیتا ہے اور ظاہر میں اس کا خیر خواہ بھی بنا رہتا ہے، پس صورت مذکورہ میں اس ہی دوسرے شخص پر تو بہا اور جناب صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بارگاہ میں معذرت اور زید سے معافی حاصل کرنا ضروری ہے کہ یہ دوسرے تہمتیں شد وجہ کے گناہ کا مرتکب ہے۔ لقول تعالیٰ :-

ومن یکسب خطیئة او اثما ثم یرمہ بریئاً فقد احملاً بہتانا واثماً بیننا۔

اس آیت میں زید سے جس قدر غلطی واقع ہوئی ہے، اس ہی کا اس کو اقرار ہے اور اس ہی سے جس

توبیت سے اس نے توبہ کی ہے وہ یقیناً مقبول ہے کہ اس تعالیٰ کے وعدہ میں تخلف کا امکان نہیں بقولہ تعالیٰ :-
ولن یخلف اللہ وعدہ .

اور وہ ارشاد فرماتا ہے :-

الم یعلموا ان اللہ هو یقبل التوبۃ عن عبادہ ویأخذ الصدقات وان
اللہ هو التواب الرحیم .

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں صاحب تفسیر سراج المنیر تحریر فرماتے ہیں :-

والایۃ وان و ہادت بصیغۃ الاستفہام الا ان المراد بها التقریر فی النفس
ومن عادیۃ العرب فی افہام المخاطبۃ ان الۃ الشک عنہ ان یقولوا لما علمت
ان من علمک یمجب علیک خدمتہ اما علمت ان من احسن الیک یمجب
علیک شکرہ فبشر اللہ تعالیٰ ہنولام التائبین بقبول توبہم وصدقاتہم
ترغیباً فی التوبۃ و بذل الصدقات . انتہی .

پس نیکو اب کسی سزا کا مستحق نہیں جس غلطی سے اس نے توبہ کی ہے وہ صاف ہو چکی، سوال میں تمام گناہوں سے
معافی کے متعلق استفسار ہے، جس کا موقع نہ تھا، یہ شے بھی اس ہی طرف مشیر ہے، کہ زید سے یہ نزاع کسی
اور شے کی وجہ سے ہے، پس اگر وہ شے حقیقت میں معصیت ہے تو جب تک اس سے توبہ نہ کی جائے گی اس کے
متعلق کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ بھی صاف ہو گئی، ہاں اگر وہ کریم چاہے تو اسے بھی بخش دے گا کہ اس کا ارشاد
ہے :-

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء .

اس غلطی کو آپ کو واضح طور پر بتلانا چاہئے، تاکہ وہ اس سے توبہ کرے، اور توبہ سے انکار کرے تو پھر اس کا
حکم آپ دریافت کر سکتے ہیں .

اس سے پہلے کسی سوال میں اس کا ذکر تھا کہ اس سوال کے جواب میں بعض علماء نے اس آیت کریمہ :-

انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوء یجھالۃ ثم یتوبون من قریب الیہ

سے استدلال کرتے ہوئے زید کی توبہ کے نہ قبول ہونے پر فتویٰ دیا ہے جس کا جواب مختصراً دیا جا چکا ہے لیکن

اس سوال میں یہ بتلا کر زید ایک عرصہ تک اس کی اشاعت بھی کرتا رہا ہو پھر اس سوال کو دہرایا ہے تو اب میں

اس کا جواب ذرا تفصیل کے ساتھ عرض کروں، میرے نزدیک جس نے ایسا جواب دیا ہے وہ قاسق ہے ان

قابل نہیں کہ مسلمان اس سے فتویٰ حاصل کریں، وہ ایسا جواب دیتے ہوئے اس وحید شہید سے نہ ڈرا کہ حضور

کا ارشاد ہے :-

من قال فی القرآن بغیر علم فلیتوبوا مقعدۃ من النار رجوعاً الیہ .

یہ بھی نہ دیکھا کہ اس سے اگلی آیت ہی خود اس کی تفسیر فرما رہی ہے کہ من قریب سے مراد معصیت اور موت کا درمیانی زمانہ ہے، یہی تمام مفسرین کا بیان ہے چنانچہ تفسیر روح المعانی میں ہے :-
 من تبعیضیۃ جعل ما بین وجود المعصیۃ و حضور الموت نہ مانا قریباً
 ففی ای جزء من اجزاء هذا الزمان تاب فهو ثابت فی بعض اجزاء
 زمان قریب انتہی ۔

یہ آیت اور اس سے اگلی آیت پوری یوں ہے :-

انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوء بجهالة ثم یتوبون من قریب
 فاولئک یتوب اللہ علیہم وکان اللہ علیہا حکیمہاہ و لیست التوبۃ للذین
 یعملون السیئات حتی اذا حضر احدہم الموت قال انی تبت الان ولا
 الذین یموتون وہم کفارۃ اولئک اعتدنا لہم عذاباً الیمہاہ

علماء اہل دیوبند سے مولینا اشرف علی صاحب تھانوی اپنی تفسیر میں آیات کا ترجمہ اور تفسیر اس طرح کرتے ہیں :-

توبہ جس کا قبول کرنا (حسب عدہ) اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، وہ تو ان ہی کی ہے جو حماقت سے کوئی گناہ (صغیرہ ہو یا کبیرہ ہو) کر بیٹھتے ہیں پھر قریب ہی وقت میں (یعنی قبل حضور موت جس کے معنی آگے آتے ہیں) توبہ کر لیتے ہیں، سو ایسوں پر تو خدا تعالیٰ (قبول توبہ کے ساتھ) توجہ فرماتے ہیں (یعنی توبہ قبول کر لیتے ہیں)، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ کس نے دل سے توبہ کی، حکمت الہی ہے کہ دل سے توبہ نہ کرنے والے کو فضیحت نہیں کرتے، اور ایسے لوگوں کی توبہ (قبول) نہیں ہو (برابر) گناہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت ہی کھڑی ہوتی ہے (حضور موت کا مطلب یہ ہے کہ اس دوسرے عالم کی چیزیں نظر آنے لگیں) تو کہنے لگا کہ میں اب توبہ کرتا ہوں (پس تو ایسوں کی توبہ مقبول) اور نہ ان لوگوں کی (توبہ یعنی ایمان ہی ایسے وقت کا مقبول) جن کو حالت کفر پر موت آجاتی ہے ان (کافر) لوگوں کے لئے ہم نے ایک دردناک سزا (یعنی عقوبت و دوزخ) تیار کر رکھی ہے، انتہی

پھر اس کے فائدے میں لکھتے ہیں :-

اور جاننا چاہیے کہ سزا اور سزائیں دونوں جگہ اپنے عموم سے ہر عمل بد حسی کہ کفر کو بھی شامل ہے اور قانون کلی سے ایمان کا مقبول یا نامقبول ہونا معلوم ہو گیا تھا، لیکن کفار کے ایمان عذاب الہی کا نامقبول ہونا پھر تصریحاً شاید اس لئے بیان فرمایا ہو کہ اہل کفر کی تسلیف و تاخیر کی تفتیح اچھی طرح واضح ہو جائے۔ واللہ اعلم اور عاصی کے حق میں جو فرمایا کہ تو پھر وقت حضور موت

کے مقبول نہیں یعنی وہہ مغفرت اس پر مرتب نہیں اور ویسے اگر مشیت سے فضل ہو جائے تو کوئی امر مانع نہیں اور بعض متعین نے دلائل الذمین یسوتون کی تقریر کی ہے، کہ جو شخص ساری عمر کفر پر رہا حتیٰ کہ اس ہی پر اس کا خاتمہ ہو گیا، اور وہ کسی جزو عمر میں دوسرے گناہ ہونے سے توبہ کر لے، لیکن مسلمان نہ ہو، تو اس کی وہ توبہ جو گناہوں سے کی ہے، مقبول نہیں کیوں کہ ایمان منجمد بشرائط قبول توبہ ہے جیسا کہ قبل الحضور بھی شرط ہے، انتہی

اگرچہ ان آیات کریمہ کا ترجمہ ہی اس لئے خیال کو باطل کرتا تھا، کہ معصیت کے ارتکاب کے بعد ہی فوراً توبہ کی جائے گی تو قبول ہوگی ورنہ نہیں، لیکن مزید اطمینان کے لئے دو تفسیروں کی ان کے متعلق عبارتیں بھی پیش کر دیں ورنہ ضرورت توبہ تھی۔

(۲) ہاں ایسے شخص کو مسلمان اپنا امام بنا سکتے ہیں کہ اول تو اس پر کوئی ایسا جرم ثابت نہیں جس سے اس پر فاسق ہونے کا حکم لگایا جاسکے، دوسرے خطا و نسیان کی وجہ سے جس قدر غلطی ثابت ہے، اس سے بھی وہ توبہ کر چکا۔

(۳) بیشک جو شخص یہ کہے کہ میں اس کی توبہ قبول نہیں کرتا اس کو امامت سے علیحدہ کیا جائے وہ فساد اور شرانگیزی قرار دیا جاسکتا ہے، کہ توبہ کا قبول کرنا نہ کرنا مولیٰ تعالیٰ کے اختیار ہے جبہ تائب کی توبہ قبول کرنا ہے تو اس کو کیا حق ہے کہ یوں کہے کہ میں قبول نہیں کرتا، اور اگر اس خیال سے کہتا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ نے قبول نہیں فرمائی اس لئے کہ مولیٰ تعالیٰ کے ڈر کی وجہ سے توبہ نہیں کی ہے بلکہ بندوں کے ڈر سے کی اور امامت کے جانے کی وجہ سے کی ہے، تو اس صورت میں یہ غیب پر علم کا دعویٰ ہے، جس کا حکم تو وہ خوب جانتا ہو گا کہ کیا ہے، یہ بیچارہ کس گنتی میں ہے۔

حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو سرکار اقدس کے نہایت درجہ چہیتے اور جلیل القدر صحابی ہیں ان کو اس مسئلہ میں توجہ و تویح فرمائی گئی۔ جس کا واقعہ وہ خود یوں بیان فرماتے ہیں کہ حضور نے ہم کو ایک قوم پر جہاد کے لئے بھیجا، چنانچہ ہم اڑہ سے جا کر لڑے، اور شکست دیدی، ان میں سے ایک شخص پر جب میں نے اور ایک انصاری نے قابو پایا تو اس نے کلمہ شریف پڑھا، جس کو سن کر انصاری تو اس کے قتل سے رُک گئے، لیکن میں نے اسے قتل کر دیا جب ہم حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ حضور پر پیش ہوا تو حضور نے فرمایا کہ یا اسامہ اقتلتہ بعد ما قال لا الہ الا اللہ قلت یا رسول اللہ انما قالوا نحو ما قال اللہ قتلتہ قلبہ۔ یعنی اسے اسامہ تو نے اسے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کر دیا میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس نے ہتھیار کے ڈر سے کہا تھا، فرمایا کہ تو نے اس کا دل کیوں نہ پیرا دینی تجھے اس کے دل کے حال کی کیا خبر، یہ واقعہ تمام کتب صحاح میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے، تو دیکھئے کہ اس شخص کا ظاہر حال تو یہی بتلاتا تھا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قیاس صحیح تھا کہ اس نے قتل کے خوف سے کلمہ

شریف پڑھا ہوگا۔ لیکن حضور نے اس کو قبول نہ فرمایا، اور فرمایا کہ تم نے ایک مسلمان کو قتل کر لیا، پس اس مقام پر کسی شخص کو یہ کہنا جائز نہیں کہ زید نے بندوں کے ڈر سے توبہ کی ہے، علماء کسی کے ظاہر حال پر حکم لگا سکتے ہیں اور بس۔ (۴) یہ لوگ وہ ہیں جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گئے لقولہ تعالیٰ کیف یدعی اللہ قوما کفروا الایہ۔ بلکہ جنہوں نے ارتداد پر اصرار کیا اور عناد پر اڑے رہے ان کے حق میں تو ارشاد فرمایا کہ ان کی تو توبہ بھی ہرگز قبول نہ کی جائے گی، لقولہ تعالیٰ :-

ان الذین کفروا بعد ایمانہم ثم اذادوا کفرا لن تقبل توبہم واولئک
ہم الضالون۔

لیکن پہلی قسم کے مرتدوں کے حق میں تو قرآن کریم نے خود ہی استثنا فرمادیا کہ اگر اس کے بعد انہوں نے توبہ کر لی ہے تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے (ان کو بخش دے گا) رہے دوسری قسم کے مرتد جن کے متعلق ارشاد ہے کہ ان کی توبہ قبول نہ ہوگی، مفسرین توبہ کی قبولیت کے باب میں وعدہ الہی کو دیکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں توبہ کا قبول نہ ہونا کما یہ ہے توبہ کی توفیق نصیب ہونے کی طرف یا توفیق بھی ہوگی تو ایسے وقت کہ سگرات موت طاری ہو چکی تھی، اور قبولیت توبہ کا وقت نہ رہا تھا چنانچہ آوار التنزیل میں ہے :-

لن تقبل توبہم لا نہم لا یتوبون الا اذاشفوعلى الهلاک فکفی عن
عدم توبہم لعدم قبولہا تغلیظاً فی شانہم وابرار حالہم فی صوت
حال الا تسین من الرحمة اولان توبہم لا یكون الا نفاقاً لا ترداد
ہم وزیادۃ کفرہم انتہی مافیہ

اور تفسیر سراج المنیر میں ہے :-

فان قيل قد وعد الله تعالى قبول توبة من تاب فما معنى قوله تعالى
لن تقبل توبتهم اجيب بان محل القبول اذا كان قبل الغرغرة وهؤلاء
توبتهم كانت بعد ها و انهم لم يتوبوا اصلاً فکفی عن عدم توبہم
بعدم قبولہا وان توبہم لا تكون الا نفاقاً۔ انتہی

اور یہ وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے کسی مسلمان کو قصداً ناحق قتل کیا، ان کے لئے بھی خلودنار کی وعید ہے، لیکن اہل علم پر پوشیدہ نہیں کہ دلائل قطعاً سے ثابت ہے کہ خلودنار کسی مسلمان کے لئے نہیں ہے لقولہ تعالیٰ
”وعد الله المؤمنین والمومنات جنات“

تو یہاں قاتل مومن سے مراد کافر ہے، کہ اسی کی شان سے یہ ہے کہ وہ مسلمان کو قتل کرے گا یا متعہد سے مراد
ہے مستحلاً کہ ایسا شخص بھی کافر ہے، یا یہ عام خص منہ البعض ہے، اور وہ بعض مسلم ہے، یا یہ بات تغلیظ سے
ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مومن سے قتل مومن کیسے صادر ہو سکتا ہے کہ یہ تو کفار کی شان سے ہے،

جن کی جزا خلودنار ہے، یا یہ محمول ہے مکث طویل پر اور اس کا معاف فرمانا تحت مشیت خداوندی میں داخل، بہر حال کوئی نہ کوئی تاویل ضرور کرنی پڑے گی۔ کہ یہ اور اس قسم کی دوسری روایات معارض ان آیات کریمہ کے ہیں جو مسلمان کے لئے عدم خلود و پردال ہیں، یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے، چنانچہ عقائد نسفی میں ہے :-

واهل الکباشر من المؤمنین لا یخلدون فی النار وان ماتوا من غیر توبۃ۔

احادیث صحیحہ کا بھی یہی مفاد ہے، اور اس ہی پر اجماع ہے۔ ہاں اس میں معتزلہ کا خلاف ہے لیکن وہ بھی ایسے لوگوں کو مسلمان مانتے ہوئے ان کے لئے خلودنار کے قائل نہیں ہیں بلکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے سے مسلمان کافر ہو جاتا ہے تو کافر ہونے کی حیثیت سے خلودنار کا حکم دیتے ہیں، بغرض مسلمان مسلمان ہوتے ہوئے ہرگز خلودنار کا مستحق نہیں ہے۔

ان ہی لوگوں میں وہ بھی داخل ہیں جنہوں نے اللہ رسول کی نافرمانی کی اور حدود الہی سے تجاوز کیا لقولہ تعالیٰ :-

ومن یعص الله ورسوله ويتعد حدوده يدخله ناراً خالداً فیہا۔

اور ان ہی میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کسی طریق سے ایذا دی، لقولہ تعالیٰ :-

ان الذین یؤذون اللہ ورسوله لعنہم اللہ فی الدنیا والآخرۃ واعد
لہم عذاباً مہیناً۔

اور یہ یوں کہ ایسے لوگ کافر ہو جاتے ہیں، لیکن یہ حکم ان پر جمعی تک ہے جب تک انہوں نے توبہ نہ کی تو یہ کے بعد تو وہ کریم ان کو بھی معاف فرما دیتا ہے کہ اس کا ارشاد ہے :-

وانی لغفارا لمن تاب

مشرکین عرب پر نظر کیجئے کہ اس باب میں انہوں نے کیا کچھ نہ کیا وہ کیا کہ جس کا بیان کرنا دشوار ہے، لیکن بعد توبہ اب ان کا وہ مرتبہ ہے کہ بڑے سے بڑا آدمی بھی ان کے قصر مرتبہ کی دہلیز تک نہیں پہنچ سکتا، تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے، کہ معاذ اللہ ان جلیل القدر حضرات پر وہ کریم لعنت فرمائے گا اور ان کو ذلت کا عذاب دے گا۔ میرے نزدیک تو ایسا خیال ہی کفر ہے کہ ان میں بعض وہ ہیں جن کو نصوص قطعاً نہ صرف ناجی بلکہ بڑے بڑے درجات کا مالک فرما رہی ہیں۔

ہاں اس حکم کے سزاوار وہ بھی ہیں جنہوں نے محصنہ پر زنا کی تہمت رکھی، خصوصاً معاذ اللہ جناب صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر لقولہ تعالیٰ :-

ان الذین یرمون المحصنات الغافلات المؤمنات لعنوا فی الدنیا
والآخرۃ ولہم عذاب عظیم

آیت کریمہ میں یہ حکم اگرچہ عام ہے ہر اس قاذفِ محصنہ کا جس نے توبہ نہ کی ہو، لیکن بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ حکم خاص عبد اللہ بن ابی منافق قاذفِ حضرت صدیقہ کا ہے چنانچہ تفسیر انوار التنزیل میں ہے :-

قیل هو حکم کل قاذف مالہ یشبہ قیل مخصوص بمن قذف امر واجر النبی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۶۹

اور تفسیر سراج المنیر میں ہے :-

قال مقاتل هذا خاص فی عبد اللہ بن ابی بن سلول المنافق ۶۹ -

پس اس حکم کو خواہ عام رکھے یا خاص بہر حال یہ حکم قاذفِ محصنہ کا ہے (والقذف شرعا الوری بالمرنا
کذا فی اللہ المختار) جس کا اس مسئلہ سے کچھ تعلق نہیں اور اگر تعلق بھی ہوتا تب بھی زید کا حکم یہ نہ ہوتا کہ
یہ حکم قاذفِ غیر تائب کا ہے، رہا اس سرکار کی جناب میں گستاخی کا حکم سو وہ بھی اگرچہ قاذف کے گناہ کی
حیثیت کو نہ پہنچے مگر پھر بھی بڑا گناہ ہے۔ لقولہ علیہ السلام :- سباب المسلم فسوق۔ لیکن اس
مسئلہ سے بھی اس کو تعلق نہیں کہ یہ اشعار زید کی تصنیف سے نہیں اس نے اس مقام پر لکھے نہیں اس جگہ لکھوائے
نہیں طبع ہونے کے بعد جب اس کو اس غلطی پر اطلاع ہوئی تو اس پر اس کی رضا مندی ثابت نہیں یہاں
تک کہ خود کاتب سے اگرچہ اس قصید کے لکھنے میں بہت غلطیاں واقع ہوئیں، جس میں سب سے بڑی غلطی یہ کہ
ام زرعہ والے قصیدے کے اشعار بے موقعہ اس قصید میں لکھ دئے، اور زید نے ان کو جس مقام پر لکھوایا
تھا اور اس کے تین حصے کر کے ہر حصہ پر جلی قلم سے لفظ علیحدہ لکھنے کی ہدایت کی تھی، کسی وجہ سے اس
کے موافق لکھنے میں چوک گیا، لیکن ان اشعار ممتازہ ذیہا پر مولیٰ تعالیٰ نے اس سے بھی لفظ علیحدہ لکھوایا
تاکہ ان اشعار کا جناب صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شانِ اقدس میں ہونے کا کسی کو شک بھی نہ گزرے جس
کی وجہ سے زید بھی قطعاً اس الزام سے بری ہو گیا، کہ اس نے اس سرکار کی اہانت کے قصد سے یہ اشعار
اس مقام پر لکھوائے، اور کاتب بھی۔ اگر معاذ اللہ کاتب کا یہ قصد ہوتا تو اس کے ہاتھ میں قلم تھی۔ اور
موقعہ یہ تھا کہ اس کے ہاتھ کا روکنے والا بھی کوئی نہ تھا تو وہ کیوں کسے چھوڑتا غرض میرے نزدیک یہ
بھی اس ناپاک الزام سے بری ہے، اور کاتب بھی، اور ہرگز ہرگز ان میں سے کوئی بھی نہ لعنت کا سزاوار
ہے نہ عذابِ ارا کا مستحق۔

ان جوابات کے مخالف بعض علماء کے جوابات ضرور آپ کو موصول ہوئے ہوں گے، جیسا کہ آپ اپنے
دوسرے خط میں بیان کرتے ہیں اور ان کے دلائل کا ذکر کر کے ان دلائل کی روشنی میں مجھے جواب دینے
کی ہدایت کرتے ہیں، میں نے اس خط کو غور سے پڑھا، میرے نزدیک اس کی اصل وجہ یہ معلوم ہوتی ہے
کہ ان علماء کو اس واقعہ کی حقیقت سے غافل رکھا گیا ہے، اور یہ قصید جس صورت سے طبع ہوا ہے اس کا
اظہار نہیں کیا گیا، جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے، چنانچہ اس سے قبل جب تک مجھ کو اندھیرے میں رکھا گیا

میں خود ایسے ہی جواب تیار ہا، اگر ایسا نہ کیا جاتا تو کبھی آپ کو ان جوابات کے مخالف جوابات حاصل نہیں ہو سکتے تھے کہ اصل واقعات معلوم ہونے کے بعد زید کی توبہ کے قبول ہونے کے متعلق شبہ ہی نہیں رہتا۔ لیکن جس قدر میں اس واقعہ کی حقیقت سے واقف ہوں اگر باوجود ایسے واقف ہونے کے بھی کسی نے زید کے جرم کو ناقابل معافی ہونا کہا ہے تو منجملہ دوسرے معاذین کے ایک وہ بھی معاذ ہے۔

مہربان من! سوال کا یہ طریقہ نہیں کہ سوال میں ایسے مسئول عنہ کے نام کا اظہار کر دیا جائے جو شہرت کھتا ہے کہ اس زمانہ میں ایسے غیر عادل مجیب بہت پائے جاتے ہیں کہ جب مسئول عنہ کو اپنے مخالف پاتے ہیں تو خواہ مخواہ اس کے مخالف ہی جواب دیتے ہیں، اور اس کے برعکس جب وہ اپنا موافق نظر آتا ہے تو اس کے موافق ہی جواب دینے میں کوشش فرماتے ہیں، اگرچہ نصوص قطعہ ہی کیوں پہلے شخص کو بری کرتی ہوں اور دوسرے کو مجرم قرار دیتی ہوں مگر اس کی کچھ بھی پروا نہیں کرتے اور سائل کا یہ فعل تو نہایت ہی درجہ ذلیل ہوتا ہے، کہ جس شخص پر جرم ثابت نہیں اور وہ خود منکر ہے اور اس کی تصدیق پر شواہد بھی قائم، پھر بھی اس کو مجرم بتلا کر اس کے متعلق سوال کیا جائے جیسا کہ اس مسئلہ میں کیا گیا ہے، کہ زید کہتا ہے کہ ان اشعار کے بے موقعہ کہے جانے میں میری خطا نہیں، ناقل یا کاتب کی ہے، اور ایک زمانہ جانتا ہے کہ ناقلین اور کاتبین سے کسی کسی غلطی غلطیاں صادر ہو جاتی ہیں پھر مسئول عنہ کی ذات کی طرف نظر کی جاتی ہے تو وہ اس مسئلہ میں ایسا مشدد واقع ہوا ہے کہ ان ذوات پاک کی جناب میں کسی کے متعلق گستاخی کا شائبہ بھی پاتا ہے تو اس پر سخت سے سخت حکم لگا دیتا ہے، یہی ایک وجہ ہے جو اس کے بیان کی تصدیق کے لئے کافی ہے، اگرچہ دوسرے قرائن و وجوہ نہ بھی موجود ہوں، اور یہی وہ وجہ ہے جس کی وجہ سے یہ غلطی فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی ہے، اس کے سوا اگرچہ اور بھی وجوہ ہیں جن کی وجہ سے اس غلطی کی نسبت ان کی طرف نہیں کی جاسکتی، لیکن یہ ایک بہت بڑی وجہ ہے صرف اس ہی ایک شے کو دیکھتے ہوئے کسی کے وہم میں بھی نہیں آتا کہ اس غلطی کا ان کی طرف نسبت کرنا جن کے متعلق ان کے بعض مخالفین کا یہ قول سننے میں آیا ہے کہ وہ تو حضور کے عشق میں دیوانہ ہیں ان سے کوئی کیا کہے، چنانچہ فاضل موصوف خود فرماتے ہیں۔

مجھ کو دیوانہ بتاتے ہو میں وہ ہوشیار ہوں پاؤں جب طوف حرم میں تھک گئے سر پھر گیا

پس جب یہ غلطی ان کی طرف نسبت نہیں کی جاسکتی تو زید بیچارہ کی طرف کیسے کی جاسکتی ہے، کہ نہ وہ ان اشعار کا قائل، نہ ناقل، نہ کاتب نہ اس کے حکم سے اس مقام پر ان کا لکھنا ثابت، الغرض زید کے متعلق سوال میں یہ بتلانا کہ اس نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی "خالص کذب اور اس پر بہتان ہے، یہ جو کچھ میں نے عرض کیا اس کو ہرگز اس پر محمول نہ کیا جائے کہ مجھے ابن علی برادران سے کچھ تعلق ہے مولینا محبوب علی صاحب کا تو صرف میں نے نام ہی سنا تھا، ابھی تک اس سے بھی واقف نہ تھا کہ مولینا حسنت علی صاحب کے برادر ہیں، ہاں مولینا حسنت علی صاحب کا اسم گرامی سننے کے ساتھ ایک عمر سے

سے ان کے کچھ اوصاف بھی سننا رہا ہوں کہ وہ اپنے کو بریلوی کہتے ہیں، اور مزاج میں نہایت درجہ تشدد ہے جس کی اکثر اہلسنت کو بڑی شکایت ہے، سنا جاتا ہے کہ وہ اگر کسی مسلمان کو کسی مسئلہ میں اپنے مسلک کے خلاف سنتے ہیں تو اس پر خاسج اہل سنت کا حکم لگا دیتے ہیں، نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت حکم گو وہ مسئلہ اہل سنت ہی کے درمیان مختلف فیہ کیوں نہ ہو۔ بعض لوگوں نے یہ بھی بیان کیا کہ وہ اس ہی بنا پر تیسرے متعلق بھی اچھا خیال نہیں رکھتے اور وہ تجھے بھی اپنا مخالف سمجھتے ہیں، تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ قطع نظر اس کے کہ ان لوگوں کا بیان صحیح ہے یا غلط، جب ایسا بیان میرے کانوں میں پہنچتا رہے گا تو ہر بنائے فطرت انسانی میرا قلب کیا اثر قبول کر سکتا ہے، جب وہ مجھے مذہباً اپنا مخالف خیال فرمائیں گے تو لامحالہ میں ان کے مخالفین ہی میں شمار کیا جاؤں گا، اور اس صورت میں اگر مولیٰ تعالیٰ نفس کی شرارت سے محفوظ نہ رکھے تو جذبہ انتقامی کی خواہش یہ ہوگی کہ میں بھی بجائے اس آگ کے بجھانے کے اور اس کو ہوا دوں، لیکن الحمد للہ علی احسانہ میں نے مخالف کی طرف حق دیکھتے ہوئے کبھی اس کی حمایت سے دریغ نہیں کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے قلب میں میری محبت استخ ہو گئی، اسی طرح اپنے دوست کی طرف سے باطل کو دیکھتے ہوئے کبھی اس کی حمایت نہ کی، اگرچہ وہ اس کی وجہ سے دشمن ہو گیا، لیکن مجھے نہ اس کی دوستی کی کچھ پروا رہی نہ اس کی دشمنی کا کچھ خوف، واللہ تعالیٰ ذالک۔

آخر میں میں آپ کے اور مولینا موصوف کے مخالفین کے حق میں دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ انہیں حق کے قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ایسے حملوں سے محفوظ رکھے جو خود ان ہی کو نقصان پہنچائیں اور اس ہادی مطلق کی بارگاہ میں علی برادران کے لئے بھی دعا ہے کہ وہ تعالیٰ انہیں بھی وہ صحیح طریقہ نصیب فرمائے جو گمراہوں کی ہدایت کے لئے نہایت درجہ کامیاب ہو، اور مخالفین کی زیادتیوں پر ان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ فقط، واللہ الموفق وہو بہدہی السبیل۔

محمد مظہر اللہ عفی اللہ عنہ

مسجد جامع فتحپوری، دہلی

یہ فتویٰ ایک رسالے کی صورت میں "دائرہ الافتاء دہلی کا قرآنی فیصلہ" کے نام سے ۱۹۵۵ء کے قیبر شائع ہو گیا تھا، اسی رسالے سے یہ فتویٰ یہاں نقل کیا گیا ہے۔

نوٹ

(مرتب)

آدابِ نعتِ خوانی

(سوال نمبر ۲۶۰) نعت خوانوں کی ایک جماعت ہے جس میں یہ اختلاف ہے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ شاگردوں کے بعد مجلسِ استادوں کی نعتوں پر ختم ہو اور بعض کہتے ہیں کہ شاگردوں کی نعت پر ختم ہو، کونسا قول صحیح ہے۔
الاستفتیٰ

رفیق الدین بان واسے
۵ شوال لکرم ۱۳۷۹ھ (۳۱ اپریل ۱۹۶۰ء)
لاہور

الجواب

یہ مسئلہ تو استاد صاحب ہی حل فرمائیں گے، ان سے دریافت کیا جائے، وہ جیسا فرمائیں اس پر عمل کیا جائے، میں تو استادوں کی نعتوں پر ختم کراتا ہوں۔ فقط

محمد منظر عطار
مسجد جامع فتحپوری دہلی

آدابِ مساجد

(سوال نمبر ۲۶۱) مسجد میں پہاڑے آواز بلند سچوں کا پڑھنا، جیسے فتحپوری میں پڑھتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟
بینوا و تو جروا۔

الجواب

مذکورہ فعل مسجد میں مکروہ ہے لقولہ علیہ السلام من سمع رجلاً ینشد ضالۃ فی المسجد فلیقل لا یردھا اللہ علیک فان المسجد لم ین لہذا، واہ مسلم۔ اور عالمگیری میں آدابِ مسجد میں ذکر کیا والسادس ان لا یرفع فیہ الصوت من غیر ذکر اللہ تعالیٰ۔ اتھی فقط

محمد منظر عطار
امام مسجد فتحپوری دہلی

سوال نمبر ۳۶۲) بہت سے لوگ نماز کے وقت مسجد میں بیٹھ کر باواز بلند دنیاوی باتیں کرتے ہیں، شرعیاً یہ عمل کیسا ہے؟ بیٹھا و توجہ وا۔

سائل
فضل احمد، دہلی

الجواب

مسجد میں بیٹھ کر دنیاوی باتیں کرنا علی الخصوص بلند آواز سے سخت مکروہ ہے، چنانچہ حدیث میں ارشاد ہوا کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے کہ وہ دنیاوی امور میں مسجد میں بیٹھ کر باتیں کیا کریں گے تو ایسے لوگوں کے پاس بھی نہ بیٹھنا کہ اللہ تعالیٰ سے ان کو کوئی واسطہ نہیں۔ انتہی۔ اس ہی لئے صحابہ اس میں نہایت احتیاط فرماتے تھے، چنانچہ سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ (ایک روز) میں مسجد میں سوتا تھا کہ کسی نے مجھے کنکر مارا میں نے دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ پس مجھے فرمایا کہ ان دونوں کو میرے پاس تو لے آؤ (اور یہ مسجد میں بیٹھے پکار پکار کر باتیں کر رہے تھے) میں ان کو حضرت کی خدمت شریف میں لایا تو حضرت نے ان سے فرمایا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ طائف کے۔ فرمایا کہ اگر مدینہ کے ہوتے تو تمہیں تکلیف دیتا یعنی مارتا۔ تم حضور کی مسجد میں آواز سے باتیں کرتے ہو۔ کذافی المشکوٰۃ۔ پس جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں پر لازم ہے کہ خود بھی اس سے احتراز کریں اور دوسرے مسلمانوں سے بھی یہ بری عادت ترک کرانے میں سعی کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی

جامع فقہوری، دہلی

سوال نمبر ۲۶۳) نفس مسجد میں جہاں لوگ نماز پڑھتے ہوں بعد نماز اس جگہ قیلولہ کرنا یا آرام سے سونا یا رہائش اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بیٹھا و توجہ وا۔

ہوالموفق

مختلف اور مسافر کے علاوہ دوسرے شخص کو مسجد میں سونا مکروہ ہے، درختار میں ہے ویکرا فی المسجد اکل ونوم الا لمختلف او غریب ہاں جو امام اور موزن ایسے ہیں جن کا مکان نہیں، نہ ان کے لئے کوئی حجرہ ہی ہے اور مسجد ہی میں ان کا قیام ہے وہ البتہ سو سکتے ہیں لان اهل الفقه كانوا یلازمون المسجد وكانوا ینامون وتجدثون۔ کذا فی الشامی۔ لیکن ان کو بھی پنج گانہ نماز کے وقت

اپنا سامان ایک طرف کر دینا لازمی ہو گا تا کہ جماعت میں خلل نہ آئے اور نمازیوں پر مسجد تنگ نہ ہو اور پینچہ مسجد کا احترام لازمی ہو گا، دوسرے مکانات کی طرح ان کو بھی استعمال کرنا مکروہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری دہلی

آداب کتب وغیرہ

(سوال نمبر ۲۶۴)

(۱) ایک شخص مرادی کتاب ہشتی زیور کے متعلق کہتا ہے کہ دل میں آتی ہے کہ کھڑے ہو کر اس کتاب پر پیشاب کر دوں۔ مرادی کا ایسا کلام کہنا درست ہے یا نہیں۔ اگر درست نہیں ہے تو مرادی کیلئے شریعت سے کیا حکم عائد ہوتا ہے؟

(۲) ایک شخص سجان بخش نے کہا کہ ”وہابی بے ادب لوگ ہیں دارطہی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے تو یہ لوگ منہ پر دو بال خنزیر کے کیوں رکھے ہوئے ہیں؟“ سجان بخش کا یہ کلام صحیح ہے یا غلط اگر غلط ہے تو اس کے لئے قرآن و حدیث سے کیا حکم ہے؟

(۳) ایک شخص محمد صدیق صوفی جب کبھی وعظ فرماتے ہیں تو اپنی تقریریں کہتے ہیں کہ ”آدم علیہ السلام نے شیطان کو چوٹھے پر پکا کر شور با بنایا اور جب خوب پک گیا تو آدم علیہ السلام نے پی لیا۔ اس کے بعد شیطان نے کہا کہ بس میں یہی چاہتا تھا کہ تمہارے خون میں میرا خون مل جائے“۔ صدیق صاحب کا یہ وعظ صحیح ہے یا نہیں اگر غلط ہے تو صوفی محمد صدیق کے لئے کیا حکم ہے؟

(۴) ایک شخص اپنی برادری کے لوگوں سے کہتا ہے کہ تم لوگ بستی نظام الدین اولیا، بنگلہ والی مسجد مت جاؤ، ان لوگوں کا طریقہ تم کو معلوم نہیں وہ پردہ کی آڑ میں کچھ اور ہی کرتے ہیں، محمد اسمعیل اور آشدین نے جواب دیا کہ بھائی وہاں تو ہر وقت اللہ رسول کی باتیں ہوتی ہیں، آج تک ہم نے کوئی ناجائز بات نہیں سنی بلکہ ان کے وعظ میں یہ سنا ہے کہ بزرگوں کی صحبت اختیار کرو اور دین کی باتیں سیکھو اور دوسروں تک پہنچاؤ سائل نے کہا کہ تم مفتی اعظم صاحب مسجد فتحپوری سے بیعت ہو۔ محمد اسمعیل اور آشدین نے جواب دیا کہ ہاں ہمارے مرشد حضرت مفتی اعظم ہیں۔ اور ایسی بات کبھی بھی حضرت نے نہیں کہی۔ سائل نے آشدین اور محمد اسمعیل سے کہا کہ تم حضرت سے دریافت کرنا حضرت نے فرمایا ہے کہ تم اس مسجد میں مت جانا۔ آشدین اور محمد اسمعیل خاموش ہو گئے اور پھر کہا کہ آج دو سال سے ہم نے بنگلہ والی مسجد میں کوئی ایسی ناجائز بات نہیں سنی۔ کیا سائل نے

درست کہا ہے یا نہیں۔ محمد اسماعیل اور اللہ دین بنگلہ والی مسجد میں جائیں یا نہیں۔ جو اب مرحمت فرمائیں۔
احقر ناکارہ محمد صدیق - دہلی
۲۷ اکتوبر ۱۹۶۶ء

الجواب

(۱) بہشتی زیور کے متعلق ایسے ناپاک لفظ استعمال کرنا نہایت درجہ اس کی توہین ہے۔ قائل پر توبہ لازم ہے کہ بعض مسائل اس میں اہل سنت کے خلاف ہیں لیکن اکثر مسائل اہل سنت کے موافق ہیں جن کی وجہ سے ایسی توہین جائز نہیں۔

(۲) یہ کلام بھی غلط ہے۔

(۳) یہ بھی غلط ہے ایسے بے باک شخص کو وعظ نہ کہنا چاہیے۔

(۴) اس شخص کا یہ قول صحیح ہے چنانچہ اس جماعت کے قائد اول مولوی الیاس صاحب اپنی دعوت کے صفحہ نمبر ۶ میں فرماتے ہیں کہ :-

”تیاں ظہیر الحسن میرا دعا کوئی پاتا نہیں، لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تحریک صلوٰۃ ہے، میں تقسیم کہتا ہوں کہ یہ تحریک صلوٰۃ نہیں ہے“ ایک روز بڑی حسرت سے فرمایا کہ ”تیاں ظہیر الحسن ایک نئی قوم پیدا کرنی ہے“

اس کلام میں بصراحت فرمایا کہ اس میں منشاء کچھ اور ہے اور اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ اپنے ان مسائل کی ترویج ہے جو وہ اہل سنت سے خلاف رکھتے ہیں جن کا ذکر اکثر کتب میں موجود ہے چنانچہ اس عاجز کے پاس کچھ دعا کے لئے آئے جن میں دو عالم بھی تھے۔ اتفاقاً میں نے دریافت کیا کہ تم لوگ کس شے کی تبلیغ کرتے ہو، بولے کہ شرک بدعت کو شہار ہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ شرک بدعت کے معنی سے تم واقف بھی ہو؟ کہنے لگے شرک یہی ہے کہ کسی کا دامن پکڑ لیا جائے۔ اور بدعت جیسے قبر پر پھول ڈالنا۔ میں نے عرض کیا کہ قبر پر پھول ڈالنے کو تو فقہاء جائز فرماتے ہیں۔ ان میں دو صاحب عالم بھی تھے وہ بولے کہ کہاں لکھا ہے؟ میں نے فتاویٰ عالمگیری دکھا دی۔ دیکھ کر خاموش چلے گئے۔ اس واقعہ سے کامل اس شخص کے قول کی تصدیق ہو گئی۔ میرے نزدیک نماز جیسی شے کی تبلیغ نہایت ہی بہتر ہے لیکن یہ چیز کہ اہل سنت کے مواعظ سے روکتا جس کے متعلق میرے پاس متعدد واقعات موجود ہیں نہایت درجہ قبیح ہے۔ یونہی حقیقی شرک بدعت کا دور کرتا۔ تو تبلیغ نماز سے بھی زیادہ نہایت ضروری ہے لیکن مباح چیزوں پر ایسے ناپاک حکم لگا کر روکنا حد درجہ قبیح و مذہوم ہے۔ غرض میرے نزدیک ایسے شخص کا قول مذکور صحیح ہے اور محمد اسماعیل اور اللہ دین صاحبان کے اقوال بھی صحیح ہیں اس لئے جب کوئی کسی کا معتقد ہو جاتا ہے تو اس کو اس کا ہر قول ہی

صحیح معلوم ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ ابتداء مختلف فیہ اقوال بیان کرنے سے روک دیا جاتا ہو۔ چنانچہ اس کی بھی لوگوں نے مجھے خبر دی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری دہلی

آداب سلام

(سوال نمبر ۲۶۵) اسلام میں سلام کا کیا طریقہ ہے۔ کن کن لوگوں کو کرنا چاہیے اور کن لوگوں کو نہ کرنا چاہیے، کیا مصافحہ بھی مسنون ہے۔ بینوا و توحیداً۔

الجواب

سلام کا وہی طریقہ ہے جو مسلمانوں میں رائج ہے یعنی السلام علیکم اور نیکیوں کے اضافہ کی آرزو رکھتا ہے تو اس کے ساتھ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بھی کہے۔ ہر مسلمان کو اس طرح سلام کرنا مسنون ہے خواہ اسے جانتا ہو یا نہ جانتا ہو چنانچہ بعض صحابہ بازار میں صرف اسی ارادے سے تشریف لے جاتے تھے اور ہر مسلمان کو سلام کرتے تھے۔ یونہی بعد سلام مصافحہ بھی ہر مسلمان سے مسنون ہے جس کا نہایت عظیم فائدہ ہے کہ جانبین کے گناہ جھڑتے ہیں یا جو ان عورت کو سلام نہ کرے اور وہ سلام کرے تو اس طرح جواب دے کہ نہ سننے کے منظر تہمت سے بچنا واجب ہے۔ نہ کفار و مرتدین کو سلام کرے اور وہ سلام کریں تو جواباً علیکم یا ہدایک اللہ کہدے اور جو نماز میں ہو یا تلاوت قرآن کریم یا ذکر میں مشغول ہو اسے بھی سلام نہ کرے اور جو کھیل میں مصروف ہو یا علانیہ فسق کرتا ہو یا پاخانہ پیشاب کر رہا ہے اس کو بھی سلام نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع فتحپوری دہلی

تیسرا باب



موسم

(سوال نمبر ۲۶۶) عامہ مقابر مسلمین یا اپنی مملوکہ زمین میں عام مومنین یا امرا و سلاطین یا انبیاء و مرسلین کے مقابر یا عین، علماء و صلحاء و ساداتِ معظمین کے مزارات پر قبہ بنانا خواہ برائے بکبر و تفاخر ہو خواہ بغرض اظہارِ عظمت کی وغیرہ اغراضِ صحیحہ شرعیہ کے ہو، مطلقاً حرام و مکروہ ہے، یا ان کے حکم میں کچھ تفصیل ہے، نیز قبروں کے توڑنے کا حکم اس حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ کن کی قبور تھیں، مومنین کی یا کافرین کی۔

عن ابی الہتاج الاسدی قال قال لی علی الا ابعثک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا تدع مثالا الا طہستہ ولا قبراً مشرفاً الا سوتہ رواہ مسلم۔

ابو ہتاج اسدی سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو اس فعل کے لئے نہ بھیجوں جس کے لئے مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھیجا تھا، (حضرت نے یہ حکم دیا تھا، کہ ہر مورت بغیر مٹائے اور ہر بلند قبر بغیر برابر کئے نہ چھوڑنا۔

قبر مربع یا بصوت کو ہاں شتر بنانی چاہیئے اور بلند قبر کا ادنیٰ درجہ کس قدر ہے۔ بیخواد توجیر وا۔

المستفتیان

اراکین جمعیتہ خدام الحرمین

الجواب هو الموفق للصواب

الحمد لله وكفى والصلوة والسلام على عباده الذين اصطفى خصوصا على سيد الانبياء محمد المجتبي والاله المرئى. اما بعد قبروں پر قبہ وغیرہ بنانا علی الاطلاق حرام نہیں حرمت کے لئے نص قطعی درکار ہے اور یہاں کوئی ایسی نص موجود نہیں جس سے اس کی حرمت ثابت ہو البتہ اغیار احادیث میں اس کی ممانعت کی جانب ضرور اشارہ پایا جاتا ہے، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے :-

قال نهى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ان يجتصوا لقبر وان يبنى عليه وان يقعد عليه، رواه مسلم۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبر پر چونہ گچ کرنے اور اس پر بنا کرنے اور اس پر بیٹھنے سے ممانعت فرمائی۔

لیکن شارحین نے اس حدیث کے مختلف معنی بیان فرمائے ہیں، بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ خیمہ ہے جس کو زمانہ جاہلیت کے کفار اپنے مردوں کی قبروں پر نصب کرتے تھے، قاضی خاں میں ہے :-

قالوا اما اذ بالبناء السقف الذى يجعل على القبر في ديارنا. انتهى ما فيه وكذا في البحر۔

علماء نے فرمایا کہ حدیث میں بنا سے مراد وہ خیمہ ہے جو ہمارے ملک میں قبروں پر نصب کیا جاتا ہے۔
وقال الترمذی (کمرہ البناء) لانه من صنع اهل الجاهلیة ای کا لوانا یطلق
علی ملیت الی سنة۔ انتہی مافی المرقات۔

علامہ ترمذی نے فرمایا کہ قبر پر بنا اس لئے مکروہ ہے کہ وہ مشرکین کے افعال سے ہے یعنی ان کا
طریقہ تھا کہ وہ ایک سال تک مردہ پر سایہ کرتے تھے۔

بعض نے فرمایا کہ عین قبر پر مقدار شرعی سے زیادہ کرنا مراد ہے تو گویا کہ انہوں نے اس بنا کو قبر مشرف
پر محمول کیا ہے جس کا اہل کتاب میں دستور تھا۔ درمختار میں اور اس کے حاشیہ رد المحتار میں ہے :-

ويقال التراب عليه وتكره الزيادة عليه لانه بمنزلة البناء لما صح
عن جابر قال نهى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ان يجصص القبر
وان يبنى عليه، انتہی۔

اور قبر پر مٹی ڈالی جائے اور جو مٹی قبر سے نکلے، اس پر زیادتی کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ وہ بھی
بمنزلة بنا کے ہے اور یہ کراہت بوجہ اس حدیث کے ہے جو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
صحیح کو پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبر کو چوہ نہ گچ کرنے اور اس پر بنا کرنے سے
مانعت فرمائی ہے۔

اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا :-

ويستتم ندباً وفي الظهيرية وجوباً قد شبر وهو مقتضى النهي المذكور
ويؤيد ما في البدائع من التعليل بان من صنع اهل الكتاب في التشبه
بهم فيهما منه بد مكره اه لكن في النهران الاول اولى قلت ولعل
وجه شبهة الاختلاف انتہی

اور قبر کو ان شتر کی صورت میں بقدر ایک بالشت اونچی کی جاوے ازراہ استحباب اور ظہیر یہ میں کہا کہ
وہو با اس قدر اونچی بنائی جاوے دشامی نے کہا کہ، نہی مذکور یعنی حدیث جابر کا اقتضاء بھی وجوب ہے
اور اس کی تائید اس تعلیل سے ہوتی ہے جو بدائع میں مذکور ہے کہ قبر کا اونچا کرنا اہل کتاب کے
افعال سے ہے اور اہل کتاب سے ان امور میں تشبہ کرنا جن میں ناچاری نہیں مکروہ ہے بدائع
کی عبارت ختم ہوئی، لیکن نہر الفائق میں کہا کہ قول اول یعنی یہ قول کہ قبر کا بقدر ایک بالشت کے
اونچا کرنا مستحب ہے، اولیٰ ہے میں کہتا ہوں کہ اس کی وجہ شاید اختلاف کی وجہ سے تشبہ کا ممتنع
ہو جانا ہے۔

حاشیہ آبوداؤد میں ہے :-

مُشْرِفًا بِكسر اللام من أَشْرَفَ إِذَا اسْتَفْعَ وَهُوَ الَّذِي بَنَى عَلَيْهِ حَتَّى اسْتَفْعَ أَبِي
مُشْرِفًا بِكسر حرف رے، اشرف سے مشتق ہے، جو یعنی ارتفع (بلند ہوا)، اور مشرف ہ قبر ہے جس پر
بنا کی جائے یہاں تک کہ اونچی ہو جائے۔

بعد اسی سے نظریہ ہی احتمال اور معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث پاک میں نفس قبر ہی کے متعلق احکام بیان فرمائے
تھے ہیں کہ قبر پر چونہ گچی نہ کی جائے کہ یہ زینت ہے اور قبر محل زینت نہیں اس پر اینٹ پتھر سے چنائی کر کر اونچا
کیا جائے کہ یہ بے فائدہ ہے دوسرے یہ اہل کتاب کا بھی طریقہ ہے اور بے ضرورت اُن کا طریقہ اختیار
کرنا مکروہ ہے، اس پر بیٹھنا نہ جائے کہ ان میں صاحب قبر کی اہانت ہے اور اس کو ایذا دینا ہے۔ بعض
نے فرمایا کہ یہ حدیث ان دونوں معنی کا احتمال رکھتی ہے۔

قال المتوسل بشتی یحتمل وجهین احدهما البناء علی لقبہ بالجاسم وما

یجری بحر اھا والاخر ان یضرب علیہا خباء و نحوہ۔ انتہی

تو رپشتی نے کہا ہے کہ یہ حدیث میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ قبر کے اوپر پتھر اور پتھر کے مثل
(اینٹ و مٹی وغیرہ) سے بنا کر نا، دوسرے یہ کہ خیمہ اور خیمہ کے مثل دوسری چیز نصب کرنا۔

بعض نے اس کے ساتھ بنائے حجرہ کا احتمال بھی شامل فرمایا فتح الباری میں ہے :-

نہی ان یخصس وان یکتب علیہا وان یبني علیہا تجسیصا لقبور مکرورہ
وکذا البناء وهو ان یبني علیہا بحجارة و نحوہ وان یضرب علیہا خیمۃ او

یبنی علیہا بیت انتہی

آنحضرت نے قبر پر گچ کرنے اور لکھنے اور بنا کرنے سے منع فرمایا، قبروں پر گچ کرنا مکروہ ہے نیز بنا کرنا
بھی مکروہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ نفس قبر پر پتھر اور پتھر کے مثل دوسری چیز سے بنا کی جائے اور اس پر خیمہ
نصب کیا جائے یا قبر پر گھر بنا یا جائے۔

پھر اس کے ساتھ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے شاید قبر پر مکان مسکونہ بنانے کی ممانعت مراد ہو کہ اس میں اہانت
صاحب قبر کے علاوہ اُس کے حق کا تلف کرنا بھی ہے چنانچہ فقہائے کرام نے جہاں قبور کے اوپر مکان مسکونہ
کی بناء کو مکروہ فرمایا ہے وہاں اسی حدیث سے استدلال فرمایا ہے غرض کہ جب اس حدیث پاک کے معنی
میں اس قدر احتمالات موجود ہیں تو یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ یہ حدیث پاک قطعی الدلالة بھی نہیں اب
جب یہ معلوم ہو چکا کہ یہ حدیث نہ قطعی الثبوت ہے نہ قطعی الدلالة تو اس سے حرمت تو درکنار کرامت
تخریجی بھی ثابت نہیں ہوتی بعض الناس فی دفع الوسواس میں ہے :-

ثم الأدلة اربعة انواع اولها قطعی الثبوت والدلالة كالنصوص
المتواترة المحکمة وثانیها قطعی الثبوت ظنی الدلالة كالآیات المتوولة

وثالثها ظنی لثبوت قطعی لدلالة كالاخبار التي مفهومها قطعی فباعتبارها
ظنی الثبوت والدلالة كالاخبار التي مفهومها ظنی فبالاول يثبت الفرض
والحرام وبالثاني والثالث يثبت الوجوب وكراهة التحريم وبالرابع
يثبت السنة والاستحباب وكراهة التنزیه لیكون ثبوت الحكم بقدرها
دلیلہ۔ انتهى۔

دلیل کی چار قسمیں ہیں اول وہ دلیل جس کا ثبوت اور دلالت قطعی ہو مثلاً نصوص متواتر محکمہ و دوم وہ
دلیل جس کا ثبوت قطعی اور دلالت ظنی ہو مثلاً تاویل کردہ آیتیں۔ سوم وہ دلیل جس کا ثبوت ظنی اور
دلالت قطعی ہو مثلاً وہ حدیثیں جن کے مفہوم قطعی ہیں، چہارم وہ دلیل جس کا ثبوت ظنی اور دلالت
بھی ظنی ہو مثلاً وہ احادیث جن کے مفہوم ظنی ہیں، پہلی دلیل سے فرض حرام، دوسری و تیسری
دلیل سے وجوب کراہت تحریمی اور چوتھی دلیل سے سنت و استحباب و کراہت تنزیہی ثابت
ہوتی ہے تاکہ حکم کا ثبوت دلیل کے موافق ہو۔

غرض کہ ثابت ہو گیا کہ اس حدیث پاک سے حرمت یا کراہت تحریمی بناؤ علی القیور کی ثابت نہیں ہوتی اب
یہاں یہ شبہ ارد ہوتا ہے کہ جب حدیث سے اس میں کراہت تحریمی ثابت نہیں ہوتی تو پھر ہمارے بعض
فقہاء اس پر حرمت یا کراہت تحریمی کا کیوں حکم فرماتے ہیں یہاں تک کہ بعض علماء امامنا امام اعظم رضی اللہ
تعالیٰ عنہ سے بھی اس میں کراہت کی روایت پیش کرتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو امام صاحب
سے جو روایت آئی ہے اُس کا حال معلوم نہیں کہ اُس کا ماخذ کونسی کتاب ہے اور وہ کتاب کتب
ظاہر الروایت سے ہے یا غیر ظاہر الروایت سے پھر وہ الفاظ کیا ہیں جو حضرت امام صاحب سے روایت کئے
گئے ہیں جب تک ان تمام امور کا علم نہ ہو اس کی صحت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا پھر اگر اس کی صحت تسلیم بھی
کر لی جائے تو اس میں بھی وہ تمام احتمالات نکلتے ہیں جو حدیث پاک کی شرح میں گذرے بلکہ بعض فقہاء
کے کلام سے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی مراد اس بناء سے وہی بناء
مراد ہے جو نفس قبر پر کی جائے نہ وہ جو قبر کے گرد اگر ہو اور یہ بات ہر اُس شخص پر جو عبارات فقہاء کے
سیاق پر غور کرے گا پوشیدہ نہ رہے گی غرض قیور پر ہر بناء د کہ خواہ نفس قبر پر ہو یا اُس کے ارد گرد
اور خواہ نفاخرو مباحات کے لئے ہو یا کسی غرض صحیح کے لئے اور خواہ مسقف ہو یا غیر مسقف اور خواہ
سکونت کے لئے ہو یا زائرین کے آرام پہنچانے کے لئے اور خواہ مقام قبر کے گھیرنے کی غرض سے
ہو یا کسی اور مصلحت کے لئے بہر حال ممنوع نہیں، نہ اس طرح کی ممانعت حدیث پاک کا منشاء ہے نہ فقہائے
کرام کا مسلک پھر غرض صحیح کے لئے مسقف عمارت کی بنا تو خود قرآن کریم کی نص سے اصحاب کہف کی
خواب گاہوں پر ثابت ہے لقولہ تعالیٰ :-

قال الذين غلبوا على مرهم لنتخذن عليهم مسجدا وقال في لجلالين في تفسير
هذه الآية اى يصلى فيه وفعل ذلك على باب الكهف انتهى وقال في لمدارك يصلى
فيه المسلمون ويتبركون به مكانهم۔

بیدروس مسلم پادشاہ اور اُس کے مسلمان مصاحبوں نے (جو غلبہ پائے ہوئے تھے) کہا کہ ہم ضرور بالفروان
دکی خواجگاہوں پر مسجد بنائیں گے۔ جلالین میں کہا تا کہ اُس میں نماز پڑھی جائے (پس وہ اپنے
ارادے میں غالب آئے، اور کہف پر مسجد بنائی گئی اور مدارک میں فرمایا کہ یہ مسجد نماز پڑھنے اور صاحب
کہف کے مبارک مکان سے برکت حاصل کرنے کے لئے بنائی۔

پس ثابت ہو گیا کہ قبور پر مطلق بنا مباح الاصل ہے، حدیث پاک وراثہ کرام کے کلام میں اگر اس کی ممانعت ہے تو
کسی عارضی قبح اور خارجی علت کی وجہ سے ہے۔ شرح عظام فقہائے کرام نے جب اس میں غور فرمایا تو چند علتیں
پائیں لہذا انہوں نے اُن ہی علتوں پر اس کے حکم کا مدار رکھا۔ اگر ایسی علت پائی جو تحریم کو مقتضی تھی تو ایسی صورت
میں اُس بناء کو حرام فرمایا اور اگر ایسی علت پائی جو کراہت کو چاہتی تھی تو اُس صورت میں مکروہ فرمایا لیکن جب ان علتوں
میں سے کوئی علت نہ پائی تو ایسی حالت میں مباح فرمایا لانه لا قبلہ فی ذلک۔ (کیونکہ ذات میں کوئی قبح نہیں ہے،
اُن علتوں میں سے جو حرمت یا کراہت کی مقتضی ہیں شرح حدیث نے اور اُن فقہانے (جو حضرت امام صاحب رحمۃ
اللہ علیہ کے کلام کی مراد بیان کرنے والے ہیں) ایک یہ علت بیان فرمائی کہ اس میں تفانہ ہے اور تفانہ حرام ہے
نیز ان میں زینت بھی ہے، اور میت کو زینت کی کیا حاجت پس اس میں سراسر تضحیح مال ہے، شارح مسلم
الکمال میں فرماتے ہیں :-

اما البناء على القبور بالخام ونحوه للمباهاة والزينة فقال بن بشير ليست
القبور موضع زينة، والمباهاة والبناء عليها بشئ من ذلك حرام وان كان
لحونا الموضع وتمييزه فجائز انتهى

قبروں پر سنگ خام اور اسی کی مثل دیگر پتھروں سے فخر اور زینت کے لئے بنا کرنے کے متعلق ابن
بشیر نے کہا کہ قبریں زیبائش اور فخر کے مقام نہیں ہیں، لہذا اس قسم کی چیزوں سے ان پر بنا کرنا
حرام ہے، لیکن اگر قبر کی جگہ کو گھیرنے اور ممتاز کرنے کے لئے بنا ہو تو جائز ہے۔

اور علامہ حسن شرنبلانی نے فرمایا :-

يحرم البناء عليه، للزينة انتهى وفي الأقم قال الشافعي واحب ان لا يبنى
ولا يخصص فان ذلك يشبه الزينة والخيلاء وليس لموت موضع واحد
منها انتهى ما فيه۔

زینت کے اسطے قبر پر بنا کرنا حرام ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "ام" میں فرماتے ہیں،

میں قبر پر بنا اور گچ کرنے کو پسند نہیں کرتا کیوں کہ یہ زینت یعنی تعلق اور غرور کے مشابہ ہے اور وقت زینت کا مقام نہیں ہے۔

دوسری علت یہ بیان فرمائی کہ یہ مشرکین کی عادت سے تھا کہ وہ اپنے مردوں کی قبروں پر ایک سال تک خیمہ نصب کرتے تھے تاکہ قبر پر سایہ رہے پس چوں کہ اس سایہ سے مردہ کو کچھ فائدہ نہ تھا محض کفار کی تقلید تھی لہذا ممانعت فرمادی گئی :-

ثم قال التور بيشتى ولا نه من صنيع اهل الجاهلية اى كانوا يظلمون على الميتم الى سنة. انتهى ما فى المرقاة
تورپشتی کا قول ہے کہ قبر پر خیمہ نصب کرنا زمانہ جاہلیت کے لوگوں کا فعل ہے وہ لوگ ایک سال تک مردہ پر سایہ کرتے تھے۔

تیسری علت یہ بیان فرمائی کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ملا علی قاری مرقات میں فرماتے ہیں :-

قال التور بيشتى يحمى وجهين احدهما البناء على القبر بالجماعة وما يجرى مجراها والآخر ان يضرب عايرها خباء ونحوه وكلاهما منهي لعدم الفائدة فيه. انتهى.

تورپشتی نے کہا کہ نبی کی حدیث میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ قبر کے اوپر پتھر اور اس کے مانند سے بنا کر دوسرے یہ کہ خیمہ اور خیمہ کے مثل دوسری چیز نصب کرنا اور دونوں باتیں بے فائدہ ہونے کی وجہ سے منع ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ ان علتوں کے وجود کے وقت قبر پر بنا یا حرام ہوگی یا مکروہ پھر کراہت میں بھی علماء کا اختلاف ہے اور جمہور علماء اس پر ہیں کہ بناء میں کراہت تنزیہی ہے :-

قال فى سبيل السلام وذهب لجمهوا الى ان النهى فى البناء والتجصيص للتنزيه والقعود للتحريم. انتهى

”سبیل السلام میں ہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ قبر پر بنا کرنے اور گچ کرنے کی نہی تنزیہی ہے اور قبر پر بیٹھنے کی نہی ظہری ہے۔“

لیکن جبھی کہ جب اپنی ملک میں کوئی بنا کرے ورنہ اگر ایسے قبرستان میں بنا کرے گا جس سے عامرہ مومنین کا حق متعلق ہے تب بھی یہ بنا حرام ہوگی مرقات میں ہے :-

والنهي فى البناء للكرامة ان كان فى ملكه وللحمة فى المسئلة. انتهى.

اگر بنا ملک بانی میں ہے تو بنا کی نہی کراہت کے لئے ہے اور اگر بنا مسجد یعنی موقوفہ قبرستان میں ہے تو تحریم کے لئے ہے۔

الحاصل مذکورہ صورتوں میں تو قبر پر بنا، حرام یا مکروہ ہے لیکن مذکورہ علتیں اگر نہ پائی جائیں اور کوئی شخص اپنی ملک میں کسی فائدہ کی غرض سے قبر پر بنا کرے تو بلا کراہت جائز ہوگا چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے علت عدم فائدہ علامہ تورپشتی سے نقل کرنے کے بعد اس پر تصریح فرمائی :-

حيث قال قلت فيستفاد منه اذا كانت الخيمة لفائدة مثل ان يقعد القراء
تحتها فلا تكون منهية - انتهى

تورپشتی نے کہا (کہ قبر پر بنا کرنا بے فائدہ ہے) اس قول سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ خیمہ کا نصب کرنا کسی فائدہ کے لئے ہو مثلاً یہ کہ خیمہ کے نیچے قاری بیٹھ کر ختم قرآن کریں یہ ممنوع نہیں۔

صحابہ کرام و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بھی اسی پر عمل رہا کہ جب کوئی فائدہ دیکھا تو خود قبر پر خیمہ نصب فرمایا اور جس وقت اس میں کوئی فائدہ نظر نہ آیا منسوخ فرمایا بلکہ خود ایسے خیمہ کو علیحدہ کر دیا جہاں چہ بخاری میں ہے:

ولعمامة الحسن بن علي ضربت امرأته القبة على قبرة وقال العيني وضرب
عمر رضي الله تعالى عنه على قبر زينب بنت جحش وضربت عائشة على قبر اخيها
فروعة ابن عمر م ضرب به محمد بن الحنفية على قبر ابن عباس -

جب حضرت امام حسن کی وفات ہوئی آپ کی بیوی نے آپ کی قبر پر خیمہ شکل قبہ نصب کیا، اور عینی نے کہا کہ حضرت عمر نے زینب بنت جحش کی قبر پر نصب کیا اور حضرت عائشہ نے اپنے بھائی کی قبر پر خیمہ نصب کیا جس کو ابن عمر نے (جب ضرورت نہ دیکھی تو) کھلوا دیا، محمد بن حنفیہ نے حضرت ابن عباس کی قبر پر خیمہ نصب کیا۔

شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی جذبا لقلوب میں فرماتے ہیں :-

در خبر است کہ چون عقل بن ابی طالب چاہے در دار خود حضر کرد ازاں جا سنگے بر آید کہ دروے نوشتہ
اند قبر جمیبہ بنت صخر بن حرب عقل آں چاہ را با نپاشت و عمارتے بالائے قبر بنا کردہ سہنودی گوید
روایات ہمہ ناظر اندر آں کہ قبور امہات المؤمنین درہیں جا باشد کہ الآن زیارت ایشان می
کنند - انتہی -

الغرض بنائے فوق القبر کی ممانعت صحیحی ہے کہ جب بغرض نیت صالح نہ ہو یا قبرستان موقوفہ میں ہو کہ جس سے لوگوں پر تنگی ہو پس اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو پھر بلا کراہت جائز ہے۔

ابن یحنایہ ہے کہ صلحائے امت خیر الا نام علیہم التحیۃ والسلام کے زیارات مقدسہ پر جو قبے بنے ہوئے ہیں ان میں کوئی غرض صالح پائی جاتی ہے یا نہیں یا ان کے بانویوں کی غرض اس سے محض تفاخر ہی تھا پس جب ہم ان میں غرض صالح موجود پاتے ہیں تو یہ ہرگز نہیں گمان کر سکتے کہ تفاخر ان کی بنا ہوئی کہ ظنوا المؤمنین خیرا اور غرض صالح یہاں یہ ہے کہ لوگ ان کی زیارت کریں اور اصحاب باطن یہاں حاضر ہو کر فیض یاب ہوں اور

یہ دونوں باتیں اہل سنت کے نزدیک جائز ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں :-

”از اولیائے مدفونین انتفاع جاری است“

اور نواب قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مظاہر الحق میں فرماتے ہیں :-

”تیسری قسم زیارت کی برکت حاصل کرنے کے لئے ہے وہ زیارت اچھے لوگوں کی قبروں کی ہے اس

لئے کہ ان کے لئے برزخ میں تعارفات و برکات بیشمار ہیں۔ انتہی

در المختار میں امام غزالی سے ہے :-

انہم متفوتون فی القرب من اللہ تعالیٰ و نفع الزائرین بحسب ما فہم

واسلسلہ ہمہ انتہی

اولیاء اللہ قرب باری تعالیٰ اور اپنے زیارت کرنے والوں کو نفع پہنچانے میں اپنی معرفت اور روز

کے لحاظ سے متفاوت درجہ رکھتے ہیں۔

دوسری غرض عوام کی نظروں میں صاحب قبر کی عظمت ڈالنا ہے تاکہ لوگ صاحب قبر کے مرتبہ کے موافق

اس مقام کے آداب کا لحاظ رکھیں اور اس کی اہانت سے باز رہیں کہ اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ میت مسلم

کی حرمت و عزت کا اسی قدر لحاظ رکھا جائے گا جیسا کہ اس کی زندگی میں رکھا جاتا تھا چنانچہ حضرت عائشہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں :-

كنت ادخل بيتي الذي فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم واني اضع

ثوبي و اقول انها هون وحي و ابي فلما دفن عنهم فوالله ما دخلته الا و

انامشدة و دة على ثيابي حياء من عمر .

میں اس مکان میں جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد ممات رونق افروز تھے، جاتی تھی

اور چادر دوپٹہ جسم پر نہ ہوتا اور میں یہ کہتی کہ ایک میرے شوہر ہیں اور دوسرے میرے باپ ہیں جب

حضرت عمرؓ اس مقام میں دفن کئے گئے تو بخدا جب میں ہاں آتی تو کپڑوں میں لپٹی ہوتی حضرت عمرؓ کا

لحاظ کرنے کی وجہ سے .

اس حدیث کے تحت میں نواب قطب الدین خاں صاحب فرماتے ہیں کہ :-

اس میں دلیل ہے اس پر کہ لحاظ میت کا کرے وقت زیارت کے مانند لحاظ اس کے کہ حالت حیات

اس کی میں . انتہی بلفظہ

علامہ ابن الہمام فتح القدير میں فرماتے ہیں :-

الاتفاق على ان حرمة المسلم ميتا كحرمة حيا . انتہی

تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ میت کی عزت اور اس کا احترام زندگی کی حالت کے عزت و احترام کی طرح کرنا چاہئے۔

پس ثابت ہو گیا کہ اہل اللہ کے مزارات مقدسہ پر بے فائدہ عمارات نہیں بنائی گئیں، یہی وجہ ہے کہ علماء نے بناء علی القبر کی کراہت پر بحث کرنے کے بعد انبیاء و صالحین کے مزارات مقدسہ کو اس حکم سے مستثنیٰ فرمایا اور صاف فرمایا کہ ان کے مزارات پر مکان کی بنا جائز ہے کہ یہاں بے فائدہ نہیں، تنویر الابصار میں ہے:-

ولا یطین ولا یرفع علیہ بناء وقیل لا باس بہ وهو المختار - وقال فی الود المختار فی الاحکام عن الجامع الفتاویٰ وقیل لا یکرہ اذا کان المیت من المشائخ والعلماء والسادات قلت لکن ہذا فی غیر المقابر المستیلة کمالا یخفی انتہی ما فیہ -

قبر پر کنگل نہ کی جائے اور نہ اس پر بنا بلند بنائی جائے اور کہا گیا ہے کہ بناء بلند بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ مختار مذہب ہے۔ اور احکام میں جامع الفتاویٰ سے منقول ہے کہا گیا ہے کہ بنا قبر پر مکروہ نہیں ہے جب میت مشائخ اور علماء و سادات میں سے ہو میں کہتا ہوں کہ غیر مکروہ جب ہے کہ جب مقابر غیر سبلہ میں ہو اور یہ بات ظاہر ہے۔

(تفسیر) یہاں سے یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ شامی کے اس قول (اما ابتداء فلم اومن اختار، جو انما) کا مطلب یہی ہے کہ مطلق بناء کو جائز بتلانا صحیح نہیں جیسا کہ صاحب تنویر کے ظاہر کلام کا مفہوم ہے کیوں کہ موقوفہ زمین میں بنا کے جواز کا کوئی قائل نہیں۔

اور تحریر میں تفسیر روح البیان سے نقل فرمایا :-

قال المشیخ عبد الغنی النابلسی فی کشف النور عن اصحاب القبور، ما خلاصتہ ان البدعة الحسنیة الموافقة لمقصود الشرع تسمی سنتہ فبناء القباب علی قبور الاولیاء والعلماء والصلحاء امر جائز انتہی وقال العلامة الباجوری فی حاشیئہ نعم استثنایا لبعضہم للانبیاء والشهداء و الصالحین ونحوہم انتہی۔

کتاب "کشف النور عن اصحاب القبور" میں شیخ عبد الغنی نابلسی نے کہا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ بدعت حسنہ جو مقصود شرع کے موافق ہو وہ سنت کہی جاتی ہے لہذا اولیاء علماء اور صلحاء کی قبروں پر قبور کا بنانا جائز ہے۔ اور علامہ باجوری نے شرح ابن قاسم پر اپنے حاشیہ میں کہا، ہاں بعضوں نے انبیاء شہداء صلحاء اور ان کے امثال کی قبروں پر قبور کے بنانے کو حدیث النہی سے مستثنیٰ کر لیا ہے۔

اور جمع البیانات میں ہے :-

وقد اباح السلف البناء على قبور الفضلاء والاولياء والعلماء ليزورها الناس و
ليستريحون فيه انتهى -

بلاشک سلف صالحین نے فضلاء اولیاء علماء کی قبروں پر بنا کرنے کو مباح رکھا ہے تاکہ لوگ زیارت کرنے
آئیں -

اسی طرح مرقاۃ شریف میں علامہ قاری علامہ توشیحی سے نقل فرماتے ہیں :-

وقد اباح السلف البناء على قبر المشائخ والعلماء المشہورین ليزورهم الناس
وليستريحوا بالجلوس فيه . انتهى

اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شرح سفر السعادت میں فرماتے ہیں :-

در آخر زمان بجهت افتقار نظر عوام بر ظاہر مصلحت در تعمیر و ترویج مشاہدہ مقابر مشائخ و عظماء و دیدہ چیزها
افزودند تا آن جا بہت وشوکت اہل اسلام و ارباب صلاح پیدا آید خصوصاً در دیار ہندوستان کہ اعتقاد
دین از ہنود و کفار بسیار اند و ترویج و اعلائے شان این مقامات باعث رعب و ایشان است
ولسا اعمال و افعال و اوضاع کہ در زمان سلف از مکروہات بودہ در آخر زمان از مستحبات گشتہ انتہی
الحاصل جن احادیث روایات میں مطلق بناء کی ممانعت ار وہے وہاں ہی بنا مراد ہے جس میں کوئی فائدہ نہ ہو ،
محض تفاخر کی راہ سے بنائی گئی ہو جیسا کہ پچھلے زمانے کے سلاطین میں اس کا رواج تھا اور اس وقت بھی بعض لوگ
عوام کی قبور پر عمارتیں بناتے ہیں ، پس چون کہ ان میں وہ فائدہ نظر نہیں آتا جو اہل اللہ کے مزارات سے متصور ہے
لہذا ان کو ممانعت کی جائے گی مطلقاً ہرگز نہ کی جائے گی اور مطلقاً ممانعت کی بھی کیسے جاسکتی ہے کہ جب خود
حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر حجرہ شریف رکھا گیا اور پھر حضرت عمر اور ان کے بعد حضرت عبداللہ
بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس پر بنا کی اور ان کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پرانے
حجرہ شریف کو منہدم کر کر از سر نو اس کی تعمیر کی اور کسی نے اس پر انکار بھی نہ کیا تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ
مطلقاً ہر شخص کی قبر پر بنا مسنوع و حرام ہے اگر ایسا ہوتا تو صحابہ سے اس کا ارتکاب کیوں کر ہو سکتا :-

قال عمر بن دینار عبد اللہ بن ابی یزید لم یکن علی عهد النبی صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم علی بیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حائط مکان اول من بنی علیہ
جداسا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال عبد اللہ کان جدارا قصیرا
ثم بناہ عبد اللہ بن زبیر و زاد فیہ و عن رجاء بن حیوة قال کتبک لولید بن
عبد الملائک الی عمر بن عبد العزیز و کان قد اشتری حجر انما و اج النبی صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم ان ہدما و وضع بہا المسجد فقعد عمر فی ناحیة ثما من بعدہا
فہا ایت با کیا اکثر من یومئذ ثم بناہ کما اسما و فلما ان بنی البیت علی القبر

وهدم البيت الاول ظهرت القبو الثلاثة الخ (عینی)
 عمر بن دینار اور عبداللہ بن ابی یزید نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حجرہ نبویہ پر دیوار نہ
 تھی اولاً حضرت عمرؓ نے (خشت خام سے) دیوار بنائی (عبداللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی بنائی ہوئی دیوار چھوٹی
 تھی، پھر حضرت عبداللہ بن زبیر نے دیوار بنائی اور سابق دیوار میں اضافہ کیا، رجاء بن حیوۃ سے منقول
 ہے کہ ولید بن عبدالملک (خلیفہ اموی) نے عمر بن عبدالعزیز (عالی مدینہ طیبہ) کو جو ازواج مطہرات
 کے حجروں کو خرید چکے تھے، لکھا کہ حجروں کو شہید کر کے مسجد کی توسیع کر دو، عمر بن عبدالعزیز ایک گوشہ
 میں بیٹھ گئے اور حجروں کے گرانے کا حکم دیا میں نے کسی رونے والے کو اس زور سے زیادہ روتا
 ہوا نہیں دیکھا پھر جس طرح چاہا مسجد کو تعمیر کیا جب سابق مکان کو گرا کر قبر شریف پر نئی تعمیر شروع
 کی تو تینوں قبریں ظاہر ہو گئیں۔

اور شاہ عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ محدث دہلوی جذب القلوب میں فرماتے ہیں :-

اما حجرہ منیفہ کہ حاوی قبو شریفہ است در اول حجرہ بود داخل بیت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا از
 برید نخل بر طبق سائر حجرات مصطفویہ و بعد ازاں کہ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ در مسجد زیادت
 کرد حجرہ را از خشت خام بنا کرد و تا زمان حدث عمارت ولید این حجرہ ظاہر بود عمر بن عبدالعزیز
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ حکم ولید بن عبدالملک آں را ہدم کرد و بجارہ منقوشہ بر آورد و بر ظاہر آن خطیرہ
 دیگر بنا کرد و در سہ شان سبعین و ستماۃ در دولت قلا دون صالحی قبہ خضرا کہ بالائے حظیرہ شریفہ
 است بلند تر از سقف مسجد بطرزیکہ الآن موجود است باشباک نحاس بنا فرمودند انتہی ملتقطاً
 عرض کہ ثابت ہو گیا کہ محبوبان الہی کے مزارات پر کسی قسم کی عمارت بنانا صرف اس لئے کہ زائرین اس کے سایہ سے
 فائدہ حاصل کریں کر وہ نہیں، یہی سبب ہے کہ ایک زمانے سے اہل اسلام کا عمل شرقاً و غرباً اس پر ہے کہ وہ
 انبیاء علیہم السلام اولیاء اللہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مزارات مقدسہ پر عمارت رفیعہ بنا کرتے
 رہتے ہیں تاکہ مسلمان اُن کی زیارت کرنے والے آرام پائیں، شارح مسلم اکمال میں فرماتے ہیں :-
 ولما صح الحاکم فی مستدرکہ احادیث المنہی عن البناء والکتاب قال ولیس علیہما
 العمل۔ انتہی۔

حاکم نے مستدرک میں قبروں پر بنا کرنے اور لکھنے کی حدیثوں کی تصحیح کی تو یہ کہا کہ ان دونوں نہیں
 پر عمل نہیں ہے (مطلب یہ ہے کہ احادیث نہی صحیح ہیں بصحت اثری اور صحیح نہیں ہیں بصحت عملی کہ
 متروک العمل ہیں)۔

پھر فرماتے ہیں کہ ان احادیث میں اور اس عمل میں تو تعارض ہی نہیں ہے :-

حيث قال لا يعارض تلك الاحاديث لان الجمع بان يحمل ما في الاحاديث

ربانیین، حدیثوں سے زیادہ مستحکم ہے اس لئے کہ وہ ہم سے زیادہ اس میں نظر رکھنے والے ہیں ان پر حدیث کے خلاف کرنے کا گمان نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں تک تو جنائے فوق القبر کی کراہت عدم کراہت میں کلام تھا اب رہا یہ کہ ان کا انہدام کہاں تک جائز ہے تو اس میں اصلاً شک نہیں کہ اگر یہ متیقن ہو کہ یہ زمین موقوفہ عامہ میں بلا اجازت مستحقین بنایا گیا ہے تب اس کا انہدام جائز ہے ورنہ حرام ہے :-

لا ضاعة المال ولا هانة صاحب لقبر ولا هاجرا ما قال الشافعي في كتاب الامم فان كانت القبو في الارض يملكها الموتي في حياتهم او ورثتهم بعد هم لم يهدم شئ وانما يهدم ان هدم ما لا يملكه احد فهدمه لئلا يخرج على الناس موضع القبر فلا يدفن فيه احد فيضيق ذلك بالناس انتهى ما فيه وقال في الاكمال وافتى ابن رشد بوجوب هدم ما بيني في مقابر المسلمين من السقائف والقبب والروضات والنقض لربه قال فان كان في ملك الرجل فحكمه حكمه بناء الذم وما انتهى -

قبروں پر تعمیر ہو جانے کے بعد بوجہ نقصان مال و اہانت صاحب قبر ہم ناجائز ہے کیوں کہ مال کا ضائع کرنا اور صاحب قبر کی توہین کرنا حرام ہے۔ امام شافعی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر مردوں کی قبریں ان کی یا ان کے ورثہ کی مملوکہ زمین میں ہیں تو ان پر کی عمارت سے ہرگز کچھ نہ گرایا جائے گا اگر گرایا ہی ہے تو ان ہی عمارت کو گرایا جائے گا جو موقوفہ زمین میں ہیں تاکہ لوگوں پر تنگی نہ واقع ہو۔ جو چھتیں اور قبے اور چمن مسلمانوں کے موقوف مقابر میں بنائے جائیں ان کے گرا دینے کے وجوب کا ابن رشد نے فتویٰ دیا اور ٹوٹ ان کی ان کے مالک کو دلائی اور کہا کہ اگر وہ عام قبرستان نہ ہو بلکہ اس شخص کی ملک ہو تو اس کا حکم گھروں کی تعمیر کے مانند ہے (یعنی وہ جائز ہیں پس ان کو نہ گرایا جائے گا)۔

لیکن صرف اس خیال سے کہ یہ زمین موقوفہ میں پائے جاتے ہیں ان کو منہدم کرنے کی جرأت نہ کی جائے گی چنانچہ ماشیہ علامہ ساجوری میں ہے :-

ولو وجد بناء في ارض مستبلة ولم يعلم اصله ترك لاحتمال ان يكون وضع بحق قبل تسبيلها انتهى -

اگر کوئی بناء مستبلة زمین میں ہو اور اس کی حقیقت نہ معلوم ہو کہ مملوکہ زمین میں ہے یا غیر مملوکہ زمین میں تو اس کو بحال چھوڑ دیا جائے کیوں کہ احتمال ہے کہ بناء اپنے ملک میں فی سبیل اللہ کر دینے سے پہلے ہوئی ہو۔

پھر ایسے قبوں کے ہدم میں جو زمین موقوفہ میں نہیں ہیں علاوہ اضاعۃ مال کے بغیر حق شرع صاحب قبر کی سخت

اہانت بھی ہے جو حرام ہے :-

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يجلس احدكم على قبر من قبور اهل القبور فليقل لا تود صاحب القبر قال الطيبي
فتخلص في جلد تحير له من ان يجلس على قبر (واو مسلم) وماوى انه
(عليه السلام) رأى رجلاً متكئاً على قبر فقال لا تود صاحب القبر قال الطيبي
هو نهى عن الجلوس عليه لها فيه من الاستخفاف بحق اخيه -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبر پر بیٹھنے کے بہ نسبت بہتر ہے کہ تم میں سے کوئی آگ پر بیٹھے
اور اس کے کپڑے جل کر آگ کا اثر جلد تک پہنچ جائے۔ اس حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے
مروی ہے کہ آپ نے ایک شخص کو قبر سے تکیہ لگائے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ صاحب قبر کو
تکلیف نہ دے طبیبی کہتے ہیں کہ یہی مطلب قبر پر بیٹھنے سے منع کرنے کا ہے۔ کیوں کہ اس میں حق
برادر کی توہین ہے۔

علامہ اجل سیدی عبدالغنی نابلسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں :-

معناه ان الامواح تعلم بترك اقامة الحرمه والاستهانة فتأذى بذلك
مطلب یہ ہے کہ ارواح کو ان کے احترام نہ کئے جانے اور اہانت کئے جانے کا ادراک ہوتا ہے،
اور اس سے ان کو تکلیف ہوتی ہے۔

علامہ اجل شیخ الہند حضرت شیخ عبدالحق محقق دہلوی قدس سرہ العزیز شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں :-
شاید کہ مراد آنست کہ روح و سے ناخوش میدارد و راضی نیست بتکیہ کردن بر قبر و سے از بہت
تضمن اہانت استخفاف ابوے انتہی -

شامی میں ہے :-

لان المیت يتأذى بهما يتأذى به الحى انتهى -

اس لئے کہ جو چیزیں زندہ کے لئے باعث تکلیف ہیں وہ مردہ کے لئے بھی باعث تکلیف ہیں۔

پس جب یہ بات ہے تو قبہ جات کے ہم میں صاحب قبر جس قدر اپنے گاہ ظاہر ہے کہ ہر زندہ آدمی اس بات
سے سخت تکلیف پاتا ہے کہ کوئی شخص اُس کے ایسے مکان ڈھادے جو اُس کے مہانوں کے لئے بنایا گیا ہو،
علاوہ بریں یہ عمارتیں اس پر وقف ہوتی ہیں کہ زائرین ان کے سایہ سے فائدہ اٹھائیں پس ان کا انہدام
کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ اس میں تغیر بلکہ ابطال شرط واقف ہے :-

وهو حرام كما صرح به الفقهاء حيث قالوا لا يجوز تغير شرط الواقف -

اور تغیر شرط واقف حرام ہے چنانچہ فقہانے اس کی تصریح فرمادی کہ وقف جن شرطوں پر ہے ان
کا بدلنا جائز نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فقہا موقوفہ عمارت کے ہم کرنے والے کو تعذیر کا حکم دیتے ہیں اور اس پر زجر کرتے ہیں کہ وہ اس مقام پر اسی جیسی عمارت بنائے جو اس نے منہدم کی ہے جہاں چہ شامی میں ہے :-

وفي اجارات فتاوى قارى الهلاية فيمن استاجر داما وقفاً فهدمها وجعلها
طاهوناً وقرناً اجاب بانه ينظر القاضى ان كان ما غيرها اليها نفع واكثر
مرايعاً اخذ منه الاجرة وابقى ما عترة للوقف هو متبرع والا الزم بهدمه
واعادته الى الصفة الاولى بعد تغييره بما يليق بحاله - انتهى

قاری ہدایہ کے فتاویٰ کی کتاب اجارات میں ہے کہ ایسے شخص کے متعلق (جس نے موقوفہ مکان کرایہ پر لیا پھر اس کو توڑ کر آٹا پیسنے کا کارخانہ یا باورچی خانہ بنا لیا) جو اب دیا کہ قاضی اس پر نظر کرے کہ جو کچھ اس نے بنایا ہے اگر وہ زیادہ فائدہ مند ہے تب تو اسی تعمیر کو وقف کے لئے باقی رکھے اور اس سے کرایہ لیتا رہے کہ یہ عمارت بنانے میں متبرع ہے (یعنی اس کی جانب سے یہ احسان ہے عمارت میں اس کا کوئی حق نہیں) اور اگر یہ پھلی عمارت زیادہ مفید نہیں تو قاضی اس کو ایسی سزا دے جو اس کے حال کے لائق ہے اور حکم دے کہ وہ اس عمارت کو توڑا کر اس ہی جیسی عمارت اپنے خرچ سے بنا دے جو اس نے منہدم کی ہے۔

اگر ان عمارت کے ڈھانے کے لئے یہی حید نکالا جاتا ہے کہ حضور نے ان کو ناپسند فرمایا ہے تو چاہئے کہ جس جس کی عمارت بلند اور پختہ دیکھی جائے بے دھڑک ڈھانی شروع کر دی جائے کہ حضور نے ایسی تمام عمارت کو ناپسند فرمایا ہے یہاں تک کہ بعض صحابہ سے کلام تک ترک فرما دیا اور جب تک انہوں نے اپنی اس عمارت رفیعہ کو ڈھا دیا ان سے کلام نہ فرمایا جہاں چہ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا پورا قصہ ابوداؤد شریف میں مرقی ہے جس کے اسخ میں حضور کے یہ کلمات روایت کئے گئے کہ :- اما ان کل بناء وبال علی صاحبہ الا ما لا یعنی ما لا بد منه یعنی آگاہ ہو جاؤ کہ ہر غیر ضروری عمارت اپنے مالک پر وبال ہے مگر وہی جس کے بغیر چارہ نہیں۔ تو کیا کوئی ذی ہوش اس کا ارتکاب کرنے پر آمادہ ہے کہ جس کی عمارت بلند و پختہ دیکھے ڈھا دے۔ دوسروں کی عمارتیں تو بیچھے ڈھائے گا پہلے اپنے ہی گھر سے بسم اللہ کرے اور اس سنت پر عمل کر کر توشہدوں کا ثواب حاصل کرے، احادیث کے سمجھنے کے لئے فقہانہت درکار ہے حضور نے عمارت پختہ کو اس لئے ناپسند نہیں فرمایا کہ وہ ناجائز تھیں بلکہ اس لئے کہ اگر ابتدائے اسلام میں لوگوں کو آسائش کی جانب توجہ ہو گئی تو اسلام کی ترقی میں نقصان پہنچے گا۔

اگر ایسے قبہ جات کا ہدم ضروری ہی تھا تو کیا وجہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باوجود اپنے غلبہ و سلطوت اور فتح کے اور باوجود شدت اتباع سنت کے بیت المقدس میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ السلام کے اور دیگر انبیائے کرام کے قبہ جات شریفہ کو شہید کرنے کو حکم نہ فرمایا جہاں چہ شاہ عبدالعزیز

صاحب محدث لکنوی رحمہ اللہ تعالیٰ بشارت محمدیہ کے صفحہ ۹۹۸ پر فرماتے ہیں :-

مولانا احمد بن حسن ترمذی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب مصباح القلام میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ملک شام کو فتح کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر پر اور ان کے سوا اور انبیاء کی قبروں پر جو قبے تھے اُن کو ڈھانے کا حکم نہیں دیا انتہی بلفظ ۔

قبرجات کے ہدم کا وجوب ابوہیاج اسدی کی حدیث سے ثابت کرنا نہایت بعید ہے اس کے اندر کوئی ایسا لفظ نہیں جو اس مراد پر دلیل ہو سکے اس میں تو قبر مشرف یعنی اونچی قبر کے تسویہ کا امر ہے، مرقات شریف میں ہے :-
ولا قبورا مشرفا هو الذی بنی علیہ حتی اس تفتح ۔

قبر مشرف اس قبر کو کہتے ہیں جس پر چٹائی کی جائے یہاں تک کہ وہ مقدار شرعی سے اونچی ہو جائے ۔
اور علما نے اس کو مشرکین کی قبروں پر محمول فرمایا ہے۔ کہ یہ انہیں کی عادت تھی کہ وہ بطریق مباہات اونچی اونچی قبریں بناتے تھے :-

قال المحقق علی لا ینالون العلامة بن الہمام هذا الحدیث محمول علی ما کانوا یفعلونہ من تعلیة القبر بالبناء الحسن العالی ولیس مرادنا ذلك القدر (بتسنيہ القبر) بل قد ما یبدون من الارض ویتمیز عنہا انتہی وقال فی الاکمال معنی التسویة ان لا یعلو بناؤھا کما کانت قبور المشرکین بل تكون لاصقة بالارض ثم تسنم لیتمیزانہ قبر وهو معنی قول الشافعی تسطح ولا تبني ولا ترفع بل تكون علی وجه الارض نحو ما من شبرا انتہی ما فیہ وقال العینی و الجواب عما رواه الترمذی ان المراد من المشرفة المذکورہ فیہ علی المبنیة التي یطلب بها المباہات انتہی ۔

محقق مطلق علامہ ابن ہمام کہتے ہیں کہ یہ حدیث (یعنی حدیث نبوی) اس رقم پر محمول ہے جو عرب میں تھی یعنی اونچی خوبصورت بناؤں سے قبروں کو بلند کرنا اور کوبان نما قبر بنانے سے ہماری مراد قبر کو اتنا بلند بنانا نہیں ہے بلکہ اس مقدار میں اونچی کرنا کہ سطح زمین سے نمایاں اور ممتاز ہو جائے، اور شارح مسلم اکمال میں فرماتے ہیں تسویہ قبر کے یہ سنی ہیں کہ قبو کی بنائیں مشرکوں کی قبو کی مقدار اونچی نہ ہوں بلکہ بصورت کوبان شتر زمین کے قریب ہوں اور امام شافعی کے قول تسطح اہل کے معنی بھی یہی ہیں۔ عینی نے کہا کہ اس حدیث کا جواب جو امام ترمذی نے روایت کیا ہے یہ ہے کہ مراد قبور مشرفہ (بلند) سے جو حدیث مذکور میں ہے وہ بناء ہے جس سے فخر مطلوب ہو۔

پس اس حدیث پاک سے قبر پر حجرہ و قبو وغیرہ کے انہدام کا حکم ہرگز ثابت نہیں ہوتا اور نفس قبر کے انہدام کا حکم بھی ہے تو مشرکین یا یہود و نصاریٰ کی قبروں کا ہے نہ مسلمانوں کی کیوں کہ یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ

باوجود ممانعت سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت تک صحابہ اونچی اونچی قبریں بنا کر حضور کا خلاف کرتے رہے اور خلفائے ثلاثہ نے اس کی ممانعت نہ فرمائی پھر اس حدیث پاک میں مور توں کے مٹانے کا حکم فرمایا یہ دوسرا قرینہ ہے اس بات پر کہ یہاں انہیں کی قبور مراد ہیں کیوں کہ انہیں کا دستور تھا کہ وہ اپنے بزرگوں کی قبروں پر مسجدیں بناتے تھے اور اس میں ان کی تصویریں رکھتے تھے ان کے اگلے لوگوں نے اس کام کو صرف اس غرض سے کیا تھا کہ ان بزرگوں سے انس پیدا کریں اور ان کے افعال صالحہ کو یاد کریں پھر جس طرح انہوں نے ان افعالِ حسنہ میں کوشش کی تھی یہ بھی کوشش کریں لیکن شیطان نے ان کے بعد کے لوگوں کے دلوں میں ڈالا کہ تمہارے اگلے لوگ ان کو پوجتے تھے لہذا حضور نے حکم فرمادیا کہ نہ اونچی قبر چھوڑو نہ تصویر اور نہ یہود و نصاریٰ کی طرح تم قبروں کی جانب سجدہ کرو، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے :-

قالت لما اشتكى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ذك بعض نسائه كنيسة رأيتها
بارض الحبشة يقال لها مارية وكانت ام سلمة وام حبيبة اتتا مرض الحبشة
فذكرتا من حسنها وتساو يرفها فرفعها أسه فقال اولئك اذ ا مات منهم
الرجل لصالح بنوا على قبره مسجدا ثم صورا وافية تلك لصورا اولئك مثل الخلق
عند الله سواة البخاري - قال القرطبي انما صورا وائلهم الصورا ليتأسوا
بها ويتذكروا افعالهم الصالحة فيجتهدوا جتهادهم ويعبدون الله عند
قبورهم ثم خلفهم قوم جهلوا مرادهم ووسوس الشيطان ان اسلافكم
كانوا يعبدون هذه الصورا ويعظمونها فخذس النبي صلى الله تعالى عليه
وسلم عن مثل ذلك سدا للذريعة المؤدية الى ذلك بقوله اولئك
شراسا الخلق عند الله قاله العسطلاني -

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو بعض ازواج نے کنیسیہ (گرجا) کا تذکرہ کیا جس کو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا اور اس کا نام ماریہ تھا اور ام سلمہ اور ام حبیبہ حبشہ گئی تھیں انہوں نے اس گرجا کی خوبصورتی اور اس کی مور توں کا تذکرہ کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سرائور اٹھایا اور فرمایا کہ جب کوئی مرد صالح ان میں مرتا تھا تو اس کی قبر پر مسجد تعمیر کر دیتے اور ان کی موت میں اس میں بنا دیتے تھے خدا کے نزدیک یہ (تصویریں) بنانے والے بدترین مخلوق ہیں، امام بخاری نے اس حدیث پاک کو اپنی صحیح میں روایت کیا۔ قرطبی نے کہا کہ پہلے لوگوں نے خواست قلبی اور ان کے نیک افعال یاد کرنے کے واسطے وہ مور میں بنائیں تھیں تاکہ انہیں لوگوں کی طرح اعمال صالحہ میں کوشش کریں لیکن عبادتِ خدا ہی کی کرتے تھے، پھر ان کے بعد جو قوم ہوئی پہلے

لوگوں کی مراد کو نہ سمجھی اور شیطان نے ان کے دل میں یہ سوسرہ ڈال دیا کہ تمہارے اسلاف انہیں صورتوں کی پرستش کرتے تھے اور ان کی عظمت کرتے تھے لہذا آئی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول اولئک شرار الخلق (وہ بدترین مخلوق ہیں) سے اس طریقہ کو جو عبادت صورت کی طرف مڑی تھاروکنے کے لئے، اس قسم کے افعال کرنے سے منع فرمایا یہ مطلب قسطلانی نے بیان کیا ہے۔

پھر جب یہ ثابت ہے کہ حضور کی اور شیخین کی قبریں مسنم بنائی گئی ہیں اور مسلمانوں کو بھی مسنم قبریں بنانے کی اجازت ہوئی تو اس کے کیا معنی کہ مسلمانوں کی قبروں کو زمین سے برابر کرنے کا حکم یا جانا، پس ثابت ہوا کہ یہ حکم قبور کفار کے لئے تھا صحابہ پر ہرگز یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے باوجود ممانعت کے اپنی قبور میں قبور کفار کیساتھ مشابہت کی ہو، البتہ اس میں شک نہیں کہ ہمارے علماء نے مقدار شرعی سے اونچی قبر کرنے کی ممانعت ضرور فرمائی ہے، پس مستحب ہے کہ بقدر ایک بالشت یا اس سے کچھ اونچی قبر کو بان شتر کی صورت میں بنائی جائے پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ بہت زیادہ اونچی قبر بنانا مکروہ ہے یا مباح بعض نے مکروہ فرمایا اور بعض نے مباح فی الآئہا، قال العلماء یستحب ان یرفع القبر قدر شبر ویکوہ فوق ذلک انتھی مافی المرقات۔

ازہار نام کتاب میں ہے کہ قبر کو ایک بالشت بلند کرنا علماء مستحب کہتے ہیں اور اس سے زیادہ بلند کرنے کو مکروہ۔

اور بدائع میں ہے :-

ومقدار التسنیم ان یکون من ارتفاع الارض قدر شبر او اکثر قليلا انتھی مافیہ وقال الکرومانی یسنم ای یرفع القبر استحباً با غیر مسطح قدر شبر قال صاحب جامع الرموز فیہ اشعاراً باباحۃ الزیادۃ علی قدر شبر انتھی مافی جامع الرموز اقول ای قلیلاً والافاسر تفاع القبر با اکثر قدر شبر جذا مکروہ لوساود النہی فیہ۔

قبر کو بان نما بنانے کی مقدار یہ ہے کہ سطح زمین سے بقدر ایک بالشت یا اس سے کچھ زیادہ بلند ہو کرمانی کہتے ہیں کہ قبر کو بان نما بنائی جائے، اور بقدر ایک بالشت اونچی کی جائے سطح نہ کی جائے اور قبر اونچی کرنا مستحب ہے، صاحب جامع الرموز کہتے ہیں کہ اس میں ایک بالشت سے زیادہ اونچی بنانے کی اجازت کا اشارہ ہے۔ میں کہتا ہوں (یعنی اس رسالہ کا مصنف کہتا ہے) کہ ایک بالشت سے تھوڑی اونچی بنانے کی اجازت ہے ورنہ قبر کا ایک بالشت سے بہت زیادہ بلند کرنا مکروہ ہے کیوں کہ حدیث پاک میں اسی کی ممانعت ہے۔

اب یہاں یہ معلوم کر لیا جاوے کہ مکروہ کس کو کہتے ہیں کہ اس میں بھی بہت وضو کا دیا جا رہا ہے علمائے احناف کے نزدیک مکروہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک مکروہ تحریمی جو حرام کے قریب ہے دوسرا مکروہ تنزیہی جو حلال کے قریب ہے تکرہوا فی معنی المکروہ والمرعی عن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نصاب ان کل مکروہ حرام الا انہ لما لم یجد فیہ نصابا قطعاً لم یطلق علیہ لفظ الحرام وعن ابی حنیفہ و ابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ انہ الی الحرام اقرب (کذا فی الہدایہ) وهو المختار ہکذا فی شرح ابی المکارم هذا هو المکروہ کراہۃ تحریمیہ اما المکروہ کراہۃ تنزیہیہ فالی الحلال اقرب (کذا فی شرح الوقایۃ) والاصل الفاصل بینہما ان ینظر الی الاصل فان کان الاصل فی حقہ اثبات الحرمتہ وانما سقطت الحرمتہ للعارض ینظر الی العارض ان کان مما تعد بہ البلوی و كانت الضرر قائمۃ فی حق العامۃ فہی کراہۃ تنزیہیہ وان لم تبلغ الضرر ہذا المبلغ فہی کراہۃ تحریمیہ فصار الی الاصل و علی العکس ان کان الاصل الاباحۃ ینظر الی العارض فان غلب علی الظن وجود المحرم فالکراہۃ للتحریم والا فالکراہۃ للتنزیہ. کذا فی العالمگیری۔

مشائخ نے مکروہ کے معنی میں گفتگو کی ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے صریح یوں مروی ہے کہ ہر مکروہ حرام ہے لیکن چوں کہ انہوں نے اس میں کوئی نص قاطع نہیں پائی لہذا اس پر حرام کا اطلاق نہیں کیا اور شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ سے اس طرح مروی ہے کہ مکروہ حرام کے قریب ہوتا ہے (یہ تقریر ہدایہ میں ہے) اور یہی مختار ہے (کذا فی شرح ابی المکارم) یہ تعریف اس مکروہ کی ہے جس کو مکروہ تحریمی کہا جاتا ہے۔ رہا مکروہ تنزیہی سو وہ وہ ہے جو حلال سے زیادہ قریب ہو (جیسا کہ شرح وقایہ میں ہے) اور مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی میں فرق یہ ہے کہ قطع نظر دلائل کراہت سے فعل کی اصل کو دیکھا جاوے اگر اصل فعل اثبات حرمت کا مستحق ہو مگر حرمت کسی عارض کی وجہ سے ساقط ہو تو عارض کو دیکھنا چاہیے اگر ایسا عارض ہو جس میں عموماً لوگ مبتلا ہوں اور ضرورت بھی سبکے حق میں ثابت ہو تب تو کراہت تنزیہی کہا جائے گا ورنہ کراہت تحریمی اور اگر اصل فعل میں علت ہے مگر کوئی عارض ایسا پیش آیا جو اس کی حرمت کو چاہتا ہے تو دیکھا جائے اگر اس عارض کے وجود کا جو حرمت کو چاہتا ہے غالب ظن ہے تب تو کراہت تحریمی ہوگی ورنہ کراہت تنزیہی۔ کذا فی العالمگیری۔

پس محقق ہو گیا کہ قبر کو اونچا کرنا چوں کہ خود کوئی حرام فعل نہیں اس کی مماثلت بھی صرف اس وجہ سے ہے کہ اس میں کفار کی مشابہت ہے لہذا جس بناء میں کفار کی مشابہت پائی جائے گی اس کو مکروہ تحریمی کہا جائے گا

ورنہ مکروہ تنزیہی جس کا حکم یہ ہے کہ اس کا نہ کرنا کرنے سے بہتر ہے۔

كما صرح به الفقهاء حيث قالوا المكروه تنزيها وهو ما كان تركه اولى
من فعله، ويرادف خلاف الاولى. كذا في الرد المحتاس۔

علماء نے فرمایا کہ مکروہ تنزیہی وہ ہے جس کا نہ کرنا کرنے سے بہتر ہو اور مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ
دونوں کے ایک معنی ہیں۔

اب اہل اسلام خود فیصلہ فرمائیں کہ ہماری قبور میں نصاریٰ وغیرہ کی قبور کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے یا نہیں پس
اگر نہیں پائی جاتی اور یقیناً نہیں پائی جاتی تو ان کے توڑنے کا کیسے حکم دیدیا جائے گا اس سے زیادہ نہیں
کہا جاسکتا کہ ان کا بنانا بہتر نہ تھا لیکن جب بن چکیں تو اب ان کا انہدام سخت مذموم ہے علامہ احمد بن علی
بصری فصل الخطاب میں فرماتے ہیں :-

هذا البناء على قبور هؤلاء الشهداء من الصحابة رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین
اما ان يكون واجبا او جائزا بغیر کراهة وعلى كل فلا يقدم على الهدم الا
رجل مبتدع ضال لا ستلزامه انتهاك حرمة اصحاب رسول اللہ صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الواجب على كل مسلم محبتهم ومن محبتهم وجوب
توقیرهم وای توقیر لهم عند من هدم قبورهم انتہی۔

شہدائے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبور کی بنائیں دو حال سے خالی نہیں یا واجب ہیں یا بغیر کراہت
جائز ہیں اور ہر تقدیر پر سوائے بدعتی اور گمراہ شخص کے ان کے توڑنے کی جرأت کوئی شخص
نہیں کر سکتا کہ اس میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہنگ حرمت لازم آتی ہے،
حالانکہ ہر مسلمان پر ان کی محبت واجب ہے اور ان کی توقیر کا وجوب ان کی محبت سے ہے، پھر
جس شخص نے ان کی قبور کو ہدم کیا اس کے نزدیک ان کی کیا توقیر رہی۔

اجل قبول کے ہدم کے جواز پر بہت کچھ زور دیا جا رہا ہے جس کا اصل منشا یہ ہے کہ قبہ شریف جس کو قبہ خفراء
کہتے ہیں اور جس پر ہر مسلمان کہ جس کے دل میں حقیقی ایمان جلوہ گر ہے اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہے اگر خدا
نخواستہ مہدم کر دیا جاوے تو مسلمانوں میں اضطراب نہ پیدا ہو مسلمانوں خدا کے واسطے دعا کرو اور ہر ممکن
ممکن تدبیر ایسی عمل میں لاؤ جس سے وہ روز بد ہمارے سامنے نہ آئے جس کے تصور سے جان پر ہنی جاتی ہے
آہ یہ وہ گنبد اقدس ہے جس پر نظر کرنے کو ہمارے علماء اسی طرح عبادت لکھ رہے ہیں جس طرح بیت اللہ
پر نظر کرنے کو عبادت کہتے ہیں چنانچہ شیخ رحمہ اللہ تلمیذ محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متوسط میں اور
ملا علی قاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں :-

ولیستما یام مقامہ بالمدينة المشرفة فیحص من علی طرقتہ المسجد الاعظم

والحتم ولو مرقمنه واحياء ليله وادامة النظر الى الحجرة الشريفة (ای ان تیسرے)
 او القبة المنیفة (ای تصیر فاول للتویم) مع المہابة والخشوع (ای مع الخشیة
 والخشوع ظاہر اوبالظاہر) فانہ (ای لنظر المذکور) عبادۃ کا لنظر الى الکعبۃ
 الشریفة انتہی

مدینہ شریف میں اپنے قیام کے دنوں کو غنیمت سمجھنا چاہیے اور مسجد نبوی میں برابر حضورؐ کی اور اس میں
 اعتکاف اور ختم قرآن اگرچہ ایک بار ہو اور شب بیداری اور حجرہ شریف کی طرف (اگر یہ میسر ہو یا قبہ
 بلند کی طرف اگر حجرہ شریف کی جانب نظر دشوار ہو) برابر نگاہ جمائے رکھنے کی حرص ہونی چاہیے
 کیوں کہ حجرہ شریف یا قبہ شریف کو دیکھنا عبادت ہے جس طرح کعبہ شریف کو دیکھنا عبادت ہے
 بلکہ بعض علماء ادب کی راہ سے آٹھ اٹھانے کی بھی اجازت نہیں دیتے چنانچہ علامہ قسطلانی شارح صحیح بخاری
 سواہب لدنیہ اور علامہ محمد زرقانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں :-

یلانام الادب الخشوع والتواضع غاض البصر كما كان يفعل بين يدي في
 حياته (اذ هو حي) وليتخضر عامه بوقوفه بين يديه عليه الصلوة و
 السلام وسماعه لسلامه كما هو في حياته . انتہی

زائر کو چاہیے کہ اُس دربار عالی میں ادب عاجزی و تواضع کو لازم پکڑے نظریں رکھے جس طرح
 حضورؐ علیہ السلام کی حیات ظاہری میں کرتا کیوں حضورؐ اب بھی زندہ ہیں اور اس بات کو دل میں جمائے
 رکھے کہ حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی درگاہ میں میری حاضری کا عالم اسی طرح ہے اور میرے
 سلام کو اسی طرح سنتے ہیں جس طرح کہ آپ اپنی حیات ظاہری میں دیکھتے اور سنتے تھے ۔
 افسوس جس بارگاہ بیکس پناہ کے حضورؐ علما زور سے بات کرنے کو بھی ناجائز جانیں وہاں یہ ستم کہ گولوں کی دل
 دہلا دینے والی آوازیں گونج رہی ہیں تفسیر روح البیان میں ہے :-

وقد كره بعض العلماء ما رفع الصوت عند قبرة عليه السلام لان حيا في قبورہ انتہی
 بے شک مکروہ ہے بعض علماء نے حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر شریف کے نزدیک آواز کے بلند
 کرنے کو کیوں کہ آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں ۔

خدا کی قسم میں اس سے کہ اُس قبہ شریف کی توہین کے متعلق کچھ سنتا یہ بہتر جانتا تھا کہ میرے کان پھوٹ جاتے
 بلکہ اس سے پہلے میرا وجود ہی نہ رہتا ۔

سنگِ در حضورؐ سے ہم کو خدا نہ صبر دے جانا ہے سر کو جاچکے دل کو قرار آئے کیوں

فقط واللہ تعالیٰ بالصواب اتم وعلما تم واحکم - تحریر تاریخ ۱۰ صفر المنظر ۱۳۲۵ھ (۱۹۲۵ء)

حررہ محمد ظہر اللہ غفرلہ نقشبندی مجددی

امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۶) ایک امام صاحب خود کو افضل العلماء تصور کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ قیام فی المولد کرنے والا بڑا گناہ اور بدعتی اور مشرک ہے اگر تمثیلاً چند علماء سابقین کے نام لئے جائیں تو ان کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ لاعلم و مجہول مطلق تھے۔ امام صاحب مذکور کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ کسی کے لئے تعظیماً قیام کرنا جائز نہیں اور اس کے لئے یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ ایک روز حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی مجلس میں تشریف لائے، جب صحابہ تعظیماً کھڑے ہوئے تو آپ نے منع فرمادیا کہ میرے آنے پر ہرگز مت کھڑے ہو اگر وہ، لیکن ان خیالات کے باوجود امام صاحب خود ایک غیر متشرع شخص کے لئے تعظیماً کھڑے ہوتے ہیں کیا ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے نیز قیام فی المولد اور استقبال وغیرہ از روئے شرع درست ہے یا نہیں۔ بینوا و توجہ ۱۔

الجواب هو الموفق للصواب

دینی بزرگوں میں سے کسی کے لئے تعظیماً قیام کرنا بلاشبہ مباح بلکہ مستحب ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے اور ان کا حضور اقدس کے لئے قیام فرمانا جس پر دلیل صریح ہے بکثرت علمائے اعلام نے اپنی تصنیفات میں اس کی تصریح فرمائی یہاں تک کہ مولینا رشید احمد صاحب گنگوہی اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ تعظیم دین دار کو کھڑا ہونا درست ہے اور پاؤں چومنا ایسے ہی شخص کا بھی درست ہے حدیث سے ثابت ہے فقط اور جس حدیث کا سوال میں ذکر کیا گیا ہے اس میں الفاظ لا تقوموا کہما یقوموا لاجلہ، مروی ہیں جن سے اس قیام کی ممانعت فرمائی گئی ہے جو قیام عجیبوں میں مروج تھا اور وہ یہ تھا کہ پادشاہ کے بیٹھے ہوئے ہونے پر بھی ارکان سلطنت و رعایا ان کے سامنے کھڑے رہتے تھے چنانچہ بعض شارحین نے اس حدیث کی شرح میں ایسا ہی فرمایا ہے۔

رہا بیان ولادت شریف میں کھڑے ہو کر مدحت نبوی کرنا اور سلام پڑھنا سو یہ ایک فعل مباح ہے کہ نہ اس کی ذات میں کوئی قبح نہ دلائل شرعیہ میں سے کوئی دلیل اس کی منع پر وارد پس اس کو ممنوع نہیں کہا جاسکتا بلکہ اس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر شریف کی چوں کہ تعظیم کی نیت سے کی جاتی ہے بدیں فحہ اس کو مستحسن و مستحب کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ہر وہ فعل جو حضور اقدس یا آپ کی کسی منسوب شے کی تعظیم و توقیر کے لئے کیا جائے نظر شارح میں محمود ہے ایسے فعل کو بدعت کہنا کسی طرح مناسب نہیں کہ مطلقاً بدعت کا اطلاق بدعت سیدہ پر آتا ہے اور یہ ہرگز بدعت سیدہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر اللہ
مسجد جامع فتحپوری ادلی

(سوال نمبر ۲۶۸)

(۱) میلاد شریف کے وقت تعظیم کرنی جائز ہے یا نہیں؟

۳۳) فاتحہ سوم، سوال، بیسواں، ہینہ، چالیسواں دن مقرر کر کے کرنا جائز ہے یا نہیں؟
(۳) اگر ایک شخص ایک من جو کسی کو ادھار دیتا ہے پھر وہ یوں کہے کہ بجائے جو کے مجھ کو گندم دیدے یہ
جائز ہے یا نہیں؟

مستفتی

محمود علی پٹن امام جامع مسجد حالوسانہ
۹ اگست ۱۹۳۲ء

هُوَ الْمَوْفِقُ

(۱) بیان ولادت شریف کے ختم پر صرف اس خیال سے کھڑے ہو کر سلام پڑھنا کہ سرکار عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور میں جب ہمارا سلام پہنچا جائے تو ہماری تعظیمی ہیئت بھی پیش ہو، جائز و مستحسن امر ہے لانه لامہانعة لهذا القيام في الشريعة المطهرة بل قال عليه السلام في مثل هذه الافعال ما رواه المؤمنون حسنا فهو عند الله حسن واتفق اكثر اهل السنة على ان هذا القيام مستحسن بل قيل ان عليه الاجماع فقط.

(۲) ہاں جائز ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ یہ خیال نہ کر لیا گیا ہو کہ ثواب انہیں تاریخوں میں پہنچے گا یا ثواب میں ان دنوں میں کچھ زیادتی ہوگی کہ ایسا خیال بدعت مذمومہ ہے۔ رہا بلا اس خیال کے صرف کسی مصلحت سے تقریر یوم سو وہ بلاشبہ جائز ہے کہ اس کی ممانعت کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں فقط

(۳) یہ جائز نہیں کہ نہ ایک چیز کو ادھار دے کر اس کی عوض دوسری شے کا لینا جائز ہے نہ اکیلی چیز کو اکیلی چیز کی سلم میں دینا روا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
صلی
امام مسجد فتحپوری

(سوال نمبر ۲۶۹) میلاد خوانی اور بارہویں شریف کے موقع پر جلوس وغیرہ نکالنا شرعاً کیسا ہے۔
بیٹو اور توجروا۔

(مستفتی، فضل احمد ————— کراچی)

الْجَوَابُ

میلاد خوانی بشرطیکہ صحیح روایات کے ساتھ ہو اور بارہویں شریف میں جلوس نکالنا بشرطیکہ اس میں کسی

فعل ممنوع کا ارتکاب ہو، یہ دونوں جائز ہیں، ان کو ناجائز کہنے کے لئے دلیل شرعی ہونی چاہیے، بائین کے پاس اس کی ممانعت کی کیا دلیل ہے؟ یہ کہنا کہ صحابہ کرام نے نہ کبھی اس طور سے میلادِ خوانی کی نہ جلوس نکالا۔ ممانعت کے دلیل نہیں بن سکتی کہ کسی جائز امر کو کسی کا نہ کرنا اس کو ناجائز نہیں کر سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد منظر عطار

مسجد جامع فتحپوری دہلی
(اگست ۱۹۵۵ء)

(منبر)

الجواب

(۱) زید غلط کہتا ہے وہ شرک کے معنی نہیں جانتا، شرک یہ ہے کہ کوئی کسی مخلوق کی اللہ تعالیٰ شانہ کی ذات یا صفات جیسی قدیم سمجھے یا کسی کو عبادت کا مستحق سمجھے جو باتیں اس نے کہیں ہیں ان میں سے کوئی بھی شرک نہیں، ہاں اگر کوئی ان کو بالذات مدد دینے والا سمجھ کر ان سے مدد مانگے تو وہ یقیناً شرک ہے لیکن میں نے کوئی ایسا بریلوی نہیں دیکھا۔

(۲) جو شخص ان افعال کو ناجائز بتلاتا ہے اس سے حدیث طلب کیجئے کہ کس حدیث میں ان افعال کو ناجائز کہا ہے جائز کہنے والے کے لئے یہ حدیث کافی ہے فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عندہ فهو ما عفی عنہ۔

(۳) جب تک کسی امام کا فعل شریعت مطہرہ کے خلاف ایسا نہ ثابت ہو جس سے مسلمان کافر یا فاسق ہو جاتا ہے اس وقت تک اس کے پیچھے نماز سے روکنے والا گناہ گار ہوگا۔

(۴) میلاد شریف میں نعت پڑھنا جائز ہے اور کھڑے ہو کر سلام پڑھنا بھی جائز ہے۔

(۵) شوق و ذوق میں یا درود شریف میں "یا محفل" کہنا بھی جائز ہے، یہ شخص غلط ہے کہ "یا" کا لفظ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے بولنا جائز ہے دوسرے کے لئے شرک ہے اگر لوگ نماز میں ہوں تو پھر سے کلمہ شریف پڑھنے میں ممانعت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عطار

(۴ جنوری ۱۹۵۹ء)

۱۰ ان سوالات کے مستفتی میاں بی مرتضیٰ احمد شرفی (امام مسجد موضع رسول پور ضلع بھنور) ہیں، سو دس کے فائل میں سوالات درج نہیں، صرف جوابات ہیں، ان سے خود بخود سوالات کی نوعیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ (مرتب)

سوال نمبر ۲۷۱

(۱) گیارہویں شریف جب شرعاً منوع ہے تو اس کی ممانعت کس آیت یا حدیث میں وارد ہے، وہ آیت یا حدیث صحیح سند و حوالہ کتاب و صفحہ و سطر ارقام فرمادیں۔

(۲) زید عرصہ سے گیارہویں شریف کرتا ہے اور تخصیص یوم کو اپنے عقیدہ میں فرض واجب نہیں جانتا ایسی حالت میں گیارہویں شریف کے کھانے کھلانے کا ثواب پہنچے گا یا نہیں۔ ثبوت قرآن و حدیث سے عنایت فرمائیے؟

(۳) بدعت شریعت میں کسے کہتے ہیں اس کی صحیح جامع مانع تعریف ارقام فرمائیے؟

(۴) تعریف بدعت اس ایصالِ ثواب پر کیسے صادق آتی ہے اس کا انطباق اس پر کس طرح ہوتا ہے اس کی مفصل تقریر ارقام فرمائیے تاکہ کم علم لوگ بھی طرح سمجھ لیں؟ فقط بیسوا و توجروا۔

حافظ عبدالکلیم پانی پتی حال دہلی
محدث رفیق پڑ پرائیٹر بہار
وفقیہ سید اخلاق حسین غفر لہما۔
اسحاق منزل اجیری گیٹ دہلی

الجواب

(۱) گیارہویں کی حقیقت کیا ہے اگر اس سے مراد صرف یہ ہے کہ حضرت سیدنا محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی روح مبارک کو کسی عبادت بدنیہ کا ثواب پہنچایا جائے تو اس میں شریعت مقدسہ نے کسی خاص تاریخ کی تعیین کہاں فرمائی ہے ایصالِ ثواب کے لئے یوم وصال کو خاص کر لینا یا اس کو زیادہ باعثِ ثواب سمجھنا اک خود ساختہ خیال ہے، جس کی اولہ شرعیہ میں کوئی دلیل نہیں۔ ایصالِ ثواب شریعت میں جائز بلکہ مستحسن ہے مگر اس کی صورت یہ ہے کہ جو شخص کسی عبادت بدنیہ مثلاً نماز روزہ قرأت قرآن پاک وغیرہ کا ثواب پہنچانا چاہے، وہ خود وہ عبادت کرے اور جس وقت کر سکے اور جس قدر کر سکے اس وقت اس قدر کرے اور حضرت حق تعالیٰ کی طرف سے اس عبادت پر جس ثواب کا مستحق وہ شخص ہوا ہے اس ثواب کو یہ اس شخص کے لئے بخش دے، نہ اس میں کسی خاص چیز کی قید ہے اور نہ کسی خاص وقت کی اور نہ کسی خاص ہیئت کی یہ تو ایصالِ ثواب کی شرعی صورت ہے اس کے علاوہ خاص چیزوں یا خاص وقتوں یا خاص ہیئت کی قید و خصوصیت بڑھانا دین میں اپنی رائے سے انشا کرنا ہے اور یہ بدعت ہے۔ احکام شرعیہ سب خدا اور رسول کے احکام و نصوص سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ ان الحکم الا للہ، حکم تو صرف اللہ ہی کے لئے ثابت ہے۔ اور حضور نے فرمایا ہے من احدث فی امرنا لہذا ما لیس منہ فہو ساء۔ جو شخص ہمارے دین میں کوئی ایسا کام نکالے جو دین سے نہیں ہے یعنی اس کے مخالف ہے تو احکام مردود ہے۔ پس یہ قیود و تخصیصات خود ساختہ بدعت ہیں۔

(۲) اگر صدقہ کیا گیا اور اس میں تخصیص یوم یا تخصیص شے متصدق بہ کی گئی تو صدقہ کا ثواب تو ملے گا مگر اس تخصیص متذرع کے ارتکاب کا مواخذہ بھی ہوگا، اگر اس شخص کے خیال میں تعیین یوم فرض واجب

تھیں مگر ثواب کے حصول یا زیادت ثواب کے لئے مؤثر جانتا ہے یہ بھی بدعت ہے ہاں اگر زیادت ثواب کے لئے نہ مؤثر سمجھے اور نہ حصول ثواب کی شرط قرار دے صرف اتفاقی طور پر یا سہولیت کار کے لئے دن مقرر کرے اور وہ گیارہویں ہی کو مقرر کرے تو اس کا فعل فی حدیثہ جائز ہوگا، مگر جوں کہ ایسے لوگوں کے لئے جو اس تعیین کو شرعی سمجھتے ہیں موجب سو عقیدگی یا حجت ہو سکتا ہے اس لئے ترک ہی بہتر ہے۔

(۳) بدعت ہر اس رسم یا عقیدہ و خیال کو کہتے ہیں جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں اور اس کو ثواب یا دین کا کام سمجھ کر کیا جاوے یا چھوڑا جائے، پس امور معاشیہ تمدنیہ جو دین کا کام سمجھ کر نہیں کئے جاتے قطعاً اس سے باہر ہیں اور ایصال ثواب کے لئے دن کی تعیین کرنا کہ اس دن میں ثواب پہنچتا ہے یا اس دن میں زیادہ ثواب ہے یہ عقیدہ بدعت ہے کہ اس کی نہ تو شریعت میں اصل ہے اور نہ یہ امور معاشیہ تمدنیہ میں داخل ہے بلکہ ایک شرعی حیثیت رکھتا ہے۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرسہ امینیہ دہلی

ہوالموفق

مجیب اول کے نفس جوابات کی صحت میں اصلاً کلام نہیں البتہ غیر مستفسرہ سوالات کے جوابات کی طرف توجہ ہو جانے کی وجہ سے مستفسرہ سوالات کے جوابات کسی قدر نامناسب پیرائے میں تحریر میں آئے جس کی وجہ سے مجیب ثانی صاحب کو اس کی غلطی کا دھوکا ہوا، ہمارے عرف میں گیارہویں شریف اس ایصال ثواب کو کہا جاتا ہے جو گیارہویں تاریخ ہلال اسلام حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح پرفقوح کے لئے کرتے ہیں یا بارہویں شب اپنے مولا ولجاء سید عالم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بکس پناہ میں بطور نذر و ہدیہ بعض اعمال صالحہ کا ثواب پیش کرتے ہیں سو مسئلہ ایصال ثواب میں تو اہل سنت میں سے کسی کو کو اختلاف ہی نہیں رہا مسئلہ تعیین یوم سویہ کچھ تفصیل چاہتا ہے۔

توقیت (یعنی وقت معینہ پر کسی کام کو رکھنا) دو حال سے خالی نہیں یا شرعی ہوگا یا عادی توقیت شرعی یہ کہ شارع نے کسی کام کے لئے خود وقت مقرر فرما دیا خواہ اس طرح کہ اس وقت کے علاوہ دوسرے وقت میں وہ کام ہو ہی نہیں سکتا جس کے لئے وہ وقت معین کیا ہے جیسے قربانی کے لئے ایام نحر پس اگر ایام نحر کے سوا دوسرے ایام میں جانور ذبح کیا جائے گا تو قربانی نہ ہوگی یا اس طرح کہ دوسرے وقت میں وہ کام ہو تو سکتا ہے لیکن بلا عذر تقدیم و تاخیر جائز نہیں جیسے پنج وقتہ نمازوں کے اوقات معینہ یا تقدیم و تاخیر بھی جائز لیکن زیادتی ثواب اس وقت معین میں ہے جیسے نمازوں کے لئے اوقات مستحبہ، غرض ان مذکورہ صورتوں میں سے اگر کوئی صیوت ہے تو وہ توقیت شرعی ہے ورنہ عادی، توقیت عادی کا مطلب یہ ہے کہ شارع علیہ السلام کی جانب سے تو ہر وقت اجازت ہے لیکن مصلحت یا مناسبت کی وجہ سے کسی قوم یا کسی خاص وقت

(۱) یعنی مولانا عبدالرسول کھنوی جنہوں نے پہلے جواب کار و کھما لیا

نے اس کام کے لئے ایک وقت خاص اختیار کر لیا ہے مثلاً وعظ و نصیحت کرنا ہر وقت جائز ہے لیکن اس زمانہ میں اکثر علماء نے نماز جمعہ کے بعد وعظ فرمانا اختیار کر لیا ہے سو ایسی تقریر و تعیین مہنوع نہیں، گیارہویں اور اس وسوم و حلیم وغیرہ میں تخصیص یوم اس ہی قبیل سے ہے پس مہنوع نہیں چنانچہ مجیب دل نے اس کے جواز کو اپنے اس کلام میں کہ اگر سہولیت کار کے لئے دن مقرر کرے اور وہ گیارہویں کو ہی مقرر کرے تو اس کا فعل فی حدیث جائز ہوگا، بالتصریح بیان فرما دیا۔

مسلمان ایصالِ ثواب میں تخصیص یوم اس ہی غرض سے کرتے ہیں کہ اس میں سہولت میسر ہے اور اس صورت میں آسانی کے ساتھ ایصالِ ثواب ہوتا رہے گا ورنہ دشوار ہو جائے گا، اکثر دیکھا گیا ہے کہ جس کام کے لئے وقت مقرر نہیں کیا جاتا وہ معرض تعویق ہی میں رہ جاتا ہے، یہی بات کہ مجیب دل نے بعض مصالح کی وجہ سے اس کے ترک کو بہتر فرمایا سو یہ انکا ایک ذاتی مشورہ ہے کوئی عمل کرے یا نہ کرے مختار ہے اس سے مجیب ثانی صاحب کا یہ سمجھ لینا کہ انہوں نے گیارہویں شریف کو ناجائز کیا اور اس تقدیر پر ان کے جواب کو غلط کہنا محض ناانصافی ہے اس ہی طرح مجیب دل کے اس کلام ”ایصالِ ثواب کے لئے یوم وصال کو خاص کر لینا“ سے اس کی ممانعت مستفاد نہیں ہوتی۔

اس میں اگر ممانعت ہے تو صرف اس کی ہے کہ تقرر کو شریعت مطہرہ کے تقرر کے مانند تصور کر لیا جاوے یعنی یہ نہ خیال کر لیا جاوے کہ اس تاریخ کے سوا دوسری تاریخوں میں ثواب ہی نہیں پہنچ سکتا یا پہنچ تو جائے گا لیکن دوسرے وقت ثواب پہنچانا جائز نہیں یا جائز تو ہے لیکن اس تاریخ میں زیادہ ثواب پہنچے گا کہ ایسا خیال یقیناً بدعت ہے کہ شارع کے اطلاق کو اٹھاتا ہے، اسی طرح یہ خیال کر لینا کہ اس خاص تاریخ میں ثواب نہیں پہنچے گا یا پہنچ تو جائے گا لیکن جائز نہیں یا جائز تو ہے لیکن غیر معین اوقات میں زیادہ ثواب پہنچے گا سو یہ خیال بھی بدعت ہے کہ یہ بھی شارع کے اطلاق کو اٹھانے والا ہے، البتہ جو وقت کہ ایصالِ ثواب کے واسطے مقرر کیا گیا ہے اگر وہ وقت بھی ایسا ہے کہ اس میں ثواب کی زیادتی شارع سے ثابت ہے تو اس میں ایسا خیال کرنا بھی صحیح ہے چنانچہ رمضان شریف میں کوئی عمل کر کے اس پر زیادتی ثواب کا متوقع ہونا کہ یہ بلاشبہ جائز ہے۔

غرضیکہ توقیت تخصیص یوم نہ مطلقاً بدعت ہے اور نہ مجیب دل نے اسے بدعت کہا بلکہ جو توقیت بدعت نہ تھی اس کا صاف اظہار کر دیا۔ قطع نظر اس کے کہ شارع سے ایسی تخصیص کی کسی وقت پر بھی کوئی دلیل نہیں چہ جائے کہ حرمت پر، اگر تتبع کیا جاوے تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ السلام کے زمانہ مبارک سے لے کر ایش وقت تک ہر زمانہ میں کروڑوں ہی صلحاء امت ایسے ملیں گے جو ہمیشہ ایسی تخصیص پر کار بند رہے پس اس کو بدعت کیسے کہا جاسکتا ہے بلکہ خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے چنانچہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ :-

(سوال نمبر ۲۷۲) محمد عارفین اور عبد التواب میں جھگڑا ہوا، محمد عارفین نے یہ کہا کہ حسینؑ کے نام کا شربت میں حرام مثل پیشاب کے سمجھتا ہوں کیوں کہ وہ غیر اللہ کے لئے ہے اسی کو حضرت مولانا شیدا احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فاؤنی رسیدیہ جلد ۳ میں فرمایا ہے، محرم میں ذکر شہادت حسین علیہ السلام کرنا اگرچہ بروایات صحیحہ ہو یا سبیل لگانا، دو دھ پلانا، شربت پلانا، چندہ سبیل شربت میں دینا درست تشبہ بروافض کی وجہ سے حرام ہے۔

عبد التواب نے کہا سبیل اور شربت امام حسین علیہ السلام سب شیعہ سنتی ہمیشہ سے کرتے رہے ہیں، استغفر اللہ تم ایسی بیوقوفی بات کہتے ہو، تم کو شرم نہیں آتی، جب جھگڑا دونوں میں بڑھا تو مظلوموں نے یہ طے کیا ہے کہ اگر مولوی احتشام الحق صاحب اور مفتی محمد شفیع صاحب اور محمد متین صاحب خطیب درمولوی عبد الجبار صاحب فرمادیں گے تو مان لینا اس لئے کہ کراچی میں سب سے بڑے یہی عالم ہیں، براہ کرم جو اب مدلل عنایت فرمائیں۔

مستفتی

عنایت اللہ - کراچی

۱۹۵۴ء

(نوٹ) یہ سوال پہلے مولانا محمد صدر الدین کے سامنے پیش کیا گیا، موصوف نے شربت اور سبیل وغیرہ کو ناجائز و حرام قرار دیا ہے، مولانا احتشام الحق تھانوی نے اس کی تصدیق فرمائی ہے، پھر اسی قسم کا ایک جواب مولانا محمد منظر بقا نے دیا ہے جس کی تصدیق مفتی محمد شفیع صاحب نے فرمائی ہے۔ اس کے بعد مولانا مفتی محمد مظفر احمد صاحب (کراچی) نے ان جوابات کا رد فرمایا ہے جس کی تصدیق بشمار علماء نے فرمائی۔ حضرت قبلہ قدس سرہ نے تصدیق فرماتے ہوئے جو جواب تحریر فرمایا پیش ناظرین ہے۔ سوال مذکور مع اجوبہ رسالہ شمشیر صداقت میں شائع ہو چکا ہے جو ۱۳۷۳ھ میں فضل احمد صاحب نے کراچی سے شائع کیا تھا، یہ رسالہ ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

هُوَ الْمَوْفِقُ الْمَسْدُ

میاں عارفین کے معارف کے ایک نمونے سے تعارف ہوا، ان کا یہ قول بدتر از بول ہے، اس سے قبل بھی بعض احباب بیان کرتے تھے کہ وہابیہ حضرت امام ہمامؑ کی فاتحہ کے شربت کی شان میں ایسے ناپاک الفاظ کا استعمال کرتے ہیں لیکن یقین نہ آتا تھا کہ اس کو تو محققین نے عام اشیاء مباحہ میں بھی شمار نہیں کیا بلکہ متبرک بتلایا ہے، کوئی مسلمان اس کو کیسے نجاست غلیظہ سے تشبیہ سے سکتا ہے لیکن آج یہ استعجاب جاتا رہا اور ثابت ہو گیا کہ حقیقت میں احباب صحیح فرماتے تھے۔ ایسے بھی غلیظ نفوس رکھنے والے موجود ہیں جن کے نفس کی غلاظت ان کے منہ سے نکلتی رہتی ہے، سچ ہے انا عیتر شہم بہا فیہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت فرمائے اور ایسے پاک لوگوں کا اتباع نصیب فرمائے جو کسی جلیل القدر کے سابقہ منسوب شے کو بھی متبرک اور مستحق عظمت خیال کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان کی تباہی ادب پر ہے جب ایمان میں نقص ہوتا ہے جب ہی انسان سے ایسے

تا پاک لفظ صادر ہوتے ہیں اور جس قدر قلب میں صفائی اور ایمانی قوت ہوتی ہے اس قدر آپ ملاحظہ کریں گے کہ ایسی اشیاء کی اس کے دل میں عزت ہوگی۔ اور اس کے متعلق عظمت بھرے الفاظ صادر ہوں گے ایمان میں جب ضعف ہوتا ہے تو عقل سلیم بھی جاتی رہتی ہے اور شیطان اس کے قلب میں یہ واضح کر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کی عظمت کرنا حرام بلکہ شرک ہے۔ یہ سمجھ ہی میں نہیں آسکتا کہ جس کی عظمت بھی کی جاتی ہے محض اس پر جس کے دل کا تعلق بھی عظیم حقیقی کے ساتھ پاتے ہیں یا کسی کے اکرام کے لئے خود ہی کا یا اس کے رسول کا حکم پاتے ہیں۔ تو حقیقت میں ان اشیاء کی عظمت و اکرام اسی تبارک و تعالیٰ کی عظمت و اکرام ہے اس لئے کہ ان کے ساتھ محبت اور ان کا اکرام محض اللہ ہی کے لئے کیا جاتا ہے پناہ چہ ارشاد خداوندی ہے ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ بلاشبہ دلوں کی پرہیزگاری کی وجہ سے ہے اور حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے کہ ما احب عبد عبد الا کراما بہ عن وجہ۔ یعنی بندہ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کا اکرام اور بزرگی کرتا ہے اور فرمایا ان من اجلال اللہ اکرام ذی الشیبة المسلم یعنی مسلمان بڑھے کا اکرام کرنا بھی بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے اجلال و اکرام سے ہے، غرض یہ خیال کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی تعظیم جائز نہیں بالکل غلط ہے۔

خود اس ذات قدسی صفات سے (جس کی عظمت و جلالت کے آگے ہر مخلوق کا سر جھکا ہوا ہے) بعض ایسی چیزوں کا ادب فرمایا ہے جس کی نسبت کسی بزرگ کے ساتھ ملاحظہ فرمائی ہے پناہ چہ مصنف ابن ابی شیبہ سے کثر الحال میں یہ روایت منقول ہے کہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:-

ہم کہ معظمت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ داخل ہوئے اور اس وقت نماز کعبہ میں اور اس کے اطراف میں تین سو ساٹھ تھے جن کی پرستش کی جاتی تھی حضرت نے اشارہ فرمایا تو جتنے بت تھے سب روندھے ہو گئے پھر فرمایا جلاوا الحق و نہقوا الباطل ان الباطل کان ما ہو قاس کے بعد نماز کعبہ میں تشریف فرما ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی فوالی فیہ تمثال ابراہیم و اسمعیل و اسحاق قد جعلوا فی ید ابراہیم و اسمعیل لامر لیستقم بہا فقال رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال اللہ ما کان ابراہیم لتستقم بالامر لامر ثم دعا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنزع خضرت ان فتلطنہ بذالک التماثل یعنی حضور نے اس میں دیکھا کہ حضرت ابراہیم و اسمعیل و اسحاق علیہم السلام کی تصاویر رکھی ہیں اور ابراہیم کی تصویر کے ہاتھ میں تیرے رکھے ہیں جس سے کفار فال دیکھا کرتے تھے۔ فرمایا خدا ان کو قتل کرے ابراہیم علیہ السلام تو تیروں سے فال نہیں لیتے تھے۔ پھر حضور نے زعفران منگائی اور ان تصاویر پر اس کو مل دیا،

(تاکہ تصویریں اپنی حالت پر نہ رہیں) انتہی

ظاہر ہے کہ یہ تصویریں بتوں ہی کا حکم رکھتی تھیں جن کی توہین کا حکم کیا جا چکا تھا اور فی الواقع ان تصویروں کو ان حضرات سے نسبت ہی کیا تھی وہ تو چند اسموں نے اپنی طبیعت سے جیسا چاہا گھر رکھی تھیں لیکن ہوں کہ ان کو ان حضرات سے

نسبت کر رکھا تھا اس کا لحاظ رکھتے ہوئے حضور نے منایا بھی تو معطر زعفران سے سبحان اللہ کس قدر ادب تھا کہ جہاں بزرگوں کا نام آگیا پھر وہ چیز کسی درجہ کی باطل ہی کیوں نہ ہو مگر اس کے ساتھ بھی ایک قسم کی رعایت ادب ہی کی گئی۔ اب خیال کیجئے کہ جب خود سرکار دو عالم جن کا مرتبہ حق تعالیٰ کے نزدیک ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام سے بھی کہیں اونچا ہے ایسی بے اہل چیز کے ساتھ صرف نام کی نسبت کی وجہ سے عزت فرمائیں تو ہم کو ان اشیاء کے ساتھ جن کی نسبت کسی جلیل القدر بزرگ کے ساتھ ہو کس درجہ کا ادب کرنا زیبا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس شربت کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۔ پنے فتویٰ میں فرماتے ہیں کہ :-

طعامیکہ ثواب آں نیاز حضرت امامین نمایند و بر آں فاتحہ و قل و درود بخواند متبرک می شود خوردن

آں بسیار خوب است . (ص - ۲۷ تا ۲۹)

یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ میاں عارفین اور ان کے ہم خیال لوگوں نے اس شربت پر امام علی بنینا وعلیہ السلام کے نام مبارک آنے کی وجہ سے یہ ناپاک حکم لگایا ہو تو اس شبہ کا استیصال ام سعدی حدیث سے بخوبی ہو چکا ہے جس کا ذکر عزیز مولوی مظفر احمد سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جواب میں کیا ہے، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

ما احدا اذا ادا ان يتصدق بصدق ان يجعلها لوالديه اذا احانا
مسلمین نیکون لوالديه اجرها ویکون له مثل اجورهما من غیر ان
ینقص من اجورهما شیئ . کذا فی احیاء العلوم امام الخزالی .

یعنی اگر کوئی شخص صدقہ دینا چاہے تو کچھ مضائقہ نہیں کہ اپنے ماں باپ کے نام سے دیدے جب کہ وہ مسلمان ہوں پس اس کا ثواب ان دونوں کو ملے گا اور اس کو بھی انہیں کے برابر ثواب ملے گا بدو
اس بات کے کہ ان کے ثواب میں کچھ کمی ہو۔

قطع نظر دلائل خرمیہ کے عقل خود اس کا فیصلہ کرتی ہے کہ کسی شے کے ساتھ کسی کے نام کی نسبت کر دینا اس کو بہر صورت حرام نہیں کر سکتی، اس لئے کسی شے کی اضافت کسی دوسری شے کے ساتھ عبادت کے معنی ہی میں منحصر نہیں جس کو بہر حال بلکہ اہل بھی بخوبی جانتا ہے، اضافت کے لئے ایک ذاتی علاقہ بھی کافی ہوتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ میں نے مکان اپنے فلاں بچے کے نام خریدیا یا اس کے نام کر دیا تو کوئی یہ نہ کہے گا کہ اس نے شرک کیا کہ غیر اللہ کے نام پر کر دیا اب اس میں سکونت حرام ہے، یا کوئی یہ کہے کہ پاکستان میرا ملک ہے، کوئی یہ نہ سمجھے گا کہ یہ اس کی ملک کا دعویٰ کر رہا ہے، محض اس علاقہ سے کہ وہ اس میں رہتا ہے اس کو اپنی طرف اضافت دے رہا ہے۔

یہاں تک کہ عبادت خالصہ کو غیر اللہ کی طرف ایک علاقہ کی وجہ سے اضافت دی جاتی ہے جہاں چہ حدیث میں آتا ہے ان احب لصلیام الی اللہ صیام داؤد اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ تر داؤد (علی نبینا) وعلیہ السلام کا روزہ ہے، درالختار میں ہے عن المندوبات صلاة التوبة بلکہ خود قرآن کریم میں اس کی بجزت مثالیں موجود ہیں، پس اگر اس علاقہ کی وجہ سے کہ اس کا ثواب چوں کہ بارگاہ امام عالی مقام میں خصوصیت

کے ساتھ پیش کرنا مقصود ہے کسی نے سبیل کو حضرت امام کے نام کی کہدیا تو کیوں اس پر ایک ناپاک حکم لگا کر شربت کو حرام کہا جاسکتا ہے۔

میاں فارین (معرض) نے اپنے قول کی صحت پر فتاویٰ رشیدیہ کی ایک عبارت پیش کی ہے۔ اول تو اس میں بھی شربت پر کوئی حکم نہیں لگایا ہے اس میں تشبہ بڑا فرض کی وجہ سے سبیل لگانے کو حرام بتلایا ہے لہذا یہ حکم بھی صحیح نہیں جبکہ تشبہ باطل یہاں پایا ہی نہیں جاتا، شیخان علی کی ابتدا بر سبیل فقلاً مستبعد ہے، ان کو اس طرف رہنمائی کی ہوگی تو اہل سنت نے پس اس صورت میں انہوں نے ہمارا تشبہ کیا، نہ ہم نے ان کا، اور اس دعوے کا ثبوت اس دعویٰ کے ذمہ لازم جو یہ کہے کہ ابتدا بر و افض نے سبیل لگانی یہاں تک کہ یہ فعل ان کے شعار سے ہو گیا، اور اہل سنت نے انہی کے تشبہ کے قصد سے لگانی شریع کی اور ان کی اہل سنت کی سبیل میں کوئی متاثرت بھی تھی جو پائی جاتی جب یہ امور اربعہ ثابت کرے تب اس کے دعوے کو تسلیم کیا جاسکتا ہے یا فی نفسہ سبیل کو مذموم کہے کہ اسی بنا پر ممانعت کی جاسکتی ہے چنانچہ درختار میں ہے :-

أَنْ قَصِدَ فَإِنَّ التَّشْبِيهَ بِهِمْ لَا يَكْرَهُ فِي كُلِّ شَيْءٍ بَلِ الْمَذْمُومِ أَدْنَىٰ فِيمَا يَقْصِدُ بِهِ
التَّشْبِيهَ.

اور طاعلی کی شرح فقہ اکبر میں ہے :-

أَنَّ مَذْمُومِينَ مِنَ التَّشْبِيهِ بِالْكَفَرَةِ أَوْ أَهْلِ بَدْعَةِ الْمُنْكَرَةِ فِي شَعَائِهِمْ لَا مَنَهِيُونَ
عَنْ كُلِّ بَدْعَةٍ.

ان عبارات سے پتہ چلتا ہے :-

(۱) اول یہ کہ تشبہ اسے کہا جاتا ہے جو کسی قسم کے فعل کو اس غرض سے کیا جائے کہ اس سے مشابہت حاصل ہو جائے، لغت کی کتابوں میں بھی یہی معنی ہیں، چنانچہ منشی الادب میں ہے "التشبه بما استن" اور لغات سیدی میں ہے تشبہ (بوزن تکلف) مشابہت اختیار کرنا۔

(۲) دوسرے یہ کہ تشبہ وہ ممنوع ہے جو اہل باطل کے شعائر سے ہو۔

(۳) تیسرے یہ کہ وہ فعل پہلے سے ان کا ہو کہ اگر ایسا نہیں اور تشبہ کا تحقق ہی نہیں کہ تشبہ کا وجود ہی کہاں متحقق ہو سکتا ہے ؟

ہاں ایک شبہ ضرور کیا جاسکتا ہے کہ بعض ایسے افعال بھی پائے جاتے ہیں جو بقصد تشبہ نہیں کئے گئے لیکن جب معلوم ہوا کہ اہل باطل کے شعار سے یہ فعل ہے تب بھی شارع علیہ السلام نے اسے مکروہ نہ رکھا ہے جیسے عاشورہ کا روز کہ جب معلوم ہوا کہ یہودی اس روز کی تعظیم کرتے ہیں اور وہ اس روز روزہ رکھتے ہیں تو فرمایا کہ صوموا للناس والعاشوراء وخالفوا لليهود تو اس کا جواب یہ ہے کہ نہ اس میں تشبہ ہے کہ قصد کا وجود نہیں نہ صوم عاشورہ فی نفسہ مذموم اور نہ نفس صوم عاشورہ سے ممانعت پائی جاتی ہے بلکہ اس فرمانِ اجب لاذعان سے فرض یہ تھی کہ اس میں

ان کے ساتھ موافقت لازم آتی ہے اور ہماری نظر میں ان سے موافقت بھی مناسب نہیں اس لئے تم اس کے ساتھ نہیں
 کا بھی روزہ رکھ لیا کرو کہ فی الجملہ ان سے مغائرت حاصل ہو جائے (پہلی عبارت میں چوتھے امر سے ہی جانب فقیر کا اشارہ
 تھا) — اسی طرح کفار مکہ، کعبہ شریف کی تعظیم کرتے تھے اور یہ ان کے شعائر سے تھی لیکن ہمیں اس کی
 تعظیم سے ممانعت کی بلکہ واجب کر دی گئی کہ حسن لذاتہ تھی یوں ہی سبیل حسن لذاتہ ہے پس اس کو اس خیال
 سے کہ رافضی لگاتے ہیں کیوں کر منع کیا جاسکتا ہے اور اگر صرف اسی وجہ سے سبیل کی ممانعت کی جاتی ہے کہ رافضی
 سبیل لگاتے ہیں تو وہ امام ہمام سے محبت بھی کرتے ہیں تو کیا مانعین سبیل اس کی بھی ممانعت فرمائیں گے؟ اس کے
 سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ عقل سلیم عطا فرمائے۔

غرض سبیل کے باب میں تشبہ کا حکم اہل سنت پر لگانا بالکل فلفط اور ان پر اتہام ہے یا ان کے ساتھ سونوٹنی
 اور یہ دونوں حرام ہیں اور سخت گناہ لقولہ تعالیٰ :-

والذین یؤذون المؤمنین بغیر ما کتسبوا فقد احمقوا بہتانا واثما مبینا
 ولقولہ تعالیٰ ان بعض الظن اثم۔

الحاصل اس نزاع میں محبوب شیخ و شاہ عزیز التوابع سلمہم الوہاب کا اس گندہ دھن کو ڈانٹ بتلانا بالکل صحیح ہے
 اور خود ان کے لئے باعث اجر و ثواب ہے، یہ واقعہ تو بالکل اس واقعہ کی شان رکھتا ہے کہ ایک پاکیزہ شہر راحت
 دہر کے کسی محلہ کی بد رو کا منقذ صحیح بند ہو کر محلہ کی طرف پھوٹ نکلا، کسی نفاست شعار نے اسے بند کرنا چاہا، اہل
 محلہ اس میں بیوقوف بستے تھے ان کو یہ تو سوچھا نہیں کہ اگر اس نجاست کا یونہی اس طرف رخ رہا تو پہلے محلے
 کو اور پھر تمام شہر کو گندہ کرے گا، کہنے لگے۔ ”میاں ابھی ٹہرو، پہلے ہم شہر کے بڑے بڑے مہتروں سے اس
 کے متعلق مشورہ کر لیں، چنانچہ دوڑے اور مہتروں کے پاس پہنچے جو ان کے نزدیک چوٹی کے تھے اور ان
 کی خدمت میں واقعہ کا ذکر کیا۔ ان بد نصیبوں نے چون کہ اس مصلحت سے کہ ایسے واقعات میں ہمای پوچھ ہو گی خود
 ہی بد رو میں ایسے نقائص رکھے تھے، کہنے لگے ہرگز ہرگز اس کو بند نہ کرنا یہ تو حکومت کے حکم سے ہماری ہی
 کار فرمائیاں ہیں۔“ اسرا انجام اس کا یہی ہوا کہ تمام شہر میں سڑا نڈ پھیل گئی۔ اہل محلہ اگر کچھ بھی عقل رکھتے
 ہوتے تو بند کرنے والے کی اعانت کر کے جہاں سے غلاظت نکل رہی تھی اس کو بند کر دیتے ورنہ اتنا تو
 کرتے کہ بجائے مہتروں کے پاس جانے کے قانون داں و کلا، کے پاس جا کر اس کو دریافت کرتے، خیر یہ تو
 درمیاں میں جلد معترضہ کے طور پر آپڑا بتلانا تو یہ ہے کہ عبد التوابع صاحب کا یہ فعل بڑا مستحسن فعل ہے، شرعاً
 ان کے لئے ہی زیبا تھا کہ وہ اس قول کے منکر کو زبان سے روکتے لقولہ علیہ السلام :-

من ساء منکر منکر فی خیرہ بید فان لم یستطع فیلسانہ (الحديث)

پس یقیناً عبد التوابع حق پر ہیں اور ان کا مخالف اور اس کے حمایتی سب باطل پر بلکہ اس کے حمایتی تو اس سے
 بھی بڑھ گئے وہ بادی النظر میں کچھ نہ کچھ وجہ تو رکھتا تھا — یہ لوگ ممانعت کی وجہ نہ بتلاتے ہیں جو

سبیل کے مستحب ہونے کی مقتضی ہے کہتے ہیں کہ اس سے مقصد چوں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خوشنودی اور رضا ہوتی ہے اور ان کا تقرب حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے اس لئے یہ حرام ہے۔ ایسی بات نہ کہے گا مگر عقل سے بیگانہ اور اس کا دشمن۔ ان کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنا اور ان کی نزدیکی میسر آنا کیا کوئی بری شے ہے؟ ان کی خوشنودی اور رضا میسر آجائے تو بیٹرا ہی پار ہے، حدیث میں عام مسلمان کی خوشنودی حاصل کرنے کو موجب مغفرت بتلایا۔
فقال علیہ السلام :-

ان من موجبات المغفرت ادخالک السمر علی اخیک المسلم، واد الطیر فی
نیز فرمایا۔ من قضی لاحد من امتی حاجة یرید ان یسخر بها فقد سمرنی ومن
سمرنی فقد سمر اللہ، ومن سمر اللہ ادخلہ اللہ الجنة۔

اس معنی میں بکثرت احادیث ارد ہیں جو اہل علم پر پوشیدہ نہیں ——— مجب تریہ کہ اس شربت کی حرمت پر آیت
کریمہ وجعلوا اللہ ما ذرأ الا یہ سے استدلال فرمایا جا رہا ہے جو بدرجہ غایت مضحکہ خیز ہے، مفسرین نے اس
آیت کریمہ کے متعلق جو روایات بیان فرمائی ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں مشرکین کا طریقہ یہ تھا کہ
وہ اپنی زمین کی پیداوار چار پاؤں میں سے اپنی بے عقلی سے ایک حصہ تو اللہ کا مقرر کرتے اور ایک بتوں کا
اللہ تعالیٰ کا حصہ مہمانوں اور مساکین پر خرچ کرتے اور بتوں والا حصہ بتوں پر اور بت خانے کے خادموں
پر پھر اگر اللہ تعالیٰ کے حصے سے کچھ کم ہو جاتا یا ناقص نکلتا تو اس کی پرواہ بھی نہ کرتے اور بتوں اگلے حصے
سے کچھ کم ہو جاتا یا ناقص ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے حصے سے اس میں مثال کر دیتے اور کہتے کہ جو بتوں کا حصہ ہے
وہ تو اللہ تعالیٰ کو نہیں پہنچتا اور اللہ تعالیٰ کا حصہ بتوں کو پہنچ جاتا ہے، اس آیت کریمہ میں ان کی اس جہالت
اور مشرکانہ فعل کو بیان فرمایا گیا ہے۔ تفسیر سراج المنیر میں یہی مضمون ہے، آپ کو دوسری تفسیر میں بھی
ملے گا میں بخوف طوالت ان کی اصل عبارت نقل کرنا ضروری خیال نہیں کرتا کہ آیت کریمہ کے معنی خود اس
مضمون کی وضاحت کر رہے ہیں، آیت کریمہ کے معنی میں بیان القرآن مصنف مولانا اشرف علی صاحب
سے لکھ رہا ہوں تاکہ مخالف کو بھی اطمینان میسر آئے، وہ اس کے معنی اس طرح لکھتے ہیں :-

اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی (وغیرہ) اور مویشی پیدا کئے ہیں ان (مشرک) لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ
اللہ (کے نام) مقرر کیا (اور کچھ حصہ بتوں کے نام کا مقرر کیا حالانکہ پیدا کرنے میں کوئی شریک نہیں ہوا)
اور بزم عم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے (جو کہ مہمانوں اور مسافر وغیرہ عام مصارف میں صرف ہوتا ہے،
اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے (جس کے مصارف خاص ہیں) پھر جو چیز ان کے معبودوں (کے نام) کی
ہوتی ہے وہ تو اللہ (کے نام) کے حصہ، کی طرف نہیں پہنچتی (بلکہ اتفاقاً مل جانے سے نکال لی جاتی ہے)
اور جو چیز اللہ (کے نام) کی ہوتی ہے وہ ان معبودوں (کے نام) کے حصے، کی طرف پہنچ جاتی ہے۔
انہوں نے کیا بڑی تجویز نکال رکھی ہے۔ (انتہی)

اب مسلمان غور کریں کہ اہل سنت کی سبیل کو اس آیت سے کچھ بھی تعلق ہے؟ — رہا یہ خدشہ کہ اس سبیل پر امام ہمام کا نام لیا گیا ہے جس طرح ہذا الشراکائنا میں شرکیوں کا نام لیا گیا تو اس خدشہ کو ہم پہلے ہی دور کر چکے ہیں دیکھو کنوئیں پر امام شمس کا نام آیا اور اس حدیث کو اپنا زہنا بناؤ جو ہم تحریر کر چکے ہیں جس میں حضور نے فرمایا کہ کچھ مضائقہ نہیں کہ کوئی اپنے ماں باپ کے نام سے صدقہ دے آپ کہیں گے کہ اس میں تو صدقہ دینے کا ذکر ہے اور صدقہ تو اسی کو کہتے ہیں جو خدا کی راہ میں صرف کیا جائے لہذا اس پر کسی دوسرے کے نام کا آنا مضائقہ نہیں تو ہم کہیں گے یہاں بھی سبیل پر نام آیا ہے اور اسی پانی وغیرہ کو کہتے ہیں جو راہ خدا میں صرف کیا جائے، چنانچہ غیاث میں ہے سبیل بمعنی راہ طریق و بمعنی وقف نیز آمدہ و بمعنی آب شربتے کہ در راہ خدا وقف کنند، اجماع نہ آیت کو سبیل کی حرمت سے کچھ تعلق نہ اور ہی کوئی دلیل ایسی ہے جس سے اس کی ممانعت ثابت ہو۔

صاحب فتاویٰ رشیدیہ اس کی ممانعت کی طرف گئے لیکن ان کو بھی یہ دلیل نہ سوجھی جو مجیب اول (مولانا صد الدین صاحب) نے ٹوٹ لی ان کا بھی ہاتھ پٹا تو شبہ پر کہ آخر اہل علم تھے ایسا بے تکا استدلال کیسے کرتے؟ جس کو دعوے سے دور کا بھی تعلق نہیں ان سے تو دوسرے مجیب ہی اچھے رہے کہ انہوں نے کوئی دلیل ہی بیان نہ کی یہ فرما کر کہ شریعت سازی کی شرح میں ممانعت ہے، مہر لگادی، اب ان کی کوئی گرفت ہی نہیں کر سکتا، اگر کوئی اعتراض بھی کرے کہ شریعت مطہرہ میں اس کی کہاں ممانعت ہے تو یہ فرما کر چھوٹ جائیں گے کہ میں نے شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اس کی ممانعت کہاں بتلائی ہے، یہ شریعت وہاں بیہ کا مسئلہ ہے جس کا جی چاہے فتاویٰ تذیریہ رشیدیہ میں ملاحظہ کر لے، ان میں یہ مسئلہ موجود ہے، الحاصل پہلا اور دوسرا جوابے دونوں ہی غلط ہیں، تیسرا جواب عزیزم مولوی مظفر احمد سلمیہم کا صحیح ہے۔

مجیب اول نے اپنے جواب میں تقرب کا ذکر کیا ہے پس اس کے متعلق اتنا یاد رکھنا چاہیے کہ تقرب غیر اللہ وہ ممنوع و مشرک ہے جو بذریعہ عبادت غیر اس سے حاصل کیا جائے کہ ایسا تقرب حاصل کرنا رب تبارک و تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہے نہ وہ تقرب جس کے معنی علاقہ خاص کے ہیں اور جو کسی کی صحبت و فرمان بڑاری اور اس کے ساتھ سلوک احسان سے حاصل ہوتا ہے۔ ایسا تقرب ممنوع نہیں۔ کیا کسی کو کہتے نہیں سنا کہ فلاں شخص کو عبادتاً کا تقرب حاصل ہے اور مقرب بارگاہ سلطانی ہے۔ غرض ایسا تقرب امام ہمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صدقاً فوائد کا ثمر ہے کہ وہ خاص محبوب الہی ہیں چنانچہ کسی نے حضور سے دریافت کیا کہ ای اهل بیتك احب الیک قال الحسن والحسین یعنی اہل بیت میں سے سب سے زیادہ آپ کے نزدیک کون محبوب ہے؟ فرمایا حسن و حسین۔ نیز فرمایا اللہم انی احب ہما فاحبہما و احب من یحبہما۔ الہی میں ان دونوں کو دوست رکھتا ہوں تو تو ان کو دوست رکھا اور اس کو دوست رکھ جو ان کو دوست رکھے — نیز فرمایا احب اللہ من احب حدیثاً۔ اللہ دوست رکھتا ہے اس کو جو حسین کو دوست رکھتا ہے (۱) وی الثقة التومذی) ایک حدیث میں فرمایا لو ان عبدین تحابا فی اللہ عن وجل و احدث فی المشرق و اخر فی المغرب

لیجوع اللہ بینہما یوم القیامۃ ہذا لذلذی کنت تحبہ . یعنی وہ بندے جو اللہ کے لئے آپس میں محبت رکھتے ہوں گے جس میں ایک مشرق میں ہوگا اور دوسرا مغرب میں تو قیامت میں اللہ تعالیٰ دونوں کو ملا دے گا ، فرمائے گا کہ یہ ہے جس کو تو میری وجہ سے محبوبے کھاتا تھا ، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر میں ایک بڑی لمبی حدیث تحریر فرمائی ہے جس میں حضرت امام ہمام سے محبت کے بڑے بڑے فوائد مذکور ہیں اگر خوف طالت نہ ہوتا تو میں اس کو ذکر کرتا ، لیکن خیال کرتا ہوں کہ اہل فہم و دانش کے لئے یہی احادیث کافی ہیں .

غرض ہرگز ہرگز اہل سنت مخالفین کے اقوال پر کان نہ دھریں اور جس قدر ہو سکے حضور اکرم کے ساتھ محبت اور ان کے لئے ایصالِ ثواب میں کوشش کریں ورنہ قیامت میں جب محبتیں امام کے اعزاز و اکرام دیکھیں گے تو بڑی حسرت ہوگی کہ ہم نے کیوں یہ فضیلتیں حاصل کیں ؟

لیکن یاد رکھیں کہ اگر محض دکھاوے کے لئے سبیلیں لگائیں اور ان کی تزئین و آرائش میں روپیہ صرف کیا اور اس شربتِ دودھ کو ان صاحبان کے لئے خاص کیا جو تعزیوں کے ساتھ ہوتے ہیں اور دوسروں کے لئے صرف پانی رکھا جیسا کہ سننے میں آتا ہے تو ہرگز یہ سبیل قبول نہ ہوگی . اکتسابِ عقاب ہاتھ آئے گا اور اسراف جیسے حرام کے علاوہ وہ طرح طرح کے گناہوں کا مرتکب ہوگا .

کاش یہ عجیب بجائے شربت کے حرام کہنے کے ان لغویات پر تہدیدیں کرتے تو مستحقِ ثواب بھی ہوتے ، ان کو بتلاتے کہ صرف انہی ایام کو شربت کے لئے خاص کر ان ایامِ سرما میں بجائے شربت کے چائے پلاؤ اور پھر پانی ہی پر کیوں انحصار کیا جائے ، فقراء کو نقد دو اور لذیذ کھانے کھلاؤ اس سے زیادہ توفیق ہو تو بارہ مہینے ان کے نام کی سبیل لگاؤ . نہریں کھڈاؤ ، مسافر خانے بنواؤ بہر حال جس قدر ہو سکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق خاص پیدا کرو کہ سعادت دارین سے مالا مال ہو . فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر عطار
رحمۃ اللہ علیہ

مسجد جامع فتحپوری دہلی

۱۳۴۳ھ / ۱۹۵۴ء

(نوٹ) یہ فتویٰ فضل احمد صاحب نے "شمشیر صداقت" نامی ایک کتاب میں شائع کیا تھا جو ۱۹۵۴ء میں رئیس پرنٹنگ پریس، کراچی میں طبع ہوئی تھی ، ہم نے اسی کتاب کے صفحات ۲۶ تا ۴۱ سے یہ فتویٰ یہاں نقل کیا ہے .
(مرتب)

(سوال نمبر ۲۷۳)

(۱) اذان کے وقت جب موزن سے حضور کا نام نامی سنا جائے تو درود پڑھنا افضل ہے یا انگوٹھے چومنا ؟

(۲) کیا امام ابوحنیفہ اذان میں حضور کا نام سن کر انگوٹھے چوما کرتے تھے ؟

(۳) ایک شخص اذان میں حضور کا نام سن کر درود شریف پڑھتا ہے لیکن انگوٹھے نہیں چومتا ، وہ حسنی کہلاتے

کاستحق ہے یا نہیں؟

(۴) جو لوگ اذان میں حضور کا نام سن کر انگوٹھے نہیں پوستے ان کو وہ لوگ حضور کا دشمن اور بے دین سمجھتے ہیں جو انگوٹھے چومتے ہیں، کیا ان کا یہ فعل درست ہے؟

(۵) صبح کی نماز کے بعد امام اور مقتدیوں کا آپس میں مصافحہ کرنا سنت ہے؟ اور کیا امام ابوحنیفہؒ بھی اس پر عمل تھے۔

(۶) ایک شخص نماز صبح کے بعد ذکر و اذکار میں مصروف رہتا ہے اور مصافحہ میں شریک نہیں ہوتا کیا وہ حنفی کہلانے کاستحق ہے؟

(۷) جو چیزیں غیر اللہ کے نام پر دی جائیں ان کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۸) جو کھانا ایصالِ ثواب کی نیت سے کیا جائے اس کے کھانے کا زیادہ مستحق کون ہے، کیا امراء بھی یہ کھانا کھا سکتے ہیں؟

(۹) بزرگانِ دین اور اولیائے کرام کے ایصالِ ثواب کے لئے جو کھانا کیا جاتا ہے اس کو اکثر امراء تبرک سمجھ کر کھاتے ہیں کیا ان کا یہ فعل درست ہے؟

(۱۰) کیا ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے بدگمانی کا حق ہے، اگر بدگمانی کرے یا پھیلانے تو اس کا کیا حکم ہے؟

(۱۱) کیا ایصالِ ثواب کے لئے ہاتھوں کا اٹھانا ضروری ہے یا بغیر ہاتھ اٹھانے ایصالِ ثواب ہو سکتا ہے؟

بینوا و تو جروا۔

مستفتی

ماسٹر فضل الرحمن - دہلی

۱۳ اگست ۱۹۵۶ء

الجواب

(۱) درود شریف پڑھنا سنت ہے اور انگوٹھے چومنا مستحب ہے۔ درالمنہار میں ہے :-

يستحب ان يقال عند سماع الاولي من الشهادة صلى الله عليك يا رسول الله وعند الثانية منها قرع عيني بك يا رسول الله اللهم متعني بالسمع والبصر بعد وضع ظفري الابهامين على العينين فانه صلى الله تعالى عليه وسلم قائد الى الجنة۔

(۲) اس کی کوئی روایت نظر سے نہیں گزری۔

(۳) محض انگوٹھے نہ چومنے کی وجہ سے کسی کو حنفی ہونے سے خارج نہیں کر سکتے ہاں اگر وہ اسے ناجائز و حرام کہے تو البتہ وہ مسلک حنفی پر نہیں ہے کہ ایسے فعل کو حرام کہتا ہے جو حدیث میں وارد ہے۔

(۴) انگوٹھے نہ چومنے والے کو حضور کا دشمن اور بے دین کہتا حرام ہے لیکن میری نظر میں ایسا کوئی شخص نہیں جو ایسا کہتا ہو، البتہ انگوٹھے چومنے والوں کو بدعتی کہنے والے ضرور برا جانتے ہیں اور اس میں وہ حق پر ہیں۔

(۵) سنت تو نہیں، صرف مباح ہے کہ شرعاً اس کا امر ہے اور نہ ممانعت، درمختار میں ہے:-

اطلاق المصنف یفید جوازها ولو بعد العصر

(۶) صرف اس وجہ سے اس کو حنفی نہ کہنے میں اس کی اہانت ہے اس سے معاف کرنا چاہیے، اس کے لئے یہی زیبا ہے کہ وہ ذکر میں مشغول رہے۔

(۷) جو صدقات کسی کے نام پر اس کے لئے کئے جاتے ہیں اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کا ثواب ان کو پہنچا جاتا ہے اور یہ بلاشبہ جائز ہے، ہرگز ناجائز نہیں انما الاعمال بالنیات پس اس کا کھانا یقیناً جائز ہے۔

(۸) جو ایصالِ ثواب کے لئے صدقہ کیا گیا ہو وہ صدقہ نافذ ہوتا ہے اسے غریب امیر سب کھا سکتے ہیں، البتہ عام لوگوں کے لئے جو صدقہ کیا جائے اسے اغنیاء کو نہ کھانا چاہیے۔

(۹) ہاں اولیاء اللہ کے لئے جس پر ایصالِ ثواب کیلئے اس کا کھانا بہت خوب ہے کہ اس شخص کو ان حضرات کے ساتھ نسبت ہو جاتی ہے، اسی وجہ سے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہم اللہ تعالیٰ اپنے فتاویٰ میں اس کو تبرک فرماتے ہیں۔

(۱۰) کسی مسلمان پر بدگمانی حرام ہے جو شخص کسی پر بہتان باندھ کر اس کو شائع کرے وہ اشد درجہ کافاسق اور گنہگار ہے لیکن جس شخص سے علی الاعلان ایسے اقوال صادر ہوئے ہوں جو حرام یا موجب کفر میں ان اقوال کو ظاہر کر کے اس کا رد کرنا بدگمانی نہیں بلکہ مسلمان شرعاً اس پر مامور ہیں کہ اس کا لوگوں پر اظہار کریں تاکہ لوگ اس سے بچیں۔

(۱۱) ہاں ایصالِ ثواب کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی شخص صدقہ کر کے یا قرآن کریم پڑھ کر جناب باری جل اسمہ کی جناب میں دعا کرے کہ الہی اس کو قبول فرما اور اس کا ثواب فلاں کو عطا فرما اور آداب دعا سے ہے کہ ہاتھ اٹھائے لیکن اگر صرف دل ہی سے یہ عرض کر دے تب بھی کافی ہے، ہاں اس کے ساتھ زبان کو بھی بلائے تو زیادہ بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر علی شاہ

مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۷) رجب کی ۲۳ تاریخ کو جو ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے کیا شرعاً ناجائز ہے؟

مستفتی

سید محمد انور علی

الجواب

ہرگز منع نہیں آدمی مختار ہے چاہے ایصالِ ثواب کرے یا نہ کرے۔ فقط

محمد منظر عطار
مسجد جامع فتحپوری دہلی

نمبر ۲۷

الجواب

(۱) بطریق تو واضح ایسے حضرات کے اکرام کے لئے جھک کر ملنے میں مضائقہ نہیں بلکہ شارع کو مطلوب ہے لقولہ تعالیٰ و اخفض جناح الذل من الرحمة۔

(۲) زیارت قبور مسنون ہے لقولہ علیہ السلام آفرزوها اور اہل اللہ سے روحانی انتفاع اور استفادہ بھی جائز ہے، تفسیر عزیزی میں ہے :-

”از اولیاء مدفنین انتفاع و استفادہ جاری است“

(۳) ہاں درست بلکہ مستحب ہے، در مختار اور اس کے حاشیے میں ہے :-

لابأس بتقبیل ید الرجل العالم والمتورع علی سبیل التبرک ونقل المصنف
عن الجامع انه لا بأس بتقبیل ید الحاکم والمتدین السلطان العادل
وقیل سنة۔

(۴) یہ بھی جائز ہے بشرطیکہ منکرات شرعیہ سے پاک ہو، حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-
”ازیں جا است حفظ اعراس مشائخ و مواظبت زیارت قبور ایشاں و التزام فاتحہ خواندن و صدقہ
دادن برائے ایشاں۔“

امام شاہ عبدالعزیز زبدۃ النصارح میں فرماتے ہیں :-

زیارت و تبرک بقبور صالحین و امداد ایشاں باید اسے ثواب تلاوت قرآن و دعا و خیر و تقسیم
طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب است باجماع علماء و تعیین روز عرس برائے آن است کہ آن

سورے کے فائل میں صرف جوابات تحریر تھے، ان سے سوالات کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

(مرتب)

روز مذکور انتقال ایشانی می باشد از دار العمل بدار الثواب ۔

(۵) یہ بھی جائز ہے، رد المحتار میں ہے للانسان ان يجعل ثواب عمله لغيره صلاة او صوما او صدقة او غيرهما كذا في الهداية ۔

(نمبر ۲۷)

الجواب

مکرمی سلمکم

السلام علیکم — آپ نے مولانا اشرف علی اور مولانا کفایت اللہ صاحبان کے جواب میں کوئی دلیل ملاحظہ فرمائی جو مولانا عبد القدوس اور مولانا زاہد القادری صاحبان کے جوابات پر بلا دلیل ہونے کا اعتراض فرمایا، حالاں کہ ناجائز بتلانے کے لئے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے نہ کسی شے کے جائز بتلانے کے لئے ۔ خلاف سنت وہ امر ہوتا ہے جو سنت کے معارض ہو اور اس کے مزاحم ہو، مصافحہ علی الاطلاق جائز ہے علماء نے اس کو سلام کے حکم میں لکھا ہے اور سلام کے متعلق حضور کا ارشاد ہے :-

فان حالت بینہما شجرة وجد اسماء و حجر ثم لقیہ فیلسم (رواہ ابو داؤد)
اسی طرح مصافحہ کے متعلق مطلق ارشاد ہے :-

تصافحویذہب الغل۔ (رواہ مالک)

نیز ارشاد ہے :-

المسلمان اذا تصافحا لم یبق بینہما ذنب الا سقط۔ (رواہ البیہقی)
جو مضمون آپ نے رد مختار کے باب لعیدین کا لکھا ہے وہ اس میں نہیں ہے، ہاں کتاب الخطر والاباحہ میں اس کے متعلق یہ عبارت ہے :-

واطلاق لمصنف تبعا للدر، والکنز والوقایة والنقایہ والجمع والمنتقى وغيرها
یفید جوازہا مطلقا ولو بعد العصر قولہم انه بدعة ای مبلحة حسنة
كما افادہ النووی ۔

یہ عبارت اس میں صریح ہے کہ مصافحہ مطلقا جائز ہے اگرچہ بعد عصر یا بعد صبح ہو۔ جو علماء اس کی ممانعت کرتے ہیں وہ محض اس لئے کہ عوام اس کو سنت نہ خیال کر لیں، پس اسلم طریق یہ ہے کہ اس کی ترغیب تو نہ دی جائے لیکن جو

۱۔ یہ مکتوب گرامی جواب کی صورت میں ہے، مکتوب الیہ کے متعلق معلوم نہ ہو سکا، بہر حال جواب سے اندازہ ہو جاتا ہے
کہ مکتوب الیہ نے کس مسئلے کے بارے میں کیا اظہار خیال کیا تھا؟
(مرتب)

لوگ بعد صبح یا بعد عصر مصافحہ کرتے ہیں ان پر اعتراض بھی نہ کیا جائے کہ کسی جائز امر پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔
 مولینا تھانوی اور مولینا کفایت اللہ صاحبان بہت سے مسائل میں اہل سنت کے خلاف ہیں جن کا انحصار
 دشوار ہے اور ایک سے مسائل کے ذکر سے آپ کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟
 رافضیوں کی سنت کا مطلب یہ ہے کہ وہ طریقہ خاص ان کے شعار سے ہے ایسا طریقہ اختیار کرنا تو
 اہل سنت کے لئے ممنوع ہے، اس میں احناف کی شرکت کیوں ہونے لگی؟ رہے عام افعال، البتہ رافضی
 اور سنی کے مابین مشترک ہیں، وہ بھی کھاتے ہیں، ہم بھی کھاتے ہیں وہ بھی پہنتے ہیں، ہم بھی پہنتے ہیں، وہ بھی
 سوداگری کرتے ہیں، ہم بھی سوداگری کرتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد مظہر عطار
 مسجدا جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۷۷)

- (۱) نابالغ بچے بغرض ایصالِ ثواب تلاوتِ کلامِ پاک کر کے اپنا ثواب بخش سکتے ہیں یا نہیں؟
- (۲) کلمہ طیبہ کے ذکر کا ثواب نابالغ بچے پہنچا سکتے ہیں یا نہیں؟ عام رواج ہے کہ کسی کے فوت ہونے پر جنوں پر کلمہ طیبہ پڑھ کر ثواب بخشا جاتا ہے جس کو عام طور پر بچے پڑھتے ہیں۔
- (۳) عام رواج ہے کہ کسی کے فوت ہو جانے پر قرآنی مدارس سے بچوں کو گھر بلا کر قرآن شریف ختم کراتے ہیں اور ایصالِ ثواب کراتے ہیں کیا اس طرح ایصالِ ثواب درست ہے؟
- (۴) مدارس میں بچے اپنے کھانے کی چیزوں میں سے کچھ بطور ہدیہ استادوں کو پیش کر دیتے ہیں کیا اس قسم کے ہدایا قبول کر کے کھانا جائز ہے؟
- (۵) بچوں سے استادوں کا خدمت لینا مثلاً کپڑے دھلوانا، ہاتھ پیر دلوانا، دیہات میں جنگلوں سے لکڑی وغیرہ منگوانا درست ہے یا نہیں؟
- (۶) ایصالِ ثواب کے لئے تلاوتِ کلام کی غرض سے لوگوں کو دعوت دینا درست ہے یا نہیں؟
- (۷) مدارس دینیہ کے معاونین کے انتقال پر عام دستور ہے کہ اسباق بند کر کے صدر یا مہتمم طلبہ سے ایصالِ ثواب کے لئے قرآن ختم کراتے ہیں۔ یہ دستور تداعی میں داخل ہے یا نہیں؟
- (۸) نابالغ بچے بچوں کی استعمالی چیزوں کا والدین کے لئے استعمال درست ہے یا نہیں؟

بینوا و تو جروا۔

مستفتی

قاضی نصر اللہ

مدرس مدرسہ عالیہ عربیہ مسجد فتحپوری، دہلی

الجواب

(۴م)، واہب کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ عاقل و بالغ ہو، درمختار میں ہے :-

وشرائط صحتها في لواهب العقل والبلوغ والملك فلا تصح هبة صغیر
وسقیق (انتہی)

پس نابالغ کا ہبہ کرنا صحیح نہیں خواہ وہ کلمہ وغیرہ پڑھ کر اس کا ثواب کسی کو پہنچائے یا اور کوئی اپنی شے استاذ وغیرہ کو دے۔

(۵) یہ بھی جائز نہیں اشباہ والنظائر میں ہے :-

استخدام الیتیم بلا اجرة حرام ولولا خیه ومعلمه الا لامه وفيما
ارسله المعلم لاحضار شریکہ۔ کما فی القنیہ۔

(۶) یہ ایک امر خیر ہے جس میں شرکت کے لئے بلا ناشرعاً ممنوع نہیں لقولہ تعالیٰ :-
وقعوا نوا علی لبرو التقوی۔

(۷) نہیں وہ بظاہر۔

(۸) ہاں اگر وہ والدین میں سے کسی کو دیں تو ان کو استعمال جائز ہے والدلیل ما نقلہ فی
الاشباہ۔ فقط والله تعالی اعلم۔

محمد منظر عجلہ اللہ
سجد جامع فقہی دہلی

(جنوری ۱۹۶۱ء)

(سوال نمبر ۲۷) عن ابی ہریرۃ الاورق من المفلس؛ قالوا المفلس فینا من لا
درہم لہ ولا متاع قال صلی اللہ تعالی علیہ وسلم المفلس من یاتی یوم القیامۃ بصلوۃ و
صیام و تراکف و یأتی قد شتم هذا و قذف هذا و اکل مال هذا و سفک دم هذا
فیعطے هذا من حسناتہ و هذا من حسناتہ فان فنیت قبل ان یقضی ما علیہ احد
من خطایا ہم فطرح علیہ ثم طرح فی النار۔ (رواہ الترمذی فی ابواب صفة القیامۃ
ورواہ مسلم)۔

مندرجہ بالا روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مظلوم کو روزہ کا ثواب بھی دیا جائے گا مگر زیادہ کہتا ہے کہ روزہ کا
ثواب نہیں دیا جائے گا تو کیا زیادہ کا یہ کہنا درست ہے اور کسی روایت صحیح سے اس کی تائید اور روایت مذکورہ کی
تشیخ ثابت ہے؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

اس کے متعلق کوئی حدیث تو نہیں نظر سے گزری البتہ بعض علماء کے اقوال میری نظر سے بھی ایسے گزرے ہیں جو زید کے قول کی تائید کرتے ہیں، اس وقت بوجہ علالت اس کی تلاش دشوار ہے، غالباً احياء العلوم میں یہ روایت ہوگی اور ممکن ہے کہ حدیث الصوم فی وانا اجزئی سے اس حکم کا استنباط کیا ہو کہ باوجودیکہ ہر عمل کی جزاء مولیٰ تعالیٰ ہی عطا فرمائیں گے پھر روزہ کی جزا دینے کو اپنے ساتھ مختص فرما کر اس کو دوسرے اعمال کی جزا سے مستثنیٰ فرمانے کا منشاء سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ یا یہ حکم حدیث :-

الصيام والقرآن لشفيعان للعبد۔

سے مانو کہ شفیع کو دوسرے کو دینا غیر معقول معلوم ہوتا ہے بہر حال یہ ایسا مسئلہ نہیں کہ زید کا تخطیہ کیا جائے اور حدیث مذکور کی تاویل ہو سکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر عہدہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(نمبر ۲۷۹)

الجواب

(۱) عرس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ کسی بزرگ کی تاریخ وفات پر قرآن خوانی اور کچھ صدقات مالیہ کا ثواب پہنچانا سو اس کے دو جز ہیں تعین تاریخ و ایصال ثواب، ایصال ثواب کے جواز میں تو اہل سنت میں سے کسی کو کچھ کلام ہی نہیں رہی تعین تاریخ سو قطع نظر اس کے کہ یہ مباح الاصل ہے ہرگز شریعت میں اس کی ممانعت نہیں خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مباحات میں تعین وقت ثابت ہے، چنانچہ شامی میں ہے :-
ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یأتی قبوا الشہداء باحد علی راسہ کل حول۔

غرض اس کے جواز میں کسی کو شبہ نہیں اور جائز امور میں شرکت بھی جائز ہے پس امام مذکور کی امامت بلا کراہت جائز ہے۔

(۲) آلات لہو ڈھولک وغیرہ کے ساتھ سماع اکثر علماء کے نزدیک حرام ہے تفسیرات احمدیہ میں ہے :-
وعلماء شریعة الغراء اکثرہم کانوا مستفتین علی مطلق الحرمة :-
ادب علماء نے اس کو جائز کیا انہوں نے بھی بعض شرائط کے ساتھ جائز کیا ہے جو عام قوالیوں میں نہیں پائے

یہ جواب بھی مسودے کے فائل میں بغیر سوال کے درج تھا البتہ اس کے مستفتی کا نام محمد ممتاز احمد برمی لکھا ہوا تھا۔
(مرتب)

ہے جو مغائر اور ہادم سنت ہو اور یہ افعال ایسے نہیں، پس بدعت مباحہ ہیں، جن پر شرعاً کوئی گرفت نہیں، طریقہ سنت ناز کے بعد اول دعا ختم ہو چکا اس کے بعد مسلمان مختار ہے افعال محمودہ میں سے جو چاہے کرے اس سے ممانعت نہیں کی جاسکتی فقال علیہ السلام

الحلال ما احل الله في كتابه والحرام ما حرم الله في كتابه وما سكت عنه فهو مما عفى عنه۔

یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال فرمایا وہ حلال ہے اور جو کچھ حرام فرمایا وہ حرام ہے اور

جو کچھ سکتا ہے وہ معاف ہے۔

یہی جواب ہے میں جن افعال کو بدعت کہا گیا ہے وہ بھی بدعات مباحہ ہیں ہاں زیارت قبور کے بہانے سے ہاں شہید وغیرہ کرنا، شادیوں کے طریق پر ایصالِ ثواب کے کھانے کو تمام اقارب میں تقسیم کرنا یہ ضرور بدعت سیدہ ہے کہ غرض شارع کے مبائن ہے لیکن یاد رہے کہ جن افعال کو بدعت مباحہ کہا جاتا ہے اس کا صرف تنا ہی مطلب ہے کہ یہ گناہ نہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سنت کے مقابلے میں اس میں کوئی خوبی نہیں، مسلمان کے کرنے کے لئے بہت سے وہ افعال ہیں جو مسنون ہیں جن کو اس نے چھوڑ رکھا ہے تو اس کے لئے تو یہ لازم ہے کہ بجائے اس کے ان پر عمل کرے تاکہ فلاح دارین نصیب ہو۔ پھر یہ افعال گو بذاتہ مباح ہیں لیکن عوارض کی وجہ سے یہ قابل منع بھی ہو سکتے ہیں۔ سوال کا طریقہ کہ اس میں مسلمان مجبور ہو جاتا ہے اور جب تک امام دوسری دعا سے فارغ نہیں ہو جاتا وہ اپنی ضرورت کے لئے نہیں جاسکتا ہے اگر جاتا ہے تو لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں غرض یہ ہے کہ عارض ایسا ہے کہ جس کی وجہ سے اس سے منع کیا جاسکتا ہے نیز بعض لوگ اس طریقہ کو سنت سمجھنے لگتے ہیں اور جو شخص اس کو سنت سمجھے اس کے حق میں یہ طریقہ بدعت سیدہ ہو جاتا ہے، اور اس وجہ سے بھی اس کی ممانعت کی جاسکتی ہے غرض جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا بہتر یہی ہے کہ بجائے اس کے، مسلمان افعال مسنونہ کی تلاش کر کے اس پر عمل کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عسکری

سجد جامع فتحپوری دہلی

سوال نمبر ۲۸۱) ایک گاؤں میں ایک عالم میت کو دفنانے وقت پورب کی دیوار سے پیٹھ لگوا کر دہنی طرف سے دفن کیا گیا تو اس کے متعلق ایک دوسرے عالم سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ میت کو قبر میں جت لٹا کر اس کا منہ قبلہ کی طرف کر دیا جائے۔ از روئے شرع کونسا طریقہ صحیح ہے؟

بینوا و توجروا۔

الجواب

یہ عالم صحیح کہتے ہیں، رواج غلط پڑ گیا ہے اس لئے اس پر تجسس ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی

مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۸۲) زید بیمار ہے، بچنے کی کوئی امید نہیں۔ زید کے ارث بارہ گز کپڑا جس میں سیراناچ اتاج پر قرآن شریف رکھ کر باندھ دیتے ہیں پھر زید کی چار پائی کے چاروں طرف سات آدی بیٹھ جاتے ہیں اور اس گٹھڑی کو ایک دوسرے کو دیتا رہتا ہے اس طرح ایک دوسرے کو دیتے ہوئے سات چکر لگاتے ہیں پھر اس گٹھڑی کو زید کے مرنے کے بعد غسل دینے والے یا امام مسجد کو دیتے ہیں۔ کیا یہ عمل شرعاً جائز ہے؟

بینوا و توجدوا۔

(مستفتی)

رحیم خاں (راجستھان)

الجواب

یہ ایک جیلہ ہے میت کی طرف سے قضا نمازوں کے فدیہ دینے کا۔ اگر تمام فقہاء کی نیت ایک دوسرے کو دینے میں صحیح ہو تو امید ہے کہ فدیہ ادا ہو جائے، لیکن یہ خاص طریقہ جو سوال مذکور میں ہے، لغو معلوم ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی

مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۸۳)

(۱) ایک جگہ دستور ہے کہ جب شادی شدہ لڑکی کی اولاد کا انتقال ہوتا ہے تو اس کا سارا خرچ خفیال والوں کے ذمہ ہوتا ہے یہ کہاں تک درست ہے؟

(۲) مرنے کے دو تین روز بعد جو کھانا دیا جاتا ہے وہ کھانا کھانا کرنا اور اس کا کھانا اور کھانا لینا؟

(۳) مرنے والے کے گھر پر جو لوگ جا کر حاضری دینے کے رہے ہیں، کیا شرعی حجتیں ہیں اس کی

کوئی اصل ہے؟

بینوا و توجدوا۔

الجواب

نخیال والوں پر تجیز و تکفین کا خرچ لازمی نہیں، اور عارضی کا کھانا دینا اور موت کی دعوت کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع پنجپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۸۴) ہرک وزیر اعظم نے ایک جگہ مسلم خواتین کو بلا کر آدھی اتاری اور ان کے تلک لگایا، جب اس کے متعلق ایک عالم سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا جائز ہے کیوں کہ وہ ہمارے وزیر اعظم ہیں۔ کیا یہ عالم صحیح کہتے ہیں؟ بیخواب توجروا۔

(۲۶ اکتوبر ۱۹۶۵ء)

الجواب

آدھی اتاری سے تو میں واقف نہیں لیکن مسلمان کے لئے تلک لگوانا حرام ہے کہ شعائر کفر سے ہے جس عالم نے کہا ہے کہ جائز ہے وہ گنہگار ہوئے، انہیں توبہ لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی
مسجد جامع پنجپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۸۵) ایک قوم میں قدیم سے نسلاً بعد نسل گوت بجاؤ کی رسم چلی آتی ہے جو کہ اس قوم میں مشرکین کے یہاں سے بطور وراثت رائج ہے اور وہ لوگ اپنے عمل اور عقیدے میں اس کی پابندی اختیار نہیں کرتے ہیں اور اس قوم میں یہ جتدی رسم پھرتی ہوئی ہے کہ اگر کوئی شخص گوت میں نکاح کر لے تو اس کو نہایت کر کے قتل کر دیا جائے، اس قوم میں گوت بجاؤ کی رسم کی بعینہ وہی صورت ہے جو نکاح بیوگان کی تھی بلکہ اس سے بھی اشد۔

ایسی حالت میں جواب طلب امور یہ ہیں :-

(۱) جو شخص باوجود مسلمان ہونے کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مشہورہ جانتے ہوئے اس سے اتنی شدید نفرت و عناد رکھتا ہو کہ مذکورہ سنت پر کوئی دوسرا مسلمان بھی عمل کر لے تو اس کے قتل پر آمادہ ہو جائے ایسے شخص کا شریعت میں کیا حکم ہے۔

(۲) عوام مسلمانوں کے اس رسمی عقیدے کی موجودگی میں دس بیس متبع شریعت مسلمان اگر اپنے ہی

گوت میں نکاح کرنے پر آمادہ ہو جائیں اور وہ سنت نبوی کی پیروی میں نکاح کر لیں اور ان سب کو یا کسی ایک کو پناہیت قتل کر دے تو وہ شہید ہوں گے یا حکم خود کشی حرام ہوتی ہے۔ فقط بیذوا و توجروا۔

مفتی محمد شفیع صاحب
جلیل اللہ علیہ السلام
۲۳ شوال ۱۳۸۲ھ

الجواب

حق جل مجدہ نے معمرات کے ذکر کے بعد فرمایا و احل لکم ما و ما اذالکم یعنی بن عورتوں سے نکاح حرام ہے ان کے علاوہ تمام سے نکاح جائز ہے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا من تزون دینہم وخلقہ فزوجوا ان لا تفعلوا تکن فتنۃ فی الامراض وفساد عریض یعنی جس کے دین اور اخلاق سے تم راضی ہو جاؤ اس کا نکاح کر دو اور اگر نکاح نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ وفساد پھیل جائے گا، اس میں (گوت بچاؤ) کا کہیں ذکر نہیں، اس رسم کو توڑنا ضروری ہے اور جو لوگ اس کے لئے جدوجہد اور کوشش کریں اور اس میں کوئی بد بخت ملعون اس رسم کے توڑنے والے کو قتل کر دے تو وہ بیشک شہید ہوگا اور اس رسم کے توڑنے کی مخالف کرنے والا شخص ملعون ومرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

محمد منظر عطار
مسجد جامع فتحپوری دہلی

۲۳ شوال ۱۳۸۲ھ

(سوال نمبر ۲۸۶) ایک برادری کا یہ عقیدہ ہے کہ شادی میں گوت پال کا لحاظ کرتے ہیں، اگر کسی قبیلہ کی لڑکی کسی دوسرے قبیلے میں بیاہی جاتی ہے تو اس قبیلے میں کسی لڑکے کی شادی نہیں ہو سکتی اگر اس برادری کا کوئی فرد اس (گوت بچاؤ) رسم کے خلاف کرتا ہے تو اس کو برادری سے باہر نکال دیا جاتا ہے اور جاہل لوگ پناہیت کر کے اس کو قسم قسم کی تکلیفیں پہنچاتے ہیں اور انتہا یہ کہ اس کو قتل کر کے جلا بھی دیتے ہیں، اور چچا، باموں خالہ، پھوپھی کی لڑکیوں سے نکاح کو جرم عظیم سمجھتے ہیں، اس شادی کے مسئلے میں یہ برادری غیر مسلموں کی کی طرح مشرکانہ رسومات کی پابند ہے، اس مسئلے میں چار سوالات دریافت طلب ہیں۔

(۱) کیا اس گوت بچاؤ رسم کا توڑنا مسلمانوں کے لئے ضروری ہے؟

(۲) جو دیندار لوگ اس سلسلے میں قتل کر دئے جائیں وہ شہید ہوں گے یا نہیں؟

(۳) جو لوگ پناہیتیں کر کے رسم کے خلاف کرنے والوں کو قتل کریں یا ناک کاٹیں یا جانی یا مالی نقصان پہنچائیں

یہاں جو کافر ہیں یا نہیں؟
 یہ لوگ ان کے خون کو صحیح کہیں لیکن عملاً اس کے خلاف ہوں ان کے لئے شریعت میں کیا
 ہے؟ مینو اور توجروا۔
 (مستفتی،
 میواتی)

الجواب

(۱) مولیٰ تعالیٰ جل مجدہ کا محرمات کے بیان کے بعد صاف ارشاد ہے :-
 واحل لکم ما وراہ ذالکما ان تبتغوا بما واکم محسنین غیر مسافحین
 یعنی اور حلال کر دی گئیں وہ مسلمان عورتیں جو محرمات مذکورہ کے علاوہ ہیں کہ ان کو بھوسہ ہر نکاح میں
 لاؤ، نہ زنا کے لئے حلال کی گئیں۔
 اس پر تاکید اسرار اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا :-
 اذا خطب الیکم من ترضون دینہ وخلقہ فزوجوا ان لا تفسدوا فکن
 فتنۃ فی الارض وفساد عریض۔
 یعنی جب کوئی شخص (خواہ تمہاری برادری سے ہو یا غیر برادری سے) تمہارے پاس پیام نکاح
 لائے جس کی دینداری و اخلاق تمہیں پسند ہوں تو اس سے نکاح کر دو اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین
 میں بڑا فساد پھیل جائے گا۔

ظاہر ہے کہ گوت بچاؤ اس حکم کے بالکل خلاف اور داب شکر کن سے ہے جو نہایت درجہ مذموم ہے اور
 اس میں تشبہ پر سخت وعید وارد ہے کہ من تشبہ بقوم فهو منهم (جو شخص کسی قوم سے مشابہت پیدا
 کرے گا اس کا اسی قوم میں شمار ہوگا) پس اس کا توڑنا ہر مسلمان پر لازم ہے لیکن اس صورت سے کہ فساد
 پیش بن جائے، ان کے سر کردہ لوگوں کو سمجھایا جائے کہ یوں تو ہر مسلمان پر شریعت حقہ کا اتباع
 و ادائیگی ہے اور اپنے بزرگوں کے ان افعال کا ترک کرنا لازم جن کا شریعت کے خلاف عمل تھا لیکن
 یہ لوگوں پر اس کا ترک کرنا نہایت درجہ ضروری ہے کہ آپ پر یہ حکم نہایت موکدہ ہے چنانچہ قرآن
 کا ارشاد ہے :-

لعن الذین کفروا الایہ

یعنی حضرت داؤد و حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہما السلام کی زبان پر سنی اسرائیل میں ان کافروں
 پر لعنت کی گئی کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے نکل جاتے تھے اور منع نہ کرتے تھے ان بڑے
 کاموں سے جو وہ کرتے تھے، خدا کی قسم وہ بہت برا کام کرتے تھے،

حدیث میں آیا کہ ایک شخص دوسرے پر گزرتا جو بڑے کام میں مشغول تھا یہ اس کو روک کر یا بے وقار کر کے بہت برا ہے، دوسرے روز اس پر گزرتا اور اس کو اس ہی حالت میں پاتا لیکن پھر وہ کچھ اور اس کے ساتھ بیٹھ کر کھاتا پیتا اس پر یہ عید وارد ہوئی۔ اور اس کو کافر کہا گیا۔ تو مسلمان کو ڈرنا چاہیے اور یہ جان لے کہ ہو سکے ایسے بڑے افعال کے ارتکاب سے دوسروں کو روکنا چاہیے۔
(۲) بیشک وہ شہید ہو گئے۔

(۳) ہاں جو حلال جانتے ہوئے ایسا کریں گے وہ یقیناً کافر ہیں بقول تعالیٰ ومن یقتل متعمداً

الآیۃ تفسیر سراج النیر میں کہا کہ وهذا مخصوص بالمستعمل

(۴) یہ لوگ فاسق ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منیر عظیمی
سید جامع فقہیوں کی رہنمائی

پوٹھاباب



متفرقات

رومانیات ، حبیب نسب ، ہجرت
طہارت ، وغیرہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمین
والصلاة والسلام على
الرسول المبعوثين
في حجة الوداع
والصلاة والسلام على
الرسول المبعوثين
في حجة الوداع

الحمد لله رب العالمین
والصلاة والسلام على
الرسول المبعوثين
في حجة الوداع
والصلاة والسلام على
الرسول المبعوثين
في حجة الوداع

روحانیات

(سوال نمبر ۲۸) مرنے کے بعد انسان کی روح کس مقام پر رہتی ہے اور اس کو زمین سے کچھ تعلق رہتا ہے یا نہیں؟ ————— بتینا او توجروا۔

(استفتیٰ)

عبدالستار، دہلی، ۲۵ مئی ۱۹۳۹ء

الجواب

اس باب میں روایات مختلفہ وارد ہوئیں جن کا حاصل یہ ہے کہ انسان کی ارواح بحسب اعمال مختلف مقامات پر رہتی ہیں اور بعض ارواح کو یہ بھی اختیار دیا جاتا ہے کہ جہاں چاہیں وہ جائیں اور سیر کریں۔ لیکن باوجود اس کے کہ علیین یا سجیین ساتویں آسمان کے اوپر یا ساتویں زمین کے نیچے یا کسی دوسرے مقام پر ان کا ٹھکانہ ہوتا ہے، اپنے جسم سے ان کو تعلق باقی رہتا ہے جس کی وجہ سے قبر کی نعمتوں سے ان کو راحت اور اس کے عذاب سے ان کو تکلیف ہوتی ہے اور وہ ہرگز رنے والے کو دیکھتے پہنچاتے اور اس کے کلام کو سنتے ہیں،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عسکری
مسجد جامع فتحپوری دہلی

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۸) زید کہتا ہے کہ جس کا پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے، عمر کہتا ہے کہ یہ بات بے اصل ہے زید جو ابا کہتا ہے کہ قرآن شریف میں ہے وابتغوا الیہ الوسیلۃ اور اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرو یہ وسیلہ ہی پیر ہے جس کے ذریعہ احکام و شرائع کا علم ہوتا ہے، اس کے بعد اس پر عمل کر کے واصل بحق ہوگا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یومئذ عواکل اناس بامامہم ہم تمام لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ علامہ خر بوطی نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ من لم یکن لہ شیخا فشیخہ الشیطان اور حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "عوارف المعارف" میں فرماتے ہیں مروی عن یزید انه قال من لم یکن لہ استاذ فامامہ الشیطان یعنی سیدنا بایزید بسطامی رحمہ اللہ ورضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جس کا پیر نہیں اس کا امام شیطان ہے اور رسالہ مبارکہ میں امام اجل ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یجب علی المرید ان یتأدب بشیخہ فان لم یکن لہ استاذ لہ یصلح لہ اذ ابویزید یقول فمن لم یکن استاذہ فامامہ الشیطان۔ یعنی مرید پر واجب

ہے کہ کسی پیر سے تربیت حاصل کرے کہ بے پیر کبھی سلاح نہیں پائے گا۔ یہ ایو زید فرماتے ہیں جس کا پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے۔ اور پھر فرمایا المرید اذا لم یکن له استاذ یاخذ منہ طریقہ نفسا نفسا فهو عابد هواہ لا یجد نقاذا یعنی مرید کے لئے اگر پیر نہ ہو جس سے ایک ایک سانس پر اس کا راستہ سیکھے تو وہ خواہش نفس کا پجاری ہے، راہ نہ پائے گا، اور زید میر علی واحد بلگرامی قدس سرہ العالی شیع سنابل میں فرماتے ہیں ۷

چو پیر نیست پستت ابلیس

کہ راہ دین زدست از مکر و ابلیس

حقی کہ اسماعیل دہلوی نے بھی "صراط مستقیم" میں ایسا ہی کہا ہے۔ اس صورت میں اس جملہ کو بے اصل کہنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ زید عمر میں کون صحیح کہتا ہے اور کون غلط کہتا ہے۔ بتینا او توجروا۔

مستقی

محمد عبدالغفار قادری - بمبئی
مجلد ہائلی ۱۳۸

الجواب

ظاہر ہے کہ زید کا قول صحیح ہے، کہ وہ مدلل بدلائل ہے، اور عمر کا قول یہ بات بے اصل ہے غلط۔ راہ حق میں کسی دہسبر کی رہنمائی لا بدی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عسکری
مسجد جامع فتحپوری دہلی
صفر المظفر ۱۳۴۵ھ

(سوال نمبر ۲۸۹) خط کے ذریعہ بیعت جائز ہے یا نہیں؟ بتینا او توجروا۔

الجواب

ہاں جائز ہے کہ تمام وہ احکام جو بالقول ثابت ہوتے ہیں بالکتاب بھی ثابت ہو جاتے ہیں البتہ بعد الخطی شبہ الخط جب تک شرعی طور پر یہ ثابت نہ ہو جائے کہ یہ خط مرشد ہی کا ہے اس وقت تک بیعت قابل اعتماد نہیں فقط

محمد منظر عسکری
مسجد فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۹) مرشد طہیقت کے لئے کون کون سی شرائط لازمی ہیں؟ اور بیعت کا منشاء کیا ہے؟
بینوا و تو جروا۔

الجواب

مرشد طہیقت کے لئے چند شرائط ضروری ہیں کہ جب تک اس میں وہ نہ پائی جائیں اس سے بیعت جائز نہیں، من جملہ ان کے شرائط کے بڑی شرط یہ ہے کہ اس نے کسی شیخ کامل کی صحبت میں رہ کر منازل سلوک طے کرنے کے بعد اجازت طہیقت حاصل کی ہو اور جادۂ شریعت سے واقف اور اس سے سر مو مخرف نہ ہو، نہ شہوات کا متبع ہو۔ باقی شرائط چوں کہ بطون سے تعلق رکھتی ہیں، جس کی پرکھ غوام کے لئے مشکل ہے اس لئے اس کا ذکر فضول ہے۔

بیعت کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ مرشد کے انوار لطائف کا عکس مرید کے قلب پر پڑے اور وہ اس سے متجلی ہو جائے، تاکہ نفس کا تزکیہ ہو اور حقوق عبودیت کا حقد اس سے ادا ہوں اور اوصاف حمید سے متصف ہونا اور اوصاف فہمیدہ سے منجست رہنا۔ ہاتھ دے اور منازل سلوک قطع ہونے لگیں اور اپنی اصل کی طرف رجوع ہو جو پیدائش انسان کا منشاء ہے یا کم از کم اتنا تو ہو کہ ذکر قلبی سے آشنا ہو جائے جو اس کو بوقت موت کام دے، غرض یہ کہ جس میں کم از کم یہ شرائط بھی نہ پائی جاتی ہوں بلکہ کوئی علامت فسق پائی جاتی ہو (خواہ وہ سید ہو یا شیخ، اور مغل ہو یا پٹھان)، اس سے بیعت حرام ہے اور جو ان شرائط کا جامع ہو اگرچہ وہ کسی نیچی سے نیچی قوم کا ہو اس سے بیعت جائز ہے۔ اگر کسی فاسق فاجر سے بیعت کی تو یقیناً نقصان پہنچے گا اس سے تو نہ بیعت ہونا ہی بہتر ہے۔ اگر شیخ متقی ہے لیکن صاحب اجازت نہیں، کسی پیر کی اولاد ہونے کی بنا پر مرید کرتا ہے جب بھی نا جائز کہ شرط اجازت مفقود بلکہ صاحب اجازت بھی ہے لیکن نسبت باطن سے خالی ہے تب بھی مناسب نہیں کہ منشاء اصلی اس میں معدوم ہے۔

داڑھی منڈانے کی عادت کرنا، گانے بجانے کا پیشہ کرنا یا اس کی اجازت دینا، تصویریں کھینچنا یا کھجوانا سب محرمات شرعیہ سے ہیں جو ان چیزوں سے کسی شے کا ترکیب ہے وہ فاسق ہے اور فاسق سے بیعت حرام ہے اور تصویروں کا ہار پہنا کر ان کے ساتھ اعزاز و احترام تو نہایت ہی درجہ کا فسق ہے جو لوگ ان فاسقین کے یہ افعال جانتے ہوئے بھی ان سے بیعت ہوتے ہیں وہ بھی فاسق ہیں، ان پر توبہ اور بیعت توڑنا واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر علی
مسجد جامع فتحپوری دہلی

نوٹ:- یہ فتویٰ مسودے کی صورت میں تھا،

(سوال نمبر ۲۹۱)

(۱) اگر کوئی شخص ایک ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کرے جس نے کبھی مرید نہ کیا ہو اور اس بیعت کو ایک مرحوم عالم دین بزرگ (جنہوں نے اپنی زندگی میں کبھی مرید نہ کیا ہو) کے ہاتھ پر عالم ارواح میں بیعت تصور کرے درآں حالے کہ شخص موصوف نہ بزرگ مرحوم کا مرید ہے اور نہ خلیفہ، کیا اس طریقہ سے بیعت ہو سکتی ہے؟

(۲) کیا مرشد طریقت کے لئے علوم ظاہری و باطنی اور کمالات صوفی و صوفی کا حال ہونا ضروری ہے؟ اگر ضروری ہے تو جو شخص باوجود علم دین سے ناقص واقفیت کے بیعت لے تو کیا یہ بیعت جائز ہوگی؟

(مستفتی)

محمد سعید احمد - حیدرآباد سندھ

۳۱ نومبر ۱۹۵۲ء

الجواب

(۱) بیعت کے لئے یہ شرط یہ ہے کہ ایسے شخص سے بیعت کی جائے جو کسی بزرگ کا مرید ہو اور اس سے اجازت بھی حاصل ہو۔ خواب میں کسی سے مرید ہونا یا اس سے اجازت حاصل ہونا معتبر نہیں۔

(۲) ہاں مرشد کے لئے ضروری ہے کہ عقائد اہل سنت سے واقف ہو اور مسائل فقہیہ ضروریہ کا واقف ہو اور کسی شیخ کی صحبت میں رہ کر تزکیہ نفس کیا ہو اور اس سے نسبت حاصل کی ہو اور اس نے اس کو مجاز کیا ہو۔ اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہے تو وہ مرشد ہونے کے قابل نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عظیمی

مسجد جامع پنجپوری ڈیہلی

(سوال نمبر ۲۹۲) کیا تصوف شیخ شرفاً جائز ہے؟ مولوی اسماعیل شہید نے جو اس کے خلاف لکھا ہے وہ کہاں تک صحیح ہے؟۔ بینوا و تو جروا۔

الجواب

عن ابن مسعود الحدیث ص ۱۶۱ اس حدیث سے مولانا تقانوی نے یہ فائدہ تحریر فرمایا کہ تصوف شیخ کی جو حقیقت ہے کہ غائب کی طرف مثل حاضر کے نظر خیالی کی جائے وہ اس حدیث سے مراحہ ثابت ہے۔ دوسری جگہ "التکشف" میں تحریر فرماتے ہیں کہ رابطہ خاص ایک شکل کا نام ہے جس میں شیخ کی

ذہن میں حاضر کر کے نظر قلبی اس کی طرف ٹھیک ٹھیک باندھ کر اور خیال کو سادہ کر دیکھا جاتا ہے فیغرض کائنہ حاضر و ناظر لیکن تصوراً فقط، لا اعتقاداً۔ یعنی یہ فرض کرتے اور سمجھتے ہوئے کہ شیخ حاضر و ناظر ہے لیکن ایسا خیال کرنا صرف تصور میں نہ اعتقاد میں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴۴)
محمد منظر عہدہ

مسجد جامع فتحپوری دہلی

نوٹ :- یہ جواب سوئے کی صورت میں ناکمل تھا۔ ہم نے من و عن یہاں نقل کر دیا ہے، سوال بھی خود ہی قائم کیا ہے کیوں کہ جواب سے ہی مترشح ہوتا ہے۔ (مرتب)

(سوال نمبر ۲۹۳)

(۱) مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی شریف میں یہ اشعار تحریر فرمائے ہیں، ان کی کیا تعبیر و تشریح کی جائے گی :-

چو ذاتش پیرا کردی قبول ہم خدا در ذات آمد ہم رسول

یک بینی و یک بدای و یک بخوال خواجہ راد در خواجہ خود و خوداں

(۲) ایک بزرگ اپنی تصنیف میں یہ عبارت تحریر فرماتے ہیں :-

ہم پرستی خدا پرستی است، تا پیر پرست نہ گردد، خدا پرست نہ گردد بلکہ پیر تو معبود است جائے دیگر

ہر زماں و در ہر مکان پیرا حاضر و ناظر اے

اس قسم کے ظاہری معنی مراد لئے جائیں تو شریعت غرامیں کیا حکم ہے؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

اکثر اشعار میں قلت الفاظ کی وجہ سے محذوفات ہوتے ہیں جو قرآن اور اقتضاء کلام سے مستفاد ہوتے ہیں اور صاحب فہم اشخاص شعر کے معنی سمجھتے وقت ان محذوفات کے معانی بھی ضم کر لیتے ہیں تاکہ شاعر کی اصل مراد تک پہنچ سکیں۔ نیز یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ لفظ کے حقیقی معنی ہی لئے جائیں، جب کسی کسی وجہ سے حقیقی معنی لینے متعذر ہوں تو ایسے وقت مجازی معنی ہی لئے جاتے ہیں۔ جب یہ دونوں امر معلوم ہو چکے تو اب کہتا ہوں کہ یہ بات تو مجمع علیہ بین المسلمین ہے کہ غیر خدا کو خدا جاننا صریح شرک ہے پس اس معنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے پہلے شعر کی تقدیر یہ ہوگی (چو ذات پیرا برائے اطاعت کردی قبول ہم اطاعت خدا در ذات او حاصل آمد ہم اطاعت رسول)، اب کوئی محذور شرعی لازم نہیں آتا، دوسرے شعر میں اول خواجہ سے مراد مرشد معلوم ہوتا ہے اور دوسرے خواجہ سے حضور سرکار عالم صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اس شعر میں اس سوال کا جواب یہ یا گیا ہے کہ اپنے پیر کی اطاعت کی جائے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی؟ تو شاعر جواب دیتا

ہے کہ مرشد میں اور حضور سرکار عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں دوئی نہ جان۔ مرشد تو اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں فانی ہے پس مرشد کی اطاعت اصل میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اطاعت ہے۔

پرستی کا لفظ بھی اطاعت کے معنی میں کثرت سے شائع و ذائع ہے جو اہل زبان پر پوشیدہ نہیں، پس تیسرے کلام کے معنی بھی درست ہوا گئے، البتہ اس کلام میں لفظ 'بلکہ' کے بعد جو عبارت ہے اس کی توجیہ نہیں ہو سکتی، پس یا تو یہ کلام دوسری طرح پر ہے یا کسی جاہل غیر عارف کا ہے سو اس تقدیر پر مفسر نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

صدرہ محمد مظہر اللہ عفرۃ

امام مسجد فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۹۴) مذاق العارفین ترجمہ اردو و احیاء العلوم و مصنفہ حضرت امام غزالیؒ مطبوعہ نول کٹر

پریس، لکھنؤ، جلد سوم، ص- ۷۹ میں یہ عبارت ملتی ہے :-

”کوئی عبادت اس سے بڑھ کر نہیں کہ ہو انسان کے خلاف حلال چیز کو ترک کر دے“

اس سلسلے میں دو واقعے بھی لکھے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اور ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، ایک ایک حلال چیز کو ترک کر دیا، کھایا نہیں۔ لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا یا صرف ایک دفعہ پر اکتفا کیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہوائے نفسانی کے خلاف حلال چیز کو مجاہدے کی نیت سے ہمیشہ کے لئے ترک کر دے یا وقتاً فوقتاً مختلف حلال چیزوں کو ترک کرتا رہے؟

اسی کتاب کی اسی جلد کے صفحہ ۴۱۲ پر یہ عبارت ملتی ہے :-

”اور کوئی طالب علماء کے پاس پھر اکر تا تھا اور کہا کرتا تھا کہ کوئی شخص مجھ کو ایسا عمل بتا دے کہ اس کے باعث میں ہمیشہ خدا تعالیٰ کے واسطے عال ہو جاؤں اس لئے کہ مجھ کو اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ مجھ پر کوئی گھڑی رات اور دن میں ایسی گزرے جس میں خدا کے لئے عمل نہ کرتا ہوں۔ اس کو علماء نے کہا کہ تیرا مطلب تجھ کو حاصل ہے جس قدر ہو سکے خیر کیا کرو اور جب تیرے تھک جائے تو دل سے اس کے کرنے کا قصد کر کر۔ اس لئے جو عمل خیر کا قصد کرتا ہے وہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ گویا خیر کرتا ہے“

اس عبارت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایک شخص کھانا عبادت میں طاقت کی نیت سے کھاتا ہے، لباس عبادت میں زینت کی غرض سے پہنتا ہے اور سوتے وقت یہ نیت کرتا ہے کہ مکان اور سستی دو جو کر میں عبادت کے قابل ہو جاؤں، آیا یہ شخص مندرجہ بالا نیت کی فضیلت حاصل کر سکتا ہے، اگر نہیں تو کیا نیت کرنی چاہئے کہ اس کی اتبہر عبادت میں اخل ہو جائے؟ واللہ اعلم بالصواب، والحمد للہ، اولاً و آخراً و صلی اللہ علیٰ کل عبد من اهل الارض والسماء۔

الجواب

مشرقا صرف اس ہی خواہش نفس کا چھوڑنا لازم ہے جس کی شرعا کراہت یا حرمت ثابت ہے، ورنہ نفس کا ہی آدمی پر حق ہے۔ مباح اشیاء کا اپنے اوپر حرام کرنا جائز نہیں، ہاں ایسی اشیاء کو ترک کر سکتا ہے جس میں واسطے نفس کے خوش کرنے کے اصلاح بدن وغیرہ کا فائدہ نہ ہو بلکہ ایسی اشیاء میں بھی اگر نیت بخیر ہوگی تو ثواب مستحق ہوگا، مدار کار اصل میں نیت پر ہے، سوال میں جن نیات کے ساتھ کھانے پینے وغیرہ کا ذکر ہے یہ نیت سے امید ہے کہ تمام ہی افعال طاعت و عبادت میں شمار ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عقیل (لام)
مسجد جامع فتحپوری، دہلی
۱۳ مئی ۱۹۵۷ء

حسب نسب

(سوال نمبر ۲۹۵) ایک شخص قوم کا شیخ ہے لیکن وہ خود کو سید کہتا ہے اس کے لئے شریعت میں کیا حکم ہے؟ - بتیقا اور توجروا۔

الجواب

ایسا شخص گنہگار ہے لقولہ علیہ السلام من ادعی الی غیر ابیہ او تولی غیرہ والیہ لیبہ لعنة الله والملائكة والناس اجمعین۔ بحیث رواہ الترمذی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد منظر عقیل
امام مسجد فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۹۶) حضرت خواجہ نظام الدین اولیا، محبوب الہی نے وصال فرمایا اور بطور جدی وارث شہرہ ذیل خواجہ ابوبکر چشتی کو چھوڑا، لیکن خصوصیت اور امتیاز نیز دنیوی فوائد حاصل کرنے کے لئے خواجہ فرید الدین چشتی کے نواسے حضرت خواجہ محمد امام صاحب کی اولاد نے یہ مشہور کر دیا کہ حضرت نے خواجہ محمد امام صاحب کو اپنا مستثنیٰ بنا لیا تھا جس کا ثبوت کتاب "سیر الاولیاء" اور "فوائد القواد"

یا کسی اور محفوظات کی کتاب سے مطلق نہیں ملتا، لہذا ان حالات کے پیش نظر مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات سلسلہ وار عنایت فرما کر ممنون فرمائیں :-

- (۱) کیا اسلام میں مبتنی بنانا جائز ہے اور قرآن کی رو سے اس پر کیا حکم ہے؟
- (۲) اگر مبتنی بنانا شرعاً ناجائز ہے تو کیا اللہ کی محبوبیت کے درجہ کو پہنچے ہوئے بزرگ کی طرف یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس سے نعوذ باللہ ایسا گناہ سرزد ہوا ہوگا؟
- (۳) اگر محبوب الہی پر یہ بہتان ہے تو شرع میں بہتان کا درجہ کیا ہے؟
- (۴) بہتان لگانے والوں کی شرعاً کیا سزا ہے؟
- (۵) ایسے کتبات یا تحریریں جن کے ذریعہ سے مذکورہ بہتان کی تشہیر ہوئی ہو برسرِ ارادہ رکھنے چاہئیں یا نہیں؟ - بینوا و توجروا۔

شجرہ

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت علی ابن ابی طالب

حضرت امام حسن رضی

سید عمر اشرفؒ

سید زکریاؒ

سید قطب الدینؒ

سید صدر الدینؒ

سید جلال الدینؒ

سید فتح اللہؒ

سید محمدؒ

سید احمدؒ

سید منہاج الدینؒ

سید معین الدینؒ

سید اسحاقؒ

سید علیؒ

سید بنالدین اسحاقؒ

سید خواجہ امامؒ

امام زین العابدینؒ

امام محمد باقرؒ

امام موسیٰ کاظمؒ

امام علی موسیٰ رضاؒ

امام جواد محمد تقیؒ

امام ہادی نقیؒ

امام جعفر ثانیؒ

سید علی اصغرؒ

سید عبداللہؒ

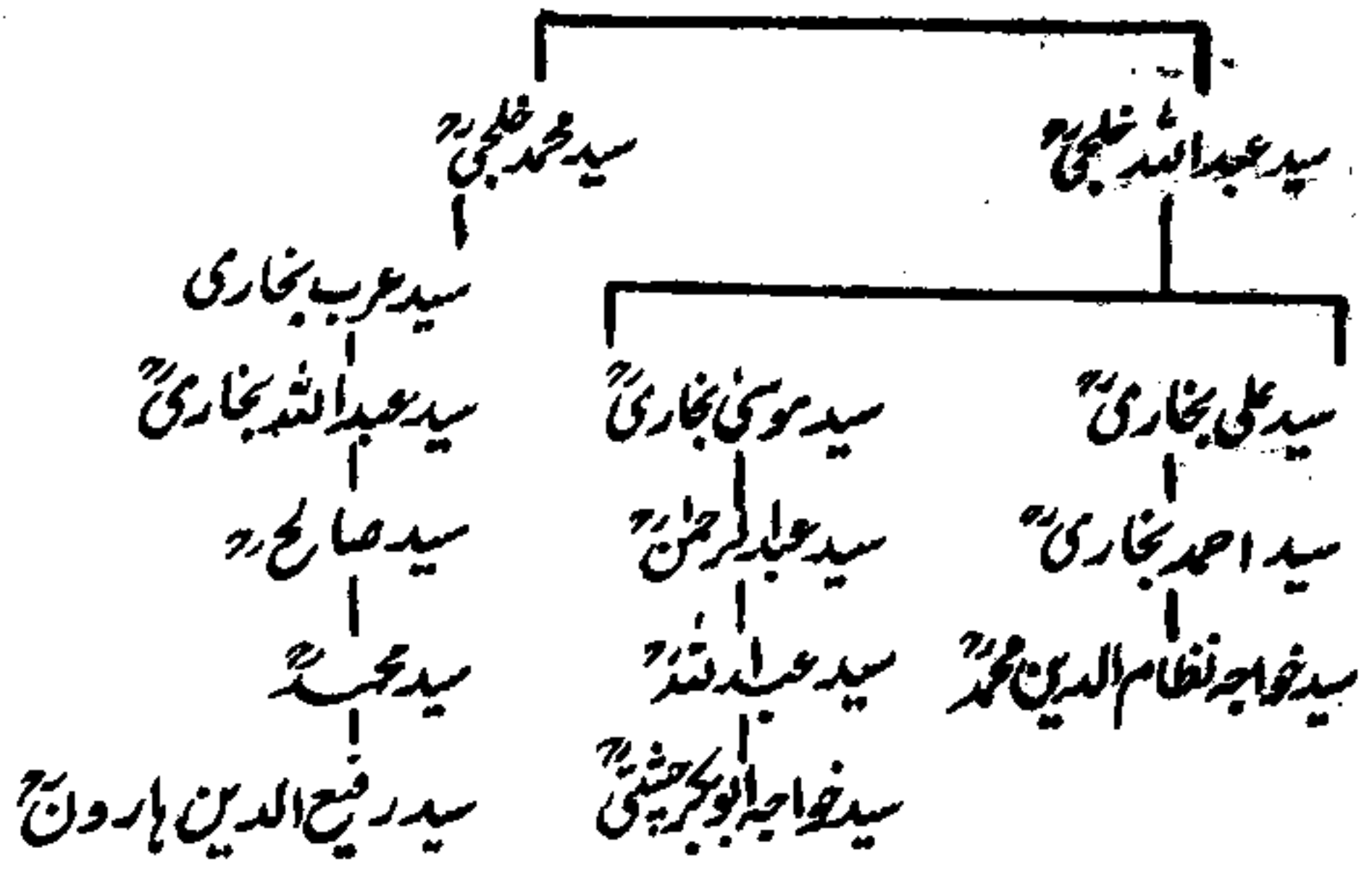
سید احمد شہیدیؒ

سید علی شہیدیؒ

سید حسن علیؒ

سید محمد علیؒ

سید عبداللہ علیؒ



الجواب

اس مسئلے میں سب سے زیادہ معتبر کتاب سیر الاولیاء ہے لیکن اس میں خواجہ ابو بکر مصلی دار رحمہم اللہ تعالیٰ کے متعلق اس کی تو تصریح ہے کہ حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ سے وہ بٹرف قرابت رکھتے تھے لیکن اس کا ذکر نہیں کہ حضرت کی کسی جد بزرگوار کی اولاد سے تھے، بعض تواریخ سے ضرور یہ ثابت ہے کہ خواجہ ابو بکر کے جد مجد سید علی بخاری رحمہم اللہ کے برادر حقیقی سید موسیٰ بخاری رحمہم اللہ کے پڑوتے تھے، چنانچہ صاحب کتاب نظامی مزیری اور صاحب کتاب تیسرت نظامی اور صاحب تتمہ سیر الاولیاء ایسا ہی تحریر فرماتے ہیں، اور بعض ایسے شجروں سے بھی یہ ثابت ہے جن کی حضرت کے اقارب نے تصدیق فرمائی ہے۔ بناءً علیہ خواجہ ابو بکر، حضرت محبوب الہی قدس سرہ العزیز کے عصبہ تھے اور حضرت کے ترکہ سے اپنا حصہ پانے کے مستحق تھے، لیکن میری نظر سے یہ کسی کتاب میں نہیں گزرا حضرت نے خواجہ ابو بکر کو متبنی کیا تھا ممکن ہے کہ اس کے مدعیوں کے پاس اس کا کوئی ثبوت ہو، لیکن اس سے اگر یہ غرض ہے کہ وہ اس وجہ سے حضرت کے جانشین تھے (جیسا کہ بعض حضرات سے سنا جاتا ہے) تو یہ محض باطل ہے اس لئے کہ اسلام میں ایسا متبنی بنانا جائز نہیں جس پر حقیقی فرزند کا اطلاق کیا جاسکتا ہو یا کم از کم صاحب متبنی کو اس کا باپ کہا جاسکتا ہو، اور باہمی ایک دوسرے کو اس کا وارث سمجھا جاسکتا ہو، رسمی طور پر جو کسی کو متبنی بنایا جاتا ہے اس کا اثر صرف اس ہی قدر ہوتا ہے متبنی صاحب متبنی کی کفالت میں آجاتا ہے۔ صاحب متبنی کی وفات کے بعد اس کی کسی شے کا بھی مستحق نہیں رہتا مگر اس ہی کا جو اپنی زندگی میں وہ اسے کچھ دے گیا ہو یا تہائی ترکہ تک اس کے لئے وصیت کر گیا ہو تو گویا وہ ایک غیر وارث کا حکم رکھتا ہے (بشرطیکہ کوئی اور علاقہ وراثت کا اس میں نہ پایا جاتا ہو) چنانچہ تفسیر احمدی میں ہے :-

واما ما رسمہ اهل زماننا حيث يقيمون شخصاً مقامهم ويعطون مالاً ويحبون
 واما فليس في ذلك بطريق الامت بل بطريق المهبة وهو مشرف عا جدا في
 غير الامراضى الانعامية انتهى۔

اب جب یہ شے ذہن نشین ہو چکی تو ان امور بالا مندرجہ فی سوال کے جوابات خود ظاہر ہیں :-

(۱) اسلام میں ایسا متبنی بنانا غیر معتبر اور ناجائز ہے جس کو فرزند حقیقی کا مرتبہ وراثت میسر نہ دیا جائے۔

(۲) حضرت محبوب اپنی کی ذات مقدمہ سے ہرگز ایسا متبنی بنانا مقصود نہیں ہاں اس کا امکان ہے کہ خواجہ

ابوبکر کو اپنی کفالت میں لینے کی وجہ سے ان کو رسمی طور پر متبنی کہا ہو یا دو کس لوگوں نے اس مشابہ کی بنا پر حضرت کا متبنی کہا ہو لیکن یہ محتاج دلیل ہے۔

(۳) ناجائز صورت پر متبنی بنانے کی نسبت حضور کی طرف کرنا بلاشبہ حضور پر بہتان ہے جو سخت گناہ ہے

(۴) ایسے کو کوئی سزا دینا عوام کے اختیار میں نہیں ہے۔

(۵) جو قدرت رکھتا ہو اس پر ایسے بہتان کا ازالہ ضروری ہے بشرطیکہ متبنی کہنے والے نے اس کی

تشریح بھی کی ہو کہ حضور نے اپنا وارث بنانے کے لئے متبنی کیا تھا، لیکن اگر وہ صرف متبنی کہتا ہے اور

اس کے کچھ دلائل بھی رکھتا ہے اور اس بنا پر حضرت کا جائنشین ثابت کرنا چاہتا ہے تو یہ بہتان نہیں ہے لیکن

وہ اس سے خواجہ ابوبکر کو حضرت کا جائنشین ثابت نہیں کر سکتا کہ اگرچہ جائنشین کو وراثت سے کچھ تعلق نہیں غیر

بھی جائنشین ہو سکتا ہے لیکن جب ہی کہ اصل اس کو اپنا جائنشین قرار دے یا بعد اس کی مدت کے وہ لوگ اتفاق

اس کو متوفی کا جائنشین تسلیم کر لیں جو متوفی کے خواص متعلقین میں شمار کئے جاتے ہوں اور جن کو اہل حل عقد

سے تعبیر کیا جاسکتا ہو اور یہ شے ہرگز ثابت نہیں پس اس صورت میں ان کو جائنشین کہنے سے روکا جاسکتا ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عظیم الدین

مبہ جامع فقہی دہلی

۱۸ جمادی الثانی ۱۳۷۶ھ / ۲۰ جنوری ۱۹۵۷ء

ہجرت

(سوال نمبر ۲۹۷) موجودہ خطرات کے پیش نظر دہلی سے باہر جانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

بینوا و تو جروا۔

الجواب

موجودہ خطرات پر نظر رکھتے ہوئے اگر کوئی شخص دہلی سے باہر کسی محفوظ مقام پر چلا جائے تو ضرر

اسلاماً حرج نہیں بلکہ مستحب ہے، چنانچہ درمختار میں ہے :-

اخذته الزلزلة في بيته ففر الى لفضاء لا يكوه بل يستحب لقرار النبي صلى
الله تعالى عليه وسلم عن الحائط المائل -

بلکہ جس کے لئے جان و مال کا نقصان منظور نظر نفع غالب ہو جائے اس کے لئے تو نکلنا ضروری ہے لقولہ تعالیٰ :-
ولا تعلقوا بايديكم الى التهلكة -

البتہ جس کو اس پر ظن غالب نہیں اور محض متردد ہے اس کے لئے وہی کا قیام اور اس سے نکلنا دونوں مساوی
ہیں اور اسکی ساتھ نیت بھی بخر ہے تو دونوں مستحب آیتہ مذکورہ کے مضمون پر نظر رکھتے ہوئے بر بنائے
احتیاط نکلے گا تب بھی مستحب ہے اور آیتہ کریمہ :-

ایمانتکونوا یدرسکم الملوک ولو کنتم فی برج مشیدہ -

کے مضمون پر نظر رکھتے ہوئے قیام کرے گا تب بھی مستحب رہا طاعون پر قیاس تو یہ قیاس چوں کہ ایک غیر مجتہد
کا ہے اس لئے قابل توجہ نہیں - فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عطار
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(نوٹ) غالباً یہ فتویٰ سالہ ۱۹۲۲ء میں "تحریر ہجرت" کے زمانے میں تحریر فرمایا ہے ، مسجد جامع فتحپوری دہلی
اسی زمانے میں مولانا عبدالباری فرنی محلّی کے فتوے کے بعد مسجد فتحپوری میں فترت ہجرت بھی کھول لگایا تھا (مرتب)

طہارت

(سوال نمبر ۲۹۸) بارش کا پانی جو شہر کے گلی کو چوں سے ہو کر بہتا ہے پاک ہے یا ناپاک؟ اگر یہ پانی
کنوئیں میں چلا جائے تو وہ ناپاک تو نہ ہوگا؟ بیسوا و توجہ ۱۔

مستفتی

فضل احمد - دہلی

الجواب

بارش کے بہتے پانی میں اگر نجاست کا اثر نہیں پایا ہوا تو وہ پاک ہے اور اس سے جو پانی کنوئیں میں گیا
ہے وہ کنوئیں کو ناپاک کرے گا - فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر عطار
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۹۹) گائیں یا اونٹ یا بچرا اپنی موت سے مر گیا تو اس کی کھال رنگ کر ڈول یا مشک بنائی

جاسکتی ہے یا نہیں یہ ناپاک تو نہ ہوگی؟ بیسوا اور توجہ ۱۔

الجواب

مری ہوئی گائے وغیرہ کی کھال رنگنے سے پاک ہو جاتی ہے اور اس کا ڈول وغیرہ بنوایا جاسکتا ہے
 كذا في كتب لفقہ لحدیث عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ وسلم امر ان یستمع بجلود المیتة اذا دبغت - فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظر اللہ عظیمی
 امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۳۰۰)

(۱) مسجد کی ٹنکی میں سے ایک چڑیا پھولی پھٹی برآمد ہوئی تو اس ٹنکی کے پانی سے وضو کرنے والے نمازیوں
 کو تین دن کی پھلی نمازیں لوٹانا واجب ہے یا نہیں۔ چڑیا کے گرنے کا وقت معلوم نہیں۔
 (۲) اس ناپاک پانی سے وضو کرنے کے بعد جس تولیہ سے منہ پونچھا تھا۔ پاک پانی سے وضو کرنے کے
 پھر اسی خشک تولیہ سے منہ پونچھا گیا اور نماز پڑھی گئی۔ آیا یہ نماز صحیح ہوگئی یا واجباً لاعادہ ہے؟ اجیبوا فاسی
 مستفتی

قاری محمد میاں، مدرس مدرسہ
 عالیہ عربیہ مسجد فتحپوری دہلی

الجواب

(۱) جب جانور کے گرنے کا وقت معلوم نہ ہو تو اس پر فتویٰ ہے کہ دیکھنے کے وقت سے پانی ناپاک قرار
 دیا جائے گا۔

(۲) ہاں ہوگئی۔ ہاں اگر پونچھنے سے تولیہ میں اتنی تری آگئی جو دوبارہ عضو کو تر کر دے تو البتہ عضو
 ناپاک ہو جائے گا اور قدمعانی سے زائد ناپاک ہو تو نماز نہ ہوگی۔ فقط

محمد منظر اللہ عظیمی
 مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۳۰۱)

(۱) میت کو چار پائی پر لٹانے سے کیا چار پائی ناپاک ہو جاتی ہے؟
 (۲) غسل دینے کے بعد اگر میت کو بغیر دھوئے اسی چار پائی پر لٹا دیا جائے تو کیا میت ناپاک ہو جاتی ہے؟

(۳۱) میت کی کفنی اگر آگے سے پورے ٹخنوں تک اور پیچھے سے کمر تک ہو تو شرعاً کیا حکم ہے ؟
بینوا و تو جروا ۔

هُوَ الْمَوْفِقُ

(۱) میت کے خشک بدن سے چار پائی ناپاک نہیں ہوتی البتہ عامہ مشائخ کے نزدیک میت کا بدن نجس یہ نجاست خبیث ہے اس لئے اس کے بدن کی تری سے چار پائی ناپاک ہو جائے گی ۔

(۲) ناپاک چار پائی پر میت کفنا کر اس کی نماز پڑھی گئی تو نماز درست نہ ہوگی جب کہ بقدر مانع نماز نجاست میت کے بدن یا کفن یا چار پائی پر میت سے طلاق جگہ پر ہو، درمختار میں ہے :-

وَفِي الْقَنِيَةِ الطَّهَارَةُ مِنَ النِّجَاسَةِ فِي ثَوْبٍ وَبَدَنِ وَمَكَانٍ شَرْطُ فِي حَقِّ

الْمَيْتِ وَالْإِمَامُ جَمِيعًا - وَقَالَ مَحْشِيُّ الشَّامِيِّ يَقِيدُ مَا فِي الْقَنِيَةِ بِغَيْرِ النِّجَاسَةِ

الخارجة من الميت اقول يعني بعد التكفين -

(۳) غربت و عسرت کے سبب کفنی کم رکھی جائے تو مضائقہ نہیں لما فی الہندیہ و عامۃ کتب الفقہ

ان كان بالمال كثرة وبالوهرائة قلت فكفن السنة اولى وان كان على العكس
فكفن الكفاية اولى -

لیکن کیڑا میسر ہوتے ہوئے کفنی کا کسی جانب سے کم رکھنا خلاف سنت ہے اور مصلیٰ رومال وغیرہ غیر

ضروری اشیاء کے لئے کفنی کم کرنا تو ظلم ہے اور میت کی حق تلفی ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محمد شرف احمد غفرلہ

نائب مفتی، مسجد جامع فتحپوری، دہلی



ماخذ و مراجع



مولانا عبدالقدوس ہاشمی

و

پروفیسر محمد مسعود احمد

15

ماخذ و مراجع

(مصنف علیہ الرحمہ)

نمبر شمار	مصنف	سنہ وفات	تصنیف
۱	ابراہیم بن محمد الحلبي	۹۵۶ھ	غنیۃ المقلو فی شرح منیۃ المصلی
۲	” ” ”	” ”	الصغیری
۳	” ” ”	” ”	الکبیری
۴	ابن الحاج الفاسی محمد بن محمد العبدی	۴۳۷ھ	المدخل
۵	ابن جوزی ابوالفرج عبد الرحمن بن علی	۵۹۷ھ	الردی التعصب العنید المانع عن ذم یزید
۶	ابن عابد بن محمد امین بن عمر	۱۲۵۲ھ	مراد المختار علی الدرۃ المختار (مطبوعہ قاہرہ ۱۳۰۷ھ)
۷	” ” ”	” ”	منحۃ الخالق حاشیہ بحال لوائق
۸	” ” ”	” ”	عقود الدیہ فی تنقیح فتاویٰ الحامدیہ (۱۲۳۸ھ)
۹	ابن عبدالبر جمال الدین یوسف القرطبی	۴۶۳ھ	التمہید
۱۰	ابن کثیر اسمعیل بن عمر دمشقی	۷۷۴ھ	البلدیہ والنہایہ (تاریخ ابن کثیر)
۱۱	ابن ماجہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوی	۲۷۳ھ	کتاب السنن
۱۲	ابن ہمام، امام کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیوطی	۸۶۱ھ	فتح القید شرح الہدایہ للرعینانی
۱۳	ابوالسعود محمد بن محمد العمادی	۹۸۲ھ	تفسیر البوسعود (ارشاد السلیم)
۱۴	ابوالفتح سکن الدین بن حسام الدین الناگوری	—	فتاویٰ حماویہ
۱۵	ابوالکلام آزاد	۱۳۷۸ھ	مقالہ در جوان تصاویر
۱۶	ابوبکر بن مسعود الکاسانی والحنفی	۵۸۷ھ	بدائع الصنائع
۱۷	ابوبکر الطرطوشی، محمد بن الولید	۵۲۰ھ	سراج الملوک
۱۸	ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی	۲۷۵ھ	ابوداؤد شریف
۱۹	ابوشجاع بن شیروید بن شہر داسر الویلی	—	فردوس الاخبار
۲۰	ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری البغدادی	۲۲۱ھ	کتاب الامامۃ والسیاسة

نمبر شمار	مصنف	سنه وفات	تصنيف
۲۱	احمد بن حسن ترمي شافعي		مصباح الطلاب
۲۲	احمد بن حنبل، الامام	۲۴۱ھ	المسند
۲۳	احمد بن عبد الاحد سرهندي	۱۰۳۲ھ	مكتوبات شريف
۲۴	احمد بن عبد الرحيم محدث دهلوي	۱۱۷۶ھ	حجة الله البالغة
۲۵	احمد بن حنبل، الامام	۲۴۱ھ	المسند
۲۶	احمد بن علي بصري		فصل الخطاب
۲۷	احمد بن حجر الهيتمي	۹۷۳ھ	الصواعق المحرقة
۲۸	احمد بن محمد بن عبد اللطيف الترميدي اليمني	باجد ۸۹۰ھ	تجريد البخاري
۲۹	احمد بن محمد الحموي الحنفي، سيد	—	حموي (شرح الاشباه والنظائر) (مطبوعه لكهنو، ۱۹۱۵ء)
۳۰	احمد بن محمد طحاوي	۱۲۲۱ھ	حاشية الدر المختار (مطبوعه ۱۲۵۲ھ و ۱۲۸۳ھ، مصر)
۳۱	احمد الخطيب بن عبد اللطيف الجاوي	—	الفتاوى الغياثية
۳۲	احمد بن صالحان بريوي، مولوي	۱۳۲۰ھ	حدائق بخشش
۳۳	” ” ” ”	” ”	الامن والعلی
۳۴	” ” ” ”	” ”	العطايا النبوية في الفتاوى والرضوة (مطبوعه بريلي)
۳۵	اسماعيل دهلوي، مولينا	۱۲۲۶ھ	صراط مستقيم
۳۶	اشرف علي تهانوي، مولينا	۱۳۶۲ھ	تفسير بيان القرآن
۳۷	” ” ” ”	” ”	التكشف عن مهمات التصوف
۳۸	الاولوسي، محقق بن عبد الله المفسر	۱۲۷۰ھ	تفسير روح المعاني
۳۹	الاب شيخو لوليس معلوف	—	المنجد
۴۰	الاولوشي، سراج الدين علي بن عثمان الفرغاني	—	الفتاوى لسراجيه (۵۶۹ھ)
۴۱	البايزي، اكمل الدين محمد بن محمود	۷۸۶ھ	شرح العناية على الهداية
۴۲	البايزي، الشيخ ابراهيم بن محمد	۱۲۷۷ھ	حاشية علامه باجووي
۴۳	البايزي، ابو الوليد سليمان بن خلف	۲۷۷ھ	المنتقى في الحديث

نمبر شمار	مصنف	سنه وفات	تصنيف
۴۴	البخاری، ابو عبد الله محمد بن اسمعيل	۲۵۶ هـ	بخاری شریف
۴۵	البغوی، ابو محمد حسین بن مسعود	۵۱۶ هـ	معالم التنزیل فی التفسیر
۴۶	البيضاوی، ناصر الدین عبد الله بن عمر	۶۸۵ هـ	تفسیر انوار التنزیل
۴۷	البيهقي، ابو بكر احمد بن الحسين	۴۵۸ هـ	السنن الکبریٰ
۴۸	التفتازانی، سعد الدین مسعود بن عمر	۷۹۱ هـ	شرح عقائد نسفی
۴۹	الترمذی، الامام الحافظ محمد بن عيسى	۲۷۹ هـ	الجامع الصحیح (ترمذی شریف)
۵۰	الحمدی، ابو بكر بن محمد	۸۰۰ هـ	الجوهرة النيرة (شرح مختصر القدوی)
۵۱	الخازن، علاء الدین علی بن محمد	۷۴۱ هـ	لباب التاویل فی معانی التنزیل (تفسیر خازن)
۵۲	الخوارزمی جلال الدین بن شمس الدین	۷۰۰ هـ	الکفاية فی شرح الهدایه
۵۳	الداهمی، ابو محمد عبد الله بن عبد الرحمن السمرقندی	۲۵۵ هـ	کتاب التفسیر (مطبوعه کاپنبرگ ۱۲۹۳)
۵۴	الرازی، فخر الدین محمد بن عمر	۶۰۶ هـ	تفسیر کبیر الموسوم بمفاتیح الغیب (مطبوعه مصر، ۱۳۲۷ هـ)
۵۵	الزرقانی، ابو عبد الله محمد بن عبد الباقي بن يوسف	۱۱۲۲ هـ	شرح مؤطا الامام مالک (مطبوعه مصر، ۱۳۱۰ هـ)
۵۶	الزلیعی جمال الدین عبد الله بن يوسف	۷۶۲ هـ	شرح مواهب اللدنیة نصب اية فی تخريج احادیث اللؤلؤ
۵۷	الزاهدی، ابو الرجاء مختار بن محمود	۶۵۸ هـ	قنية المنية لتقيم الغنية (شرح زاہدی، مطبوعه ۱۲۴۵ هـ، کتبخانه)
۵۹	الزلیعی، فخر الدین عثمان بن علی	۷۱۳ هـ	تبيين الحقائق لمنافیه من تبيين ما اكثر من الدقائق (مطبوعه ۱۳۰۲ و ۱۳۱۳ هـ)
۶۰	التحسینی، شمس لامة محمد بن احمد	۴۸۴ هـ	المبسوط
۶۱	السمرقندی، ابو القاسم بن بكر اللیثی	—	مستخلص شرح كنز الدقائق
۶۲	الشهری، شهاب الدین عمر بن محمد	۶۳۲ هـ	حوارف المعارف
۶۳	السیوطی جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بكر	۹۱۱ هـ	تاریخ الخلفاء

تصنيف	سنوات	مصنف	نمبر شمار
اصول الشاشي	٣٢٥ هـ	الشاشي، اسحق بن ابراهيم	٤٣
كتاب الأمم	٢٠٢ هـ	الشافعي، محمد بن ادريس	٤٥
سند الامام الشافعي	”	”	٤٦
نور الايضاح ونجاة الامم	١٠٤٩ هـ	الشرنبلالي، علامه حسن بن عمار	٤٤
مراقي الفلاح	”	”	٤٨
شرنبلاليه	”	”	٤٩
جامع الصغير	١٨٩ هـ	الشيبياني، الامام محمد بن الحسن	٤٠
تيسير الاصول الى جامع	٩٢٢ هـ	الشيبياني، الفقيه عبد الرحمن بن الوزيح	٤١
الاصول من حديث الرسول	”	”	”
الفيض الرحماني بشرح الزرقاني	١٣٠٣ هـ	الشيخ حسن العدوي الجزاوي	٤٢
تنوير الابصار جامع البحار	١٠٠٢ هـ	الشيخ شمس الدين محمد بن تمر تاش الغزي	٤٣
كنز العمال في سنن الاقوال والافعال	٩٤٥ هـ	الشيخ عبد الرحمن	٤٣
فتح المبين	١٣٢٢ هـ	الشيخ علاء الدين علي المتقي	٤٥
آمال (شرح مسلم شريف)	٨٢٤ هـ	الشيخ عمر العطار، الدمشقي	٤٦
سبل السلام في حكماء اباؤنا وسلاطيننا	١٢٢٠ هـ	الشيخ محمد بن خلفه الأبي	٤٤
جامع الشواهد	—	الشيخ محمد بن عمر البالي المدني	٤٨
سبل السلام شرح بلوغ المرام	١١٠٢ هـ	الشيخ محمد بن علي الباقر	٤٩
المجمد الكبير (الوسيط الصغير)	٣٦٠ هـ	الصنعاني، محمد بن اسمعيل الامير	٨٠
مشكل الآثار (طحاوي)	٣٢١ هـ	الطبراني، سليمان بن احمد النخعي	٨١
طحاوي على مراقي الفلاح	١٢٣١ هـ	الطحاوي، ابو جعفر احمد بن محمد الحنفي	٨٢
عمدة القاري في شرح البغية	٨٥٥ هـ	الطحاوي، احمد بن محمد	٨٣
احياء العلوم الدين	٥٠٥ هـ	العيني، بدر الدين محمود	٨٢
المستصفي في الاصول	”	الغزالي، ابو حامد محمد بن محمد	٨٥
الهداية شرح البداية	٥٩٣ هـ	”	٨٦
فتاوى قاضي خان	٥٩٢ هـ	الفرغاني، ابو الحسن بن ابي بكر بن عبد الجليل	٨٤
”	”	الفرغاني، امام فخر الدين حسن بن منصور الدونجدي	٨٨

نمبر شمار	مصنف	سنو قات	تصنيف
۸۹	الفيروزى، آبادى مجد الدين	۸۱۶ هـ	قاموس اللغة
۹۰	القاضى على لشوكافى اليماني	۱۲۵۵ هـ	الدرر لبرهيه
۹۱	القاضى محمد بن محمد ابو يعلى الفراء الحنبلى الشهيد	۵۲۶ هـ	طبقات الحنابلة
۹۲	القدورى، ابو الحسين احمد بن محمد	۴۲۸ هـ	المختصر القدورى فى فروع الحنفية
۹۳	القرطبي، محمد بن احمد انصارى اندلسى	۶۷۱ هـ	الجامع الاحكام القرآن (المشروبه تفسيري قرطبي)
۹۴	القسطلانى، شهابك لدين احمد بن محمد	۹۲۳ هـ	المواهب اللدنيه بالمعنى المحمديه (مطبوعه قاهره، ۱۳۲۵م)
۹۵	القشيري، ابو الحسن بن الحجاج النيشاپورى	۲۶۱ هـ	مسلم شريف
۹۶	القشيري، ابو القاسم عبد الكريم بن هوانان	۴۶۵ هـ	رساله القشيرية
۹۷	الكازر، دق، ظهير الدين على بن احمد	۷۰۰ هـ	منبر اسر المفتى
۹۸	المولى اسمعيل حنفى	۱۱۲۷ هـ	تفسير روح البيان (مطبوعه مصر ۱۳۵۵)
۹۹	النسائى، الحافظ احمد بن على	۳۰۳ هـ	كتاب لسنن المسمى بالمجتبى (نسائى شريف)
۱۰۰	النسفى، حافظ الدين ابو البركات عبد الله	۷۱۰ هـ	كنز الدقائق فى الفروع
۱۰۱	” ” ” ”	” ”	تفسير مدارك
۱۰۲	برهان الدين على بن ابى بكر المرغينانى	۵۹۳ هـ	هدايه (شرح هداية المبتدى)
۱۰۳	” ” ” ”	” ”	” ” ” ”
۱۰۴	توريشقى، فضل الله بن حسن	۶۶۱ هـ	مطلب لمناسك
۱۰۵	” ” ” ”	” ”	اليسر
۱۰۶	توربيت	—	—
۱۰۷	ثناء الله پانى پتى، قاضى	۱۲۲۵ هـ	مال ابد منه
۱۰۸	” ” ” ”	” ”	تفسير مظهرى
۱۰۹	جلال الدين محلى جلال الدين السيوطى	۹۱۱ هـ	تفسير جلالين
۱۱۰	جمالى دهلوى، مولانا	۹۴۲ هـ	سير الاولياء
۱۱۱	حافظ الدين محمد بن محمد بن البزائى	۸۲۷ هـ	الفتاوى البزائيه
۱۱۲	حزوم على، مولانا	۱۳۲۱ هـ	غاية الاوطار ترجمه در مختار

نمبر شمار	مصنف	سنوات	تصنيف
١١٣	حسن علا سنجري	٤١٤ هـ	فواد الفواد
١١٣	خير الله شاه مهندس		نقشة اوقات نماز
١١٥	رحمة الله بن قاضي عبد الله السندی	٩٢٢ هـ	المنسك المتوسط
١١٤	رشيد احمد گنگوهي، مولينا	١٣٢٣ هـ	فتاوى رشيديه
١١٤	راكن الدين، مولينا	١٣٥٥ هـ	رساله راكن دين
١١٨	رومي، جلال الدين محمد	٤٤٢ هـ	مثنوى شريف
١١٩	نريد ابوالحسن دهلوي		الحجة في مسألة الكعبة والمقبضة
١٢٠	نزين العابدين بن ابراهيم نجيم الحنفي المصري	٩٤٠ هـ	الاشياء والنظائر ومطبوعه لکهنو ١٩١٥
١٢١	” ” ”	” ”	البحر الرائق شرح كنز الدقائق
١٢٢	نزابور		
١٢٣	سراج الدين ابوطاهر محمد السبجا وندي		سراجي رفي علم الفرائض
١٢٣	سراج الدين محمود الازهرى	٤٨٢ هـ	مطالع الانوار
١٢٥	شهادتين		
١٢٦	” ” ”		
١٢٤	سيد احمد بريلى، مولوى	١٢٨٦ هـ	الطريقة المحمديه
١٢٨	سيرت نظامي		
١٢٩	شدهي سهلپاس (١٥ جون ١٩٣٠ء)		
١٣٠	شرح ابى المكارم		
١٣١	صديق حسن خان، نواب	١٣٠٤ هـ	السراج الوهاج في كشف
			مطالب صحيح مسلم بن حجاج
			(مطبوعه بحرال، ١٣٠٢ء)
١٣٢	” ” ”		الروضه النديه في شرح
			درة البهيه (مطبوعه قاهره، ١٣٠٤ء)
١٣٣	ظهير الدين بن ابى بكر محمد بن ابراهيم القاضى الحنفي	٤١٩ هـ	فتاوى ظهيريه
١٣٣	عاشق النهى ميرظمى، حاجى محمد		تذكرة الرشيد
١٣٥	عالم بن علاء الدين حنفي	٤٥٢ هـ	الفتاوى القاتره خاتمه

نمبر شمار	مصنف	سنوفات	تصنيف
۱۳۶	عبد الرحيم صفي پوری	—	منتہی الادب فی لغات العرب
۱۳۷	عبد الحق محدث دہلوی، شاہ	۱۰۵۲ھ	اشعۃ اللمع شرح مشکوٰۃ
۱۳۸	” ” ”	” ”	اقریب السبل بالتوبۃ الی سبیل السبل
۱۳۹	” ” ”	” ”	مدارج النبوة
۱۴۰	” ” ”	” ”	مجمع البرکات
۱۴۱	” ” ”	” ”	جذب القلوب الی ديار المحبوب
۱۴۲	” ” ”	” ”	شرح سفر السعادة
۱۴۳	” ” ”	” ”	ما ثبت بالسنة
۱۴۴	عبد الحی فرنگی محلی، مولانا	۱۳۰۴ھ	عمدة الرعاية حاشیہ شرح وقایہ
۱۴۵	” ” ”	” ”	مجموعہ فتاویٰ (مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۳۱ھ)
۱۴۶	عبد الحی، مولوی (خطیب جامع مسجد رانگون)	—	مجموعہ فتاویٰ عربی
۱۴۷	عبد العزیز محدث دہلوی، شاہ	۱۲۳۹ھ	فتاویٰ عزیزیزید
۱۴۸	” ” ”	” ”	تحفہ اثنا عشریہ
۱۴۹	” ” ”	” ”	شربدة النصائح
۱۵۰	” ” ”	” ”	تفسیر عزیزیزدی
۱۵۱	” ” ”	” ”	بشارات محمدیہ
۱۵۲	عبد العزیز، مولوی	—	لغات سعیدی، مطبوعہ کانپور ۱۹۳۶ء
۱۵۳	عبد الغفور، رمضان پوری	—	فتاویٰ مولوی عبد الحی فرنگی محلی لکھنؤ ۱۳۳۵ھ
۱۵۴	عبد الغنی بن اسمعیل نابلسی	۱۱۴۳ھ	كشف النور عن اصحاب القبور
۱۵۵	” ” ”	” ”	حديقة نديہ
۱۵۶	عبد لواحد بلگرامی	۱۰۱۷ھ	سبع سنابل
۱۵۷	عبد الوہاب شعرائی	۹۷۳ھ	لباح المودع فی رواشین الہدی، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۲۱ھ
۱۵۸	عبد اللہ بن سعید الشریعة الاصغر	۷۲۷ھ	شرح الوقایہ
۱۵۹	” ” ”	” ”	لقایہ مختصر الوقایہ
۱۶۰	علی قاری، علی بن سلطان القاری	۱۰۱۳ھ	المرقاة شرح المشکوٰۃ
۱۶۱	” ” ”	” ”	شرح فقہ اکبر

تصنيف	سنوات	مصنف	نمبر شمار
المسلك المقتط شرح منسك المتو (۱۲۱۲ھ)	۱۰۱۴ھ	علی قاری، علی بن سلطان القاری	۱۶۲
(مطبوعہ قاہرہ، ۱۲۸۹ھ و ۱۳۰۳ھ)			
الموضوعات	۰۰	۰۰	۱۶۳
غیاث اللغات	—	غیاث الدین، رام پوری	۱۶۴
—	—	فخر الدین	۱۶۵
شمسہ صداقت، مطبوعہ کراچی، ۱۹۵۴ء	—	فضل احمد، صوفی	۱۶۶
مظاہر حق	—	قطب الدین خان، نواب	۱۶۷
شرح مظالم الانوار	۷۶۶ھ	قطب الدین محمد الرزوی	۱۶۸
عید کا چاند	—	قیس محمد خان	۱۶۹
سیرۃ الاولیاء	—	کرمانی، امیرا خوند سید محمد مبارک	۱۷۰
جامع النواشیہ شرح الوقایہ	۹۶۳ھ	کرمانی، شمس الدین محمد القہستانی	۱۷۱
خلاصۃ الفقہ	—	کیدانی، لطف اللہ النسفی	۱۷۲
النہا فی غریب الحدیث الاثر	۶۰۶ھ	محمد الدین المبارک ابن الاثیر الجزیری	۱۷۳
درہ الحکام فی شرح غرر الحکام	۵۸۵ھ	محمد بن فرامون، الملا خسر	۱۷۴
دعوت	۱۳۶۳ھ	محمد الیاس کاندھلوی، مولینا	۱۷۵
مذاق العارفين (ترجمہ)	—	محمد احسن صدیقی نانوتوی، مولینا	۱۷۶
احیاء العلوم للامام الغزالی المتوفی			
تفسیر سراج المنیر	۹۷۷ھ	محمد الخطیب الشرمینی	۱۷۷
(مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۱۱ھ)			
مجمع البحار	۹۸۶ھ	محمد طاہر بن علی الفتفی	۱۷۸
تذکرۃ الموضوعات	۰۰	۰۰	۱۷۹
در المختار فی شرح تنویر الایات	۱۰۸۸ھ	محمد علاء الدین حنفی الحصفی	۱۸۰
جامع الاقوال	—	محمود حسن، سید شاہ	۱۸۱
خلافت معاویہ و یزید		محمود عباسی	۱۸۲
دائمی جنتری		مونا سیہا، نیپوری	۱۸۳

نمبر شمار	مصنف	سنه وفات	تصنيف
۱۸۴	ملاجيون، احمد ميثوي	۱۱۳۰ھ	تفسيرات احمدية
۱۸۵	” ” ”	” ”	نور الانوار في شرح الابصار
۱۸۶	نجم الدين مختار الزاهدي	۶۵۸ھ	قنية المنية لتتميم الغنية
۱۸۷	نذير حسين محدث دهلوي، مولينا	۱۳۲۰ھ	فتاوى نذيرية مطبوعة دهلوي
۱۸۸	نظام برهان پوري، شيخ (وغيرهم)	۱۱۰۹ھ	فتاوى عالم گيري
۱۸۹	وصي احمد لکنو، مولوي		تعلق المجلد لما في منية المصلي (مطبوعه لکنو، ۱۳۱۵ھ)
۱۹۰	ولي الدين الخطيب	۷۲۰ھ	مشکو المصابيح (مطبوعه دہلي، ۱۳۱۰ھ)
۱۹۱	ولي الله محدث دهلوي، شاه	۱۱۷۶ھ	حجة الله البالغة
۱۹۲	هدية قلوب قاسيه		

(ب)

ماخذ و مراجع

(مرتب)

نمبر شمار	مصنف	تصنيف	مطبع و سنه طباعت
۱	ابراهيم، صوفی	خزينة معرفت	۱۳۵۰ھ
۲	ابن اثير جزري (م. ۶۳۰ھ)	أسد الغابہ (ترجمہ اردو)	مطبوعه لکنو.
۳	ابن حزم الاندلسي، ابو محمد علي ابن احمد	الملل والنحل (ترجمہ اردو)	مطبوعه حیدرآباد دکن، ۱۳۶۴ھ
۴	ابو الحسن البصري (م. ۲۳۶ھ)	المعتد في اصول الفقه	
۵	ابو الفضل، شيخ	اکبرنامه	مطبوعه حیدرآباد دکن
۶	احمد بن زيني وطلان کتي	الدر السننیه فی رد علی الوهابیة	مطبوعه پشاور
۷	احمد پرندي مجدد الف ثانی، شيخ	مکتوبات امام ربانی	مطبوعه دہلي، ۱۲۹۴ھ
۸	اخلاق حسین، علامہ	عقیدت (دہلي)	جولائی و اگست ۱۹۶۴ھ

مطبوعہ و سنی طبعیت	تصنیف	مصنف	نمبر شمار
مطبوعہ استانبول، ۱۳۳۳ھ	ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون عن اسمی الکتب الفنون	اسماعیل باشا البغدادی	۹
مطبوعہ استانبول، ۱۳۳۵ھ	ہدیۃ العارفين اسماء المؤلفين و آثار المصنفين	» » »	۱۰
مطبوعہ کراچی	بیان القرآن	اشرف علی تھانوی، مولینا	۱۱
مطبوعہ دہلی	حفظ الایمان	» » »	۱۲
_____	فتاویٰ ہندیہ (ترجمہ فتاویٰ عالمگیری)	امیر علی، مولوی	۱۳
مطبوعہ لیڈن (ہالینڈ)، ۱۸۸۶ء	مجانب الہند	بزرگ بن شہریار	۱۴
مطبوعہ جرمنی	تاریخ ادبیات عربی	بروکلمان	۱۵
مطبوعہ آگرہ، ۱۹۱۹ء	واقعات دارالحکومت دہلی	بشیر الدین احمد	۱۶
مطبوعہ دہلی، ۱۸۸۶ء	غنیۃ عشرت	بلاقی داس، منشی	۱۷
مطبوعہ مصر، ۱۳۶۰ھ	کشف الظنون عن اسمی الکتب الفنون	حاجی خلیفہ (م. ۱۰۶۶ھ)	۱۸
مطبوعہ دیوبند	براہین قاطعہ	خلیل احمد، مولوی	۱۹
مطبوعہ پشاور، ۱۹۶۴ء	المفردات فی غریب القرآن (ترجمہ اردو)	راغب اصفہانی، امام	۲۰
مطبوعہ کراچی	فتاویٰ رشیدیہ	رشید احمد گنگوہی، مولینا	۲۱
مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۸ء	اوراق گم گشتہ	رئیس احمد جعفری	۲۲
مطبوعہ امرتسر	اساس الاخلاق	سلطان احمد	۲۳
مطبوعہ دہلی، ۱۸۴۶ء	آثار الصنادید	سید احمد، سر	۲۴
مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ھ	الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان	شہاب الدین احمد بن الحجر المکی	۲۵
مطبوعہ کراچی، ۱۹۵۵ء	سرور عالم	صدیق دیندار، مولینا	۲۶
مطبوعہ ترکی، ۱۳۶۴ھ	مجموع الانہر فی شرح طبعی الابحر	عبد الرحمن بن شیخ محمد بن سلیمان	۲۷
مطبوعہ کراچی، ۱۹۵۱ء	تصحیح العقائد	عبدالحامد بدایونی، مولینا	۲۸
مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۱ء	قاموس الکتب اردو	عبدالحق، مولوی	۲۹
مطبوعہ کراچی	تفسیر حقانی	عبدالحق، حقانی دہلوی	۳۰
_____	مجموعۃ الفتاویٰ	عبدالحق فرخی علی، مولینا	۳۱
مطبوعہ حیدرآباد دکن	نزہۃ الخواطر (جلد اول)	عبدالحق لکھنوی، مولینا	۳۲

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مطبع و سنہ طباعت
۳۳	عبد الرحمن خاں	قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات	مطبوعہ دہلی، ۱۹۵۰ء
۳۴	عبد القادر بدایونی، طاہر	منتخب لتواریخ	مطبوعہ کلکتہ، ۱۲۸۶ھ
۳۵	غزالی، امام	احیاء العلوم الدین	مطبوعہ کراچی، ۱۳۷۵ھ
۳۶	فضل احمد	شمشیر صداقت	(دہلی)، ۱۳ اکتوبر ۱۹۶۶ء
۳۷	قمر سنجلی	پیام مشرق	مطبوعہ بیروت، ۱۹۵۱ء
۳۸	لوئیس مخلوف	المنجد	مطبوعہ بیروت،
۳۹	محسن فانی	دربستان مذاہب	مطبوعہ لاہور
۴۰	محمد بن عبدالوہاب نجدی	کتاب التوحید	مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۳۶۳ھ
۴۱	محمد بن سعد کاتب لواقدی	طبقات کبیر	مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۲ء
۴۲	محمد البوزہرہ	امام ابوحنیفہ (ترجمہ اردو)	مطبوعہ لاہور
۴۳	محمد اسماعیل دہلوی، مولوی	صراط مستقیم (مصنفہ سید عبد ربوی)	مطبوعہ لاہور
۴۴	” ” ”	تقویۃ الایمان	مطبوعہ کراچی
۴۵	محمد الحضری، علامہ	تاریخ التشریح الاسلامی (ترجمہ اردو)	مطبوعہ اعظم گڑھ، ۱۳۸۱ھ
۴۶	محمد امین شرقیوی	اولیاء نقشبند	مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۳ھ
۴۷	محمد سعید احمد نقشبندی	سلسلہ امام ربانی	مطبوعہ لاہور
۴۸	محمد شفیع مفتی	فتاویٰ دارالعلوم	مطبوعہ کراچی، ۱۳۶۶ھ
۴۹	محمد سعود، شاہ	نور العرفان (قلمی)	
۵۰	” ” ”	فتاویٰ مسعودی قلمی،	۱۲۹۲ء تا ۱۳۰۴ء
۵۱	محمد منظر اشرف، مفتی	کشف الحجاب عن مسئلۃ البناء والقباب	مطبوعہ دہلی، ۱۳۴۴ھ
۵۲	” ” ”	تحقیق الحق	” ” ”
۵۳	” ” ”	ترجمہ تفسیر قرآن	” ” ”
۵۴	” ” ”	انتفاء احوال فی رویتہ الہلال	” ” ”
۵۵	” ” ”	فتویٰ رویت الہلال	” ” ”
۵۶	” ” ”	قصد السبیل	” ” ”
۵۷	” ” ”	دارالافتاء دہلی کا قرآنی فیصدہ	” ” ”
۵۸	” ” ”	القول الفائق علی امامۃ القاسق	” ” ”

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مطبع و سنہ طباعت
۵۹	محمد مظہر اللہ، مفتی	ترجمہ و حواشی قرآن کریم	مطبوعہ دہلی، ۱۳۳۵ھ
۶۰	” ” ”	مکاتیب مظہری، (جلد اول)	مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۹ھ
۶۱	محمد شہابی	ادوار فقہ	مطبوعہ تہران، ۱۳۳۶ھ
۶۲	معین الحق، ڈاکٹر	معاشرتی و علمی تاریخ (۱۱ء تا ۱۷۰۰ء)	مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۵ء
۶۳	مناظر احسن گیلانی، مولانا	مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت حصہ اول۔	—
۶۴	نصیر الدین مینائی، شیخ	فتاویٰ برہنہ	مطبوعہ لکھنؤ، ۱۳۰۲ھ
۶۵	نوشہ علی، سید	مسلمانان ہندوستان کی تاریخ تعلیم	مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۲ء

اخبارات رسائل

نمبر شمار	اخبار / رسالہ	مقام طباعت	شمارہ
۶۶	آستانہ (ماہنامہ)	دہلی	اگست ۱۹۵۵ء
۶۷	” ”	”	ستمبر ۱۹۵۵ء
۶۸	” ”	”	اپریل ۱۹۵۷ء
۶۹	افغان (ماہنامہ)	کراچی	نومبر ۱۹۵۹ء
۷۰	المُرشد (ماہنامہ)	دہلی	جمادی الاول ۱۳۵۵ھ
۷۱	” ”	”	شعبان ۱۳۵۴ھ
۷۲	جنگ (روزنامہ)	کراچی	۲۳ نومبر ۱۹۶۸ء
۷۳	دعوت (پندرہ روزہ)	دہلی	یکم نومبر ۱۹۵۹ء
۷۴	غریب نواز (پندرہ روزہ)	دہلی	یکم نومبر ۱۹۶۸ء (مفتی اعظم نمبر)

ضمیمہ ماخذ و مراجع

(حضرت مصنف علیہ السلام)

۱	ابو یعلیٰ محمد بن محمد الصغیر قاضی	۵۲۶ھ	کتاب المنہاج
۲	” ” ”	” ”	الإشارات فی مسائل المتفرقات
۳	المسیوطی، جلال الدین	۹۱۱ھ	حاشیہ ابوداؤد شریف
۴	القرآن الحکیم	—	—

- ۵ امام محمد بن احمد بن ابی بکر القرطبی ۹۷۱ھ الجامع لاحکام القرآن
- ۶ بعض الناس — نوٹ :- یہ ایک رسالہ ہے جو ۱۸۹۲ء میں
سہارنپور سے مولانا احمد علی کے نسخہ بخاری
کے ساتھ چھپا تھا، اس کے مصنف نے اپنا
نام ظاہر نہیں کیا۔
- ۷ سراج الدین عمر بن نجیم ۱۰۰۵ھ نہال الفائق (حاشیہ علی کنز الدقائق للنسفی)
- ۸ سفیان بن عیینہ بن میمون الہمدانی ۱۹۸ھ الجامع فی الحدیث و کتاب التفسیر
- ۹ محمد بن علی رضا الباقر بارہوی صدیقی الشواہد الکبریٰ (یا جامع الشواہد)



اختتامیہ

الحمد للہ الذی رفع منارہذا الذین بالحجج والبراہین ایتہ بالامۃ المجتہدین والعلماء العاملين
الراشخین والصلوة والسلام علی سید الاولین والاخرین علی آلہ واصحابہ واولیاء امتہ اجمعین
اما بعد فہذا کتاب المسحوقین بفتاویٰ المظہریہ للعلامۃ الحاج المفتی الاعظم ورحمۃ اللہ
تعمد اللہ برحمۃ (المتوفی ۱۳۸۶ھ) الخطیب الامام بشاہی مسجد جامع فتحپوری دہلی
مشمول علی ثلاث مائتہ وواحد من مسائل الفقہیۃ المزینۃ بالبراہین القاطعہ ورتب
تلك لفتاویٰ لفاضل الاجل ابن مفتی الاعظم بروفسر محمد مسعود واحد الصدا لشعبۃ
الاسر دویہ فی کورنٹ دکرئی کالج کوئٹہ، ادام اللہ ابقاہ وجعل سعیدہ مشکورہ و
اسر اذ ان یجمع کل ما یکن من ذخائر علمہ والذ الامجد والمسائل لفقہیۃ التی کان العلماء
والفضلاء یستفتونہ منذ ۱۳۲۶ھ الی ۱۳۸۶ھ فبذل جہدہ ورتب منہا ہذا المجمع
بذراعی شتی من المستوات المبیضا والرسائل الاخبار والمطبوعات والمکاتیب لشرعیۃ وغیر
ذلک من الوسط والوسطی فی ۱۳۸۸ھ ببندہ کوئٹہ، الباکستان الغربی۔ ثم اعلم ان مفتی الاعظم
کان عالما فقیہا حبرا ذوالفتاویٰ وصفا الولاية وامام اهل السنة والجماع فی الہند و
الباکستان۔

ولیس علی اللہ بہستکر ان یجمع العالم فی الواحد

وجدنا العلامة الشیخ محمد سعید لودودا ایضا کان من اعظم الفقہاء ومفتیا فی
الہند ببندہ دہلی صاحب کشف والتقا فی فتاویٰ سعویۃ القلمیۃ محفوظہ ویطبع فی
المستقبل لقربیل نشاء اللہ۔ وقر قد مفتی الاعظم اقع فی معن المسجد فتحپوری دہلی
وسلوخ حیاتہ مذکورہ فی ابتداء تلك لفتاویٰ مختصرا جامعًا۔ واورث المرتب فی الافتتاحیۃ بنا
محققا مفصلا علی تحقیق لفتویٰ وتاریخ الفتاویٰ وخصائص لفتاویٰ واداب المفتی۔ ورتب البوابہا
بترتیب جدید وقر آخر الفتاویٰ اور بفرہ من لماخذ والمراجع مشتمل علی ما ترقی کتب التی
استخرج المفتی الاعظم مسائل تلك لفتاویٰ وادلتہا ولما کتابۃ الفتاویٰ لفقیر عبد الباقی
الافغانی الکوئٹوی فی ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء ببندہ کوئٹہ۔ وطبعت باہتمام انیسر العلماء الفرق
المخلص مفتی الاعظم حکیم محمد تقی لدہلوی صاحب ملترق الطبع والنشر مشہور انست
بریس بکراشتی الباکستان الغربی فی ۱۳۹۰ھ و ۱۹۷۰ء اللہم صل علی محمد بعد کل ذلک الفاتح
حرف الخاط عبد الباقی غفرلہ

۱۲ جولائی ۱۹۶۹ء / ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ

التماس

فتاویٰ منظرہ کی پہلی اور دوسری جلد پیش کی جا رہی ہے، ان مجلدات میں حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے ۳۰۱ فتاویٰ شامل کئے گئے ہیں، لیکن چوں کہ حضرت مرحوم نے نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک فتوے تحریر فرمائے ہیں اور ان کا دائرہ پاک و ہند کے دور دراز علاقوں میں پھیلا ہوا ہے اس لئے یقین ہے کہ آپ کے فتاویٰ مختلف حضرات کے پاس محفوظ ہونگے اور بہت سے فتوے ہندوستانی عدالتوں اور سیاسی تحریکوں کے (قبل تقسیم ہند) ریکارڈ میں بھی محفوظ ہوں گے لہذا جن حضرات کے پاس یا جن کے علم میں یہ فتاویٰ ہوں وہ ازراہ کرم راقم کو مندرجہ ذیل پتے پر مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ فتاویٰ منظرہ کی تیسری جلد کی تدوین میں اس ذخیرے سے مدد لی جاسکے۔

پتہ

پروفیسر محمد مسعود احمد

۲/۴۴ - این، پی، ای - سی - ایچ سوسائٹی

کری - ۲۹ (مغربی پاکستان)

مرتب کی دوسری تالیفات و تراجم

مطبوعات

- | | | | |
|-------------------------|-----------------|---------------------------------|---|
| مطبوعہ ۱۹۵۸ء، حیدرآباد | (ترجمہ) | حیدرآباد کی معاشی تاریخ | ① |
| مطبوعہ ۱۹۶۳ء، لاہور | (ترجمہ) | تمدن ہند پر اسلامی اثرات | ② |
| مطبوعہ ۱۹۶۵ء، میرپورخاص | (تالیف) | شاہ محمد غوث گوالیاری | ③ |
| مطبوعہ ۱۹۶۷ء، کوئٹہ | (ترتیب و تحشیہ) | دالمی تقویم | ④ |
| مطبوعہ ۱۹۶۸ء، کراچی | و و | منظر الاخلاق | ⑤ |
| مطبوعہ ۱۹۶۹ء، کراچی | و و | ارکان دین | ⑥ |
| مطبوعہ ۱۹۶۹ء، کراچی | (تالیف) | تذکرہ منظر مسعود، جلد اول و دوم | ⑦ |
| مطبوعہ ۱۹۶۹ء، کراچی | (ترتیب و تحشیہ) | مکاتیب مظہری، جلد اول | ⑧ |

مطبوعات

- | | | |
|-----------------|---|-------------------------------|
| (تالیف) | ① | اردو میں قرآنی تراجم و تفاسیر |
| (ترتیب و تحشیہ) | ② | مواعظ مظہری، جلد اول |
| (ترجمہ) | ③ | دیرونا کے دو شریف زادے |

مستورات

- | | | |
|-----------------|---|--------------------------------|
| (تالیف) | ① | شیخ احمد سرہندی مجذال الف ثانی |
| (ترتیب و تحشیہ) | ② | منظر العقائد |
| و و | ③ | مکاشفۃ الاسرار |
| و و | ④ | فتاویٰ مسعودی |
| و و | ⑤ | فتاویٰ مظہری، جلد سوم |
| و و | ⑥ | مکاتیب مظہری، جلد دوم |
| و و | ⑦ | دراسات مظہری |
| و و | ⑧ | نقوش مظہری |

